Sep 2017

چونکا دینے والی خوفناک کہانیوں کا انتخاب

ماہنامہ

# ڈر ڈائجسٹ

کراچی



چونکا دینے والی خوفناک کہانیوں کا انتخاب

ماہنامہ
# ڈر ڈائجسٹ
کراچی

جلد نمبر 18 شمارہ نمبر 12 ستمبر 2017ء

ای میل ایڈریس: Dardigest01@gmail.com

مینجنگ ایڈیٹر خالد علی
چیف ایڈیٹر آصف حسن
ایڈیٹر شاہد علی
سب ایڈیٹر محمد ذیشان

قیمت -/60 روپے

سالانہ قیمت -/1080 روپے



16 | ایس حبیب خان
## شیطانی کھوپڑی
خوف وہراس کے افق پر جھلمل کرتی اپنی نوعیت کی دل دہلاتی خونی وتحیر انگیز کہانی

35 | آصف آیان لہڑی
## انوکھی دنیا
آسیبی دنیا کی ایک عجیب وغریب......دل ودماغ پر سکتہ طاری کرتی......لرزیدہ کہانی

41 | عجب گل اداسی
## چڑیل کا بدلہ
دل پر سکتہ طاری کرتی اور ذہن کو لرزہ بر اندام کرتی......خوفناک وحیرت ناک کہانی

52 | اے وحید
## رولوکا
وہ واقعی پراسرار قوتوں کا مالک تھا اس کی حیرت انگیز اور جادوئی کرشمہ سازیاں آپ کو دنگ کر دیں گی

79 | انوری رمضان
## برگد کا پیڑ
رات کے گھٹاٹوپ اندھیرے میں جنم لینے والی عجیب وغریب......خوفناک......خونی کہانی

93 | فیصل ندیم ساحل
## موت سے چھٹکارا
ایک چڑیل کی خوفناک دیدہ دلیری جو کہ پڑھنے والوں پر لرزہ طاری کردے گی

99 | ایس امتیاز احمد
## دوسرا سایہ
جسم وجاں کے رونگٹے کھڑے کرتی اور دل ودماغ کو لرزا بر اندام کرتی......ڈراونی کہانی

106 | ایم الیاس
## خونی جزیرہ
مشہور ومعروف رائٹر کے زور قلم کی شاہکار کہانی جو کہ پڑھنے والوں کو حیران کردے گی

ایڈیٹر وپبلشر آصف علی نے سٹی پریس تالپور روڈ کراچی سے چھپوا کر شائع کیا۔

سیدہ عطیہ زاہرہ 126

# نیا خوف

ناقابل یقین اور ناقابل فراموش دل کو خوف کے شکنجے میں کستی ...... حیرت انگیز کہانی

گلاب خان سولنگی 130

# شوباز

لفظ لفظ اور سطر سطر دل و دماغ پر سکتہ طاری کرتی انہونی و انوکھی ...... سبق آموز تحریر

محمد خالد شاہان 138

# اسرار

صدیوں پر محیط سوچ کے افق پر چمکارتی گھٹاٹوپ اندھیرے میں جنم لینے والی کہانی

محمد شعیب 163

# خونی مچھلیاں

شیطانی خواہش پر مبنی ...... ایک لرزہ براندام کرتی اور دلوں پر سکتہ ...... بیتاتی کہانی

بتول فاطمہ 173

# بدروح

ایک بدروح کی تہلکہ مچاتی اپنی نوعیت کی خوفناک ...... حیرت ناک ...... خونی روداد

عمران قریشی 184

# تاتونی

خراماں خراماں ...... دل و دماغ کو خوف و ہراس کے شکنجے میں جکڑتی ...... شاہکار کہانی

مہر پرویز احمد دولو 212

# پکھی واس

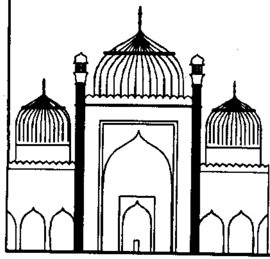
حقیقت سے چشم پوشی انسان کو ہلکان ہی نہیں نشان عبرت بنا دیتی ہے، کہانی پڑھ کر دیکھیں

ضرغام محمود 236

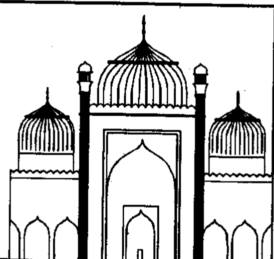
# تانترا

کیا یہ حقیقت ہے کہ نادیدہ قوتیں بھی آپس میں نبرد آزما ہوتی ہیں، کہانی پڑھ کر دیکھیں

خط و کتابت کا پتہ: ماہنامہ ڈر ڈائجسٹ نورانی آرکیڈ نیوار دو بازار کراچی: 32744391



# قرآن کی باتیں



☆ جو شخص نیک اعمال کرے گا مرد ہو یا عورت، اور وہ مومن بھی ہوگا، تو اس کو دنیا میں پاک اور آرام کی زندگی سے زندہ رکھیں گے اور آخرت میں ان کے اعمال کا نہایت اچھا صلہ دیں گے۔ (سورۃ نحل 16 آیت 97)

☆ اور جو اس کے روبرو ایماندار ہو کر آئے گا اور عمل بھی نیک کیے ہوں گے تو ایسے لوگوں کے لیے اونچے درجے ہیں یعنی ہمیشہ رہنے کے باغ، جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں ہمیشہ ان میں رہیں گے اور یہ اس شخص کا بدلہ ہے جو پاک ہوا۔ (سورۃ طٰہٰ 20 آیت 75 سے 76)

☆ جو برے کام کرے گا اس کو بدلہ بھی ویسا ہی ملے گا اور جو نیک کام کرے گا، مرد ہو یا عورت اور وہ صاحب ایمان بھی ہوگا، تو ایسے لوگ بہشت میں داخل ہوں گے وہاں ان کو بے شمار رزق ملے گا۔ (سورۃ مومن 40 آیت 40)

☆ مومنوں! اللہ سے ڈرو اور اس کے پیغمبر پر ایمان لاؤ، وہ تمہیں اپنی رحمت سے دگنا اجر عطا فرمائے گا اور تمہارے لیے روشنی کر دے گا جس میں چلو گے اور تم کو بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (سورۃ حدید 57 آیت 28)

☆ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے، وہ تمام خلقت سے بہتر ہے ان کا صلہ ان کے ہاں ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں، جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں ابدالاباد تک ان میں رہیں گے اللہ ان سے خوش اور وہ اس سے خوش۔ یہ صلہ اس کے لیے ہے، جو اپنے رب سے ڈرتا ہے۔ (سورۃ بینۃ 98 آیت 7 سے 8)

☆ اور ہم نے ہر انسان کے اعمال کو بہ صورت کتاب اس کے گلے میں لٹکا دیا ہے۔ اور قیامت کے روز وہ کتاب اسے نکال دکھائیں گے، جسے وہ کھلا ہوا دیکھے گا۔ کہا جائے گا کہ اپنی کتاب پڑھ لے تو آج اپنا آپ ہی محاسب کافی ہے۔ (سورۃ بنی اسرائیل 17 آیت 13 سے 14)

☆ حالانکہ تم پر نگہبان مقرر ہیں عالی قدر تمہاری باتوں کے لکھنے والے جو تم کرتے ہو، وہ اسے جانتے ہیں۔ (سورۃ انفطار 82 آیت 10 سے 12)

☆ اس دن لوگ گروہ گروہ ہو کر آئیں گے تاکہ ان کو ان کے اعمال دکھا دیئے جائیں تو جس نے ذرہ بھر نیکی کی ہوگی، وہ اس کو دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ بھر برائی کی ہوگی، وہ اسے دیکھ لے گا۔ (سورۃ زلزال 99 آیت 6 سے 7)

(کتاب کا نام "قرآن مجید کے روشن موتی" بشکریہ شمع بک ایجنسی کراچی)

# خطوط

**مسز فرحین حامد** رحیم یار خان سے، السلام علیکم ایڈیٹر صاحب۔ خطوط کی محفل میں پہلی مرتبہ حاضر ہو رہی ہوں۔ اس کی وجہ اس مرتبہ ڈر میں شائع ہونے والی کہانی ہماری برزخ ہے۔ یہ کہانی ایک ایسا تاثر دے گئی کہ دل میں خوف کی پرچھائیاں سی آئیں۔ میں اپنی feelings کو شاید ٹھیک طرح سے نہ لکھ پا رہی ہوں لیکن یہ کہانی زبردست تھی۔ احسان الحق صاحب کا بہت شکریہ کہ انہوں نے پوری قوم کو جھنجوڑا ہے اور خاص طور سے سیاست دانوں کو۔ گو کہ انہیں کیا اثر ہوتا ہوگا لیکن عام قاری کے لیے کہانی ٹاپ کی کہانی تھی۔ ایس امتیاز احمد میرے دوسرے فیورٹ رائٹر ہیں جن کی کہانی کمرہ نمبر 20 کلاس کی اسٹوری تھی۔ ایڈیٹر صاحب! گزارش یہ ہے کہ آپ نے میرے دیئے گئے مختصر پراشے تو شائع کیے تھے لیکن تمام کو شائع نہیں کیا تھا۔ کیا میں مزید بھیجوں؟ کہانی لکھنے کا فن تو میرے پاس ہے نہیں لیکن اچھی باتیں اپنی ڈائری میں ریکارڈ کر لیتی ہوں۔ جواب کا انتظار ہے، شکریہ۔

☆☆ فرحین صاحبہ: ڈرڈائجسٹ میں موسٹ ویلکم، اچھی باتیں آپ بعد شوق بھیج دیں اور آئندہ شکایت نہ ہوگی۔ احسان الحق صاحب کی تقریباً ہر کہانی دل کو چھونے والی ہوتی ہے۔ آئندہ بھی آپ کی تحریر کا انتظار رہے گا۔ Thanks

**مریم فاطمہ** کراچی سے، السلام علیکم! اگست 2017ء کے شمارے میں اپنی کہانی ''موت کا راز'' دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی، ٹائٹل بہت اچھا اور منفرد تھا۔ اس دفعہ اقراء قریشی صاحبہ کی کمی محسوس ہوئی خطوط میں محسن عزیز صاحب کے آپریشن کا پتا چلا۔ خدا آپ کو صحت وتندرستی دے۔ (آمین) پراسرار ڈمی پسند کرنے کے لئے آپ سب ہی کا بے حد شکریہ، پچھلی دفعہ میں نے فلک زاہد صاحبہ کی کہانی ''ڈمبر'' تقریباً آدھی پڑھی تھی لیکن کہانی میں تسلسل نہیں تھا اس لیے میں نے بیچ میں ہی چھوڑ دی آپ کی سابقہ تحریر ''سردیوں کی رات'' اس سے کہیں زیادہ دلچسپ اور معیاری تھی شاہد رفیق صاحب کی ''آئینے کا راز'' ایک سبق آموز تحریر تھی۔ ایس امتیاز احمد صاحب کی ''کمرہ نمبر 20'' لکھنے کا انداز بہت اچھا تھا فاطمہ اے ایم خان کی ''بیچ والا راستہ'' بھی بہت اچھی تھی سیدہ عطیہ زاہرہ کی ''بڑی حویلی'' اسٹارٹ تو بہت اچھا تھا لیکن آگے چل کر؟ مگر پھر بھی کہانی اچھی تھی۔ اس دفعہ ڈر خاصا لیٹ موصول ہوا امید ہے آئندہ جلدی بھیج دیں گے۔ اب اجازت خدا ڈر ڈائجسٹ کو مزید ترقی دے۔ (آمین)

☆☆ مریم صاحبہ: خط لکھنے اور کہانیوں کی تعریف کے لیے ویری ویری تھینکس، کہانی ستمبر کے شمارے میں شامل نہ ہو سکی اس کے لئے معذرت۔

**فلک زاہد** لاہور سے، السلام علیکم! ماہ اگست کا شمارہ 24 جولائی کو بذریعہ ڈاک موصول ہوا۔ جلدی سے لفافہ چاک کر کے سرورق پر نگاہ دوڑائی سرورق اس دفعہ کچھ خاص نہیں تھا۔ خطوط کی محفل میں بہت ہی پیارے، بہن بھائیوں کے نام نظر آئے، مگر ایک نام غائب رہا وہ انکل ضرغام محمود کا تھا آپ کا تو ہمیں ہر ماہ انتظار رہتا ہے پلیز آپ غیر حاضر نہ ہوا کریں۔ ہماری کہانی ''ڈمبر'' پسند کرنے کے لئے بھائی عابد علی، اسد اللہ بھٹی اور بہن خدیجہ فاطمہ کا بہت بہت شکریہ...... خاص ناموں کا ذکر کرتی چلوں تو آپی ایس حبیب خان نے نہایت پیارے لفظوں میں یاد کر کے دل خوش کر دیا ساتھ میں ہماری کہانی کو شمارے کی نمبرون کہانی کا خطاب بھی دے ڈالا جو ہمارے لیے چھوٹی بات نہیں اللہ آپ کو خوش رکھے۔ (آمین) محمد شعیب صاحب کہانی کی پسندیدگی کا بہت بہت شکریہ خوش رہیں...... ہمارے پیارے بھائی احسان الحق کا اپنے لئے خاص التماس نامہ پڑھ کر بہت خوشی ہوئی بھائی جان نے ہر ماہ لکھنے کی فرمائش کی ہے جو میرے لئے کسی اعزاز سے کم نہیں بھائی میں ہر ماہ کہانی لکھنا چاہتی ہوں مگر بعض اوقات مصروفیات کی وجہ سے ایسا نہیں ہو پاتا مگر آپ نے اتنے پیار سے کہا ہے تو پوری کوشش کروں گی کہ آپ کی امیدوں پر پورا اتروں آپ جیسے رائٹر کا پیار بہت حوصلہ دیتا ہے۔ بھائی محسن عزیز حلیم کا خلوص نامہ پڑھ کر ہمیشہ لبوں پر مسکراہٹ بکھر جاتی ہے اللہ آپ کا آپریشن کامیاب کرے، بھائی گلاب خان سونگی کہانی اور خط کی پسندیدگی کا بہت شکریہ آپ کا خط پڑھ کر دل کو بہت ڈھارس ملی کہ ہمارا خط تنقیدی نہیں اصلاحی تھا...... خیر اب آتے ہیں کہانیوں کی جانب تو پہلی کہانی اپنے پسندیدہ رائٹر شکیل نیازی کی ''ضد'' پڑھی جوان کی سابقہ کہانیوں کی طرح شاندار رہی ویلڈن...... دوسری کہانی بھائی گلاب خان کی ''روح کی خواہش'' پڑھی جو کہ بہت اچھی لگی...... ''آئینے کا راز'' شاہد رفیق صاحب کی سبق آموز کہانی تھی جو دل میں اتر گئی...... ''انصاف'' ملک این اے کاوش بھائی کی

ہمیشہ کی طرح لاجواب کہانی لائے۔ ’’بیچ والا راستہ‘‘ فاطمہ ایم اے خان کی کوشش بہترین رہی گڈ آپ انڈیا سے ہیں کمال ہے۔..... ’’شکار‘‘ ناصر محمود فرہاد صاحب مجھے لگ رہا ہے کہ آپ کی کہانیاں پڑھتے پڑھتے میں خود ایک دن ماہر شکاری بن جاؤں گی...... ہاہاہا...... کہانی اچھی رہی...... شمارے کی آخری کہانی ’’ہماری برزخ‘‘ پڑھی جو کہ بھائی احسان الحق لیکر آئے اور میں کہوں گی کہ یہ کہانی اس شمارے کی سرتاج نمبر ون کہانی ثابت ہوئی جو ایک ہی نشست میں پڑھ کر دم لیا۔اب اجازت...... اللہ حافظ۔

☆☆ فلک صاحبہ: قلبی لگاؤ سے خط لکھنے اور کہانیوں کی تعریف اور سب سے بڑی خوشی کہ آپ اب ہر ماہ کہانی ارسال کیا کریں گی اپنے چاہنے والوں کی خوشی کے لئے تو اس کے لئے ڈھیروں شکریہ قبول کریں۔

**خدیجہ فاطمہ** اسلام آباد سے، السلام علیکم! انکل! امید ہے کہ سب خیریت سے ہوں گے۔اس مرتبہ ڈر کے سرورق کو دیکھ کر میرا جی عجیب سا ہوا کیونکہ ماڈل لڑکی میں وٹامن سی اور ڈی کی کمی تھی اور اٹریکشن بھی نہیں۔ ایسا لگتا تھا کہ اُسے ٹائی فائیڈ ہوا ہے۔انکل پلیز ڈر کا سرورق آئندہ خوفناک بنائیں، اس رسالے کی یہی تو مشہوری ہے کہ پاکستان میں یہ واحد ٹاپ کلاس ہارر رسالہ ہے۔ کہانیوں میں ایس امتیاز احمد صاحب، احسان الحق، عمران قریشی نے اس مرتبہ ٹاس جیت لی ہے اور زبردست پرفارمنس دکھائی ہے۔احسان الحق کی کہانی ہماری برزخ بہت عجیب تھی اور ڈراونی بھی۔اللہ سب کو اپنے حفظ وامان میں رکھے۔ باقی ان شاء اللہ آئندہ ماہ حاضری دوں گی۔سب کو سلام۔

☆☆ خدیجہ صاحبہ: آئندہ ہماری کوشش ہوگی کہ وٹامن اے بی، سی ڈی اور کیلشیم بھی خصوصی طور پر لڑکی میں نظر آیا کرے گا، خیر آئندہ بھی خوش رنگ خط کا شدت سے انتظار رہے گا شکریہ۔

**مسز سندس اقبال** راولپنڈی سے، السلام علیکم شاہد بھائی! اور ٹیم۔اس مرتبہ ڈر ڈائجسٹ دیکھتے ہی میرا منہ بن گیا تھا اور میرے شوہر نے میرا چہرہ دیکھتے ہی سوال کیا کہ ’’کیا ہوا؟‘‘ میرا جواب مختصر تھا۔ ’’سرورق‘‘ اور وہ سمجھ گئے کہ مجھے سرورق اس مرتبہ بھایا نہیں خیر!۔۔۔ سب سے پہلے جو کہانی پڑھی وہ اپنے موسٹ فیورٹ رائٹر کی کہانی ’ہماری برزخ‘ تھی۔اوہ! بہترین کہانی لکھی اور کہیں پر بھی اس کہانی میں ٹھہراؤ، بے تکا پن، یا ایسی بات جو حقیقت سے ہٹ کر ہو، کہیں پر بھی جھول نہیں تھا۔تصویر کا وہ رُخ جس سے آج سبھی غافل ہیں۔ بالخصوص حکمران۔ واہ کیا کہنے۔اس کہانی کو اتنی عمدگی سے تحریر کرنے پر احسان الحق کو دلی طور پر داد و تحسین دیتی ہوں۔امتیاز احمد صاحب کی کہانی کمرہ نمبر 20 بھی ایسی کہانی ہے جسے پڑھتے ہوئے دل خوش ہو گیا اور اس کے اختتامیہ کو پڑھ کر تو مزید دھچکا لگا۔گو کہانی خوفناک نہ تھی لیکن سسپنس سے بھرپور تھی۔عمران قریشی صاحب کی قسط وار کہانی تمام قسط وار کہانیوں میں اس مرتبہ ٹاپ پر رہی ہے۔وہ رائٹر ہیں، تبھی کہانی پر گرفت رکھتے ہیں محمد شعیب صاحب نے بھی اچھی کہانی لکھی لیکن اب ان سے التماس ہے کہ اس ڈگر سے ہٹ کر کہانی لکھیں جس میں مجبور ہارر کا رنگ ہو۔اس مرتبہ ڈر میں اتنا ہی۔ان شاء اللہ پھر حاضری دوں گی۔میری اور میرے ہزبینڈ کی جانب سے سب کو سلام۔

☆☆ سندس صاحبہ: آئندہ آپ کا موڈ صحیح رہا کرے گا کیونکہ اب کوشش ہوگی کہ سرورق عین ڈر کے مطابق ہوگا احسان الحق صاحب واقعی اچھی اچھی کہانیاں لکھ رہے ہیں اور ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے قلم میں اور زیادہ طاقت پیدا کرے تاکہ خوب سے خوب تر کہانیاں لکھتے رہیں اور ہاں آئندہ ماہ بھی خلوص نامہ ضرور بھیجئے گا۔شکریہ۔

**سیدہ عطیہ زاھرہ** لاہور سے، السلام علیکم محترم جناب شاہد علی صاحب! اُمید کرتی ہوں، کہ آپ اور ڈر ڈائجسٹ کے باقی ممبران خیریت سے ہوں گے۔مجھے آج مورخہ ۲۲ جولائی کو ڈر اور صائمہ ڈائجسٹ بذریعہ ڈاک موصول ہوا۔ میں جو آدھے سر کے درد میں آج کل مبتلا ہوں، اور شدید اذیت میں مبتلا ہوں۔ایسے میں ڈر کا ملنا کافی خوشگوار ثابت ہوا۔سب سے پہلے ڈر میں شائع ہونے والے خطوط پڑھیں۔میں اُن سب دوستوں کی ممنون ہوں۔جنہوں نے میری کہانی ’’وفا شعار‘‘ کو پسند کیا۔فلک صاحبہ نے میری غیر حاضری کو محسوس کیا اور پوچھا کہ میں کہاں تھی اتنا عرصہ؟ تو فلک صاحبہ بس یُوں سمجھے کہ جس عرصے میں میں غائب رہی وہ میرے لئے نہایت دکھ اور تکلیف سے بھرا ہوا دور تھا۔اس دور میں میں نے اپنے استاد اپنے محسن کو کھویا۔اللہ پاک اُن کے لئے آسانیاں پیدا کرے۔آپ سب سے بھی درخواست ہے، کہ اُن کے لئے دعا کریں، کہ اللہ پاک اُنھیں جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ ’’آمین‘‘ اور مجھے لکھنے کا بلکہ اچھا لکھنے کی ہمت دے۔اس کے علاوہ ایس حبیب صاحبہ کا بھی بہت شکریہ۔۔۔ کہ انہوں نے مجھے اپنی فیورٹ رائٹر کہا، اور میری نئی پرانی سب کہانیوں کو پسند کیا۔یہ بس آپ سب کی حوصلہ افزائی ہے۔جو میں پھر لکھ رہی ہوں۔

☆☆ عطیہ صاحبہ: یہ حقیقت ہے کہ ایم اے راحت صاحب کا غم ناقابل فراموش ہے اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے۔ آپ کے لئے قلبی ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ پر اپنی رحمت نازل کرے۔

**رابعہ عباس** بستی فتے والی سے، السلام علیکم! ڈر کے پورے اسٹاف اور ڈر پڑھنے والوں کو میرا اسلام قبول ہو۔ کئی ماہ مصروفیت کی بناء پر غیر حاضر رہی اس لئے سب سے معذرت خواہ ہوں کیونکہ یہاں ڈاک کا سب سے بڑا مسئلہ ہے جتنی مشکلات سے ڈاک خانے تک رسائی ہوتی ہے میری جگہ کوئی اور ہوتا تو شاید لکھنا چھوڑ دے یہی سوچ کر کرنا پڑتا ہے کہ کچھ پانے کے لئے کچھ کھونا پڑتا ہے اور گاؤں والوں کی طرح طرح کی باتیں الگ ہوتی ہیں۔ خیر ان باتوں کو یہی چھوڑتے ہیں سب سے پہلے میں ان دوستوں کا شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں جنہوں نے مجھے ڈر کی محفل میں یاد رکھا اور ہماری حوصلہ افزائی کی محسن عزیز، فلک زاہد آپ سب کا بہت بہت زیادہ شکریہ "I Love You" محسن میں آپ کی بھی تہہ دل سے شکرگزار ہوں، مریم فاطمہ، ایس حبیب، اقرا قریشی، ایس امتیاز احمد، احسان الحق، محمد اسلم جاوید، محمد اسحاق انجم، شاہان اور باقی سب لوگوں کے خطوط اور کہانیاں بہت اچھی تھیں۔ ایک مرتبہ پھر دل سے سب کا شکریہ اور میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ سب کو اپنے حفظ وامان میں رکھے اور ڈر ڈائجسٹ خوب ترقی کرے۔

☆☆ رابعہ صاحبہ: یہ حقیقت ہے کہ آپ تمام دشواریوں کے باوجود کہانیاں لکھ کر بھیجتی ہیں اس کے لئے بہت بہت شکریہ۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اور زور قلم زیادہ دے ہم اور تمام قارئین آپ کی خوشیوں کے لئے دعاگو ہیں۔

**مسز زینت خان** روات سے، السلام علیکم محترم ایڈیٹرز، ڈر ڈائجسٹ پچھلے ایک آدھ مہینے میں عید اور شفٹنگ کی مصروفیت نے کچھ ایسا گھیرے رکھا کہ ڈر سے قلمی رابطہ ممکن نہ رہا لیکن اب زندگی میں پھر سے ایک ٹھہراؤ واقع ہوا ہے تو آپ کی خدمت میں اپنی رائے کے ساتھ حاضر ہوں۔ دراصل راولپنڈی سے روات منتقلی ہوئی تو نئے گھر کے جھمیلوں میں پھنس کر رہ گئی تھی۔ جولائی اور اگست کا ڈر پڑھ کر فراغت ملی تو دل کیا کہ اپنی رائے دوں۔ اگست کا شمارہ اس وقت زیر تبصرہ ہے۔ اس مرتبہ قلمی طور سے زوردار تحریریں بہت کم تھیں۔ ڈائجسٹ کی پہلی کہانی ضد جسے شکیل نیازی صاحب نے تحریر کیا شروع میں کمزور انداز تحریر لیے لیکن آگے چل کر ایک اچھی تحریر ثابت ہوئی۔ محمد شعیب صاحب اس مرتبہ بالکل بھی متاثر نہ کر سکے۔ ایس امتیاز احمد صاحب ہمیشہ کی طرح ایک اچھی کہانی لائے، احسان سحر صاحب کی کہانی تو سمجھ سے باہر رہی۔ نہ ڈر، نہ خوف کا عنصر۔ اور وہ ایک اچھے لکھاری بن سکتے ہیں۔ ڈراؤنی کہانی بھی لکھ سکتے ہیں۔ انہیں ڈر میں ڈراؤنی کہانی ہی لکھنی چاہئے۔ عمران قریشی صاحب کی کہانی تاتونی جاری وساری ہے، ابھی تک دو اقساط میں کہانی خوب جارہی ہے اور اگلی قسط کا بھی شدت سے انتظار ہے۔ ناصر محمود فرہاد صاحب کی کہانی پڑھ کر نا جانے کیوں یہ محسوس ہوا کہ پہلے بھی کہیں پڑھ چکی ہوں۔ آخری کہانی احسان الحق صاحب کی ہماری برزخ واقعی میں دل کو چھو لینے والی کہانی ہے۔ برزخ کا خوفناک روپ۔ گوکہ فینٹاسی ہے لیکن حقیقت سے قریب تر ہے اور رائٹر کی تحریر کی خوبصورتی یہی ہے کہ کہانی پڑھنے والا اس دنیا میں کھو جائے۔ کہانی میں کہیں سکتہ نہ تھا۔ میرے ہزبینڈ بھی آپ کی کہانیوں اور بالخصوص منی ناول آب حیات اور اس تحریر کے مداح ہیں۔ ملک میں سیلاب بھی ہے اور ملکی معاملات میں تناؤ بھی۔ لیکن قوم کا سربراہ کہتے کسے ہیں؟ یہ سوال ابھی بھی معلق ہے۔ بہت ہی خوب احسان الحق صاحب، ویلڈن۔ اس امید کے ساتھ خط کا اختتامیہ کرتی ہوں کہ ڈر کا سرورق آئندہ متاثر کن ہوگا۔ دعا گو ہوں، نیک تمنائیں!!

☆☆ زینت صاحبہ: قلبی لگاؤ سے لکھا ہوا پر اثر تحریر پڑھ کر امید ہے کہ رائٹر حضرات ضرور دلی طور پر غور فرمائیں گے اور ڈر کی مناسبت سے تحریر لکھیں گے۔ آپ کا بہت بہت شکریہ کہ آپ آئندہ ماہ بھی ضرور قلبی لگاؤ ارسال کریں گی۔

**رشک نور** فیصل آباد سے، ڈر ڈائجسٹ کے تمام انتظامیہ، لکھاری اور قارئین کو میری طرف سے السلام علیکم، پہلی بار لکھنے کی ہمت کی ہے ویسے تو ناول وغیرہ پڑھنے کی شوقین ہوں میں ای، ابو کے انتقال کے بعد اکیلی ہوگئی تھی ہر دن اُداس گزرتا تھا پھر ایک دن میری دوست اقراء نے مجھے ڈر ڈائجسٹ لا کر دیا اور جب میں نے ڈر ڈائجسٹ پڑھا تو ایک دم سے خود کو فریش محسوس کرنے لگی 17 سال کی عمر میں ماں، باپ کا سایہ سر سے اٹھ جائے تو زندگی کیسی ہوجاتی ہے یہ تو وہی سمجھ سکتا ہے جو ان حالات سے گزر رہا ہے ایم اے راحت صاحب کی تو میں بہت بڑی فین ہوں میں لندن میں رہتی تھی کچھ دن ہی ہوئے ہیں کہ فیصل آباد چاچو کے پاس آئی ہوں کالج کی سرگرمیوں میں ضرور حصہ لیتی ہوں اور پھر اقراء نے کہا کچھ لکھ کر ڈر ڈائجسٹ کو ارسال کرو تو I Hop کہ آپ میری کہانی کی اصلاح کر کے کہانی کو شمارے میں ضرور جگہ دیں گے انکل جی میری اردو کمزور ہے فاطمہ and اقراء آپ دونوں بہت اچھا لکھتی ہیں 14 اگست ایڈوانس میں سب کو مبارک۔

☆☆ رشک نور صاحبہ: ڈر ڈائجسٹ میں موسٹ ویلکم، ہماری اور قارئین کی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے والدین کو جنت میں اعلیٰ مقام عطا کرے اور آپ کو صبر جمیل کے ساتھ زندگی کے ہر جائز میدان میں کامیاب و کامران کر کے خوشیوں سے نوازے کہانی اصلاح کے بعد شائع کر دی جائے گی امید ہے کہ آپ ہر ماہ تحریر ارسال کر کے شکریہ کا موقع دیں گی۔

**طارق محمود** کامرہ اٹک سے، السلام علیکم! اس دفعہ ماہنامہ ڈر ڈائجسٹ 23 کو ملا سرورق ہمیشہ کی طرح زبردست تھا قرآن کی باتیں سمجھ کر پڑھے اور ان پر عمل کریں تو ہماری زندگیوں کے لئے بہت ہی اچھا ہے۔ خطوط کی محفل ہمیشہ کی طرح خوب جمی ہوئی تھی سب سے پہلے کہانیوں کی لسٹ دیکھی ان میں اپنی کہانی دیکھ کر خوشی ہوئی اس کے بعد "رولوکا" کو اس مرتبہ اے وحید صاحب مصر اور فرعون کے دور میں گھما رہے ہیں جہاں اختانیہ اور احمس محبت کرتے ہیں کہانی لکھنے کا انداز دلچسپ اور سسپنس سے بھرپور غرض ہمیشہ کی طرح یہ قسط بھی خوب رہی آخری کہانی میں رائٹر کا نیا نام دیکھا تو رولوکا کے بعد اسے پڑھا محمد شعیب کی "شہر بانو" اچھی لگی بہت بہترین کہانی تھی۔ ایس امتیاز احمد "بھیانک رات" ہمیشہ کی طرح دلچسپ کہانی لیکر ڈر میں جان بھرتے رہے۔ ضرغام محمود صاحب بہت خوب ڈر کے ساتھ کچھ ہنسی بھی ہونی چاہئے رحمت جیسے بھوت تو سیاست دانوں کو دکھائے جائیں۔ باقی کہانیاں بھی بہت اچھی تھیں غرض ڈر کو ڈر کے مطابق بنانے والے رائٹرز بہت محنت کر رہے ہیں۔ قوس قزح کے رنگ بھی اچھے تھے۔

☆☆ طارق صاحب: اس شمارے میں آپ کی کہانی شامل نہیں اس کے لئے معذرت، آئندہ شمارے میں کہانی ضرور شامل اشاعت ہوگی اور ہاں آئندہ بھی نوازش نامہ کا انتظار رہے گا۔

**ریاض حسین قمر** منگلا ڈیم سے، محترم و مکرم جناب ایڈیٹر صاحب سلام مسنون، امید واثق ہے کہ آپ مع اپنے عملے کے بالکل خیریت سے ہونگے۔ ماہ اگست 2017 کا شمارہ میرے سامنے ہے۔ فہرست پر سرسری نظر ڈالی تو سب سے پیارے اور ایمان کو تازہ کرنے کی قرآن کی باتیں میں ہر بار اس صفحہ کے لئے آپ کا انتخاب خوب ہوتا ہے اس ماہ کا انتخاب بہت خوب ہے۔ خطوط کا سیکشن بہن بھائیوں کے رنگا رنگ خطوط سے سجا ہوا ہے اس میں تبصرے بھی ہیں ایک دوسرے کا حال احوال پوچھنے کا سامان بھی ہے مگر ڈر ڈائجسٹ میں چھپنے والی شاعری پر مناسب تبصرہ نہیں ملتا شاعری کرنا نثر لکھنے سے زیادہ مشکل کام ہے اس لئے میری تمام قارئین اور خصوصا تبصرہ نگاروں کی خدمت میں عرض ہے کہ وہ کہانی نویسوں کی طرح شاعروں کی بھی حوصلہ افزائی فرمایا کریں تاکہ شاعری کے صفحات میں مزید نکھار پیدا ہو سکے اس بار کہانیوں اور شاعری کا آپ کا انتخاب خوب ہے ڈر ڈائجسٹ اسم بامسمی ہے اس میں شائع ہونے والی کہانیوں میں ڈر کا عنصر پایا جاتا ہے دعا ہے کہ ہمارے اس مقبول جریدہ میں مزید نکھار پیدا ہو۔

☆☆ ریاض صاحب: آپ کی بات سو فیصد حقیقت پر مبنی ہے کہ واقعی شاعری کہانی کے مقابلے میں مشکل ہی نہیں بلکہ مشکل ترین ہے اور امید ہے تبصرہ کرنے والے حضرات آئندہ اس پر غور فرمائیں گے۔

**احسان الحق** السلام علیکم ڈر ٹیم، دوست رائٹرز اور قارئین کرام۔ سب کے لیے دعاؤں کے ساتھ کہ اس مرتبہ کا ڈر 24 کو موصول ہوا اور اسے حاصل کرتے ہی دل خوش ہو گیا۔ سرورق سے لے کر تمام تحریریں بہت خوب تھیں۔ ساتھیوں نے کافی محنت اور جانفشانی کے ساتھ ڈائجسٹ میں حسن قائم رکھا ہے۔ قران کی باتوں سے لے کر شاعری تک تمام دوستوں کی ان تھک کاوشوں کا ثمر جھلک رہا تھا۔ ماشاء اللہ ڈر نکھرتا جا رہا ہے اور اس میں مزید حسن نمایاں ہوتا جا رہا ہے۔ طارق محمود صاحب آپ کی لکھی تحریر حیرت ناک کہانی فانٹاسٹک تھی۔ آپ بہت پیارا لکھتے ہیں۔ سب کے لیے دعا گو خیر اندیش۔

☆☆ احسان صاحب: کیا ہی اچھا ہو کہ ہماری اور قارئین کی خوشی کے لئے ہر ماہ پر خلوص تجزیہ ارسال کیا کریں کیونکہ آپ کے بہت سارے فین ہو چکے ہیں ہماری برزخ زبردست کہانی تھی اس کے لئے شکریہ قبول کریں۔

**شریف الدین جیلانی** ٹنڈو الہ یار سے، ایڈیٹران حضرات اور احباب قابل احترم السلام علیکم! ایم الیاس صاحب، محمد خالد شاہان صاحب سے گزارش ہے کہ کہانی آگے رواں رکھیں عمران قریشی صاحب کو مشورہ ہے کہ ہر ماہ کہانی آگے بڑھنی چاہئے جیسے رولوکا بڑھتی رہتی ہے۔ ایس حبیب، محسن عزیز نے کہانیوں پر خوبصورت تبصرے کیے ایس حبیب کی والدہ کے لئے دعائے صحت کریں گے خطوط کے ساتھیوں میں اسلم صابھی تکلیف در تکلیف دیکھتی آ رہی ہیں اللہ ان کو خوشیوں سے نوازے۔ واہ شاہد بھائی واہ خوش کر دیا کہیں دور جب غزل سمجھے مگر دیر سے سمجھے واہ واہ آپ کے منہ میں مٹھائی میرے منہ میں انگور کی بیٹی...... سدا دعائیں ادارے کے لئے۔

☆☆ شریف الدین صاحب: اور آپ کے منہ میں انگور کی بیٹی کے ساتھ ساتھ گھی شکر بھی، دعاؤں میں یاد رکھا کریں اور خط ہر ماہ بھیجا کریں۔شکریہ۔

**ضرغام محمود** کراچی سے، تسلیمات! امید ہے مزاج بخیریت ہونگے پچھلے کچھ دنوں بہت مصروف رہا اس لئے پچھلے ماہ خط نہ لکھ سکا اس کے لئے معذرت۔۔۔۔۔ ماہ اگست 2017 کے شمارے پر تبصرہ کرنے سے پہلے میں ماہ جولائی کے شمارے میں شائع فلک زاہد صاحبہ کی تحریر ''دیمبر'' پر کچھ کہنا چاہونگا فلک زاہد صاحبہ نے ایک پرانے موضوع پر نہایت عمدہ کہانی تحریر کی پلاٹ پرانا ہونے کے باوجود کہانی میں نیا پن تھا جو مصنفہ کے قلم کی پختگی کو ظاہر کرتا ہے الفاظ کے چناؤ اور پل پل بدلتی چویشن نے حقیقی مزا دیا فلک زاہد صاحبہ کے قلم میں واقعی جادو ہے۔اب ہو جائے بات موجودہ شمارے کی...... ماہ اگست کے شمارے کی پہلی تحریر شکیل نیازی کی ''ضد'' تھی کہانی میں جھول کافی تھا۔ روح کی خواہش ''گلاب خان سولنگی'' گلاب بھائی اپنے قلم کو وسط دیجئے خوف اور ڈر کا مطلب صرف روح نہیں ہوتا۔'' آدھا گدھا'' جانور سیریز میں ''محمد شعیب'' کا ایک اور اضافہ...... کہانی میں کچھ نیا پن نہیں تھا آئینے کا راز'' شاہد رفیق سہو'' کبیر والا سے لیکر آئے عمدہ کہانی اچھی نصیحت بہت خوب...... اگلی کہانی ''ملک این اے کاوش'' کی انصاف تھی ملک صاحب مزا نہیں آیا۔زیادہ کچھ کہنا حدِ ادب ہوگا۔ اگلی تحریر سینیئر مصنف ''ایس امتیاز احمد'' صاحب کی''کمرہ نمبر 20'' تھی برائی کا انجام برائی ہوتا ہے عمدہ تحریر...... اگلی تحریر ''احسان سحر'' کی ''آنکھیں'' تھی۔واقعی اس کہانی نے دل و دماغ پر گہرا اثر چھوڑا بہت اچھے احسان بھائی۔۔۔ اگلی کہانی بہن ''فاطمہ اے ایم خان'' نے انڈیا سے بھیجی۔ انڈیا سے کسی کہانی کا ڈر ڈائجسٹ میں شائع ہونا ڈر ڈائجسٹ کی مقبولیت کا بین ثبوت ہے۔''فیصلہ'' مہر پرویز احمد دولو'' بھائی پرویز ڈائریکٹ نصیحت کبھی اثر نہیں کرتی آپ کہانی لکھئے اور کہانی سے کیا سبق حاصل کرنا ہے یہ قارئین پر چھوڑ دیجئے ہمارے قارئین بہت ذہین ہیں۔ کامرہ اٹک سے ''طارق محمود'' حیرتناک کہانی لئے حاضر ہوئے حیرتناک کہانی واقعی ہی حیرتناک ثابت ہوئی ''سیدہ عطیہ زاہرہ'' بڑی حویلی کے ساتھ آئیں تحریر کچھ نامکمل سی لگی......موت کا راز'' مریم فاطمہ'' کراچی سے لئے حاضر ہوئیں اگر تھوڑی محنت اور کی جاتی تو کہانی مزید اچھی ہو سکتی تھی۔ماہ اگست کی سرتاج کہانی ''احسان الحق'' کی ''ہماری برزخ'' تھی۔یہ تو تھا اگست 2017 کے شمارے پر تبصرہ اس ماہ کے شمارے میں ڈر ڈائجسٹ کا بنیادی تھیم ''ڈر و خوف اور ایڈونچر'' مفقود رہا۔اس خط کے ساتھ ایک کہانی بعنوان ''مرگِ حیات'' بھیج رہا ہوں یہ کہانی میں نے ایک سال قبل لکھی تھی تب ہی میں نے سوچ لیا تھا کہ اس کہانی کو سالگرہ نمبر میں چھپواؤنگا۔تو پلیز اس کہانی کو سالگرہ نمبر ہی میں شائع کیجئے گا۔

☆☆ ضرغام صاحب: کہانیوں کی تعریف اور نئی کہانی ''مرگِ حیات'' کے لئے شکریہ یہ کہانی سالگرہ نمبر میں ہی لگے گی اور سالگرہ نمبر کے بعد کا بھی پلیز خیال رکھئے گا۔

**محمد اسلم جاوید** فیصل آباد سے، السلام علیکم! خیر و عافیت نیک دعاؤں کے ساتھ حاضر ہوں۔برسات کا سماں ہے موسم کا کوئی اعتبار نہیں۔اگست کا ڈر ڈائجسٹ دیکھ کر دل بلیوں اچھلنے لگا اندر رنگ برنگی تحریروں سے دل خوشی سے ہمکنار ہوا غزل نظم اور شعر شائع کرنے کا بہت بہت شکریہ، ڈر ڈائجسٹ دیکھتے ہی دل کے گلشن میں مسکراہٹوں کے پھول مہک اُٹھتے ہیں سبھی سلسلے اپنی اپنی جگہ پر اچھے ہیں۔خطوط میں قارئین کی رائے پڑھ کر ڈر ڈائجسٹ کی مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے غزلوں کا اپنا معیار ہے مقررہ تاریخ پر پرچے کا بڑی بے تابی سے انتظار ہوتا ہے فیصلہ، انصاف، اسرار، آنکھیں، آئینے کا راز، شکار، حیرت ناک کہانی بہترین کہانی تھیں قلم کاروں کو میری جانب سے مبارکباد۔زندگی نے وفا کی تو پھر ملاقات ہوگی اس کے ساتھ ہی اجازت چاہتا ہوں۔

☆☆ اسلم صاحب: خلوص نامہ ارسال کرنے، کہانیوں اور دیگر تحریروں کی تعریف کے لئے وری وری تھینکس، اللہ تعالیٰ آپ کو خوشیوں سے نوازے، آئندہ ملاقات تک کے لئے رب راکھا۔

**ایس امتیاز احمد** کراچی سے، امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوگا! ماہ رواں کا ڈر سامنے ہے دلفریب ٹائٹل کے ساتھ تمام تر سلسلے خوب رہے۔ Storis اور غزلوں کا انتخاب لاجواب رہا، ڈر میں بہت خوبصورت لکھنے والے آرہے ہیں۔ڈر نئے لکھنے والوں کے لئے ایک خوبصورت پلیٹ فارم ہے جہاں ڈر کے رائٹرز سے وویورز تک ڈر ایکسپریس میں سوار ہونے کو تیار ہیں اور ڈر ان لوگوں کو ''ویل کم'' کہتا ہے شمارے میں آرٹیکلز لگانے کا شکریہ، تمام اسٹاف اور ڈر ڈائجسٹ کے تمام خوبصورت لکھنے والے رائٹرز اور تمام خوبصورت پڑھنے والے وویورز کو دعا سلام۔

☆☆امتیاز صاحب: خط لکھنے اور دلی طور پر کہانیوں کی تعریف کے لئے اور جلد از جلد نئی کہانی بھیجنے کے لئے ڈھیروں شکریہ قبول کریں۔

**محمد شعیب** فیصل آباد سے، السلام علیکم! ڈرڈائجسٹ کا شمارہ اس بار بھی زبردست رہا۔ خطوط میں تمام دوست احباب کا مشکور ہوں جنہوں نے میری پچھلی کہانی کو پسند کیا۔ خدیجہ فاطمہ کا مختصر تبصرہ عمدہ رہا۔ ایس حبیب خان نے پورے شمارے پر بہت عمدہ تبصرہ کیا بہت خوب۔ اس کے بعد فلک زاہد صاحبہ کا تنقیدی خط تھا اس کے علاوہ مریم فاطمہ، احسان الحق، اسلم جاوید، عابد علی اور محسن عزیز کے تبصرے بھی نمایاں تھے۔ مہر پرویز احمد آپ کا شکریہ آپ نے دوسرے ماہ بھی میرے ناول شہر بانو کو یاد رکھا۔ شکیل نیازی کا ناول ضد بھی زبردست تھا۔ گلاب خان کی روح کی خواہش بھی بھرپور تھی آئینے کا راز واقعی ایک راز تھا اس کے علاوہ کمرہ نمبر 20 اور آنکھیں بھی عمدہ رہیں۔ اب اجازت اللہ حافظ۔

☆☆شعیب صاحب: دراصل قارئین کرام اب آپ کی جنوری، شہر بانو اور دیگر کہانیوں جیسی کہانیاں پڑھنا چاہتے ہیں پلیز غور کیجئے گا۔

**گلاب خان سولنگی** کشمور سے، امید ہے کہ رب کریم کے فضل سے ڈر اسٹاف، رائٹرز اور ریڈرز سب خیر خیریت سے ہوں گے، حسب سابق ڈر کی تمام کہانیاں سپرہٹ تھیں میری طرف سے تمام رائٹرز کو خراج تحسین پیش کیا جا رہا ہے۔ بیشک ان کے قلم کی بدولت ڈر کے لاکھوں قارئین محظوظ ہو رہے ہیں شاعر حضرات نے بھی خوب طبع آزمائی کی ہوئی تھی۔ کیا حسن اتفاق ہے ایک طرف قوم سنت ابراہیمی ادا کرتے ہوئے قربانی کے عظیم جذبے سے سرشار ہوگی تو دوسری طرف قوم جنگ ستمبر میں شہید ہونے والے اپنے جوانوں اور مجاہدین کو یاد کر رہی ہوگی جن کی قربانی سے بزدل دشمن کی کئی گنا دوگنی فوج شکست فاش کھا کر واپس بھاگنے پر مجبور ہوئی اور دنیا نے دیکھا کہ پاکستانی افواج کو رب کریم کے فضل و کرم سے فتح نصیب ہوئی وہ قربانی کا جذبہ آج بھی زندہ ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ خدا ہمارے سیاستدانوں کو ہدایت دے کہ وہ بھی کرپشن سے پاک پاکستان کی بنیاد رکھیں اور اپنی توانائیاں ایک اسلامی فلاحی ریاست بنانے پر صرف کریں اور عوام کی خدمت کریں۔ تمام اہلیان وطن کو عید قرباں مبارک ہو۔ شکریہ۔

☆☆گلاب صاحب: آپ کا جذبہ حب الوطنی پڑھ کر دل بہت خوش ہوا کاش یہ ہمارے سیاستدان اور ان کے کرتا دھرتا لوگ ان باتوں پر غور کریں۔

**رحیم عالم** راولپنڈی سے، السلام علیکم! رگ رگ میں دوڑتی مسرت کے بے پایاں احساس کے ساتھ اس خط کو تحریر کر رہا ہوں میں پہلے بھی کئی ڈائجسٹ میں کہانیاں شائع کروا چکا ہوں۔ میری خواہش ہے کہ ڈرڈائجسٹ میں میری کہانی شائع ہو۔ میں اپنی کہانی ارسال کر رہا ہوں پلیز میری حوصلہ افزائی کریں تاکہ آئندہ بھی میں کہانیاں ارسال کرتا رہوں۔

☆☆رحیم صاحب: ڈرڈائجسٹ میں ویلکم، آپ کا بہت بہت شکریہ کہ آپ نے ڈرڈائجسٹ کو کسی قابل سمجھتے ہوئے کہانی اور خط ارسال کیا ابھی کہانی پڑھی نہیں اچھی ہوئی تو ضرور شائع ہوگی اچھی امید رکھیں۔

**عبدالعزیز بلوچ** کراچی سے، سب سے پہلے ڈر کے اسٹاف اور ڈر سے وابستہ تمام لوگوں کو میرا سلام، ماہ اگست کا شمارہ اپنے خوبصورت سرورق کے ساتھ موصول ہوا خطوط کی محفل بھی خوب سجی تھی کہانیوں کی فہرست میں شکیل نیازی کی "ضد" بہت ہی بہترین کہانی تھی اور احسان الحق صاحب کا ہماری برزخ بہت عمدہ تحریر ثابت ہوئی اس کے بعد مریم فاطمہ کی موت کا راز زبردست تھی اس کے علاوہ روح کی خواہش، آدھا گدھا، آئینے کا راز، انصاف، کمرہ نمبر 20، آنکھیں، شکار، حیرت ناک کہانی یہ تمام کہانیاں بھی خوب رہیں تمام ڈر کے چاہنے والوں کی طرح میں بھی ڈر کی ترقی کے لئے دعا گو ہوں اب اجازت۔

☆☆عبدالعزیز صاحب: خط لکھنے اور کہانیوں کی تعریف کے لئے ویری ویری تھینکس، آئندہ ماہ بھی پلیز نوازش نامہ بھیجنا مت بھولیے گا۔

**عبدالجبار رومی** قصور سے، السلام علیکم! خوبصورت سرورق کے ساتھ ڈر کا خوبصورت میگزین سامنے ہے مصروفیات اس قدر بڑھ گئیں کہ شمارے کا ٹھیک طرح سے مطالعہ بھی نہ ہو سکا ایسے ہی جولائی کے شمارے کے ساتھ ہوا اور پھر تجزیہ بھی نہ بھیج سکا سو غیر حاضری پر معذرت۔ خیر اگست کے شمارے میں اپنا خط اور شاعری دیکھ کر دل باغ باغ ہو گیا ڈرڈائجسٹ پھر اپنی بے مثال تحریروں کے ذریعے دل میں گھر کر لیتا ہے خطوط کی محفل میں ایس حبیب خان، فلک زاہد، مریم فاطمہ، محمد اسلم جاوید، طارق محمود اور محسن عزیز کے خط بہت اچھے لگے کہانیوں میں طارق محمود کی "حیرت ناک" تو واقعی بہت حیرت ناک تھی اسی طرح آدھا گدھا، آئینے کا راز، آنکھیں، شکار، بڑی حویلی اور ہماری برزخ جیسی پراسرار اور ایڈونچر سے بھرپور کہانیوں نے اپنے سحر میں جکڑے رکھا بلکہ تمام کہانیاں لاجواب تھیں باقی رولو کا، خونی جزیرہ

اور اسرار کا جو سلسلہ چل رہا ہے وہ نہ ٹوٹنے والا ہے، بس یوں لگتا ہے جیسے ہم خود ان کرداروں کے ساتھ ساتھ پراسرار وادیوں میں گم ہیں۔

☆☆ عبدالجبار صاحب: آپ کا قلبی لگاؤ سے لکھا ہوا خط پڑھ کر دل بہت خوش ہوا اور آئندہ ماہ بھی نوازش نامہ کا شدت سے انتظار رہے گا۔ شکریہ۔

**شہباز احمد** ایبٹ آباد سے، السلام علیکم! امید ہے کہ ڈر کے تمام لکھاری وقاری اور ادارے والے خیر خیریت سے ہوں گے اگست کا شمارہ 27 جولائی کو ملا کہانیوں میں سب سے پہلے قسط وار کہانیاں پڑھیں جو دراصل شمارے کی جان ہوتی ہیں خطوط بھی سب کے بہت اچھے تھے قرآن کی باتیں بہت اچھا سلسلہ ہے۔ احسان الحق صاحب کی کہانی "ہماری برزخ" پڑھی جو کہ بہت ہی سبق آموز کہانی تھی۔ شاہد بھائی اگست 2016ء کا شمارہ مجھے صحیح نہیں ملا تھا میں نے آپ سے دو دفعہ رابطہ کیا آپ نے شمارہ ارسال کیا ہوگا مگر مجھے ابھی تک نہیں ملا جس کا مجھے بہت افسوس ہے۔ خیر آخر میں سب کو پیار بھرا اسلام۔

☆☆ شہباز صاحب: میں نے رسالہ ارسال کر دیا تھا، خیر کہانیوں کی تعریف، خط لکھنے اور آئندہ ماہ بھی خط لکھنے کے لئے بہت بہت شکریہ۔

**حافظ عابد علی بھٹی** راولپنڈی سے، السلام علیکم! امید ہے مزاج گرامی بخیریت ہوگا سرورق ہمیشہ کی طرح شاندار تھا خطوط کی محفل میں آ کر بہت خوشی ہوتی ہے۔ تمام خطوط اچھے تھے۔ بلیدان، خود غرضی اور مطلب پرستی پر مشتمل بہترین کہانی تھی شمارے کی آخری کہانی "دسمبر" اپنی مثال آپ تھی ویلڈن فلک زاہد صاحبہ کافی انتظار کے بعد عمران قریشی صاحب کی کہانی پڑھنے کو ملی۔ "تاتونی" قسط وار کہانی بہترین ہے باقی بھی قسط وار کہانیاں بہترین جارہی ہیں آخر میں ڈر ڈائجسٹ کی ترقی کے لئے دعا گو۔ ڈر ڈائجسٹ کا سالگرہ نمبر کب شائع ہو رہا ہے۔

☆☆ عابد صاحب: سالگرہ نمبر اکتوبر 2017ء کا شمارہ ہوگا اس لئے تحریریں جلد از جلد ارسال کر دیں۔ خط لکھتا مت بھول لیے گا۔

**میاں یاور حسین** لاہور سے، السلام علیکم انکل جی، آج کل میں لاہور میں ہوں اور ڈیڑھ ماہ بعد واپسی ہے۔ سب سے ٹاپ کی کہانی ہماری برزخ تھی۔ پھر کمرہ نمبر بیس اس کے بعد تاتونی اور پھر ضد۔ محمد شعیب نے اس مرتبہ بہت ڈھیلی کہانی لکھ دی ہے۔ سرورق دیکھ کر خوشی نہیں ہوئی۔ انجیو لی! مجھے ڈر میں ہارر اسٹوریز پڑھنی ہیں۔ ہارر رسالے کو ہارر ہی ہونا چاہئے۔ میں احسان سحر صاحب کی کہانی کا انتظار کرتا ہوں کہ ہارر لکھیں گے لیکن وہ لکھتے نہیں۔ اور جو وہ لکھتے ہیں، کہانی لگتی ہی نہیں۔ ان سے کہیں ناں کہ ڈراونی کہانیاں لکھیں، تھینکس۔ سب کو میرا اسلام اور دعائیں۔

☆☆ یاور صاحب: آپ ہی نہیں بلکہ ہم تمام عوام گھٹتی ہوئی سانس کے ذریعے بجلی کی آنکھ مچولی اور لوڈشیڈنگ کی وجہ سے زندگی گزار رہے ہیں۔ بس ہم عوام صرف دعا ہی کر سکتے ہیں اور کرتا دھرتا لوگوں کو احساس کہاں اور امید ہے کہ احسان صاحب قارئین کی باتوں پر غور کریں گے۔ اپنی خیریت اگلے ماہ بھی ضرور ارسال کیجئے گا۔

**مہر پرویز احمد دولو** میاں چنوں سے، سلام مسنون، اگست 2017ء کا ڈر ملا تو دل باغ باغ ہو گیا۔ ضد بڑے لوگوں کے تکبر پر مبنی تحریر تھی۔ اے وحید کے رولو کا میں مختار اور انسانیہ شہزادی کا ملاپ تو ہوا لیکن شہزادی کے جسم کا زہر دونوں کی موت کا سبب بنا۔ جب شہزادی کی موت واقع ہوگئی تو میرے خیال میں اختتام کا خوبصورت موڑ ہے این اے کاوش کا انصاف خوب تھا۔ احسان سحر کی آنکھیں روحانیت کے لئے آنکھوں کی قربانی بہت مہنگا سودا ہے۔ ایم الیاس کا خونی جزیرہ دل کو اتھل پتھل کر گیا۔ فاطمہ اے ایم خان، سیدہ عطیہ زاہرہ کی تحریریں بزرگوں کی نافرمانی کی سزا پر خوب تحریریں تھیں۔ طاہرہ آصف کی شرمساری اس ماہ کی لازوال تحریر تھی دل کو ہلا کر رکھ دیا۔ تاتونی میں دوتی نے نینی کو خون کے آنسو رلا رکھا ہے طارق محمود بھی قربانیوں کی مالا لائے ناصر محمود کے شکار کا بھی حال احوال ٹھیک تھا محمد خالد شاہان اسرار کو خراماں خراماں آگے بڑھا رہے ہیں اچھی کوشش ہے۔ احسان الحق برزخ کے روپ میں موجودہ اور آنے والی زندگی پر خوب سبق آموز روشنی ڈالی ہے جواب نہیں۔

☆☆ مہر پرویز: خط لکھنے اور کہانیوں کی تعریف کے لئے شکریہ، پکھی واس کو ڈر میں دیکھ کر غور کیجئے گا کبھی کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے خیر نئی کہانی کا انتظار ہے۔

☆☆☆

# شیطانی کھوپڑی

ایس حبیب خان۔کراچی

**اچانک دیکھتے ہی دیکھتے عامل کی حالت ناقابل فراموش ہوگئی اگر کمزور دل آدمی دیکھ لیتا تو اس کا جگر پھٹ جاتا، کھوپڑی دو حصوں میں بٹ چکی تھی، پھر بھی اس کے منہ سے آواز نکلی۔**

خوف وہراس کے افق پر جھلملاتی اپنی نوعیت کی دل دہلاتی خونی وتحیر انگیز کہانی



**رات** کے صرف دس بجے تھے سڑکیں اور گلیاں سنسان پڑی تھیں۔ ہر شے نے برف کی سفید چادر اوڑھی ہوئی تھی۔ لوگ اپنے گرم کمروں میں مزے سے دبیز بستروں میں دبکے ہوئے تھے۔ اسٹیون نے کاغذ کی تھیلی اٹھائی اور تیز تیز قدم اٹھاتا چلا جارہا تھا۔ اس کی کوئی رہائش نہ تھی، جہاں اسے سر چھپانے کی جگہ ملتی وہ تب تک وہاں ڈیرا جمائے رکھتا جب تک اسے وہاں سے کک آؤٹ نہ کردیا جاتا۔ یہ علاقہ میکسیکو کا غریب ترین علاقہ تھا یونیورسٹی پارک۔ اسٹیون نے سردی سے بچنے کے لئے گلی میں پڑے ہوئے کوڑے کے بڑے ڈبے کے برابر میں اس پر رکھے ٹین کے چھپروں کو سیٹ کرکے جگہ بنائی ہوئی تھی۔ جس میں اس کا چرایا ہوا ایک بوسیدہ کمبل بھی تھا۔ کچھ دیر پہلے ہی اسٹیون نے ایک آدمی کی جیب پر اپنا ہاتھ صاف کیا تھا اگرچہ اس کے ہاتھ زیادہ رقم نہ لگ سکی تھی مگر اس سے اس کے پیٹ کی آگ بجھانے کا سامان ہوگیا تھا۔ اسٹیون ٹین کے چھپروں میں گھسا تو چونک گیا وہاں پہلے سے کوئی موجود تھا۔ جو اس کے کمبل میں گھسا ہوا تھا۔

"اے! کون ہو تم؟ نکلو یہاں سے یہ میری جگہ ہے!" اسٹیون نے سختی سے کہا تو کمبل میں حرکت ہوئی اس میں سے ایک کانپتا ہوا سفید جھریوں بھرا ہاتھ نکلا پھر اسی پچاسی برس کا آدمی نظر آیا، آدمی نے ایک مفلر اپنے چہرے پر نقاب کی طرح لپیٹا ہوا تھا۔ یخ ہواؤں سے بچنے کے لئے جس میں سے صرف نیلی آنکھیں نظر آرہی تھیں۔ پھر اس آدمی نے مفلر نیچے کیا تو اسے دیکھ کر اسٹیون کچھ نرم پڑ گیا۔ وہ بہت زیادہ عمر رسیدہ لگ رہا تھا۔ شاید اس کے اندازے سے بھی زیادہ عمر تھی اس کی۔ وہ بوڑھا آہستہ آہستہ کمبل اتارنے لگا تو اسٹیون بولا۔ "رک جاؤ! باہر بہت ٹھنڈ ہے۔" اور خود بھی بوڑھے کے برابر میں دبک کر بیٹھ گیا۔ بوڑھے کے ہونٹ خشک پپڑیوں سے آپس میں چپکے ہوئے تھے۔ اس نے کچھ بولنے کے لئے منہ کھولا تو پپڑی کی تہہ ایک دوسرے سے الگ ہوگئیں اس کے منہ سے الفاظ نہیں نکل پارہے تھے۔ اس کے انداز میں نقاہت تھی اس نے لرزتے ہاتھ کی انگلیوں سے نوالہ بنا کر منہ کی جانب اشارہ کیا۔ اسٹیون نے پوچھا۔ "بھوکے ہو؟"

تو اس بوڑھے نے اپنا جھریوں بھرا چہرہ ہاں میں ہلایا۔ نہ جانے کیوں اسٹیون کو اس پر ترس آرہا تھا حالانکہ جس طرح کیڑے مکوڑے والی زندگی اسٹیون اور اس کے آس پاس کے آوارہ لوگ جی رہے تھے ان میں نفسا نفسی تھی اس میں کسی کو دوسرے پر ترس نہیں آتا تھا سب کو اپنی فکر پڑی تھی۔ پھر بھی اسٹیون کو اس


KHURRAM

بوڑھے سے ہمدردی محسوس ہورہی تھی۔ اس نے اپنی کاغذ کی تھیلی اس بوڑھے کی جانب بڑھائی تو بوڑھے نے جھریوں بھرے لرزتے ہاتھوں سے کاغذ کی تھیلی تھام لی۔ اس کا ہاتھ بری طرح سے لرز رہا تھا۔ اس نے بڑی مشکل سے تھیلی پھاڑی اور اس میں موجود برگر پر ٹوٹ پڑا اور سیکنڈوں میں اسے بغیر چبائے نگل گیا۔ بوڑھے نے برگر ختم ہونے پر بے تابی سے خالی کاغذ کو ٹٹولا۔ اسٹیون نے اپنے پاس موجود دو میں سے ایک بیئر کین بوڑھے کی طرف بڑھایا تو بوڑھے نے اسے بھی جھپٹا اور غٹا غٹ چڑھا گیا پھر اسٹیون کی طرف دیکھ کر آہستہ سے بولا۔ ”شکریہ!“

اسٹیون نے پوچھا۔ ”آر یو میکسیکن؟“ تو بوڑھے نے ہاں میں گردن ہلادی۔ ”تمہارا نام کیا ہے؟“ اسٹیون نے پوچھا تو بوڑھا بولا۔ ”میرا نام اینریکے پینانیتو (Enrique Penaneito) ہے۔“

اسٹیون بولا۔ ”کیا تمہاری کوئی فیملی نہیں ہے، کوئی بیٹی، بیٹا یا پوتے وغیرہ؟“

اس کی بات پر بوڑھا ہنسنے لگا اور ہنستے ہوئے بولا۔ ”فیملی!“ اسٹیون نے سنجیدگی سے کہا۔ ”اس میں ہنسنے والی کیا بات ہے؟“

بوڑھا بولا۔ ”اگر اس کی وجہ میں تمہیں بتاؤں گا تو تم اس پر بھی یقین نہیں کرو گے!“

اسٹیون بولا۔ ”ایسی کون سی وجہ ہے یقین نہ کرنے والی؟“

”دوست! میری عمر صرف 20 سال ہے۔“

بوڑھے نے کہا تو اسٹیون اچھل پڑا پھر چند سیکنڈ بعد مسکرا کر بولا۔ ”اس عمر میں بھی آپ کا Sense Of Hamour کافی اچھا ہے!“

”تمہیں کیا لگتا ہے میں مذاق کر رہا ہوں؟ میں مذاق بالکل نہیں کر رہا بلکہ یہ بالکل سچ ہے رکو!“ بوڑھے نے کہا اور پھر جیب سے اپنا شناخت والا کارڈ اسٹیون کو نکال کر دکھایا۔ اس پر درج تاریخ پیدائش سے وہ واقعی 20 سال کا بن رہا تھا اور تصویر میں موجود نوجوان کی شکل بالکل بوڑھے جیسی تھی بس عمر کا فرق تھا۔ ”یہ آپ کے پوتے کی تصویر ہے اور آپ اس کا نام اپنا بتا کر مجھے بیوقوف بنا رہے ہیں!“ اسٹیون نے ہنستے ہوئے کہا۔

”میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ تم میری بات کا یقین نہیں کرو گے!“ بوڑھے نے کہا تو اسٹیون خاموش ہوگیا اور بولا۔ ”اگر میں آپ کی بات کا یقین کر بھی لوں تو یہ سب......!!!“ اسٹیون کا اشارہ بوڑھے کی عمر اور جھریوں کی طرف تھا۔

”یہ تو ایک بھیانک راز ہے دوست! تم کیا کرو گے جان کر؟“ بوڑھے نے دکھ بھرے انداز میں کہا۔

”نہیں میں جاننا ضرور چاہوں گا کیونکہ میری عقل آپ کی بات ماننے سے قاصر ہے!“ اسٹیون نے کہا تو بوڑھے نے ایک لمبی سانس بھری اور بولنا شروع ہوگیا۔

”میرا نام اینریکے پینانیتو ہے۔ میرا بچپن ماں باپ کے جھگڑوں میں گزرا پھر دونوں نے مجھے لاوارث چھوڑ کر اپنی اپنی راہ لے لی اور میں یونیورسٹی پارک میں آوارہ پھرنے لگا۔ تیرہ سال کی عمر میں ہی پوری طرح جوان ہو چکا تھا اور زندگی کے تمام اسباق میں نے پڑھ لئے تھے۔ چوریاں کرتا جیل چلا جاتا اور باہر آ کر دوبارہ چوریاں کرتا۔ پھر ایک روز میں نے ایک آدمی کی پاکٹ ماری مگر بدقسمتی سے پولیس نے مجھے دیکھ لیا۔ وہ میرے پیچھے تھی اور میں بھاگتا بھاگتا ریلوے اسٹیشن پر پہنچ گیا۔ پولیس وہاں تک پہنچ گئی۔ میں جلدی سے ٹرین میں سوار ہوگیا۔ جہاں سے میں چڑھا تھا وہ فرسٹ کلاس ڈبہ تھا۔ میں نے اندر جا کر دروازہ بند کرلیا۔ ٹرین خوش قسمتی سے فوراً ہی چل پڑی۔ جب ٹرین کی رفتار تیز ہوگئی تو میں نے سکون کا سانس لیا کیونکہ میں نے پولیس آفیسرز کو باہر دیکھ لیا تھا۔ میں سیدھا ہوگیا۔ ڈبے میں اکیلی بوڑھی عورت سو رہی تھی جس کی عمر تقریباً اسی نوے سال ہوگی۔ اس کے سرہانے ایک بلیک کلر کا بیگ رکھا ہوا تھا۔ میں نے آہستہ سے ہاتھ بڑھا کر وہ بیگ اٹھانا چاہا ہی تھا کہ بوڑھی عورت نے آنکھیں کھول کر جھٹ سے میری کلائی پکڑ لی۔ اس کی گرفت کسی جوان کی سی تھی۔

میں ایک دم سٹپٹا گیا اور ادھر ادھر کی ہانکنے لگا۔

عورت نے مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور بولی۔ ’’اگر تم چاہو تو یہ بیگ تمہارا ہوسکتا ہے مگر......!!‘‘ وہ عورت کہتے کہتے رک گئی۔

’’مگر کیا میم؟‘‘ میں نے بے تابی سے پوچھا۔

’’میں سوچ رہی ہوں کہ یہ تو خود غرضی ہوئی ناں کہ میں اپنی بلا تمہارے سر ڈال دوں۔‘‘ عورت نے کہا اور سانس لینے لگی اس کا سانس بولنے سے پھول رہا تھا۔

’’آخر اس بیگ میں ہے کیا؟‘‘ میں نے اچکتے ہوئے پوچھا۔

’’پانچ لاکھ ڈالر!‘‘ عورت نے لاپروائی سے کہا۔

’’پا پا پانچ لاکھ ڈالرز!!!‘‘ مجھے اپنے کانوں پر یقین نہ آیا تو میں نے تصدیق چاہی۔ ’’ہاں! پانچ لاکھ ڈالرز۔‘‘ عورت نے تصدیق کی مہر ثبت کردی۔ میرے خون کی گردش تیز ہونے لگی میں نے اسی لمحے میں فیصلہ کرلیا کہ یہ بیگ چھین کر فرار ہو جاؤں گا۔ میں نے کچھ کہنا چاہا ہی تھا۔

اس سے پہلے وہ بوڑھی عورت بولی۔ ’’یہ بیگ ایک نہ ختم ہونے والا عذاب ہے جو انسان لالچ میں آکر خود اپنے لئے چنتا ہے، جیسا کہ میں نے کیا ہے اور اب تم کرنے جارہے ہو، مگر میری بات مانو تو تم اس کو نہ لو! ابھی تمہاری عمر ہی کیا ہے! اس عذاب سے کبھی پیچھا نہ چھڑا سکو گے، موت مانگو گے تو وہ بھی نہیں ملے گی جب تک کوئی دوسرا اس بیگ کو اپنا کر تمہیں اس سے آزاد نہ کرائے۔‘‘

’’میرے ذہن میں آیا کہ یا تو یہ عورت پاگل ہے یا پھر کوئی فراڈ! جو مجھے کسی مشکل میں پھنسانے کی کوشش کررہی ہے۔ میں سوچ میں پڑ گیا۔ ’’کیا سوچ رہے ہو نوجوان؟‘‘ عورت نے مخاطب کیا۔

’’مجھے تمہاری بات سمجھ نہیں آرہی ہے۔ پانچ لاکھ ڈالرز ہی تو ہیں یہ تو عذاب نہیں عیش کا خزانہ حاصل کرنے کا سامان ہیں۔‘‘ میں نے کہا تو عورت ہنس پڑی اور بولی۔ ’’ہر چیز کی قیمت ہوتی ہے، اس کی بھی ہے جو ادا کرنی پڑتی ہے۔‘‘

میں نے چونک کر عورت کی طرف دیکھا اب مجھے یقین ہوتا جارہا تھا کہ اس میں ضرور کوئی فراڈ ہے۔

’’کیسی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے؟‘‘ میں نے پوچھا۔ ’’وہ تمہیں خود معلوم ہوجائے گا۔‘‘ بوڑھی عورت بولی۔

’’میں اس بیگ کو اپنے ہوش و حواس میں اپنا تا ہوں۔‘‘ میں نے عورت کو آزمایا کیونکہ مجھے یقین تھا کہ بیگ میں کوئی رقم نہیں ہے، پھر اس بوڑھی عورت نے بیگ اٹھایا اور اسے کھولا بیگ میں سچ مچ سو سو ڈالرز کی گڈیاں رکھی ہوئی تھیں اور ایک طرف ایک انسانی کھوپڑی رکھی ہوئی تھی۔ میں نے غور کیا تو کھوپڑی کے ماتھے پر ڈونا لکھا ہوا تھا۔ اس بوڑھی عورت نے کھوپڑی کی طرف دیکھا اور بولی۔ ’’میں ڈونا ویکلک اس بیگ سے دستبردار ہوتی ہوں، کیونکہ یہ نوجوان اس بیگ کو لے رہا ہے۔‘‘ پھر ڈونا نے بیگ بند کردیا اور آنکھیں موندلیں پھر چند منٹوں بعد اس نے آنکھیں کھول دیں اور بیگ میری جانب بڑھاتے ہوئے بولی۔ ’’میں نے تمہیں آگاہ کردیا ہے اب آگے تم جانو اور یہ بیگ!‘‘

میں نے بوڑھی ڈونا کے ہاتھ سے جلدی سے بیگ جھپٹ لیا بیگ میرے ہاتھ میں آیا ہی تھا کہ بوڑھی ڈونا نے دل کے مقام سے اپنے سینے کو بھینچ لیا۔ اس کی آنکھیں پھٹ رہی تھیں اور منہ کھلا ہوا تھا۔ پھر وہ برتھ پر گری اور ہچکی لے لی اس کی گردن ایک جانب ڈھلک گئی اور وہ اس جہان فانی سے کوچ کرگئی تھی، میں لمحہ بھر کو سن ہوگیا مجھے کچھ سمجھ نہیں آیا پھر میں نے اپنے حواسوں پر قابو پایا اور ڈبے سے باہر نکل آیا، میں تیز تیز قدم اٹھانے لگا ابھی تھوڑا آگے ہی گیا تھا کہ مجھے احساس ہوا کہ میرا سر خالی ہے۔ ’’اوہ شٹ!‘‘ میں نے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے خود سے کہا کیونکہ میں اپنا ہیٹ وہیں ڈبے میں بھول آیا تھا، پہلے میں نے سوچا چھوڑو، پھر سوچا کہ پولیس تفتیش کرکے مجھ تک پہنچ جائے گی اور مجھے ہی ڈونا کا قاتل سمجھے گی، خواہ مخواہ پولیس کا نیا جھنجھٹ لگ جائے گا اور یہ رقم بھی چھن جائے گی کیونکہ پولیس کبھی اس بات پر یقین نہیں کرے گی کہ بوڑھی ڈونا نے یہ رقم مجھے خود دی ہے۔‘‘ یہ سوچ کر میرے قدم واپس ڈبے کی

جانب پلٹ گئے، میں نے ڈبے کا دروازہ کھولا اور اندر جھانکا۔ میرا ہیٹ اپنی جگہ پر پڑا تھا، میں نے ادھر ادھر دیکھا اور کسی کو نہ پا کر اندر جھانک کر اپنا ہیٹ اٹھالیا، فطری طور پر میں نے چور نگاہوں سے ڈونا کی جانب دیکھا تو میں اپنی جگہ ٹھٹھک کر رہ گیا۔

میرے سامنے نوے سالہ ڈونا ویلک کی بجائے ایک بیس برس کی عورت مردہ پڑی تھی۔ اس کے بال، اس کا جسم، اس کا لباس، اس کا چہرہ حتیٰ کہ اس کے مردہ وجود کے پڑے ہونے کا انداز بالکل ڈونا کے جیسا ہی تھا۔ میں ہونقوں کی طرح اپنے سامنے پڑی عورت کو دیکھ رہا تھا۔ پھر مجھے کرنٹ لگا، میں نے سر جھٹکا اور ڈبے کا دروازہ کھول کر باہر نکل آیا ٹرین کی رفتار آہستہ ہوتی جارہی تھی پھر ٹرین اسٹیشن پر رکی تو میں ٹرین سے جلدی سے اتر گیا۔ میرے قدم خوف سے جکڑے جارہے تھے۔ میں پلیٹ فارم پر چلتا ہوا پیچھے مڑمڑ کر ٹرین کو دیکھ رہا تھا۔ وہ سب میری سمجھ سے بالاتر تھا پھر اسٹیشن سے باہر آیا، چلتا چلتا میں ایک پارک کے سامنے پہنچ گیا۔ میں بیگ سنبھالے پارک میں چلا گیا۔ دوپہر کا وقت تھا پارک میں زیادہ رش نہیں تھا میں دور درختوں کے نیچے بنی ہوئی بنچ پر بیٹھ گیا یہ جگہ کافی سنسان تھی۔ بیگ میں نے اپنے برابر میں رکھا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا کافی دیر تک تسلی کرنے کے بعد کہ کوئی میری طرف متوجہ نہیں ہے، میں نے بیگ کھولا اور اس میں جھانکا۔ اندر جھانکتے ہی مجھے زوردار جھٹکا لگا، جس طرف ڈالرز کی گڈیاں تھیں وہاں سادے سفید کاغذ کی گڈیاں موجود تھیں۔ اور دوسری طرف انسانی کھوپڑی جوں کی توں رکھی ہوئی تھی مگر کھوپڑی کے ماتھے پر درج ڈونا مٹا ہوا تھا اور اس کھوپڑی کے منہ میں ایک تہہ کیا ہوا کاغذ دبا ہوا تھا۔

میں نے ایک گڈی اٹھائی اسے الٹ پلٹ کر دیکھا مگر وہ صرف سادے کاغذ کی گڈی تھی۔ غصے کے مارے میرے سر میں دھماکے ہونے لگے۔ اب میں سمجھ گیا تھا یہ کوئی چکر ہے ڈونا کا مرنا پھر اس کی جگہ ایک مردہ جوان عورت کا آجانا سب اسی فراڈ کا حصہ تھا۔ میں نے شکر ادا کیا کہ میں وہاں رکا نہیں ورنہ میں کسی بہت بڑی مصیبت میں پھنس جاتا، میں خوش ہونے لگا پھر ہنستے ہوئے مجھے خیال آیا کہ اس سب کا چکر کا کوئی مقصد تو ضرور ہوگا اور اس مقصد کی تکمیل کے لئے وہ لوگ ضرور میرے پیچھے یہاں تک بھی آرہے ہوں گے۔ میں نے خوفزدہ نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھا اور جلدی سے بیگ کی زپ بند کی اور وہاں سے تیزی سے نکل آیا۔ اب مجھے سچ میں ڈر لگ رہا تھا کیونکہ چھوٹی موٹی چوریاں کرنا تو ٹھیک تھا اس کے لئے میں کئی بار جیل کی ہوا بھی کھا چکا تھا مگر قتل جیسے سنگین جرم کے الزام میں سزا!!!!

میری تو زندگی ہی ختم ہوجاتی میں نے اپنی جیبوں کو ٹٹولا تو مجھے وہاں وہی والٹ مل گیا جو میں نے آدمی کی جیب کاٹ کر حاصل کیا تھا اور اس کی وجہ سے پولیس کی نظروں میں آکر میں بچنے کے لئے ٹرین کے ڈبے میں چھپا تھا۔ جہاں سے یہ مصیبت میرے گلے پڑگئی تھی۔ میں نے والٹ کھولا اس میں اچھی خاصی رقم موجود تھی میں نے رقم نکال کر والٹ وہیں راستے میں بنی ڈسٹ بن میں ڈال دیا اور دوبارہ اسٹیشن آگیا وہاں سے میں نے پیوبلا کا ٹکٹ لیا۔ پیوبلا میں، میں انتونیو کے پاس جارہا تھا وہ منشیات اسمگل کرتا تھا۔ میری اس سے جیل میں ملاقات ہوئی تھی اور وہیں دوستی بھی ہوگئی تھی۔ میں نے میکسیکو چھوڑنے کا فیصلہ کرلیا تھا اور اسی سلسلے میں، میں انتونیو کے پاس جارہا تھا۔ انتونیو کے پاس پہنچ کر میں نے اسے اصل معاملے کی بالکل ہوا نہ لگنے دی، بس میں نے اس کی منت کی کہ وہ مجھے میکسیکو کی سرحد پار کرواکر یو ایس اے پہنچادے پھر میں نے وہ ساری رقم جو والٹ سے ملی تھی وہ میں نے انتونیو کو دے دی جسے دیکھ کر اس نے خوب قہقہے لگائے اور بولا۔ ”مذاق کرتا ہے؟ اس میں کچھ نہیں ہوگا، تو یہ رکھ لے اپنی شادی میں خرچ کرنا، تیری میری جیل میں یاری ہوئی تھی اسی لئے تجھے ایسے ہی بھیج دوں گا۔“

میں نے انتونیو کے گلے لگ کر اس کا شکریہ ادا کیا اور پھر میکسیکو کی سرحد پار کرکے یو ایس اے پہنچ گیا۔ میں اتنا ڈرا ہوا تھا کہ اب بھی بیگ میرے پاس ہی تھا۔ آہستہ

آہستہ میرے پاس موجود رقم ختم ہوگئی اور میری زندگی پھر گندی گلیوں میں بسر ہونے لگی۔ پھر میں نے ایک روز بھوک سے تنگ آ کر سوچا اس بیگ سے کاغذ کی گڈیاں پھینک دیتا ہوں اور بیگ کو کسی کو بیچ کر کھانا کھالیتا ہوں۔ میں نے بیگ کھولا اس کی حالت وہی تھی کاغذ کی گڈیاں اور کھوپڑی جس کے منہ میں کاغذ دبا ہوا تھا۔

میں نے کھوپڑی کے منہ سے کاغذ نکالا تہہ کھول کر دیکھا تو اس پر کچھ لکھا ہوا تھا۔ ”بیگ کا راز جاننے کے لئے تمہیں اپنا خون دینا ہوگا۔“ تحریر پڑھ کر مجھے خیال آیا یہ بھی کوئی فراڈ ہے۔ پھر میں نے پاس پڑے خالی بیئر کین سے اپنی انگلی پر کٹ لگایا وہاں سے فوراً ہی خون پھوٹ پڑا۔ میری سمجھ میں یہ نہیں آ رہا تھا کہ اپنا خون کسے دوں؟ پھر میں نے غیر ارادی طور پر انگلی اس کھوپڑی کے کھلے ہوئے منہ میں دے دی۔ مجھے اپنی انگلی جلتی ہوئی محسوس ہوئی تو میں نے ہاتھ کھینچ کر انگلی باہر نکال لی۔ میں نے انگلی کی طرف دیکھا تو خون نکلنا بند ہو چکا تھا۔ پھر میں نے ادھر ادھر دیکھا کوئی مجھے دیکھ تو نہیں رہا ہے۔ کیونکہ میں اس وقت خود کو پاگل تصور کر رہا تھا۔ جو یہ حرکت کر رہا تھا۔ میں نے لمبی سانس کھینچی اور بیگ کی زپ بند کرنے کے لئے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ کھوپڑی کے منہ سے نکلنے والے کاغذ کی مڑ کر دوبارہ تہہ بن گئی۔ میں نے چونک کر اسے دیکھا اور جھجکتے ہوئے اسے الٹا کر کھولا تو اس پر ایک ایک سطر کر کے خود بخود سرخ رنگ کی تحریر ابھرنے لگی۔ ”یہ کبھی نہ ختم ہونے والی رقم اب تمہاری ہے۔ اب بھی موقع ہے اگر یہ رقم لینا چاہتے ہو تو تمہیں ابھی اسی وقت کھوپڑی پر خون لگانا ہوگا۔“ آگے تحریر ختم ہوگئی تو میں نے دوبارہ اپنی انگلی پر کٹ لگایا اور کھوپڑی کے سر پر خون ٹپکانے لگا۔

خون کھوپڑی پر گرتے ہی یوں غائب ہونے لگا جیسے پیاسی مٹی پانی پی لے پھر میں نے انگلی دبا کر خون روکا تو کاغذ پر نئی تحریر ابھری۔ ”تم نے اس رقم کو اپنا لیا ہے۔ اور تم اب اس سے پیچھا نہ چھڑا سکو گے، نہ ہی تم مر سکو گے اور نہ ہی اسے اپنے سے دور کر سکو گے، نہ کسی کو خود دے سکو گے، جب تک کوئی چنا ہوا شخص اپنی خوشی سے اسے لینا نہ چاہے اور اس رقم کو استعمال کرنے کے لئے تمہیں ہر روز اپنا خون دینا ہوگا۔“

میں نے تحریر کو دو تین مرتبہ پڑھا اور واپس کاغذ کو تہہ کر دیا۔ کاغذ کو تہہ کرنا تھا کہ اس کے کونے خود بخود سلگنے لگے۔ میں نے کاغذ ہاتھ سے چھوڑ دیا، کاغذ میں پوری طرح آگ جل اٹھی اور کاغذ فوراً جل کر راکھ ہوگیا۔ دوسری طرف کھوپڑی میں بھی ایک شعلہ بھڑکا میں نے چونک کر اس طرف دیکھا تو حیرت کے مارے میری آنکھیں پھیل گئیں، کھوپڑی کے ماتھے پر ”Enrique Penaneito“ درج تھا مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا تو میں نے آنکھوں کو رگڑ کر دوبارہ دیکھا تو وہاں اب بھی ”اینریکے پینانیتو“ ہی درج تھا۔

ایک دم خوشی کے مارے میری باچھیں کھل گئیں کیونکہ بیگ میں موجود سفید کاغذ کی گڈیوں کی جگہ اب سو سو ڈالرز کی گڈیاں موجود تھیں۔ میں نے بے تابی سے ایک گڈی اٹھائی اور اسے جیب میں رکھ لیا۔ بیگ کو جلدی سے بند کر دیا پھر میں نے ان روپوں سے نئے کپڑے خریدے اور اپنے آپ کو گرم کیا۔ حلیہ درست ہوگیا تو میں نے رہنے کے لئے ایک ہوٹل میں کمرہ بک کیا اور اس میں پسر گیا۔ میں کمرے میں ہی کھانا منگوالیتا، رات ہوتے ہی کسینو میں چلا جاتا، جوئے میں رقم لگاتا جیت جاتا تو، ورنہ ہارنے کی کسے پرواہ تھی۔ اس ہوٹل میں سارے کرمنل ٹائپ لوگ ٹھہرتے تھے ورنہ تیرہ چودہ سال کے لڑکے کو اکیلے ہوٹل میں کون رکنے دیتا، بغیر کسی بڑے کے، جوا کھیل کر میں شراب پی کر نشے میں دھت پڑ جاتا اور سارا دن سوتا رہتا، بے دریغ روپے اڑانے کے بعد بھی جب میں نے ان گڈیوں کو گنا تو وہ پورے پانچ لاکھ ڈالرز ہی تھے۔ ان میں کوئی کمی نہ ہوئی تھی۔

پھر مجھے احساس ہونے لگا کہ مجھ پر کافی لوگوں کی نظر ہے۔ کیونکہ میرا شاہانہ انداز کسی کو بھی مشکوک کرنے کے لئے کافی تھا۔ پھر میں چپ چاپ اس ہوٹل سے کوچ کر گیا۔ پھر نیویارک چلا گیا۔ مجھے وہاں ہوٹل میں

تو کمرہ نہ ملا کیونکہ میں عمر میں چھوٹا تھا تو میں نے رقم خرچ کرکے ایک پراپرٹی ڈیلر کے ذریعے نیویارک کے مہنگے ترین علاقے "Man Haiton" میں گھر لے لیا میری تو قسمت ہی کھل گئی۔ پھر میں نے بڑے پیمانے پر بزنس شروع کرلیا تھوڑا وقت ہی گزرا تھا کہ میں نے سب کچھ حاصل کرلیا، دنیا کی کوئی چیز ایسی نہ تھی جو میری دسترس میں نہ آسکے۔ گاڑیاں، بنگلے، پراپرٹیز، جہاز، فارم ہاؤسز...... دنیا کی ہر شے، ہر آسائش میرے قدموں میں تھی۔ میں خود کسی کے سامنے نہ آتا بلکہ میرے سینکڑوں نوکر سب ڈیلنگ کرتے، ورنہ میری عمر دیکھ کر میں پھنسا دیا جاتا۔ سب عیش میں چل رہا تھا۔

ایک روز جب میں صبح اٹھا اور آئینے کے سامنے آیا تو آئینے پر نظر پڑتے ہی میں اچھل پڑا۔ وہاں چودہ سالہ ایزیکے پیانیتو کے بجائے بیس سالہ نوجوان کھڑا تھا۔ ''یہ کیسا جادو ہے؟'' میں نے اپنے آپ کو ٹٹولتے ہوئے خود سے کہا۔ ''ایک رات پہلے تک تو میں صرف چودہ سال کا تھا یہ ایک رات میں کیسے ہوسکتا ہے؟ مگر میرے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہ تھا۔ وقت گزرتا گیا اور میں نے اپنی عیاشیوں میں اس بات کو نظرانداز کردیا۔ کیونکہ بڑے ہوجانے سے میں دوسری برائیوں میں بھی پڑ گیا تھا۔ جوان ہوتے ہی لڑکیاں اور عورتیں میری زندگی میں آنے لگیں۔

بس رقم پھینکنے کی دیر تھی ہر لڑکی و عورت تن من سے میری ہوجاتی، میری حیثیت ہی ایسی تھی کہ ہر لالچی لڑکی و عورت میرے قریب آنے کے لئے مچلتی رہتی اور میں غرور سے گردن اکڑا لیتا۔ سب کچھ میرے جوتے کی نوک پر تھا۔ عیاشیوں میں مگن کچھ ہی عرصے میں مجھ پر انکشاف ہوا کہ میرے سراپے نے پھر عمر کو آگے پھلانگ لیا ہے۔ اب میں دکھنے میں چالیس سال کا مرد تھا۔ میں نے سب کی دوڑیں لگوادیں۔ دنیا کے ہر ڈاکٹر نے مجھے چیک کیا مگر ان کی سمجھ میں میری بات نہیں آئی۔ عمر میری بڑھتی ہی جارہی تھی اور رکنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔

پھر ایک روز میں بزنس میٹنگ میں مصروف تھا کہ مجھے ایک زوردار جھٹکا لگا اور وہ جھٹکا تھا بیماری کے اٹیک کا! میرے جسم کے اعضاء اپنے نارمل فنکشن سے بہت آہستہ رفتار میں کام کررہے تھے۔ میرے تمام ٹیسٹ بالکل نارمل تھے اور رپورٹس کلیئر تھیں مگر ڈاکٹرز تھے کہ انہیں کوئی وجہ ہی سمجھ نہ آرہی تھی کہ میری عمر اس رفتار سے کیوں آگے بڑھ رہی ہے۔ دنیا کی ہر آسائش اور بے حساب دولت ہونے کے باوجود میں اپنی بڑھتی عمر کو کسی صورت نہ روک پارہا تھا جو مہینوں میں سالوں کا فاصلہ طے کررہی تھی۔

میں ایئرپورٹ لاؤنج میں بیٹھا ہوا ویٹ کررہا تھا، میرا منیجر بس پہنچنے والا تھا وہ میرے ساتھ یوکے جارہا تھا۔ میرے علاج کے سلسلے میں۔ وہاں میری ملاقات ایک شخص سے ہوئی۔ وہ سامنے سے چلتا ہوا آیا اور گزر کر میرے برابر والی سیٹ پر بیٹھنے لگا۔ اس کا ہاتھ میرے ہاتھ سے ٹچ ہوگیا تھا۔ ہاتھ کے ٹچ ہوتے ہی وہ بیٹھتے بیٹھتے ایک دم چونک کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ پھر اس نے اپنی آنکھیں بند کیں اور چند منٹوں میں ہی کھول لیں۔ پھر وہ مجھ سے خود ہی مخاطب ہوا۔ ''ایکسکیوزمی! کیا میں آپ سے بات کرسکتا ہوں؟''

مجھے اس کی حرکتیں کچھ عجیب لگیں۔ ''جی فرمایئے!'' میں نے اس کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہا۔

''مجھے ہنری کہتے ہیں۔'' اس نے اپنا نام بتایا۔

''مجھے ایزیکے پیانیتو کہتے ہیں۔'' میں نے اس کی جانب ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

اس نے مجھ سے ہاتھ ملایا اور بولا۔ ''آر یو میکسیکین؟''

تو میں نے جھٹ کہا۔ ''یس! آئی ایم میکسیکن،''

ہنری نے میرا ہاتھ ابھی تک نہیں چھوڑا تھا پھر وہ بولا۔ ''کیا آپ سپر نیچرل پاورز پر یقین رکھتے ہیں؟'' اس نے بہت عجیب سا سوال کیا۔

''معاف کیجئے گا! میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔'' میں نے جواب کے بجائے الٹ اس سے سوال کردیا۔

''میرا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں انسانوں کے علاوہ اور طرح کی پاورز، مخلوقات وغیرہ ہوتی ہیں، کیا آپ اس بات پر یقین رکھتے ہیں؟'' ہنری نے اپنے

سوال کی وضاحت کی تو میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

’’نہیں! میرا کبھی کسی گھوسٹ سے پالا نہیں پڑا اور نہ ہی میں چاہوں گا! ہاں اگر کوئی ورچ مل جائے تو چلے گا!‘‘

میری بات پر ہنری بولا۔ ’’میں مذاق نہیں کررہا ہوں آئی ایم کوائٹ سیریس! اور میں بھوتوں کی بات نہیں کررہا، خاص طور سے بلکہ اور مختلف ان دیکھے طاقتوں کی بات کررہا ہوں، یونو؟ لائق "Exorcism" اس کی بات سن کر میرا موڈ آف ہوگیا کیونکہ وہ مجھے بور کررہا تھا، اور پھر میں ترخ کر بولا۔ ’’لک مسٹر! یہ ہماری پہلی ملاقات ہے۔ نہ تو میں آپ کو جانتا ہوں اور نہ ہی آپ مجھے جانتے ہیں، اگر آپ مائنڈ نہ کریں تو کیا آپ بتانا پسند کریں گے کہ آپ کی اس گفتگو کا مقصد کیا ہے؟‘‘

ہنری کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی اور وہ بولا۔

’’غصہ مت کیجئے! مسٹر ایز یکے رائٹ؟‘‘ تو میں بھی مسکرا دیا۔ پھر وہ دوبارہ بولا۔ ’’میں آپ سے یہ سوال اس لئے کررہا ہوں کیوں کہ یہ میری فیلڈ ہے۔ ایکچو لی میں پراسرار علوم کا ماہر ہوں اور میری پاور نے مجھے یہ باور کرایا ہے کہ آپ کے ساتھ کوئی چیز ہے، انفیکٹ کوئی شیطانی چیز ہے!‘‘

میں نے اس کی بات سن کر کہا۔ ’’یقیناً آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔‘‘

تو میری بات سن کر وہ بولا۔ ’’میری چھٹی حس مجھے کبھی دھوکا نہیں دیتی!‘‘

میں اسے خاموشی سے دیکھنے لگا مجھے خاموش پاکر وہ پھر بولا۔ ’’کیا آپ نارمل لائف گزار رہے ہیں؟ میرا مطلب ہے کہ آپ کی زندگی میں کوئی پریشانی تو نہیں ہے؟‘‘ ہنری کی بات سن کر میں چونک گیا اور بولا۔

’’پریشانی؟‘‘ مائی فرینڈ! میں تو خود سراپا پریشانی بن گیا ہوں۔‘‘ پھر میں نے ہنری کو اپنی تیز رفتار سے بڑھتی عمر کے بارے میں بتایا تو وہ بولا۔ ’’مسٹر ایز یکے! کوئی بھی چیز بلاوجہ نہیں ہوتی اس کا ضرور کوئی نہ کوئی بیک گراؤنڈ کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہوتی ہے۔ اس پر تو تفصیل سے بات ہوگی۔ فی الحال تو میں جلدی میں ہوں، آپ یہ میرا کارڈ رکھ لیجئے کسی روز تفصیلی ملاقات میں بات کرلیں گے۔‘‘ ہنری نے جیب سے اپنا وزیٹنگ کارڈ مجھے دیتے ہوئے کہا اور وہاں سے چلا گیا۔

میرا یو کے کے ڈاکٹرز سے ملنا بھی میری بڑھتی عمر کی وجہ دریافت نہ کرسکا۔ دریافت کیا کوئی میری بات پر یقین ہی نہیں کررہا تھا سب مجھے سائیکو سمجھ کر ٹریٹ کررہے تھے۔ میں چھ ماہ یو کے میں گزار کر واپس آ گیا۔ اس چھ ماہ میں، میں ہنری کو بھول چکا تھا۔ وقت گزرتا جارہا تھا اور میری عمر اسی سال کے قریب پہنچ گئی تھی۔ پھر ایک صبح میری آنکھ کھلی تو مجھ سے بستر سے اٹھا ہی نہیں گیا۔ میرا بائیں طرف کا پورا جسم پیرالائز (Paralyse) ہوگیا تھا۔ اب تو میرے ہاتھ پیر پھول گئے، میں بستر پر بے بس پڑا تھا اور میری آنکھوں سے آنسو جاری رہتے تھے۔

پھر ایک روز میرے نوکر نے میری یو کے کے ڈاکٹرز کی فائلز نکالیں تو اس میں سے ہنری کا کارڈ بھی گرگیا جو میں نے بیگ میں ساتھ ہی ڈال لیا تھا، کارڈ دیکھتے ہی مجھے ہنری کا خیال آ گیا۔ میں نے نوکر سے ہنری کا نمبر ملوایا۔ ہنری کو مجھے پہچاننے میں کافی وقت لگا کیونکہ چھ ماہ کا عرصہ گزر چکا تھا۔ میں نے اسے گھر آنے کا کہا تو اس نے صاف منع کردیا کہ وہ صرف ملاقات اپنے آفس میں کرتا ہے۔ مگر جب میں نے اسے اپنے پیرالائز (Paralyse) ہونے کا بتایا تو وہ مان گیا۔

’’کیا نام بتایا تھا؟‘‘ مسٹر ایز یکے پیتا نیتو، رائٹ؟‘‘ ہنری نے میرے سامنے رکھی کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

’’مسٹر ایز یکے! کیا میں آپ کا ہاتھ تھام سکتا ہوں؟‘‘ ہنری نے کہا اور میری رضامندی سے میرا ہاتھ تھام لیا اور بولا۔ ’’ہم دونوں کو اپنی آنکھیں بند کرنی ہوں گی تاکہ میں آپ کے بارے میں معلوم کرسکوں۔‘‘

میں نے ایسا ہی کیا اور اس نے پھر کافی دیر بعد کہا۔ ’’آنکھیں کھول لیں۔‘‘ میں نے آنکھیں کھولیں تو ہنری کے چہرے پر فکر کی پرچھائیاں رقص کررہی تھیں، وہ فکرمندی سے بولا۔ ’’مسٹر ایز یکے مجھے آپ کی باڈی

انرجی کے علاوہ بھی دوسری انرجی محسوس ہورہی ہے۔'' اتنا کہہ کر وہ خاموش ہوگیا۔ ''میں آپ کی بات نہیں سمجھا!'' میں نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''مسٹر ایبز یکے! میں نے آپ کو یاد ہوگا کہ پہلی ملاقات میں کہا تھا کہ کوئی بھی چیز بلاوجہ نہیں ہوتی، ٹھہریئے! آپ کو اس طرح سمجھ نہیں آئے گا، میں آپ کو کچھ دکھاتا ہوں۔'' ہنری بولا۔ پھر وہ رک کر دوبارہ بولا۔ ''جب میں آپ کو اشارہ کروں تو آپ اپنی آنکھیں بند کرلیجئے گا۔''

میں نے ہاں میں سر ہلادیا ہنری نے اپنی آنکھیں بند کرلیں اور منہ ہی منہ میں کچھ پڑھنے لگا۔ میں مسلسل اسے دیکھ رہا تھا پھر تھوڑی دیر میں ہنری نے ہاتھ کے اشارے سے مجھے آنکھیں بند کرنے کا کہا تو میں نے فوراً اپنی آنکھیں بند کرلیں۔ میری آنکھوں کے آگے گھپ اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ پھر چند لمحوں میں وہ سیاہی ہلکی ہلکی سرخی میں تبدیل ہونے لگی۔ پھر منظر اس سے بھی زیادہ صاف ہوتا چلا گیا۔ ''سامنے دور خلا میں مجھے ایک نقطہ نظر آیا پھر وہ نقطہ قریب آتا گیا تو معلوم ہوا کہ وہ ایک مرد تھا جو ہوا میں معلق تھا وہ آہستہ آہستہ میرے بالکل قریب آتا جارہا تھا۔ جب وہ قریب آگیا تو مجھے خوف سے جھرجھری آنے لگی۔ اس مرد کا چہرہ دوسری طرف تھا۔ وہ لیٹنے کے انداز میں ہوا میں معلق تھا۔

جھرجھری آنے والی چیز یہ تھی کہ اس مرد کے پیچھے ایک بے حد سیاہ وجود کھڑا تھا جو کہ بہت خوفناک شکل کا تھا اس کا سر گنجا تھا اور گدی سے آگے بال ہوا میں لہرارہے تھے۔ جبڑے کھولے، نوکیلے دانتوں کو وہ ایک دوسرے پر ماررہا اور اس کی آنکھیں ہوا میں لیٹے مرد کو گھور رہی تھیں۔ اس کے جسم پر ہاتھوں کی جگہ درخت کی جڑیں نما چیز اگی ہوئی تھیں اور پھیلتی ہوئی اس مرد تک پہنچی ہوئی تھیں۔ ہوا میں لیٹے مرد کا سینہ چاک تھا اور اس کا دل سینے سے باہر نکلا اس کے وجود کے ذرا اوپر ہوا میں تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ لمحہ بھر میں اس درخت کی جڑوں نما شے نے اس مرد کے دھڑکتے دل کو جکڑ لیا، دل کو جکڑتے ہی وہ جڑیں سرخ رنگ کی ہوتی جارہی تھیں، مانو دل سے خون چوس رہی ہوں۔ دل پوری رفتار سے دھڑک رہا تھا۔ پھر اس لیٹے ہوئے مرد کے وجود میں حرکت ہوئی اور اس نے دوسری سائیڈ ڈھلکا ہوا اپنا چہرہ میری جانب گھمایا تو میں دھک سے رہ گیا! کیونکہ وہ کوئی اور نہیں خود میں ہی تھا!''

میں نے جھٹ سے آنکھیں کھول لیں میرا سانس دھونکنی کی طرح چل رہا تھا۔ ہنری نے سائیڈ ٹیبل سے پانی کا گلاس اٹھا کر میرے ہونٹوں سے لگایا تو وہ میں نے ایک ہی سانس میں خالی کردیا۔ میں جب تھوڑا بہتر ہوا تو ہنری نے مجھے مخاطب کیا۔ ''مسٹر ایبز یکے! اب آپ شاید سمجھ سکیں کہ میرے کہنے کا کیا مطلب ہے، کوئی بھی چیز بلاوجہ نہیں ہوتی اور یہ بھی بات آپ کی بڑھتی ہوئی عمر پر لاگو ہوتی ہے۔ مسٹر ایبز یکے! آپ ایک شیطانی دلدل میں پھنس گئے ہیں جس میں سے آپ کا نکلنا آل موسٹ ناممکن ہے اور اس پورے معاملے کا سینٹر ہے آپ کا دل۔''

ہنری خاموش ہوگیا تو میں بے چینی سے اسے دیکھنے لگا۔ ہنری پھر رک کر بولا۔ ''آپ کیا سمجھتے ہیں کہ میکسیکو کے غریب ترین علاقے یونیورسٹی پارک میں آوارہ پھرنے والا ایک لاوارث لڑکا کیسے بھلا کسی محنت مشقت کے بغیر بے حساب دولت کا مالک بن سکتا ہے۔ نیویارک کے مہنگے ترین علاقے مین ہٹن، جہاں گھر لینے کے لوگ خواب دیکھتے ہیں وہاں آکر رہنے لگے، دنیا کی ہر آسائش اس کے قدموں میں ہو اور کبھی نہ ختم ہونے والی رقم اس کے پاس ہو وہ بھی بنا کسی قیمت کے؟ ''مسٹر ایبز یکے! کبھی سوچا ہے کہ یہ کیسے ممکن ہے؟ لوگوں کی زندگیاں ختم ہوجاتی ہیں محنت کرکے جب وہ کچھ حاصل کرپاتے ہیں۔ مگر آپ کو تو یہ سب فری میں ملا ہے رائٹ، سوری بظاہر فری میں ملا ہے!'' ہنری کی بات پر مجھے بچھو کا ڈنک لگا۔

میرا ماضی تو کسی کو بھی معلوم نہ تھا تو پھر ہنری......

میرے منہ میں الفاظ نہیں تھے کچھ کہنے کے لئے، میں نے شرمندگی سے آنکھیں بند کرلیں اور یوں ظاہر کیا کہ میں تکلیف میں ہوں۔ ''مسٹر ایبز یکے! آنکھیں کھولئے اور حقیقت کا سامنا کیجئے ریت میں گردن دبا لینے سے

طوفان نہیں ٹلتا۔" ہنری کی آواز آئی تو میں نے دھیرے دھیرے آنکھیں کھول لیں۔

ہنری پھر بولنا شروع ہوا! "مسٹر ایزیکے یہ ایک شیطانی کھیل ہے کبھی نہ ختم ہونے والا، یہ دولت آپ کو مفت میں نہیں ملی! بلکہ آپ اس کی قیمت چکا رہے ہیں، اپنی جوانی اور دل کی صورت میں، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ آپ کا دل کمزور ہوتا جائے گا اور عمر بڑھتی جائے گی اور یہ کھیل رچایا ہے اس شیطانی کھوپڑی نے جو آپ کے پاس ہے!" میں حیرت کے سمندر میں غوطے کھا رہا تھا ہنری کو تو سب معلوم تھا مگر کیسے؟

ہنری نے اپنی بات جاری رکھی۔ "یہ شیطانی کھوپڑی خود اپنا شکار چنتی ہے اور صرف اسی کے سامنے ظاہر ہو کر اس کو نظر آتی ہے پھر ایک بار جو اس کی گرفت میں آجائے اس کا پیچھا کبھی نہیں چھوڑتا، اسے موت بھی نہیں آتی، اس وقت تک، جب تک یہ اپنا نیا شکار ڈھونڈ کر اس کی مرضی سے اسے اپنی گرفت میں نہ لے لے، اور پھر یہ کھیل نئے شکار کے آنے تک جاری رہتا ہے، جب نیا شکار مل جائے تو یہ کھیل دوبارہ نئے سرے سے شروع ہو جاتا ہے۔"

ہنری کی باتیں سن کر میں سن ہو گیا مانو کاٹو تو لہو نہیں۔ میں نے تو کبھی سوچا ہی نہیں تھا کہ واقعی ہر چیز کی قیمت ہوتی ہے تو پھر مجھے اتنی دولت اتنی آسانی سے کیسے مل گئی؟ میں دولت کے نشے میں دھت عیاشیوں میں مگن رہا، اس دلدل میں کیسے دھنستا چلا گیا، اس کا احساس ہی نہیں ہوا۔ پھر میں سوچ کے سمندر سے باہر نکل آیا اور ہنری سے بولا۔ "مسٹر ہنری! اب کیا ہوگا؟"

جواب میں ہنری نے ایک لمبا سانس لیا اور بولا۔

"سوری ٹو سے مسٹر ایزیکے! آپ اس شیطانی کھوپڑی سے کسی صورت جان نہیں چھڑا سکتے، جب تک اسے اپنا چنا ہوا نیا شکار نہیں ملے گا یہ آپ کو مرنے بھی نہیں دے گی کیونکہ آپ کے دل کی دھڑکن اسے زندہ رکھے ہوئے ہے۔ چاہے بڑھتے بڑھتے آپ کی عمر دو سال ہی کیوں نہ ہو جائے اور آپ بالکل محتاج ہو جائیں یہ آپ کی جان نہیں چھوڑے گی۔"

میں نے بڑی مشکل سے ہنری سے کہا۔ "پھر میں کیا کروں؟ میری حالت تو دن بدن خراب ہوتی جا رہی ہے! کیا ایسا نہیں ہو سکتا مسٹر ہنری! کہ آپ اس شیطانی کھوپڑی کو اپنی طاقت سے ختم کر دیں؟"

میری بات سن کر ہنری نے صاف انکار میں گردن ہلائی اور بولا۔ "امپوسیبل! مسٹر ایزیکے یہ شیطانی کھوپڑی بے حد پاورفل ہے میں تو کیا مجھ جیسے کئی مل کر بھی اس کا کچھ نہیں کر سکتے!" ہنری کی بات سن کر میرے اندر مایوسی کی لہر سرایت کر گئی۔

"تو کیا میں اسی طرح اپنی باقی کی پوری زندگی Paralyse بستر پر گزاروں گا؟" میں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"ہمت سے کام لیجئے مسٹر ایزیکے! آپ ذرا سا صبر کریں اور مجھے تھوڑا وقت دیجئے، میں اپنے علم سے معلوم کرنے کی کوشش کرتا ہوں کہ آپ کے لئے اگر کچھ کرنا ممکن ہے تو کیا ہے؟" ہنری نے مجھے ڈھارس دلائی۔

اور تھوڑی دیر میں ہنری وہاں سے چلا گیا۔ اب مجھے اپنے وہ روز کے عمل یاد آئے کہ کس طرح سے میں کھوپڑی کو خون دیتا ہوں اور ہنری کی بتائی ہوئی ہر ایک بات تو مجھے اسی روز معلوم ہو گئی تھی جب میں نے کھوپڑی کے منہ میں دبے کاغذ پر درج تحریر کو پڑھا تھا، ہاں مگر جو اصل حقیقت مجھے ہنری نے اپنے عمل سے دکھائی اور مجھے اس کی کیا قیمت دینی پڑے گی۔ یہ اس کاغذ پر درج نہ تھا اب مجھے احساس ہوا کہ اس نہ ختم ہونے والی دولت کی میں کتنی بھاری قیمت چکا رہا ہوں! میں اب کچھ نہیں کر سکتا تھا سوائے بے بسی سے آنسو بہانے کے۔

"مسٹر ایزیکے! کوئی بھی بات کرنے سے پہلے میں آپ کو یہ بتا دوں کہ یہ کام بہت مشکل ہے اسی لئے میری فیس بھی اسی حساب سے ہوگی۔" ہنری نے یہ بات اگلی ملاقات میں مجھ پر واضح کر دی۔

"مسٹر ہنری آپ ہر طرح سے بے فکر ہو جایئے، میں آپ کو منہ مانگی رقم ادا کروں گا۔"

میرے کہنے پر ہنری مسکرایا پھر رک کر بولا۔

''مسٹر ایز یکے! میری بات اب غور سے سنئے، یہ بات تو طے ہے کہ اس شیطانی کھوپڑی سے آپ کی جان اس وقت ہی چھوٹے گی جب اسے اپنا نیا شکار مل جائے اور میں یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ اس کے بعد آپ کا کیا ہوگا۔ ہاں البتہ اگر آپ اپنی عمر روکنا چاہیں تو آپ اس سلسلے کو اسی مرحلے تک روک سکتے ہیں۔ میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ آگے آپ کو عمر کا مزید نقصان نہیں ہوگا۔''

یہ سن کر میں خاموش ہوگیا اور خوشی سے بولا۔ ''تو مجھے اب کیا کرنا ہوگا؟'' میرے سوال کے جواب میں ہنری بولا۔ ''مسٹر ایز یکے اگرچہ یہ جو میں آپ کو بتاؤں گا وہ شاید آپ کو سننے میں آسان لگے۔ مگر یہ اتنا بھی آسان نہیں ہے سب سے پہلے تو آپ کے اپنے خون سے ایک عمل کرنا ہوگا جب وہ عمل مکمل ہوجائے گا تو آپ دوبارہ سے حرکت کرنے کے قابل ہوجائیں گے۔ آئی مین، آپ جو پیرالائز ہیں اس کیفیت سے نکل جائیں گے۔ پھر اس کے بعد ہمیں آگے کیا کرنا ہوگا دیکھیں گے۔ مگر سب سے پہلے یہی عمل کرنا ہے۔'' پھر ہنری نے مجھے عمل کی تفصیل بتانی شروع کردی۔

''مسٹر ایز یکے! یہ جگہ اس عمل کے لئے سیف نہیں ہے، مگر آپ ابھی حرکت نہیں کرسکتے اسی لئے مجھے مجبوراً یہاں یہ عمل کرنا پڑ رہا ہے، اس سے میری ڈبل پاور استعمال ہوگی۔'' پھر ہنری نے ایک سفید سفوف سے میرے بیڈ کے چاروں طرف ایک بڑا سا سرکل ڈرا کیا۔ میں اپنے بیڈ پر چت لیٹا ہوا تھا۔ پھر ہنری نے سامنے ٹیبل پر رکھے اپنے بیگ میں سے ایک ویلویٹ سے بنا ہوا کیس ٹیبل پر نکال کر رکھ دیا۔ پھر ہنری نے اس ویلویٹ کیس کی زپ کھولی، کیس کے اندر سے ایک لمبا تقریباً آٹھ انچ پھل کا چمکدار خنجر نکالا۔ پھر ہنری وہ خنجر لے کر میرے سرہانے آیا اس نے خنجر کی نوک کو میرے دل کے مقام پر رکھا پھر اپنا دایاں ہاتھ میرے ماتھے پر رکھا اور اپنی آنکھیں بند کرکے کچھ پڑھنا شروع کردیا۔ چند لمحوں بعد ہنری نے آنکھیں کھولیں پھر دوبارہ بند کرکے پڑھائی شروع کردی، کافی دیر بعد ہنری نے آنکھیں کھولیں اب کہ اس کی آنکھیں سرخ ہورہی تھیں۔ ہنری کے ہونٹوں کی حرکت تھم گئی تھی، پھر ہنری نے الٹے ہاتھ سے خنجر اٹھایا اور میری داہنی کلائی تھامی اور خنجر کی نوک سے میری ہتھیلی کے بیچ میں گہرا کٹ لگایا۔

میرے منہ سے چیخ نکل گئی۔ خنجر پوائنٹڈ اور بے حد شارپ تھا۔ میری ہتھیلی سے فوراً خون پھوٹ پڑا۔ ہنری نے دائیں ہاتھ سے لکڑی کا پیالہ اٹھایا اور میری ہتھیلی کو الٹ کر اس پر رکھ دیا۔ میری ہتھیلی سے خون بہہ کر اس پیالے میں گرنے لگا۔ خون جمع ہوتا جارہا تھا اور مجھے چکر آنے شروع ہوگئے۔

پھر ہنری نے اٹھ کر بیگ سے ایک موم کی مہر جیسی چیز نکالی جس کا رنگ سرخ تھا اس میں سے عجیب سی بو آرہی تھی۔ پھر ہنری نے وہ مہر میری ہتھیلی پر رکھ دی۔ ایک دم ہتھیلی سے خون بہنا بند ہوگیا۔ ہنری وہ پیالہ لے کر اٹھا اور اس میں اپنے سیدھے ہاتھ کی پہلی انگلی ڈپ کی اور میرے دل کے مقام پر صلیب کا نشان بنایا، میری شرٹ کے بٹن کھلے ہوئے تھے پھر ہنری نے وہ خون میرے سرہانے کی طرف سے اس سفید سرکل کے ایک حصے پر ڈالنا شروع کیا۔

خون تیزی سے دوڑتا ہوا پورے سرکل میں پھیل گیا اور سفید سفوف سرخ ہوگیا۔ سرکل مکمل ہوئے چند ہی لمحے گزرے تھے کہ مجھے اپنے جسم میں سنسناہٹ محسوس ہوئی، پھر مجھے پورے جسم میں ہلکی ہلکی چیونٹیاں سی دوڑتی محسوس ہوئیں، میں نے اپنے ہاتھ کی انگلیوں کو جنبش دی تو ان میں حرکت ہوئی یہ دیکھ کر میں خوشی سے پاگل ہونے لگا۔ پھر میں نے جلدی جلدی ہاتھوں کی انگلیاں، پیروں کی انگلیاں گھمائیں تو وہ آرام سے حرکت کرنے لگیں میں نے ہاتھ اوپر اٹھایا وہ اٹھ گیا، پیر اٹھایا وہ بھی اٹھ گیا میں ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گیا اور ہنری کی جانب دیکھا۔

وہ نڈھال سا نیچے پڑا تھا اور ہانپتے ہوئے بولا۔ ''مسٹر ایز یکے عمل کامیاب ہوگیا، اب آپ واپس حرکت کرسکتے ہیں!'' پھر ہنری گہرے گہرے سانس لینے لگا۔ میں جلدی سے بستر سے اٹھا تو مجھے کوئی دقت نہ

ولی۔ میں ہنری کے پاس گیا تو وہ ابھی بھی اپنی بے ترتیب سانسوں کو بحال کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے ٹیبل پر رکھے گلاس میں پانی ڈال کر ہنری کو دیا تو اس نے نفی میں سر ہلا کر جگ کی جانب اشارہ کیا۔

میں نے جگ اٹھا کر ہنری کی جانب بڑھایا تو اس نے جھپٹ کر اسے منہ سے لگالیا اور پورا جگ خالی کر دیا اور گہرے گہرے سانس لینے لگا۔ میں نے ہنری کو سہارا دے کر اٹھایا اور اسے سامنے صوفے پر لٹا دیا۔ پھر میں نے اس کے لئے ڈرنک تیار کی اور گلاس اس کی جانب بڑھایا۔ ہنری نے کشن سے سہارا لے کر گلاس تھام لیا اور ہونٹوں سے لگالیا۔ ڈرنک ختم کر کے آنکھیں بند کر کے لیٹ گیا۔ پھر کافی دیر بعد اس نے آنکھیں کھولیں اور ہلکے سے بولا۔

''مسٹر ایزیکے یہ کام مکمل بھی آسان نہیں ہے۔ دیکھئے میں کتنا کمزور ہوگیا ہوں، جان بھی جاسکتی ہے اس کام میں!'' اتنا کہہ کر ہنری نے پھر آنکھیں موندلیں۔

''مسٹر ہنری میں آپ کا یہ احسان کبھی نہیں اتار سکتا، یہ واقعی بہت مشکل کام ہے، آپ کی حالت سے میں کچھ کچھ اندازہ کرسکتا ہوں۔'' میں نے کہا۔

میں نے ہنری کے لئے کھانا منگوایا ہنری نے بہت منع کیا مگر میں نے اسے زبردستی کھانے پر روک لیا۔ ہنری نے وہیں صوفے پر ہی کھانا کھایا پھر میں نے اسے رات رک جانے کا کہا مگر ہنری نے منع کر دیا اور بولا۔ ''مسٹر ایزیکے ابھی میں چلتا ہوں، مجھے سب سے پہلے اپنی کھوئی ہوئی طاقت واپس حاصل کرنی ہے اس میں مجھے وقت لگے گا۔ باقی آگے کیا کرنا ہے وہ بعد میں طے کریں گے۔ ہاں سب سے اہم بات آپ اس عرصے میں اس بیگ سے ایک ڈالر بھی نکال کر استعمال نہیں کیجئے گا! ورنہ آپ دوبارہ اسی حال میں پہنچ جائیں گے۔'' آئی مین Paialiye!''

میں نے ہنری کی بات غور سے سنی اور بولا۔ ''جیسا آپ کہیں گے مسٹر ہنری! میں بالکل ویسا ہی کروں گا۔'' ہنری چلا گیا اس کے بعد میں نے اس بیگ کو الماری میں رکھ کر لاک کر دیا۔ مگر پھر بھی میری عمر

## دکھوں کی داستان

تین آدمی آپس میں بیٹھے اپنے اپنے دکھوں کی داستان سنا رہے تھے۔

پہلا آدمی بولا۔ میں تین سال افریقہ کے جنگلوں میں رہا ہوں۔

دوسرا آدمی بولا: میں پانچ سال عرب کے صحراؤں میں رہا ہوں۔

تیسرا آدمی دکھی انداز میں بولا۔ میری بھی تو سنو، میں بیس سال سے اپنی بیوی کے ساتھ رہ رہا ہوں۔

(اکبر نواز۔ کراچی)

بڑھتی گئی، پھر ایک دن میری طبیعت پھر سے خراب ہونے لگی۔ میں نے ہنری کو دوبارہ کال کی تو وہ بولا۔ ''مسٹر ایزیکے! میں آپ کے لئے ہی کام کر رہا ہوں تاکہ آپ اس پریشانی سے نکل جائیں۔'' اور پھر اس نے تین دن بعد ملاقات کا وقت طے کر لیا۔

How are you, Mr, Enrique''

ہنری نے مجھ سے ہینڈ شیک کرتے ہوئے سوال کیا۔

''بس جی رہا ہوں۔'' میں نے مایوسی سے سر ہلا کر کہا۔ ہنری میرے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گیا۔ نوکر ٹرالی لے آیا اور وائن سرو کرنے لگا۔ میں نے ایک بریف کیس ہنری کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''مسٹر ہنری! آپ کی فیس پچیس ہزار ڈالرز تھی، اور اس بریف کیس میں پچاس ہزار ڈالرز ہیں، یہ آپ رکھیں۔''

ہنری نے وائن کا سپ لیا اور برف کو گلاس میں گھماتے ہوئے مجھ سے کہا۔ ''تھینک یو سو مچ مسٹر ایزیکے! لیکن میں صرف اپنی ایکچول فیس ہی لوں گا۔''

ہنری کا جواب سن کر میں نے مسکرا کر کہا۔ ''یہ ایک دوست کی طرف سے تحفہ ہے۔ پلیز!'' تو ہنری نے کچھ نہیں کہا پھر ہنری نے گلاس سے وائن کا آخری گھونٹ حلق سے اتارا اور گلاس ٹیبل پر رکھتے ہوئے بولا۔ ''مسٹر ایزیکے! اب اصل بات کی طرف آتے

ہیں۔ آگے کا ہمارا قدم مشکل ہے بلکہ یہ کہنا صحیح رہے گا کہ بے حد مشکل ہے۔''

ہنری نے کہا تو میں نے سوال کیا۔ ''کیا ہمارے پچھلے عمل سے بھی زیادہ مشکل ہے۔ اس عمل کو کرنے کے بعد تم کافی کمزور ہوگئے تھے وہ بھی تو مشکل ہی تھا!''

ہنری میری بات پر قہقہہ لگاتے ہوئے بولا۔ ''مسٹر ایزیکے! وہ عمل تو اس عمل کی دھول بھی نہیں ہے۔ اب جو عمل ہم کرنے جارہے ہیں وہ ایک جان لیوا عمل ہے۔ خون تھکوادیتا ہے یہ کرنے والے کو! اور اس عمل کے لئے سب سے اہم اور لازمی چیز جو ہے وہ ہے ایک زندہ جیتا جاگتا بچہ وہ بھی لڑکا جس کی عمر چار ماہ سے زیادہ نہ ہو!''

ہنری کی بات پر میں چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر میں نے سوال کیا۔

''بچہ! ہم بچے کا کیا کریں گے؟''

تو ہنری نے میری طرف دیکھتے ہوئے سپاٹ لہجے میں کہا۔ ''اس بچے کے خون پر عمل کریں گے اور کیا کریں گے!'' میں نے خوف سے جھرجھری لی اور کانپتے ہوئے اپنا اندیشہ ظاہر کیا۔

''تو اس کے لئے اس بچے کو مارنا ہوگا کیا؟'' میں نے امید بھری نگاہ سے ہنری کی طرف دیکھا کہ میرا اندیشہ وہ غلط ثابت کرکے نا میں جواب دے گا مگر جواب اس کے برعکس تھا۔ ''آف کورس مسٹر ایزیکے! ہمیں اس بچے کو مار کر اس کے خون پر عمل کرنا ہوگا۔'' ہنری نے لاپروائی سے کہا۔ اس لمحے میں مجھے ہنری سے نفرت سی محسوس ہوئی اور مجھے اس سے خوف بھی محسوس ہوا مگر میرے پاس اور کوئی دوسرا راستہ نہ تھا جو میری مدد کرتا۔

ہنری تو مسیحا بن کر آیا تھا ورنہ میں تو Paralyse ہی اپنی ساری زندگی بستر پر گزارتا اور دوسری بات یہ کہ ہنری یہ سب کر کس کے لئے رہا تھا؟ میرے لئے!

''نہیں! نہیں! مسٹر ہنری میں یہ نہیں کرسکتا، ایک ننھے معصوم کی جان لینے کا تو میں تصور بھی نہیں کرسکتا!'' میں نے بے بسی سے کہا۔

''تو پھر آئی ایم سوری مسٹر ایزیکے! میں آپ کی کوئی مدد نہیں کرسکوں گا۔ یہ بات میں آپ سے بہت مرتبہ کرچکا ہوں کہ ہر چیز کی کوئی نہ کوئی قیمت ہوتی ہے اور اپنی آسانی کے لئے آپ کو یہ قیمت چکانی پڑے گی۔ آپ کو بچانے کے لئے صرف اور صرف یہ ہی ایک عمل ہے جو میں نے بہت سے مختلف عمل کرنے کے بعد محنت سے معلومات حاصل کرنے کے بعد تلاش کیا ہے۔'' ہنری نے دوٹوک الفاظ میں کہا۔

''مگر مسٹر ہنری! آپ خود کو میری جگہ رکھ کر سوچیں اور خود بتائیں کہ کس طرح کا دل ہوگا وہ جو کسی ننھے معصوم بچے کو مار کر اس کے خون پر عمل کرے گا! بھلا یہ کیوں کر ممکن ہے؟'' میں نے کہا۔

''مسٹر ایزیکے! آپ کی بات اپنی جگہ درست ہے مگر زندگی میں بہت سی ایسی چیزیں ہوتی ہیں جو انسان کو اپنی مرضی کے خلاف کرنی پڑتی ہیں۔ ہمارے پاس دوسرا کوئی آپشن ہے ہی نہیں! اس بچے کے خون پر عمل کرکے اس شیطانی کھوپڑی کو بھینٹ دے کر، اس بچے کے دل پر عمل کرکے، اس بچے کی عمر کے بدلے تمہاری بڑھتی عمر کو چھوٹ ملے گی، دوسری صورت میں آپ اس طرح اپنی عمر گنواتے رہیں گے۔ آپ اچھی طرح سوچ لیں فیصلہ آپ پر منحصر ہے۔'' ہنری نے کہا تو اس کی بات سن کر میں سوچ میں پڑ گیا۔

ہنری دوبارہ بولا۔ ''ایک بات اور مسٹر ایزیکے! سوچنے کے لئے آپ کے پاس زیادہ وقت نہیں ہے! آنے والی جمعرات کو فل ریڈمون ہوگا اور یہ عمل ریڈمون میں ہی ہوسکتا ہے۔ اگر یہ ریڈمون نکل گیا تو اگلے ریڈمون کا انتظار کرنا ہوگا اور وہ کب آئے گا، یہ ابھی نہیں پتہ، ویسے بھی کافی بڑی مشکل میں آچکے ہیں، یہ مشکل عمل بھی صرف آپ کی بڑھتی عمر روک سکے گا بس! آپ کو جلدی فیصلہ کرنا ہوگا زیادہ وقت نہیں ہے آپ کے پاس!'' ہنری بولا۔

☆......☆......☆

مخملی کپڑے میں لپٹا وہ ننھا سا وجود جس کی گرمی

ابھی تک مجھے اپنے ہاتھوں میں محسوس ہوتی ہے۔ میرے سینے سے چپکا ہوا تھا۔ اس کی نیلی آنکھیں میرے چہرے پر ہی ٹکی ہوئی تھیں۔ اس کے سرخ ہونٹوں پر قدرتی مسکراہٹ تھی۔ مجھے نہیں معلوم وہ کس کا لخت جگر تھا۔ میں نے اسے ڈالرز کے عوض حاصل کیا تھا۔ میں نے اسے ایک ہاتھ میں تھام کر سینے سے لگایا ہوا تھا اور دوسرے ہاتھ میں وہ منحوس بیگ پکڑا ہوا تھا۔ میری منزل ہنری کا آفس تھا۔ میں ہنری کے بتائے وقت سے پہلے پہنچنا چاہ رہا تھا کیونکہ آج فل بریڈ مون تھا! ہنری کے پاس میں پہنچا تو وہ اپنے آفس میں بیٹھا سگار پی رہا تھا۔

سورج ڈھلے کافی دیر ہو چکی تھی۔ میں نے ہنری کو بچہ دکھایا تو اس نے Ok کے انداز میں گردن ہلا دی پھر ہنری نے اٹھ کر آفس کے دروازے پر Closed کا بورڈ لگا دیا اور دروازہ لاک کر دیا۔ پھر ہنری نے مجھے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا تو میں اس کے ساتھ چلا گیا۔ ہنری اور میں اس کے آفس کے پچھلے حصے کی طرف گلی سے گھوم کر آئے۔ وہاں بھی ایک دروازہ تھا۔ ''اوہ! میں تو اپنا سامان اپنی گاڑی میں ہی بھول آیا ہوں۔ مسٹر ایز یکے! آپ یہ چابی لیجئے اور لاک کھول کر اندر چلئے، میں گاڑی میں سے اپنا سامان لے کر آتا ہوں۔''

ہنری نے چابی میری جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔

میں نے چابی لے لی اور ہنری تیزی سے وہاں سے چلا گیا۔ میں نے بیگ نیچے رکھا اور لاک کھولا اور بیگ اٹھائے بچے کو تھامے میں اندر چلا گیا۔ پھر میں نے بیگ دوبارہ زمین پر رکھا اور لاک سے چابی نکال کر اپنے کوٹ کی جیب میں رکھ لی اور ہنری کا انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی ہی دیر میں ہنری بھی آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں بھی ایک بیگ تھا۔ ہنری نے آگے بڑھ کر زمین پر بچھایا قالین موڑا تو اس کے نیچے ایک دروازہ نکل آیا۔ ہنری نے زمین میں بنے دروازے کو اوپر اٹھایا تو وہاں نیچے جاتی سیڑھیاں نظر آئیں وہاں بیسمنٹ تھا جس سے ہلکی ہلکی روشنی نظر آ رہی تھی۔ ہنری نے مجھے نیچے جانے کا کہا تو میں جھجکتا ہوا بچے کو لے کر نیچے جاتی سیڑھیاں اترنے لگا نیچے مدھم روشنی تھی جو کہ بہت پراسرار معلوم ہو رہی تھی۔

ہنری نے میرے پیچھے اتر کر وہ دروازہ واپس بند کر لیا۔ نیچے ایک بہت بڑا ہال تھا جو کہ ہنری کے پورے آفس کے نیچے تھا۔ وہاں سرخی مائل پیلی لائٹس جگہ جگہ لگی ہوئی تھیں۔ ہال کا فرش بے حد چمکیلا سیاہ رنگ کا تھا جس پر بے حد بڑا سرکل بنا جس کے بیچ ''چھ کونوں والا اسٹار آف ڈیوڈ'' بنا ہوا تھا اور اس اسٹار کے اندر مختلف اعداد بنے ہوئے تھے۔

سرکل کے بائیں طرف ایک سیاہ چبوترا بنا ہوا تھا۔ جس پر پہلے سے جما ہوا خون سیاہ پڑ چکا تھا۔ ''مسٹر ایز یکے! بچے کو اس چبوترے پر لٹا دیجئے۔'' ہنری نے چبوترے کی جانب اشارہ کر کے کہا تو میرا دل دھک دھک کرنے لگا۔

میں نے بڑی مشکل سے اس بچے کو چبوترے پر لٹایا۔

''مسٹر ایز یکے! اب آپ اس شیطانی کھوپڑی کو سرکل میں بنے اسٹار کے بیچ میں رکھ دیں۔'' ہنری نے کہا تو میں نے بیگ میں سے وہ شیطانی کھوپڑی نکالی اور اسے اسٹار آف ڈیوڈ کے بیچ میں رکھ دیا۔

''مسٹر ایز یکے میرے بیگ میں سات پیالے رکھے ہوئے ہیں وہ نکال کر لائیں۔'' ہنری بولا تو میں نے اس کا بیگ کھولا اس میں کافی سامان تھا اور ایک طرف ایک بڑا پیالہ تھا جس کے اندر چھ چھوٹے پیالے رکھے ہوئے تھے میں نے وہ پیالے اٹھا لئے۔ بڑا پیالہ کافی بڑا تھا۔ ''مسٹر ایز یکے! آپ ان چھ پیالوں کو اسٹار آف ڈیوڈ کے کونوں پر رکھ دیں۔'' ہنری نے کہا تو میں نے ایسا ہی کیا۔ ''مسٹر ایز یکے! اب آپ میرے بیگ سے ایک سرخ ویلویٹ کیس مجھے نکال کر دے دیجئے۔'' ہنری نے کہا تو میں نے اس کے بیگ سے سرخ ویلویٹ کیس اسے نکال کر دے دیا۔

ہنری نے کیس کی زپ کھولی تو اس میں سنہری دستے کا ایک بڑا سا نوکیلا خنجر رکھا ہوا تھا۔ پچھلے خنجر سے بھی زیادہ بڑا اور خطرناک! ہنری نے خنجر ہاتھ میں لیا اور عمل پڑھنا شروع کر دیا۔ میں ہونقوں کی طرح اسے دیکھ رہا تھا۔ پھر کافی دیر بعد ہنری نے آنکھیں کھولیں اور اشارے سے

میرا دایاں ہاتھ مانگا میں اپنا ہاتھ اس کی جانب بڑھایا۔ ہنری نے میرے دائیں ہاتھ کی ہتھیلی میں کٹ لگا کر بولا۔ ''پہلے پیالے سے شروع کرو اور گھوم کر سات چکر لگاؤ اور ہر دفعہ ہر پیالے میں اپنا خون ٹپکاؤ!''

میں نے ایسا ہی کیا میں اسٹار آف ڈیوڈ کے کونوں میں رکھے پیالوں میں اپنا خون ٹپکانے لگا۔ میں نے سات چکر لگائے اور ہنری کی ہدایت کے مطابق ان چھ پیالوں میں سات سات دفعہ خون ٹپکایا۔ پھر ہنری نے مجھے اس اسٹار آف ڈیوڈ کے بیچ میں آنے کا کہا اور پھر مجھے اس شیطانی کھوپڑی کے ساتھ اس اسٹار کے بیچ میں لیٹنے کا کہا وہ بھی اس زاویے سے کہ میرا بایاں پیر اس شیطانی کھوپڑی کے اوپر آئے۔ میں اسٹار کے بیچ میں لیٹ گیا اور پھر میں نے ہنری سے پوچھا۔ ''ٹھیک ہے؟''

تو اس نے Ok کا اشارہ کیا پھر ہنری اس شیطانی کھوپڑی کے دوسری طرف بیٹھ گیا اور اس نے اپنا سیدھا ہاتھ کھوپڑی پر رکھا اور آنکھیں بند کر کے عمل کرنے لگا اس کے ہونٹ مسلسل حرکت کر رہے تھے۔ پھر ہنری اٹھ کر میرے قریب آیا اور میرے دل کے مقام پر ہاتھ رکھ کر پڑھنے لگا۔ پھر ہنری کو ایک دم جھٹکے لگنے لگے مگر اس نے اپنی آواز مزید بلند کر لی پھر اس کے جھٹکے مزید تیز ہو گئے مگر ہنری رکا نہیں اور مسلسل پڑھتا رہا پھر اس کے جھٹکے رکے تو ہنری نے پڑھائی روک دی۔ پھر ہنری نے میرے بائیں پیر کے تلوے میں گہرا کٹ لگایا تو میری فلک شگاف چیخ نکل گئی۔ میرے تلوے سے خون دھار بن کر نکلنے لگا اور بہہ کر اس شیطانی کھوپڑی تک جانے لگا۔

میرا خون جیسے ہی اس شیطانی کھوپڑی تک پہنچا، اسٹار آف ڈیوڈ کے چھ کونوں میں رکھے پیالے تڑاخ، تڑاخ کی آواز کے ساتھ ایک ایک کر کے ٹوٹ گئے، پیالوں کے ٹوٹتے ہی اسٹار کے چھ کونے سلگنے لگے ان پیالوں میں ٹپکے میرے خون نے سانپ کی طرح اس شیطانی کھوپڑی کی طرف بہنا شروع کر دیا۔ وہ خون کھوپڑی کی طرف تیزی سے بہہ رہا تھا۔

خون کا کھوپڑی تک پہنچنا تھا کہ پورا اسٹار آف ڈیوڈ سلگ اٹھا۔ پھر لمحہ نہ گزرا تھا کہ کھوپڑی اپنی جگہ اوپر ہوا میں معلق ہو کر گول گول گھومنے لگی اور اس کے منہ سے غراہٹ جیسی آوازیں نکلنے لگیں۔

''مسٹر ایزیکیے! اب وقت آ گیا ہے کہ اس عمل کا سب سے اہم جزو نبھایا جائے۔ آپ فوراً اس بچے کو ذبح کر کے اس کا خون اس بڑے پیالے میں جمع کریں اس وقت فل ریڈ مون ہے!'' ہنری نے چیخ کر کہا۔

ہنری کی بات سن کر میں نے خوفزدہ انداز میں نفی میں سر ہلایا۔ ''مسٹر ایزیکیے! اب واپسی کا کوئی راستہ نہیں ہے آپ ہمت کریں کچھ نہیں ہوتا یہ آپ کی اپنی زندگی کا معاملہ ہے، جلدی کریں اگر ریڈ مون ختم ہو گیا تو اس ادھورے عمل کی وجہ سے میرا کیا حشر ہو گا یہ میں بتا بھی نہیں سکتا۔ یہ عمل میں آپ کے لئے کر رہا ہوں!'' ہنری نے بری طرح خوفزدہ انداز میں چیختے ہوئے کہا۔

کھوپڑی مسلسل حرکت کر رہی تھی اور اس کے منہ سے خوفناک آوازیں نکل رہی تھیں۔

میرا ایک ایک قدم منوں بھاری ہو رہا تھا۔ مجھے ایک قدم اٹھانا بھی دوبھر ہو رہا تھا۔ نجانے کیسے میں اس بچے تک پہنچا۔ وہ معصوم اپنی ننھی ننھی ٹانگیں ہوا میں اٹھائے اپنی انگلیاں منہ میں چبا رہا تھا۔ خنجر میرے ہاتھ میں تھا اور میں سر سے پیر تک لرز رہا تھا۔ میں نے خنجر والا ہاتھ فضا میں بلند کیا بچے کی نگاہیں مجھ پر ہی تھیں۔ میں نے خوف سے آنکھیں میچ لیں۔

''مسٹر ایزیکیے! ریڈ مون ختم ہونے والا ہے جلدی کریں۔ میری پاور اتنی نہیں ہے کہ میں زیادہ دیر تک اس کھوپڑی کو روک سکوں!'' ہنری نے پھر چیختے ہوئے کہا میں نے ہمت کر کے اپنی آنکھیں کھولیں اور بچے کی طرف دیکھا وہ معصومیت سے میری طرف ہی دیکھ رہا تھا۔ پھر میں نے دل میں ایک فیصلہ کیا میں نے ایک نظر ہنری کی طرف دیکھا اور پھر بچے کی طرف۔

پھر میں نے خنجر وہیں پھینکا اور بچے کو وہاں سے اٹھا کر بھاگنے لگا۔ ''نو مسٹر ایزیکیے! ایسا مت کیجئے! رک جائیے مسٹر ایزیکیے! رک جائیے!'' پیچھے سے مجھے ہنری

نے کی آوازیں آرہی تھیں۔ مگر میں رکا نہیں۔

بچہ میں نے ایک یتیم خانے میں دے دیا اور بدھا اپنے گھر چلا آیا۔ جب میں اپنے کمرے میں پہنچا تو دروازے پر ہی ٹھٹک کر رک گیا۔ وہ منحوس بیگ پہلے سے ہی وہاں موجود تھا۔ میں نے اسے کھول کر اس میں جھانکا تو وہ شیطانی کھوپڑی اس میں جوں کی توں پڑی تھی۔ میں نے ٹھنڈی آہ بھری اور بستر پر اوندھا گر گیا۔

مجھے رہ رہ کر ہنری کا خیال آرہا تھا۔ اس نے میرے لئے اتنی مصیبت اٹھائی ہوگی۔ میں اپنے آپ کو لعنت ملامت کررہا تھا کیونکہ میں اسے پیٹھ دکھا کر بھاگ آیا تھا۔ مجھے بہت دکھ ہورہا تھا۔ ہنری کو یوں چھوڑ کر چلے آنے پر مگر میں بھی کیا کرتا ایک ننھے معصوم کو ذبح کرنا! میرے بس کی بات نہیں تھی۔ میں لاکھ برا صحیح مگر اتنا پتھر دل کہیں تھا کہ ایک ننھے بچے کے گلے پر چھری چلادوں! میں نے لائٹ آف کی اور آنکھیں بند کرلیں۔

ساری رات میں اسی پریشانی میں جاگا رہا صبح ہوتے ہی میں نے ہنری سے معافی مانگنے کے لئے اسے کال ملائی مگر اس نے فون ریسیو نہیں کیا۔ میں مسلسل کال ملاتا رہا مگر ہنری نے میری کال پک نہیں کی۔ میں اتنا شرمندہ تھا کہ میری ہمت ہی نہیں ہورہی تھی ہنری کا سامنا کرنے کی۔

پھر میں نے جیب سے اپنا والٹ نکالا تو وہ اس میں نہیں تھا۔ میں نے اپنے کوٹ میں دیکھا تو میرے ہاتھ میں ہنری کی چابی آگئی جو میں نے جلدی میں اپنے کوٹ میں رکھ لی تھی۔ اب تو مجھے ہنری کی چابی بھی واپس کرنی تھی۔ پھر میں نے ہمت جمع کی اور ہنری سے معافی مانگنے کا ارادہ کرلیا، چاہے وہ مجھے دھکے ہی کیوں نہ دے دیتا۔

میں ہنری کے آفس چلا گیا۔ اس کا آفس بند تھا۔ میں نے گھڑی دیکھی تو اس وقت آفس کھلنے کا وقت ہو چکا تھا مگر آفس Closed تھا پھر میرے دماغ میں خیال آیا کہیں ہنری اپنے کسی کلائنٹ کے ساتھ مصروف تو نہیں ہے؟ یہ خیال آتے ہی میں گھوم کر آفس کے پچھلے حصے میں گیا۔ میں نے دروازہ ناک کیا مگر کوئی جواب نہ ملا، میں نے ہنری کو آواز دی مگر اس بار بھی کوئی جواب نہ ملا۔ پھر مجبوراً میں نے اپنی جیب ٹٹولی اور اس میں سے ہنری کی چابی نکال کر دروازے میں لگائی۔ دروازہ کھل گیا میں اندر گیا وہاں سب خالی تھا۔ بالکل خاموشی۔

''مسٹر ہنری!'' میں نے آواز دی مگر کوئی جواب نہیں ملا، پھر میں نے اسی دروازے کو اوپر اٹھایا جو نیچے جاتی سیڑھیوں کے اوپر تھا۔ میں سیڑھیاں اتر کر اندر چلا گیا۔ وہاں کا منظر دیکھتے ہی میری آنکھیں پتھرا گئیں۔

''اوہ گاڈ وہاں کا منظر......!!!'' میرے قدم زمین میں گڑ گئے۔ ''وہ چبوترہ جس پر وہ بچہ لیٹا ہوا تھا اس پر ہنری کے پورے جسم کی کھال اتری ہوئی خون میں لت پت پڑی تھی۔ جبکہ ہنری کے جسم کے اعضاء، دو ہاتھ، دو پیر، اوپر گردن سے لے کر سینے اور نچلا پیٹ اسٹار آف ڈیوڈ کے چھ کونوں پر رکھے ہوئے تھے، پیٹ بھی پورا پھٹا ہوا تھا جس میں سے آنتیں باہر لٹک رہی تھیں۔ جبکہ ہنری کی کھوپڑی اس اسٹار کے بیچوں بیچ اس شیطانی کھوپڑی کی جگہ رکھی ہوئی تھی، ہنری کی کھوپڑی کے منہ کی بھی کھال اتری ہوئی تھی۔ دونوں آنکھیں باہر نکلی ہوئی سامنے پڑی تھیں۔ ہنری کا منہ کھلا ہوا تھا اور اس کی زبان بیچ میں سے دو حصوں میں تقسیم باہر پڑی تھی اور ہنری کا اپنا خنجر خون میں لت پت اس کی کھوپڑی کے بیچ میں دستے تک پیوست تھا!''

میں وہاں سن کھڑا تھا کہ ایک دم ایک اور بم میرے سر پر پھوٹ گیا وہ بھی اتنا خوفناک کہ میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے!

میں وہاں کھڑا ہی تھا کہ ہنری کی کھوپڑی۔ کے منہ سے ایک دم آواز نکلی۔ ''مسٹر ایز کیے! دیکھیں آپ کی وجہ سے میری کیا حالت ہوئی ہے؟'' اتنا ہونا تھا کہ میں وہاں سے سر پر پیر رکھ کر بھاگا پیچھے سے مجھے ہنری کے فلک شگاف قہقہے سنائی دیئے مگر میں رکا نہیں اور پر سیڑھیاں چڑھتے ہوئے میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو سیڑھیوں میں میرے قدم گڑ گئے۔

''ہنری کے کٹے ہوئے بغیر کھال کے خون میں لت پت پیر میری طرف آرہے تھے۔ بالکل اسی طرح اس کے دونوں کٹے ہوئے ہاتھ اچھل اچھل کر میری

طرف لپک رہے تھے۔'' میں نے اپنے حواس جمع کئے اور اوپر سیڑھیاں چڑھ کر بیسمنٹ میں جانے والا دروازہ بند کیا اور باہر نکل کر دروازہ لاک کردیا۔ میں نے بدحواسی میں بھی اپنے پیچھے سارے دروازے بند کردیئے تھے۔ میں روڈ پر سرپٹ دوڑ رہا تھا۔ بھاگتے بھاگتے میں سیدھا گھر گیا اور صوفے پر گر گیا اور گہرے گہرے سانس لینے لگا مجھے لگا اگر میں تھوڑا اور بھاگتا تو میرے پھیپھڑے پھٹ جاتے۔

''اوہ! گاڈ یہ سب کیا ہو رہا ہے؟'' میں نے دونوں ہاتھوں سے اپنے بالوں کو پکڑتے ہوئے خود کو کہا۔ میرے کانوں میں آواز آئی۔ تو میری ہی نظر دیوار پر نصب فل سائز اسکرین پر گئی۔ بگ اسکرین پر نیوز چل رہی تھیں۔ میں نے ذہن کو جھٹکا اور نوکر سے ٹھنڈا پانی منگوایا۔ اپنے حواس درست کرکے میں سیدھا ہوکر بیٹھ گیا اور اپنا دھیان نیوز کی طرف کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ نوکر ٹھنڈا پانی لے کر آ گیا۔ میں نے ٹھنڈے پانی کا گلاس ہونٹوں سے لگایا اور ایک ہی سانس میں پانی پینے لگا۔

ابھی گلاس میرے ہونٹوں سے لگا ہوا ہی تھا کہ اسکرین پر بریکنگ نیوز چلنے لگی۔ بریکنگ نیوز کسی بلڈنگ میں آگ لگنے کی تھی۔ آگ بہت خوفناک لگی تھی۔ 52 منزلہ عمارت پوری آگ میں گھری ہوئی تھی اور شعلے بھڑک رہے تھے اور وقفے وقفے سے عمارت میں جلنے سے دھماکے ہو رہے تھے۔

جب میں نے غور سے نیوز سنی تو میرے حلق سے نیچے اترتا پانی بیچ میں ہی اٹک گیا۔ یہ وہی بلڈنگ تھی جس کے گراؤنڈ فلور پر ہنری کا آفس تھا۔ وہاں سب کچھ جل کر راکھ ہو رہا تھا۔ اسکرین پر نیوز اینکر نے جائے وقوعہ سے نیوز رپورٹر کو آن ایئر لیا تو اس رپورٹر نے بتایا کہ ''اس نے عینی شاہدین سے بات کی ہے ان کا کہنا ہے کہ اس بلڈنگ کے گراؤنڈ فلور پر مسٹر ہنری اسمتھ کا آفس تھا جو Exorcism یعنی جنتر منتر، جھاڑ پھونک کے ماہر تھے۔

آگ اسی آفس کے بیسمنٹ میں لگی تھی پہلے اس نے مسٹر ہنری اسمتھ کے آفس کو جلایا پھر دیکھتے ہی دیکھتے پوری بلڈنگ نے آگ پکڑ لی۔ آگ لگنے کی وجہ تو اس وقت معلوم ہوگی جب یہ آگ بجھے گی اور تحقیقات ہونگیں مگر فی الحال تو سب پر ترجیح اس آگ کو بجھانے کی ہے کیونکہ ماہرین کا خدشہ ہے کہ آگ اس لیول پر بھڑک رہی ہے کہ وہ دوسری بلڈنگ کو بھی اپنی لپیٹ میں لے سکتی ہے!''

میں نے بے اختیار اپنا سر پکڑ لیا اور گلاس میرے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر کرچی کرچی ہوگیا۔ خوف سے میرے پورے وجود میں سنسناہٹ ہو رہی تھیں۔ میں سر پکڑے یہ سوچ رہا تھا کہ ''میں تھوڑی دیر پہلے تک اسی بیسمنٹ میں تھا اگر میں وہاں سے نہیں نکلتا تو میرا کیا حال ہوتا، کیونکہ مجھے موت آ نہیں سکتی تھی۔ اس شیطانی کھوپڑی کے ہوتے تو کیا میں جل کر زندہ ہی اس اذیت کو سہتا رہتا۔'' یہ سوچ کر مجھے جھرجھری آنے لگی۔ میرا دماغ ماؤف ہوتا جا رہا تھا۔ میرے کانوں میں گھوں گھوں کی آوازیں آنے لگیں اور پھر میری آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔

میں اسپتال میں ہی تھا میرا Nervous break down ہوا تھا۔ مگر موت مجھے پھر بھی نہیں آئی اور آتی بھی کیسے......؟ جب میری حالت سنبھلی اور میں گھر شفٹ ہوگیا تو بھی میں افسردہ تھا، گم صم تھا، مجھے ہر طرف اندھیرا دکھائی دے رہا تھا۔ میں خود کو بند گلی میں کھڑا محسوس کرر ہا تھا۔ میں کیا کروں مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ میں بالکل بلینک ہوگیا تھا۔ ہنری کے انجام سے مجھے کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔

وقت گزرنے لگا اور میں وہیں رک گیا۔ دن رات سوچ سوچ کر میں پاگل ہوتا جا رہا تھا۔ پھر ایک روز میں نے بہت سوچ سمجھ کر ایک فیصلہ کیا۔ اگرچہ فیصلہ مشکل تھا مگر میرے سامنے کوئی راستہ نہیں تھا اور مجھے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ میرا فیصلہ صحیح ہے بھی یا نہیں مگر میں نے پھر بھی فیصلہ کرلیا اور وہ اٹل تھا۔

میں نے تمام عیش و عشرت چھوڑ دی، سارا روپیہ ساری دولت، ساری جائیدادیں، اپنا سب کچھ چیریٹی میں دے دی اور خود بالکل خالی ہاتھ صرف وہ منحوس بیگ لے

میں ہٹن سے واپس میکسیکو یونیورسٹی پارک آ گیا جو ی اصل مٹی ہے۔ اب میں دوبارہ اسی طرح ان مانوس گلیوں میں آوارہ پھرتا ہوں۔ جیب میں پھوٹی کوڑی نہیں ہے جو کچھ بھیک میں مل جائے، یا جو کچھ کچرے سے مل جائے وہ میں کھا کر اپنے وجود کا بوجھ گھسیٹ رہا ہوں۔ اور اسی طرح جیوں گا۔ کون کہہ سکتا ہے کہ میں کروڑ پتی ہوں۔" اتنا کہہ کر وہ بوڑھا خاموش ہوگیا۔

اسٹیون ہونقوں کی طرح منہ کھولے بوڑھے کی داستان سن رہا تھا۔ بوڑھے نے بات ختم کرکے اسٹیون کی جانب دیکھا اور اس کی حالت پر مسکرا کر بولا۔ "کیوں دوست! یقین نہیں آرہا ہے ناں میری داستان پر؟" اس کی آواز پر اسٹیون ہڑبڑا گیا۔ "ن ن نہیں......!" پھر سنبھل کر سوچتے ہوئے بولا۔ "اب وہ بیگ کہاں ہے؟"

تو بوڑھا ٹھنڈی آہ بھر کر بولا۔ "جائے گا کہاں؟ یہ رہا میرے پاس!" اور اپنی کمر کے نیچے سے ایک بیگ نکال کر اسٹیون کے سامنے کردیا۔ اسٹیون سنبھل کر بیٹھ گیا اور بولا۔

"اف یو ڈونٹ مائنڈ! تو کیا آپ مجھے یہ بیگ کھول کر دکھا سکتے ہیں؟"

اسٹیون کی فرمائش پر بوڑھے نے کچھ دیر سوچا اور پھر بیگ کھول کر اسٹیون کے آگے کردیا۔ اسٹیون نے بیگ میں جھانک کر دیکھا تو اس میں ایک طرف سو سو ڈالرز کی گڈیاں رکھی ہوئی تھیں اور ایک طرف ایک انسانی کھوپڑی جس کے ماتھے پر درج تھا۔ "Enrique Pena Nito" بوڑھے نے بیگ واپس بند کردیا۔

"اب آگے آپ کیا کریں گے؟" اسٹیون نے سوال کیا تو بوڑھا بولا۔ "ایک لمبا انتظار یا پھر مختصر انتظار!"

اسٹیون نے جھجکتے ہوئے بوڑھے کو مخاطب کیا اور بولا۔ "مسٹر ایزیکے! اگر آپ کو اس بیگ کی ضرورت نہیں ہے تو آپ یہ مجھے دے دیں!"

بوڑھا اس کی بات سن کر پریشان ہوگیا اور بولا۔ "میں تمہیں اسی لئے یہ بیگ دکھانے سے پہلے سوچ رہا تھا کیونکہ اس بیگ کے چنے ہوئے اگلے شکار تم ہی ہو، ورنہ یہ کبھی تمہارے سامنے ظاہر نہیں ہوتا! میری داستان

# نظر بد

نظر بد کا وجود حق ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

نظر بد آدمی کو قبر میں پہنچا دیتی ہے اور اونٹ کو ہانڈی میں۔"

نظر بد میں بڑی تاثیر ہوتی ہے۔ اصمعیؒ نے کہا: "ایک شخص جس کی نظر لگ جاتی تھی اس کا ایک پتھر کے حوض کے پاس سے گزر ا ہوا تو وہ بولا۔

"اللہ کی قسم! میں نے آج تک ایسا حوض نہیں دیکھا۔" اس کا اتنا کہنا تھا کہ حوض کے دو ٹکڑے ہو گئے۔

اسی طرح ایک شخص کی ایک خوب صورت لڑکی تھی۔ ایک دن وہ اس کے پاس آیا اور اس کی نظر اپنی لڑکی پر پڑی تو اس نے اللہ کا ذکر نہیں کیا اور صرف یہ کہا:

"وہ شخص کیا ہی خوش نصیب ہے جس کے حصے میں تو آئے گی۔" تو سورج بھی نہیں نکلا کہ اس لڑکی کا انتقال ہوگیا!

اللہ کے رسول ﷺ جنوں اور انسانوں کی نظر بد سے اللہ کی پناہ مانگا کرتے تھے۔ لیکن جب معوذتین (سورہ فلق، سورہ الناس) نازل ہوئیں تو ان ہی (کا ورد) اختیار کرلیا اور ان کے علاوہ جو عمل تھا وہ ترک کردیا۔ (نسائی)

(ایس حبیب خان-کراچی)

عبرت سن کر بھی تمہیں یہ بیگ چاہئے؟"
جلدی سے اسٹیون سنبھل کر بولا۔ "ہاں بالکل مجھے چاہئے!" بوڑھے نے اسٹیون کو عجیب نظروں سے دیکھا اور بولا۔ "میرے دوست! میرا مشورہ مانو تو اس عذاب کو اپنے گلے مت پڑنے دو۔" بوڑھے کے انداز میں ہمدردی تھی۔

مسٹر ایزیکے! میں اس بھکاریوں والی زندگی سے تنگ آ گیا ہوں، مجھے بھی اچھی صاف ستھری زندگی جینی ہے، مجھے بھی دولت کی چاہ ہے!" اسٹیون نے جواب دیا۔

"میرے دوست! اس دولت کی بہت بھاری قیمت ہے، جو تمہیں تاحیات چکانی پڑے گی!" بوڑھے نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"ہاں میں وہ قیمت چکانے کو تیار ہوں، مجھے سب منظور ہے، بس آپ یہ بیگ مجھے دے دیں۔" اسٹیون نے بے صبری سے کہا۔

"ایک مرتبہ پھر سوچ لو! جس دولت کے لئے تم اتنا بے قرار ہو رہے ہو، جب اسے استعمال کرنے کے لئے عمر اور صحت ہی نہیں رہے گی تو کیا کرو گے؟ سب کچھ پاس ہوگا مگر تم اسے استعمال نہ کر سکو گے اور بہت پچھتاؤ گے!"

بوڑھے نے کہا تو اسٹیون جلدی سے بولا۔ "ہاں بابا سوچ لیا!" بوڑھے نے ایک لمبا سانس لیا اور بولا۔ "میرے دوست میں نے ایک بار نہیں، تمہیں کئی بار سمجھایا، مگر تم نہیں مان رہے ہو، میں نے اپنا فرض ادا کر دیا اب آگے تم جانو اور یہ بیگ۔"

پھر وہ بوڑھا رک گیا اور وہ بیگ دوبارہ سامنے رکھ کر بولا اور اپنی آنکھیں بند کر لیں اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ کر اس کے گالوں پر آ رہے تھے پھر اس نے آنکھیں کھولیں اور اسٹیون سے بولا۔ "میرے دوست! آخری مرتبہ کہتا ہوں سوچ لو!"

مگر اسٹیون نے اس کی بات اڑا دی اور بولا۔ "مجھے سب کچھ منظور ہے!"

بوڑھے نے ٹھنڈی سانس لی اور زور سے بولا۔ "میں ایزیکے پیپانیتو، اس بیگ سے دستبردار ہوتا ہوں، کیونکہ یہ نوجوان اس بیگ کو اپنی مرضی اور خوشی سے لے رہا ہے!"

اس بوڑھے نے بیگ کو بند کر دیا اور اپنی آنکھیں موند پھر چند منٹوں بعد اس نے آنکھیں کھولیں اور بیگ اسٹ کی جانب بڑھاتے ہوئے بولا۔ "میں نے تمہیں ہر سے آگاہ کر دیا تھا، مگر تم نہیں مانے، اب تم جانو اور یہ بیگ

اسٹیون نے جلدی سے بوڑھے کے ہاتھ سے جھپٹ لیا۔ بیگ جیسے ہی بوڑھے کے ہاتھ سے اسٹیون ہاتھ میں گیا۔ اس بوڑھے نے دل کے مقام سے اپنے بھینچ لیا، اس کی آنکھیں بری طرح پھٹ گئی تھیں اور ہوا تھا، پھر وہ ایک طرف گرا اور ہچکی لی، اس کی گردن جانب ڈھلک گئی اور وہ اس جہان فانی سے کوچ کر گیا۔

اسٹیون نے اس کی طرف دیکھا مگر اس کی توجہ اس بیگ میں بھری دولت کی طرف تھی اس بوڑھے کو نظر انداز کر دیا اور بیگ کو سینے سے لگا کر اس کی آنکھیں خوشی سے چمک رہی تھیں۔ وہ اپنی والی خوشحال زندگی کے تصور میں مسکرا رہا تھا، اسے چاروں طرف دولت ہی دولت نظر آ رہی تھی وہ بھی کبھی ختم ہونے والی، کافی دیر تک وہ پلاننگ کرتا رہا کہ وہ سے نکل کر سب سے پہلے کیا کرے گا۔ پھر جب اس سب کچھ سوچ لیا تو وہاں سے اٹھا خوشی کے مارے کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔

وہاں سے جاتے جاتے اس نے آخری مر کر بوڑھے ایزیکے کی جانب دیکھا تو وہ اپنی جگ اچھل گیا کیونکہ وہاں اسی پچاسی سالہ بوڑھے ایز کے بجائے ایک بیس سالہ نوجوان کی لاش پڑی تھی۔ اس بیس سالہ لڑکے کا چہرہ بالکل بوڑھے ایز جیسا تھا، عمر کا فرق تھا۔ اس لاش کی ہر چیز اس بو جیسی تھی۔ اس لاش کا لباس، اس لاش کے پڑے کا انداز سب کچھ بالکل اس بوڑھے جیسا تھا، اسٹ ہاتھ میں بیگ لئے ہونقوں کی طرح اس بیس ایزیکے پیپانیتو کی لاش کو تک رہا تھا۔



# انوکھی دنیا

آصف آیان لہڑی۔نصیر آباد بلوچستان

**اچانک ایک کان پھاڑ دھماکہ ہوا اور چشم زدن میں نوجوان کا پورا جسم ٹکڑوں میں بٹ گیا، مگر اس کی آنکھیں محفوظ تھیں اور وہ اپنی آنکھوں سے اپنا انجام دیکھ رہا تھا کہ اتنے میں......**

آسیبی دنیا کی ایک عجیب وغریب......دل ودماغ پر سکتہ طاری کرتی......لرزیدہ کہانی

**اللہ تعالیٰ** نے اس دنیا کو بہت انوکھا اور ... نایا ہے۔قدرت کی ہر تخلیق میں کوئی نہ کوئی فائدہ ... اس دنیا میں انسان، حیوان، جانور، چرند، پرند، ... غرض ہر چیز میں کوئی نہ کوئی فائدہ موجود ہے، بلکہ ... ہا ہے ''کہ کوئی چیز بے کار نہیں قدرت کے یہ ... انے میں۔'' یہ کہانی بھی ایک انوکھی کہانی ہے۔ ... ان جو کہ ایسی دنیا میں پہنچ گیا جہاں آج تک کوئی انسان نہ گیا۔ جو کہ عجیب اور منفرد تھا۔زین آج اسکول سے واپسی پر بہت خوش تھا ''امی آج ماسٹر صاحب نے ہمیں بہت سی قیمتی معلومات دیئے'' زین نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

''اچھا بیٹا مجھے بھی تو بتاؤ، آج میرے پیارے بیٹے نے کیا کچھ سیکھا۔'' زین کی امی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''امی ماسٹر صاحب نے ہمیں بتایا کہ اس دھرتی پہ جنات، چڑیل، بھوت اور پری اپنی اپنی دنیا میں رہتے ہیں۔''

جن میں شریف مخلوقات بھی ہیں اور شریر بھی ہیں۔ امی مجھے آپ بتائیں کہ۔۔۔ جنات، چڑیل، بھوت اور پری کہاں رہتے ہیں۔۔۔؟'' زین نے تجسس بھرے لہجے میں کہا۔

''اوہ! زین بیٹا تمہیں کیا ہوگیا ہے، غیر معمولی باتوں میں تم اس قدر دلچسپی کیوں لیتے ہو، بیٹا جنات، چڑیل، بھوت اور پری سب اللہ کے پیدا کردہ ہیں وہ اپنی دنیا میں خوش ہیں اور ہم اپنی دنیا میں خوش ہیں۔ لہٰذا ان باتوں پر زیادہ توجہ نہ دیا کرو بلکہ اپنی پڑھائی میں زیادہ دھیان لگایا کرو۔''

زین کی امی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ امی کی باتیں سن کر زین سر جھکا گیا اسے مایوسی ہوئی لیکن اس نے اپنی امی کو محسوس ہونے نہیں دیا۔

''جی امی جیسے آپ کی مرضی'' یہ کہہ کر زین نماز پڑھنے کے لئے وضو کرنے چلا گیا۔

نماز پڑھنے کے بعد کھانا کھایا، کھانے کے بعد کچھ دیر آرام کرنے کے لئے لیٹ گیا۔

زین کی عمر 14 سال تھی، وہ 9th کلاس کا اسٹوڈنٹ تھا۔ وہ بہت محنتی اور ہوشیار تھا بڑوں کی بات دل سے مانتا تھا۔

اپنے سے چھوٹوں پر شفقت کرتا اس کا ہر کام دوسروں کو خوشی پہنچاتا تھا۔

ایک دن وہ اپنے کزن کے گھر میں ایک خوفناک فلم دیکھ رہا تھا کہ اس دن سے زین کے دل میں جنات اور چڑیلوں کو دیکھنے کا خواہش پیدا ہوگیا تھا۔ اس فلم کو دیکھنے کے بعد زین ہر کسی سے جنات اور چڑیلوں کے بارے میں پوچھتا رہتا تھا۔ بعض لوگ اپنی معلومات کے مطابق اسے معلومات دے دیتے اور بعض اسے خبطی سمجھ کر ٹال دیتے تھے۔ اس کو ماسٹر صاحب کچھ نہ کچھ معلومات اسے ضرور دیتے تھے۔ لیکن جب امی سے اس بارے میں کچھ پوچھتا تو امی ا پیار سے سمجھاتیں اور ان باتوں کے بارے میں پو سے منع کر دیتی تھیں۔ وہ روزانہ کسی نہ کسی سے یہ با ضرور پوچھتا۔ گویا جنات اور چڑیلوں کو جاننے کا اس بھوت سوار ہوگیا تھا۔

ایک دن کی بات ہے زین کے جماعت میں ایک ہندو لڑکا پڑھنے کے لئے آیا۔ زین نے اس طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا۔ جسے اس نے فوراً قبول کرلیا۔ اس لڑکے کا نام کمار تھا چند دنوں میں ہی ان دوستی کا پودا مکمل درخت بن گیا۔ ایک دن باتوں باتوں میں زین نے جنات، چڑیل، بھوت اور پریوں کے بارے میں کمار سے پوچھا۔

''یار یہ کیسے ہوتے ہیں اور کہاں ہوتے ہیں اور ہم ان سے کیسے مل سکتے ہیں؟'' زین نے دلچسپ لہجے میں پوچھا۔

''جنات عموماً ویران یا غیر آباد جگہوں پر رہتے ہیں، جہاں انسانوں کا گزر بسر نہ ہونے کے برابر ہو۔''

''جنات کی شکل وصورت انتہائی خوفناک ہوتی ہے۔''

''اور تم پوچھ رہے ہو کہ ہم جنات سے کیسے مل سکتے ہیں تو'' میرے دادا جی ایک مشہور پنڈت ہیں ان کے قبضے میں بہت سے جنات اور نادیدہ قوطاقتیں ہیں۔ انہیں ایک خاص منتر آتا ہے جسے پڑھ کر وہ جنات کے بارے میں معلومات اکٹھا کرتے ہیں انہیں اس طرح کے اور بھی منتر آتے ہیں۔ جنہیں پڑھ کر وہ مختلف شکتیوں کو حاصل کرتے ہیں بچوں کو وہ کبھی بھی منتر نہیں سکھاتے، میں نے کئی بار ان سے منتر سیکھنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن ناکام رہا، ان کے پاس منتروں کی کئی کتابیں موجود ہیں۔''

یہ کہہ کر کمار خاموش ہوگیا۔

کمار کے بارے میں یہ جان کر کہ وہ ایک مشہور پنڈت کا پوتا ہے زین خوشی کے مارے پھولے نہیں سما رہا تھا۔ اسے کمار ہیرا لگ رہا تھا وہ بہت خوش ہوا ''یار تم ایسا کرو ایک دن کے لئے اپنے دادا کی منتر والی کتاب

۔۔۔ بچپو! اکر مجھے دے دو، اگلے دن میں واپس
۔۔۔ دوں گا۔ ''Please'' کمار ناں مت بولنا۔ پلیز!
۔۔۔ میرا پیارا دوست'' زین کمار کے سامنے ہاتھ جوڑ کر
۔۔۔ زین کو بغور دیکھتے ہوئے کمار نے کہا ''ٹھیک ہے
۔۔۔ کوشش کرتا ہوں۔'' یہ سن کر زین اس کے ہاتھوں کو
۔۔۔ لگا۔

''Thank You My Dear'' مجھے تم
۔۔۔ یہی امید تھی'' زین نے کہا۔

اسکول سے چھٹی کے بعد زین اپنے گھر آ گیا
۔۔۔ وہ بہت خوش تھا اسے بے چینی سے کل کا انتظار تھا۔
۔۔۔ کا دن اس کے لئے صدیوں کے برابر تھا رات اس
۔۔۔ کروٹیں لے لے کر گزارا۔ صبح سویرے اٹھ گیا ناشتہ
۔۔۔ اور اسکول کے لئے روانہ ہو گیا۔ آج وہ سب سے
۔۔۔ اسکول پہنچ گیا تھا۔ 15 منٹ بعد کمار بھی آ گیا
''کمار۔۔۔ کمار'' زین بھاگتا ہوا کمار کے پاس گیا
''کمار لائے ہوناں؟'' زین نے کہا۔

''ہاں یار کیوں نہیں لیکن کل اسے ضرور واپس
۔۔۔ میں دادا جی سے چوری چھپے لایا ہوں'' کمار نے کہا۔

''ہاں یار ضرور لاؤں گا، اب مجھے دکھا بھی دو
۔۔۔'' زین نے بے چینی سے کہا تو کمار نے اپنے بیگ
۔۔۔ ایک کتاب نکال کر اس کے سامنے کر دیا ''واہ کتنی
پیاری ہے'' زین کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

''اور ہاں اسے سنبھال کر رکھنا'' کمار نے کہا۔

''ارے بے فکر ہو جاؤ'' یہ کہتے ہوئے زین نے
کتاب اپنے بیگ میں رکھ لی۔

''دوست تمہارا بہت بہت شکریہ، تم نے میری
بہت بڑی خواہش پور کر دی ہے زین نے مسکراتے
ہوئے کہا۔

اسکول سے چھٹی کے بعد زین سیدھا گھر پہنچ گیا
۔۔۔ کیا نماز پڑھی کھانا کھایا اور ہوم ورک لکھنے بیٹھ گیا
۔۔۔ اسے بے چینی سے رات کا انتظار تھا، خدا خدا کر کے دن
گزر گیا رات ہو گئی زین نے جلدی جلدی کھانا کھایا،
اور اپنے کمرے میں چلا گیا اس نے کمرے کو کنڈی
لگائی۔ منتروں والی کتاب اپنے بیگ سے نکال کر مطالعہ کرنے لگا اور پھر ایک منتر پڑھنے لگا وہ بار بار منتر کو دہراتا رہا اسے منتر پڑھنے سے بڑا سرور مل رہا تھا 100 سے زیادہ جب اس نے منتر پڑھا تو اس کا سر چکرانے لگا، وہ دھڑام سے زمین پر گر گیا اور بے ہوش ہو گیا۔ اور پھر اس نے خود کو ایک بہت بڑے اور گھنے جنگل میں پایا۔ جنگل کے ہر درخت کا رنگ کالا تھا، پہاڑ، چشمے، تالاب غرض ہر چیز کا رنگ کالا تھا، زین ہر چیز کو بڑے غور و فکر کے ساتھ دیکھتے ہوئے وہ آگے ہی آگے بڑھتا گیا ایک جگہ پر اس کی نظر تین چڑیلوں پر پڑی، جو کہ جانور کو نوچ نوچ کر کھا رہی تھیں۔

ایک چڑیل نے اسے دیکھ لیا، اس نے اپنی باقی ساتھیوں کو زین کی طرف متوجہ کیا ان تینوں نے زین کو دیکھ لیا وہ اس کے پیچھے دوڑنے لگیں زین نے انہیں اپنی طرف آتا ہوا دیکھ کر فوراً بھاگنا شروع کیا چڑیل اس کے پیچھے پیچھے دوڑ رہی تھیں چڑیلوں کو دیکھ کر زین کو بہت ڈر لگ رہا تھا اور پھر ایک چڑیل نے زین کو پکڑ لیا۔ اس نے اپنے بڑے بڑے دانت زین کی گردن میں گاڑ دیئے درد کی ایک تیز لہر زین کے پورے جسم میں سرایت

## سرمائے میں اضافہ

ایک بچے نے معصومیت سے سوال کیا۔ سر! کیا یہ بات درست ہے کہ بچے قوم کا سرمایہ ہیں۔ اور ملک و ملت کا تابناک مستقبل ہیں۔

''بالکل۔'' سر نے جواب دیا۔ ''تم نے بالکل ٹھیک سنا ہے۔''

بچے نے معصومیت سے کہا۔ ''سر! مگر حکومت اس سرمائے میں اضافے سے پریشان کیوں ہے۔''

(محمد علی۔ کراچی)

کرگئی وہ درد کی وجہ سے چیخنے چلانے لگا کہ ان چڑیلوں نے چند لمحات میں ہی زین کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا اور مزے مزے سے زین کا گوشت کھانے لگیں لیکن حیرت کی بات ہے کہ جب چڑیلوں نے زین کو پورا کھالیا تو وہ دوبارہ زندہ ہوگیا۔

اب وہ ایک کالے پہاڑ کی چوٹی پر بیٹھا تھا" پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور آگے کو چلنے لگا کہ اچانک لمبے قد وقامت والے ایک شخص نے اسے پکڑلیا اس نے اسے اپنے دونوں ہاتھوں پر اٹھالیا اور پہاڑ سے نیچے پھینک دیا تو زین قلابازیاں کھاتا ہوا پہاڑ سے نیچے گرنے لگا پہاڑ بہت اونچا تھا وہ پتھروں سے ٹکڑاٹکرا کر نیچے کی طرف آرہا تھا کہ اس کا سر پھٹ گیا پورا جسم زخمی ہوگیا۔" اور پھر نیچے زمین پر گرتے ہی گدھوں کے ایک جھنڈ نے اسے کھانا شروع کردیا۔

چند منٹ میں ہی وہاں ہڈیوں کا ایک ڈھانچہ دکھائی دیا، زین نے پھر دیکھا کہ وہ جھیل کے کنارے بیٹھا ہوا تھا جھیل کے پانی کا رنگ کالا تھا وہ حیرانگی سے دیکھ رہا تھا کہ پھر وہ اس جگہ سے اٹھ گیا واپس مڑا ہی تھا کہ پیچھے سے ایک بڑے بھیڑیا نے اسے دبوچ لیا اس نے زین کو کھانا شروع کیا اور زین کے پورے جسم کو ہڑپ کرگیا۔

زین اس انوکھی دنیا میں بار بار موت کا شکار ہورہا تھا وہ ختم ہوجاتا لیکن پھر زندہ ہوجاتا۔ بار بار اسے موت کی اذیت ناک لمحوں سے گزرنا پڑرہا تھا وہ اپنے کیے پر اب پچھتا رہا تھا۔" صبح کا اجالا ہر سو پھیل چکا تھا گھر والے بیدار ہوچکے تھے زین کی امی زین کو اٹھانے اس کے کمرے میں گئیں اٹھو زین بیٹا آج اسکول نہیں جانا ہے کیا؟ لیکن زین تو نہ جانے کس دنیا میں چلا گیا تھا۔ اس کی امی کی چیخ نکل گئی انہوں نے فوراً زین کے والد کو تمام صورتحال سے آگاہ کردیا زین کے والد نے زین کو جھنجھوڑ دیا لیکن زین ٹس سے مس نہیں ہورہا تھا اس کے ابو فوراً اسے اسپتال لے گئے ایسا لگ رہا تھا جیسے زین مرگیا ہو ڈاکٹر اسے Emergency میں لے گیا" زین کے والدین کا حال بہت برا تھا اس کی امی زاروقطار رو رہی تھیں جبکہ دیگر رشتے دار بھی سسکیاں بھر رہے تھے۔

☆......☆......☆

زین کو ایک چڑیل نے اپنی ملکہ چڑیل کے پاس لے گئی وہ چڑیلیں انتہائی بھیانک تھیں ملکہ چڑیل نے ایک سرد نگاہ اس پر ڈالی "اے بالک کون ہو تم اور یہاں کیا لینے آئے ہو۔۔۔؟ تمہیں پتا نہیں ہے کہ یہ چڑیلوں کا علاقہ ہے" ملکہ چڑیل نے غصے میں کہا۔

"ج ج، جی وہ میں غلطی سے یہاں پہنچ گیا ہوں مجھے پتہ نہیں تھا کہ یہ آپ لوگوں کا علاقہ ہے" زین نے بڑی مشکل سے کہا۔

"اب تمہیں اس غلطی کی سزا مل کے رہے گی" ملکہ چڑیل نے کہا پھر اس نے باقی تمام چڑیلوں کو اپنی زبان میں نہ جانے کیا کہا تو انہوں نے فوراً زین کو چیر پھاڑ کے رکھ دیا، زین کو اس انوکھی دنیا میں بار بار درد وتکلیف سے گزرنا پڑرہا تھا۔ موت ہر چند منٹ کے بعد اسے گلے سے لگارہی تھی اسے اپنی دنیا بے اختیار یاد آنے لگی۔

☆......☆......☆

ڈاکٹر Emergency سے باہر نکلے، انہیں دیکھ کر زین کے والد فوراً ان کے پاس پہنچے "ڈاکٹر صاحب کیسا ہے زین۔۔۔؟" زین کے ابو نے پوچھا۔

"عنایت صاحب ابھی ہم کچھ بھی نہیں کہہ سکتے۔ آپ کا بیٹا کومہ میں ہے، اسے دعا کی بہت ضرورت ہے" یہ کہہ کر ڈاکٹر چلا گیا۔ عنایت صاحب کی آنکھوں سے آنسو آگئے انہیں سمجھ نہیں آرہا تھا کہ زین کو کون سی بیماری ہے۔ وہ انتہائی پریشان تھے۔ اور اللہ سے دعا کررہے تھے۔

☆......☆......☆

"تم اس وقت تک اس انوکھی دنیا سے نہیں نکل سکتے، جب تک وہ پنڈت راکیش کو پتہ نہ چلے کہ اس کی منتر والی کتاب تمہارے پاس ہے۔ بے شک تمہارا جسم

ایلی دنیا میں موجود ہے لیکن تمہاری آتما اور احساسات تو یہاں اس انوکھی دنیا میں موجود ہیں" یہ کہہ کر جل پری غائب ہوگئی۔ زین سمندر کے کنارے بیٹھا ایک جل پری کو اپنی کہانی سنا رہا تھا۔ "جل پری کیا آپ میری مدد نہیں کرسکتی ہیں۔۔۔؟" زین نے کہا "میں خود یہاں پر قید ہوں پھر میں کیسے تمہاری مدد کرسکتی ہوں" پری نے کہا۔

ادھر کمار بہت پریشان تھا آج تیسرا دن تھا زین اسکول نہیں آیا تھا اسے بہت پریشانی ہو رہی تھی کہ اگر دادا جی کو پتہ چلا تو میری خیر نہیں ہے یہ سوچ کر وہ بہت پریشان ہو رہا تھا۔ چنانچہ اس نے ایک دوست سے زین کے گھر کا ایڈریس پوچھا۔

دوست نے اسے زین کے گھر کا ایڈریس دے دیا تو وہ فوراً زین کے گھر کی طرف چل دیا، 40 منٹ کی مسافت کے بعد وہ زین کے گھر کے دروازے کے سامنے کھڑا تھا۔

اس نے دروازے کو کھٹکھٹایا چند منٹ کے بعد ایک عورت نے دروازہ کھول دیا "جی بیٹا کیا کام ہے، آپ کو" عورت نے پوچھا "آنٹی زین گھر میں ہے۔۔۔؟ تین دن سے وہ اسکول کیوں نہیں آ رہا ہے؟" کمار نے ایک ہی سانس میں تمام سوالات پوچھ ڈالا۔

زین کا نام سن کر اس عورت کا چہرہ افسردہ ہوگیا "آؤ بیٹا اندر آؤ" اس عورت نے کہا اس نے کمار کو ڈرائنگ روم میں بیٹھایا اور پوچھا۔

"بیٹا تمہارا نام کیا ہے؟"

"میرا نام کمار ہے آنٹی" کمار نے کہا۔

"بیٹا تم ہندو ہو کیا۔۔۔؟"

"جی آنٹی" کمار نے کہا۔

"بیٹا میں زین کی ماں ہوں، تین دن پہلے زین بالکل ٹھیک تھا۔ رات کا کھانا کھا کر وہ اپنے کمرے میں چلا گیا صبح جب میں اسے جگانے اس کے کمرے میں گئی تو وہ بے ہوش تھا ہم اسے اسپتال لے گئے تین دن سے وہ بے ہوش کومہ میں پڑا ہے" یہ کہہ کر زین کی امی خاموش ہوگئیں۔" کمار فوراً سمجھ گیا کہ زین نے ضرور کوئی نہ کوئی الٹا سیدھا منتر پڑھ لیا ہوگا۔ چنانچہ اپنے دوست کی زندگی کو بچانے کے لئے اس نے زین کی ماں کو ساری باتیں سچ سچ بتادیں یہ باتیں سن کر زین کی ماں کے دل میں امید کی ایک کرن روشن ہونے لگی "بیٹا تم اپنے دادا جی کو جلدی سے یہاں لے آؤ" زین کی ماں نے کہا۔

"ٹھیک ہے آنٹی میں دادا جی کو لے کر آتا ہوں لیکن آپ ابھی زین کے کمرے میں نہ جانا ہوسکتا ہے آپ پر بھی اس کتاب کے اثرات مرتب ہوجائیں۔" کمار نے کہا۔

"ٹھیک ہے بیٹا میں نہیں جاؤں گی" زین کی ماں نے کہا۔

☆......☆......☆

زین اپنی بے بسی پر رو رہا تھا اسے پتہ نہیں تھا کہ اس منتر کے پڑھنے سے اسے اتنی بھیانک سزا کاٹنی پڑے گی ناکامیوں کے باوجود اس کے دل میں امید بہار باقی تھی وہ چند منٹ زندہ ہوجاتا، یہ ایک ایسی دنیا تھی اسے ڈر کے ساتھ ساتھ عجیب لگ رہا تھا۔

ادھر کمار نے اپنے دادا جی کو تمام باتیں تفصیل سے بتادیں جسے سن کر دادا اس پر برس پڑے اور بہت ڈانٹا میں نے تمہیں کتنی مرتبہ منع کیا ہے کہ منتر والی کتابوں کو اٹھانا تو دور کی بات اس کمرے میں جانا بھی خطرے سے خالی نہیں ان کتابوں پر میں نے ایک طلسم پھونک رکھا ہے جس نے بھی ان کتابوں میں سے کسی بھی کتاب کو اٹھایا اور کھول کر پڑھا تو اس کا حشر تمہارے دوست زین جیسا ہوگا۔ تمہاری خوش قسمتی ہے کہ تم نے کتاب کھولے بنا ہی زین کو دے دی ورنہ تمہارے ساتھ بھی بہت کچھ ہوتا جیسا کہ زین بھگت رہا ہے"۔ راکیش کمار نے کہا۔

"دادا جی آپ کچھ کریں میرے دوست کو بچائیں آپ کو بھگوان کا واسطہ ہے چلیں میرے ساتھ زین کے گھر" کمار نے کہا اور اس کی آنکھیں بھیگ گئیں، کمار کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر راکیش کمار کا دل پسیج گیا اور دونوں زین کے گھر کی طرف چل پڑے۔

زین اسپتال میں بے ہوش پڑا تھا اس کے گھر

والے اور والد وہیں موجود تھے زین کومہ میں زندگی اور موت کی کشمکش سے گزر رہا تھا اس کا دل کام کررہا تھا لیکن دماغ بالکل کام نہیں کررہا تھا ''تھوڑی دیر بعد زین کی امی راکیش کمار کے ساتھ اسپتال پہنچ گئیں۔'' انہوں نے پوری کہانی زین کے ابو کے گوش گزار کردی زین کے ابو نے پنڈت راکیش کمار کو عمل کرنے کی اجازت دیدی۔ ''پنڈت نے کہا'' زین کو فوراً گھر لے جایا جائے کیونکہ یہ عمل گھر میں ہی ہوگا جہاں پر منتر پڑھ کر یہ بے ہوش ہوا تھا اس جگہ کے علاوہ یہ عمل کہیں اور نہیں ہوسکتا آگے آپ کی مرضی یہ اسپتال جتنا بھی جدید ہے لیکن جنات اور آتماؤں کا علاج نہیں کرسکتا'' راکیش کمار نے کہا تو زین کی امی ابو یہ سن کر ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ ''بھائی صاحب جیسی آپ کی مرضی ہم راضی ہیں'' زین کی ماں نے دل پر پتھر رکھ کر کہا۔

''ٹھیک ہے تو ابھی اور اسی وقت زین کو گھر لے چلیں اور اسی کمرے میں بستر پر لٹادیں جتنی جلدی ہوسکے کریں ورنہ بہت دیر ہوجائے گی'' راکیش کمار نے کہا۔

ادھر زین کا جسم چکنا چور ہوگیا تھا جگہ جگہ سے اس کی ہڈیاں نظر آرہی تھیں وہ ایک غار میں موجود تھا جہاں تاریکی کا راج تھا ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے رہا تھا وہ غار سے نکلنے کی ناکام کوشش کررہا تھا لیکن نکل نہیں پارہا تھا آہستہ آہستہ چل رہا تھا کہ اوپر سے ایک بھیانک اژدھا اس پر آکر گرا اور اژدھا نے اس کے جسم کو اپنے شکنجے میں جکڑ لیا وہ چیخنا چاہتا تھا مگر اس کی آواز حلق میں اٹک گئی اس کی آنکھیں اپنے حلقوں سے ابل پڑیں اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ نیم مردہ ہوگیا کہ پھر اگلے ہی لمحے وہ سانپ اس کے جسم سے غائب ہوگیا اور زین ہشاش بشاش ہوگیا غار میں ہلکی ہلکی روشنی آرہی تھی وہ حیرت میں تھا کہ اس انوکھی دنیا میں یہ روشنی کہاں سے آرہی ہے یہ سوچ کر وہ آگے بڑھنے لگا۔ سامنے اسے ایک بوڑھا انسان ملا ''زین آؤ میرے پاس میرے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھو۔ مجھ سے ڈرو مت میں تمہارا خیر خواہوں'' بوڑھے نے کہا۔ زین کو بہت ڈر لگ رہا تھا کہیں یہ کوئی آسیب تو نہیں ہے یہ سوچ کر زین بھاگنے لگا، لیکن اگلے ہی لمحے بوڑھے نے اسے پکڑ لیا اور زین کی گردن دبوچنے لگا۔

☆......☆......☆

ادھر راکیش کمار زین کے کمرے میں منتر پڑھنے میں مصروف تھے انہوں نے ہدایت کی تھی کہ عمل کے دوران کمرے میں کوئی نہ آئے لہٰذا وہ زین کے کمرے میں اکیلے آنکھیں بند کیے عمل میں مصروف تھے زین کے امی ابو دیگر لواحقین باہر بیٹھے انتظار کررہے تھے۔ ''کہ زین کو لگا کہ راکیش کمار اور وہ فضا میں اڑتے ہوئے مختلف عجیب وغریب جگہوں سے گزر رہے تھے'' کبھی کالے صحراؤں سے تو کبھی کالے سمندروں پر سے کبھی کالے میدانوں سے گزرتے تو کبھی خوفناک ڈراؤنی مخلوق نظر آتیں مگر وہ خوش تھا اور اس نے محسوس کیا کہ راکیش کی موجودگی میں اسے کوئی چڑیل یا جن نقصان نہیں پہنچا رہا تھا۔

3 گھنٹے اڑنے کے بعد وہ اپنے شہر پہنچ گئے پھر زین اپنے گھر میں داخل ہوکر اپنے کمرے میں پہنچ گیا۔ زین کی روح اور احساسات اس کے جسم میں داخل ہوگئے جبکہ راکیش کی روح اس کے جسم میں داخل ہوگئی ''اگلے لمحے زین ہوش میں آگیا راکیش نے زین کے امی ابو اور تمام گھر والوں کو خوشی خوشی اطلاع دی۔ وہ سب کمرے میں داخل ہوگئے۔ زین کی امی نے اسے گلے لگایا۔'' میرا بچہ میں نے تمہیں کتنی مرتبہ سمجھایا تھا کہ جنات اور چڑیلوں میں دلچسپی مت لو پھر بھی تم نے میری باتوں کو سنی ان سنی کردی۔ زین کی امی نے پیار سے کہا۔ زین نے اپنی امی، ابو سے معافی مانگی اور آئندہ کے لئے ایسے کاموں سے توبہ کرلیا۔ کمار نے اپنے دوست زین کو خوشی سے گلے لگالیا اور وہ خوشی سے جھوم اٹھے پھر گھر والوں نے کمار اور اس کے دادا جی کا بہت بہت شکریہ ادا کیا۔ پھر کمار کے دادا جی اور کمار سب سے مصافحہ کرکے چلے گئے اور زین ہنسی خوشی پڑھائی میں مگن ہوگیا۔



# چڑیل کا بدلہ

عجب گل اداسی۔ٹنڈو الہ یار

**بزرگ نے منہ ہی منہ میں کچھ پڑھا اور کمرے میں ایک کونے کی طرف پھونکا تو دیکھتے ہی دیکھتے دھواں اٹھا اور پھر دھواں چھٹا تو وہاں ایک نسوانی ہیولہ موجود تھا اور پھر......**

**دماغ پر سکتہ طاری کرتی اور خوف کے شکنجے میں جکڑتی انسانی عقل میں نہ آنے والی کہانی**

**رات** کے ساڑھے بارہ کا وقت ہوا ہوگا اندھیرے نے ہر گلی ہر محلے میں اپنے پر پھیلا رکھے تھے۔ ہر طرف خاموشی اور سکوت طاری تھا سارے لوگ اپنے گرم بستروں میں نیند کے مزے لے رہے تھے پرسکون ماحول میں اگر کہیں پر کوئی کتا بھونکتا تو اس کی آواز خاموشی کو چیرتی ہوئی آس پاس پھیل جاتی پوری فضا میں ارتعاش پیدا کردیتی وہیں ایک عمارت کے اوپری کمرے میں نرم نرم بستر پر ایک بہت ہی خوبصورت لڑکی خوابوں کی دنیا میں اتنی کھوئی ہوئی تھی کہ اسے اپنے اردگرد کا کوئی ہوش نہ تھا۔ احساس سے عاری خوابوں کی دنیا میں محو تھی اس کے دلکش ہونٹوں کو دیکھ کر لگتا تھا کہ اس کے ہونٹوں پر اب مسکراہٹ رقصاں ہوجائے گی۔ اچانک کھڑکی سے ایک ہیولہ نمودار ہوا اور کمرے میں داخل ہوگیا ہیولے کا رخ اس حسینہ کی طرف تھا وہ

چلتے ہوئے بیڈ کے قریب پہنچا اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ ہیولہ بستر پر چڑھا اور چشم زدن میں حسینہ کے جسم میں حلول کرگیا۔ اس کے بعد بہت ہی بھیانک منظر رونما ہوا۔ اس حسینہ کے جسم میں عجیب سی ہلچل مچ گئی اس کے خوبصورت ہونٹ سرخ سے کالے ہونے لگے، اس کے بال بکھرتے ہوئے عجیب شکل اختیار کرگئے اس کے گلابی گالوں کی چمڑی اترنے لگ گئی اور اس کے دانت اور ناخن لمبے ہوگئے، اب جہاں تھوڑی دیر پہلے ایک حسینہ تھی اب وہ ایک چڑیل کا روپ اختیار کرچکی تھی۔ وہ اٹھی اور لڑکھڑاتے قدموں سے دروازے کی طرف بڑھی۔ اور اس کے پاؤں کے ایک ٹھوکر سے دروازے کھلتا چلا گیا۔ دروازہ بہت ہی زوردار آواز سے کھلا تھا آواز اتنی تھی کہ گھر والے جاگ گئے اور جب ان کی نظر اس چڑیل نما عفریت پر پڑی تو سب خوف کے مارے اپنے اپنے کمروں میں جا گھسے لیکن ایک ادھیڑ عمر شخص اور دوسری اسکی ہم عمر عورت وہاں کھڑے رہے۔

ادھیڑ عمر شخص دوڑ کر چڑیل کے پیروں میں جا گرا اور رو رو کر بولنے لگا۔ ''خدا کے واسطے میری بچی کو چھوڑ دو یہ معصوم ہے اس نے تمہارا کیا بگاڑا ہے'' چڑیل پر اس شخص کی کسی بات کا اثر نہیں ہو رہا تھا اس نے اس شخص کو اٹھا کر دور پھینکا تو وہ کسی فٹبال کی طرح اڑتا ہوا جا کر دیوار سے ٹکرایا اور نیچے گر کر بے ہوش ہوگیا۔

''دیکھو تم جو کوئی بھی ہو تمہیں رب کا واسطہ، میری بچی کو چھوڑ دو تم جو چاہتی ہو وہ ہمیں بتاؤ ہم وہ ضرور پورا کریں گے۔ لیکن اس طرح ہماری پھول سی بچی پر ظلم مت کرو وہاں کھڑی عورت اس چڑیل سے مخاطب ہوئی اس کی بات سن کر چڑیل نے اس کو بازو سے پکڑ کر نیچے پھینکا تو اس کا سر ٹیبل سے ٹکرایا اور اس کی آنکھوں کے سامنے تارے رقص کرنے لگے۔ وہ حسینہ وہاں سی نکل کر باہر آئی۔ اس کے بعد وہ ہوا میں اڑتی ہوئی جا کر ایک بنگلے کے سامنے اتری۔ وہ بنگلہ ایسا سجا ہوا تھا جیسے آج یہاں پر کسی کی شادی ہوئی ہو۔ ہر طرف روشن قمقمے جگمگا رہے تھے چڑیل ایک کمرے میں داخل ہوئی کمرے میں بیڈ پر ایک نوجوان لڑکا دولہا کے روپ میں سویا ہوا تا۔ چڑیل غصے سے اس کی طرف لپکی اور اپنے تیز ناخن اس نوجوان کے گلے میں گاڑ دیئے تو نوجوان کی آنکھیں پھٹنے لگیں اس نے بہت ہاتھ پاؤں چلائے لیکن کچھ فائدہ حاصل نہیں ہوا۔ آخر کار وہ زندگی کی جنگ ہار گیا اب چڑیل کے ہونٹوں پر شیطانی مسکراہٹ پھیلی اور دا دھوئیں میں تحلیل ہوگئی۔

☆......☆......☆

2010ء کا نائٹ شو شروع ہو چکا تھا جو کہ ہر سال کی طرح اس سال بھی وہاں پر موجود ہر شخص کا چہرہ خوشیوں سے لبریز تھا۔ ''ڈیئر اسٹوڈنٹس اب انتظار کی گھڑیاں ختم ہوگئیں'' اناؤسر کی آواز سن کر سارے اسٹوڈنٹ اسٹیج کی طرف متوجہ ہوئے۔

''ناؤ فائنلی اب آپ کے سامنے پیش خدمت ہے وہ آواز جس کا آپ کو بے صبری سے انتظار تھا۔ پریزینٹنگ فراز علی امتیاز' اناؤسر کی بات مکمل ہوتے ہی ہر طرف فراز، فراز کے نعرے گونج اٹھے۔

پھر فراز اسٹیج پر پہنچا اور گانا شروع کیا اس کی سریلی آواز ہر لڑکی کے دل کو چھو رہی تھی وہ اپنی آواز کی طرح خود بھی خوبصورت تھا کالج کی ہر لڑکی اس کو اپنا بنانا چاہتی تھی لیکن وہ ان چیزوں سے دور رہ کر صرف اپنی اسٹڈی اور اپنی آواز کو خوب سے خوب تر بنانا چاہتا تھا۔ جیسے ہی اس کا گانا ختم ہوا تو بھرپور تالیوں سے ہال گونج اٹھا۔ فراز اسٹیج سے نیچے اترا تو اس کے موبائل فون کی رنگ بجی اس نے موبائل فون پر نظر ڈالی تو اسکرین پر نمبر دیکھ کر وہ پریشان ہوگیا۔ اس نے کال اٹینڈ کر کے موبائل فون کان سے لگا کر ''ہیلو۔ ہیلو۔'' کہا لیکن دوسری طرف سے کال کاٹی جا چکی تھی۔ دراصل بات یہ تھی کہ کچھ دن سے کوئی نمبر فراز کو بہت تنگ کر رہا تھا کبھی اس نمبر سے مس کالز آتیں تو کبھی میسج، ان میسجز میں ''Ilvoe You'' اور ''I Miss You'' جیسی باتیں لکھی ہوتی تھیں کوئی اپنی محبت کا اظہار کرتا تھا۔ جب فراز اس نمبر پر کال کرتا تو دوسری طرف سے کال کاٹ دی جاتی۔ اس

# Top Of The Month

**ایس حبیب خان** کراچی سے لکھتی ہیں، بخدمت جناب ایڈیٹر صاحب ماہنامہ ڈرڈائجسٹ السلام وعلیکم!

خدا کرے کہ میرے ارض پاک پر اترے
وہ فصل گل جسے اندیشہ زوال نہ ہو

میری جانب سے ڈر کے چاہنے والوں اور تمام اہل وطن کو جشن آزادی مبارک! ہم نے 70 واں یوم آزادی منایا مگر کیا ان 70 سالوں میں ہم نے وہ مقصد حاصل کیا جس مقصد کے لئے پاکستان کا وجود قیام عمل میں آیا؟ مجھے تو جواب ''نہیں'' نظر آتا ہے اور سب کچھ بکھرا بکھرا نظر آتا ہے بحیثیت مسلمان اور بحیثیت قوم ہم ایک نظر نہیں آتے۔ علامہ اقبال نے بہت خوب کہا ہے!

حرم پاک بھی، اللہ بھی، قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی! ہوتے جو مسلمان بھی ایک

سب ایک دوسرے کو Blame تو بڑی آسانی سے کرتے ہیں مگر اپنے حصے کی ذمہ داری کس حد تک ادا کی یہ نہیں دیکھتے کس نے کیا نہیں کیا کے بجائے ہم نے کیا کیا یہ زیادہ معنی رکھتا ہے اپنے ملک کے لئے ہماری کیا ذمہ داری کیا فرض ہے؟ دوسروں کا انتظار کرنے کے بجائے خود قدم اٹھانا ہوگا۔ اپنے قول وفعل کے تضاد کو ختم کر کے عملی قدم اٹھانا ہوگا آپس کے فرق کو مٹانا ہوگا جس روز ہم اپنے قول وفعل کے تضاد کو مٹا کر بلاتفریق متحد ہو جائیں گے اس روز ہم اپنی حقیقی آزادی کا مقصد پالیں گے۔ دعا ہے کہ رب کائنات میرے ارض پاک کی حفاظت فرمائے اور اسے اندرونی و بیرونی دونوں دشمنوں سے بچائے۔ (آمین) اب آتے ہیں اگست کے شمارے کی طرف خطوط کی محفل میں قدم رکھا اور دوستوں سے آدھی ملاقات ہوئی، مسز زینت آپ کہاں ہیں آپ کے تبصرے کی کمی محسوس ہوئی، ساحل دعا اور ان کی تحریر کی بھی کمی محسوس ہوئی، محسن عزیز صاحب آپ کے لئے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کا آپریشن کامیاب کرے اور تمام پریشانیاں دور فرمائے۔ (آمین) فلک زاہد ڈر کے لئے 2 سال مکمل کرنے پر مبارکباد، احسان الحق، فلک زاہد، مہر پرویز احمد، عبدالجبار رومی کے تبصرے پسند آئے، کہانیوں میں سب سے پہلے ''ضد'' پڑھی بہت پسند آئی، ضد اور انا پرستی سے سوائے پچھتاوے کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ ''روح کی خواہش'' گلاب خان سولنگی صاحب آپ کی کہانی میں ڈر کی ٹیم اور اس کے رائٹرز کی جھلک ناموں کی صورت نظر آئی۔ ''آدھا گدھا'' محمد شعیب صاحب بلاشبہ آپ ایک اچھے رائٹر ہیں اور آپ کی کافی تحریریں بہترین تھیں مگر پلیز! اب آپ کوئی ایسی تحریر پیش کیجئے جو ڈر جیسے معیاری رسالے کے معیار کے مطابق ہو۔ ''آئینے کا راز'' شاہد رفیق صاحب آپ نے سبق آموز تحریر کو بھرپور انداز میں پیش کیا وہ بھی اس انداز میں کہ قارئین کی دلچسپی برقرار رہے بہت خوب۔ ''انصاف'' اگرچہ ڈر سے تھوڑی Irrelevant تھی مگر معاشرتی بے حسی کی بھرپور عکاسی کرتی بہت حساس تحریر تھی ایسی جاہل سوچ کے حامل لوگ معاشرے کے لئے آزمائش ہوتے ہیں۔ ''کمرہ نمبر 20'' بھی پسند آئی ایس امتیاز صاحب پلیز کوئی طویل کہانی لکھیئے اٹس اے ریکویسٹ! ''آنکھیں'' احسان سحر کے مخصوص انداز تحریر کی حامل تھی احسان صاحب پلیز! ڈر کے لئے کوئی ڈراؤنی یا خوفناک تحریر لکھیے جو اس کے فارمیٹ کے مطابق ہو امید ہے آپ غور فرمائیں گے۔ ''شرم ساری'' سانپ کی طرح بل کھاتی تحریر تھی جس نے دل جیت لیا لالچ اور حسد کی آگ کتنی بربادیاں کرتی ہے یہ تحریر ایسے ہی حالات کا مجموعہ ہے سکینہ اور حمیرا جیسے لوگ ہوں تو خون کے رشتوں سے اعتبار ہی اٹھ جائے! طاہرہ آصف بہت بہترین تحریر پیش کی آپ نے ویلڈن! ''بڑی حویلی'' سیدہ عطیہ زاہرہ کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے مختصر مگر بہت زبردست کہانی تھی اور اس ماہ کی نمبر ون تحریر تھی ''ہماری برزخ'' جو کہ خاص ترین کے زمرے میں آتی ہے اچھوتا انداز تحریر لئے، خوف کا لبادہ اوڑھے، جھرجھری پیدا کرتی بہترین تحریر تھی۔ احسان الحق صاحب کیا خوب لکھتے ہیں آپ! آپ کے قلم سے کتنی ہی لازوال تحریریں میں نے پڑھی ہیں ''ہماری برزخ'' بھی اسی سلسلے کی ایک مضبوط کڑی ثابت ہوئی دعا ہے کہ یہ سلسلہ یونہی جاری رہے اور آپ کا قلم جادو جگاتا رہے اللہ تعالیٰ آپ کو صحت اور زندگی عطا کرے۔ (آمین) ''ناتونی'' اور سلسلے وار کہانیاں بخوبی اپنے سفر پر رواں دواں ہیں۔ ڈر کی ترقی کے لئے دعاگو۔

☆☆ ایس حبیب صاحبہ: قلمی لگاؤ سے وطن عزیز پر لکھے گئے الفاظ پڑھ کر سوچتا رہا کہ کاش علامہ اقبال نے جو درد محسوس کرتے ہوئے لکھا ہے یہی سوچ کر ہر پاکستانی کا دل دھڑکنے لگے تو پاکستان خوشیوں کا گہوارہ بن جائے۔ امید ہے کہ جتنے لوگ آپ کی تحریر پڑھیں گے وہ اس متن کو آگے بڑھائیں گے اور ایک اچھا پاکستانی ہونے کا ثبوت ضرور دیں گے کاش! اے کاش کہ ہم ایک سچے پاکستانی کی حیثیت سے سوچیں تو........

بات کو لے کر وہ کافی پریشان رہتا تھا۔ اس کے دو خاص دوست بلال اور فائزہ تھے جو کہ اس کے کلاس فیلوز تھے انہوں نے بھی فراز کی مدد کی لیکن کچھ پتا نہیں چلا۔

''ابے او ویران ریاست کے پریشان سلطان! کیا بات ہے، اتنے حسین ماحول میں بھی منہ لٹکایا ہوا ہے'' بلال نے فراز کی حالت دیکھ کر کہا۔ ''بس یار اس بات کو لے کر پریشان ہوں'' فراز نے مایوسی سے کہا۔ ''ارے تو فکر کیوں کرتا ہے ہوگا کوئی اپنے دوستوں میں سے جو تم سے مذاق کر رہا ہوگا۔ بلال اسے دلاسہ دیتے ہوئے کہا تم ٹھیک کہہ رہے ہو فراز نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا، یہ کہہ کر وہ دونوں کلاس کی طرف بڑھے۔''

کلاس میں فراز، بلال اور فائزہ فضل کی سیٹیں برابر تھیں ''فراز کچھ پتا چلا اس نمبر کے بارے میں فائزہ نے سوال پوچھا''

''نہیں لیکن میں بہت جلد پتا لگالوں گا'' فراز نے اطمینان سے کہا۔ کیسے' فائزہ نے حیرانی سے پوچھا۔

''بس ہے ایک میجک میرے پاس، فراز نے مسکراتے ہوئے کہا۔

OK اگر تمہیں پتا چلے تو مجھے ضرور بتانا، فائزہ نے کہا تو فراز نے ہامی میں سر ہلا دیا۔

''تم لوگ یہیں رکو میں واش روم سے ہو کر آتی ہوں۔ فائزہ بول کر چلی گئی تھی لیکن وہ اپنا موبائل فون وہیں پر بھول گئی تھی''

''یار کہیں تنگ کرنے والی لڑکی فائزہ تو نہیں'' بلال نے اچانک کہا۔ نہیں وہ ایسا بھلا کیوں کرے گی'' فراز نے حیران ہوتے ہوئے کہا۔

''میں نے کہا تھا کہ تمہیں کوئی دوست تنگ کر رہا ہے اور فائزہ ہی تو اپنی دوست ہے، تو ایسا کر وہ اپنا موبائل فون بھول گئی ہے تو اس کے موبائل فون سے خود کے موبائل فون پر کال کرو، سارا سچ سامنے آجائے گا''

بلال کی بات سن کر فراز کچھ سوچنے کے بعد فائزہ کے موبائل فون سے خود کے موبائل فون پر کال کی تو دنگ رہ گیا۔ بلال کی بات حقیقت تھی واقعی اس کو تنگ کرنے والی فائزہ ہی تھی لیکن وہ یہ سب کیوں کرتی تھی؟ دیکھا میرے دماغ کا کمال بلال نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ہاں وہ تو ٹھیک ہے لیکن وہ ایسا کیوں کرتی ہے'' فراز نے پریشانی سے پوچھا۔

''یار یہ تو جا کے اس سے پوچھ مجھے کیا پتا بلال نے وہاں سے جاتے ہوئے کہا۔''

اور فراز پوری رات فائزہ کے بارے میں سوچتا رہا۔ اب تو اس کے دل میں بھی فائزہ کے لئے محبت جاگ اٹھی تھی۔

اگلے دن فراز کالج گیا تو اسے فائزہ کہیں نظر نہیں آئی۔ خیر کافی ڈھونڈنے کے بعد وہ اسے لائبریری میں بیٹھی ہوئی ملی۔ کہتے ہیں کہ چور کتنا بھی چالاک ہو لیکن کوئی نہ کوئی ثبوت چھوڑ ہی جاتا ہے۔ فراز نے فائزہ کے برابر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''کیا چوری ہوگیا ہے تمہارا فائزہ نے پوچھا۔''

''میرا دل چوری ہوگیا ہے وہ تلاش کر کے دو'' فراز نے پرجوش انداز میں کہا۔

''واہ خیریت آج تم کافی رومانٹک موڈ میں لگ رہے ہو، فراز کی جانب دیکھتے ہوئے فائزہ بولی۔

''دیکھو مجھے وہ مس کال دینے والا چور مل گیا ہے'' اچھا کون ہے وہ، فائزہ نے بے چینی سے پوچھا۔

''ایک لڑکی ہے۔''

چوہا جیسی ناک والی، اس کے ہاتھی جیسے کان اور الو جیسی آنکھیں فراز نے باتیں بناتے ہوئے کہا۔

''دیکھو تم اس کے بارے میں ایسے مت بولو، فائزہ نے برا منہ بناتے ہوئے کہا۔

''کیوں تمہیں کیوں برا لگ رہا ہے۔ فراز نے اسے چڑاتے ہوئے کہا۔''

''بس مجھے لڑکیوں کی بے عزتی پسند نہیں ہے فائزہ نے بات بناتے ہوئے کہا۔''

''لڑکیوں کی۔۔۔ یا خود کی'' فراز نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''کیا مطلب خود کی؟'' فائزہ نے چونکتے

ہوئے کہا۔

"مجھے سب پتا چل چکا ہے اس لیے اب چھپانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔" فراز نے پرجوش لہجے میں کہا۔

"تم کیا بول رہے ہو میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا" فائزہ نے انجان بنتے ہوئے کہا۔

"پھر فراز نے اپنے موبائل فون سے فائزہ کے موبائل فون پر کال کی تو فائزہ نے شرمندہ ہو کر نظریں جھکالیں۔ کیوں کہ اس کی چوری پکڑی جاچکی تھی۔"

"اب بتاؤ کیوں مجھے تنگ کرتی رہی؟"

"وہ۔۔۔وہ۔۔۔وہ کیا ہے کہ میں۔۔۔میں تمہیں تنگ کرنا چاہتی تھی۔" فائزہ نے بات بناتے ہوئے کہا۔

"کیا تم صرف مجھے تنگ کرنا چاہتی تھی میں تو کچھ اور سمجھا تھا خیر تم صرف تنگ کرنا چاہتی تھی تو میں چلتا ہوں۔"

یہ بول کر فراز وہاں سے جانے لگا تو فائزہ نے جھٹ اس کا ہاتھ پکڑلیا اور فراز کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی بولی "آئی لو یو فراز" میں اپنے دل سے مجبور تھی اور اپنا لب نہیں کھولنا چاہتی تھی اس لیے تمہیں موبائل فون پر میسج اور کالز کیا کرتی تھی یہ سن کر فراز مڑا اور فائزہ کو بانہوں میں بھرلیا اور بولا۔ "تو کیا میں تم سے کم محبت کرتا ہوں" "I Love You2"

وہ دونوں تھوڑی دیر اسی پوزیشن میں کھڑے رہے پھر فائزہ بولی مجھے چلنا چاہیے کوئی دیکھ لے گا۔ یہ بول کر وہ چلی گئی۔

ادھر فراز باہر نکلنے کے لئے جیسے ہی باہر نکلا تو اس کے منہ پر زوردار گھونسہ پڑا تو وہ نیچے جاگرا۔ اس نے مارنے والے کی جانب دیکھا تو وہاں زبیر کھڑا تھا۔ زبیر اس کالج کا بدمعاش لڑکا تھا جو کالج کی لڑکیوں کو گندی نظروں سے دیکھتا تھا اور خود کو فائزہ کا دیوانہ سمجھتا تھا۔

"ابے تیری اوقات کیا ہے میری پسند پر اپنی گندی نظر ڈالنے کی زبیر نے فراز کو کالر سے پکڑتے ہوئے کہا۔

"میں اس سے پیار کرتا ہوں اور وہ بھی مجھ سے۔۔۔فراز کی بات مکمل ہوتی کہ اس سے پہلے اس کو زوردار لات پڑی تو وہ قلابازی کھاتا ہوا جاکر دور گرا اور اس کے بعد زبیر اس کو اور بھی مارتا لیکن بلال نے وہاں آکر اسے پکڑلیا زبیر بھائی پلیز اس کو چھوڑ دو یہ نادان ہے میں اس کو سمجھاؤں گا۔

"اس کے بعد زبیر نے بلال کو کالر سے پکڑا اور بولا کنکھجورے اپنے اس کمینے دوست کو سمجھالینا اگر اس نے فائزہ کی طرف دیکھا بھی تو میں اس کی آنکھیں پھوڑ دوں گا۔ فائزہ صرف میری ہے یہ بول کر زبیر وہاں سے چلا گیا اور وہ دونوں اسے جاتے ہوئے دیکھتے رہ گئے۔

ویسے فراز ہار ماننے والوں میں سے نہیں تھا اس کی اور فائزہ کی محبت دن بدن بڑھتی چلی گئی یہاں تک کہ ایک دن فراز نے فائزہ کو شادی کے لئے بھی کہہ دیا ایک دم سے شادی کا سن کر فائزہ گھبرا گئی اور بولی ٹھیک ہے میں تمہیں بتاؤں گی تو تم اپنے والدین کو میرے گھر بھیج دینا یہ سن کر فراز مسکرادیا۔

☆......☆......☆

امتیاز احمد شریف انسان تھے۔ اللہ نے ان کو بے شمار دولت سے نوازا تھا وہ اپنی بیگم نجمہ اور بیٹا فراز کے ساتھ ہنسی خوشی زندگی گزار رہے تھے ایک دن امتیاز احمد اور نجمہ بیٹھے آپس میں باتیں کررہے تھے کہ وہاں پر فراز آکر بیٹھا۔

"کیا بات ہے بیٹا کافی خوش نظر آرہے ہو' امتیاز احمد نے فراز کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"وہ ابو دراصل بات۔۔۔یہ ہے کہ اب امی سے کام نہیں ہو پاتا' تو امی کے بھلے کے لئے کیوں نا گھر میں آپ بہو لے آئیں' فراز نے اپنی لو اسٹوری دوسری طرح سے بیان کی۔"

"تم کہنا کیا چاہتے ہو" نجمہ نے انجان بنتے ہوئے کہا۔

"وہ دراصل امی میں نے ایک لڑکی پسند کی ہے فراز نے اچانک سے بولا۔"

"ویسے وہ کون ہے؟ کہاں رہتی ہے" نجمہ نے

لڑکی کے بارے میں پوچھا۔

''امی اس کا نام فائزہ ہے وہ گولڈن ٹاؤن میں اپنی فیملی کے ساتھ رہتی ہے اس کے والد کا نام عبدالستار ہے وہ تین بہنیں اور دو بھائی ہیں۔''

''ماشاءاللہ وہ وقت تھا کہ مجھے تمہاری امی کا نام تک معلوم نہیں تھا لیکن تم نے تو اس کے بارے میں پوری اسٹوری ڈاؤن لوڈ کر رکھی ہے امتیاز احمد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

ویسے فائزہ نے اپنے گھر پر آپ کو اور امی کو انوائٹ کیا ہے اور آپ دونوں کو جانا ہے فراز نے کہا تو وہ دونوں مسکرانے لگے۔

☆......☆......☆

اب کرتے ہیں عبدالستار کی بات، تو وہ بھی نہایت شریف اور عزت دار لوگ ہیں۔ ان کی فیملی میں ان کی 3 بیٹیاں اور دو بیٹے ہیں۔ فائزہ ان کی سب سے چھوٹی بیٹی ہے اور ان کی بیوی زرینہ بیگم بھی نہایت خاندانی عورت ہیں۔

عبدالستار ہمیشہ آنکھوں پر چشمہ لگا کر رکھتے تھے گھر والوں سے تو انہوں نے کہہ رکھا تھا کہ میری ایک حادثہ میں ایک آنکھ جا چکی ہے اور یہ حادثہ ان کے ساتھ ان کی شادی سے پہلے کا تھا۔ عبدالستار نے اپنے دونوں بیٹوں کی تو شادی کردی تھی لیکن اپنی تینوں بیٹیوں کی شادی نہیں کر رہے تھے چلو فائزہ تو کچھ چھوٹی تھی لیکن دونوں بڑی بیٹیاں تو جوانی سے ہٹ کر بڑھاپے میں قدم رکھ رہی تھیں اگر کوئی عبدالستار سے اس معاملے میں بات کرتا تو وہ کچھ نا کچھ کہہ کر ٹال دیتے آج فائزہ نے عبدالستار سے صرف یہ کہا تھا کہ اس کا ایک دوست اور اس کی فیملی گھومنے آ رہے ہیں، یہ نہیں بتایا کہ وہ رشتہ کی بات کرنے آ رہے ہیں اگر وہ ایسا کچھ کہتی تو عبدالستار اس سے ناراض ہو جاتے۔

دوسرے دن عبدالستار کے بنگلے کے سامنے ایک شاندار کار آ کر رکی اس میں سے پہلے امتیاز احمد اور ان کی بیوی نجمہ اترے اور پھر فراز اور بلال اترے، عبدالستار نے ان کا بہت ادب و احترام سے استقبال کیا ان کو شان سے گھر میں بٹھایا تھوڑی دیر بعد سب نے کھانا کھایا کھانے کے بعد آخر امتیاز احمد اصل مسئلے پر آ ہی گئے۔

دیکھیں عبدالستار صاحب فراز ہمارا اکلوتا بیٹا ہے آج تک اس کے منہ سے چاہے چھوٹی چاہے بڑی بات نکلی اسے ہم نے پوری کی آج یہ ہمیں یہاں پر لے آیا ہے دراصل بات یہ ہے کہ ہمارا بیٹا اور آپ کی بیٹی فائزہ ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں اس لیے ہم آپ کی بیٹی کا رشتہ!!۔۔۔ ابھی بات پوری نہ ہوئی تھی کہ عبدالستار بول پڑے۔

''امتیاز صاحب یہ آپ کیا بول رہے ہیں''

''کیوں میں نے کچھ غلط کہا'' امتیاز احمد حیرت سے بولے۔

''دیکھیں آپ ہمارے مہمان ہیں اور ہم نے آپ کو مہمان سمجھ کر ہی گھر میں داخل ہونے دیا اگر ہمیں آپ کے آنے کا مقصد پتا ہوتا تو آپ یہاں موجود نہیں ہوتے عبدالستار غصے سے بولے۔''

''لیکن آپ ایسا کیوں کر رہے ہیں دو دلوں کے آپس میں ملنے سے پہلے ہی آپ توڑنا چاہتے ہیں امتیاز احمد نے نرمی سے کہا۔''

''کیا صحیح ہے اور کیا غلط میں آپ سے زیادہ بہتر جانتا ہوں'' آپ نا ہی سمجھائیں تو بہتر ہوگا عبدالستار نے بیزاری سے کہا۔

کم سے کم آپ تو کچھ کہیں نجمہ نے زرینہ بیگم کی طرف التجا بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''مجھے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے میرے شوہر بالکل صحیح کہہ رہے ہیں ہم نے اپنی بیٹیوں کی شادی نہ کرنے کی قسم کھا رکھی ہے ہماری دو بیٹیاں بڑھاپے کی دہلیز کے قریب پہنچ رہی ہیں لیکن ہم نے ان کی بھی شادی نہیں کی'' زرینہ بیگم بھی عبدالستار کی زبان بول رہی تھیں۔

''پلیز آپ یہاں سے جا سکتے ہیں اللہ حافظ' عبدالستار نے بات ختم کرتے ہوئے کہا۔

عبدالستار کے رویہ سے امتیاز احمد کو بہت زیادہ دکھ پہنچا انہوں نے نجمہ کو اٹھنے کا اشارہ کیا جن کی آنکھوں میں آنسو تھے اور پھر فراز کو اٹھنے کے لئے کہا فراز کی نظریں صرف فائزہ پر ٹکی تھیں جس کی آنکھوں سے آنسو گررہے تھے وہ اپنے والد کے سامنے خاموش تھی فراز گھر نہیں جانا چاہتا تھا وہ رک گیا۔

دیکھو بیٹا تمہارے سامنے تمہاری پوری زندگی پڑی ہے یوں کسی کے لئے اپنی زندگی برباد مت کرو اپنے بارے میں نہ صحیح کم سے کم ہمارے بارے میں تو سوچو'امتیاز احمد نے فراز کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

''بس ابو مجھے فائزہ سے کچھ سوالات پوچھنے ہیں۔ جیسے ہی مجھے ان سوالوں کے جواب ملیں گے میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں مطمئن ہوجاؤں گا۔'' فراز نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

ٹھیک ہے بیٹا ہمیں تم پر ناز ہے اپنا خیال رکھنا امتیاز احمد نے یہ بول کر گاڑی اسٹارٹ کی نجمہ اور بلال فراز کو دیکھ کر مسکرائے اور ہاتھ ہلادیئے۔

اس کے بعد فراز نے فائزہ کے گھر میں داخل ہونے کی کوشش کی تو گیٹ پر کھڑے گارڈ نے اسے سختی سے روک دیا آخر فراز گھر کے سامنے نیم کے درخت کے نیچے بیٹھ گیا اس کو بیٹھے بیٹھے پورا دن گزر گیا لیکن کوئی اس سے حال تک پوچھنے نہیں آیا سارے گھر والوں کو فراز کا احساس تھا فائزہ کے والد عبدالستار کے ڈر سے کوئی اپنی زبان نہیں کھولتا تھا یہاں تک کہ فائزہ بھی اپنے والد کے ڈر سے چپ تھی۔

جیسے ہی سورج نے اپنا چہرہ آسمان میں چھپایا تو آسمان پر بادل جمع ہونا شروع ہوگئے اور دیکھتے ہی دیکھتے زوردار بارش شروع ہوگئی ایک تو سردی کا موسم اوپر سے بارش۔ فراز بیٹھا کانپ رہا تھا۔ وہ پورا بھیگ چکا تھا اور اسے بہت سردی لگ رہی تھی لیکن وہ اپنی جگہ سے ہل نہیں رہا تھا ادھر فائزہ اپنے کمرے کی کھڑکی سے فراز کا حشر دیکھ کر روئے جارہی تھی۔

رات کے ساڑھے گیارہ بجے کے قریب عبدالستار پانی پینے کے لئے اٹھے اور کھڑکی سے دیکھا کہ فراز اب تک وہیں بیٹھا بھیگ رہا تھا عبدالستار نے کچھ سوچا اور الماری میں سے چھاتا نکالا اور کمرے سے باہر نکل پڑے۔ باہر آکر انہوں نے گیٹ کھولا فراز عبدالستار کو اپنی طرف آتا دیکھ کر حیران ہوگیا عبدالستار اس کے پاس آئے اور اس کو بازو سے پکڑ کر گھر کے اندر کھینچتے ہوئے لے گئے کمرے میں اندر داخل ہوکر عبدالستار نے ہیٹر آن کیا اور فراز کو اس کے قریب بیٹھادیا۔ اس کے بعد انہوں نے ایک تولیہ نکال کر فراز کو دیا جس سے فراز نے سر پونچھا پھر عبدالستار ایک کرسی کھینچ کر فراز کے قریب بیٹھ گئے۔

بہت ضدی ہو تم؟ آسانی سے ہار ماننے والوں میں سے نہیں ہو۔ اگر میں تمہیں لینے نہیں آتا تو وہاں تم سردی میں مرچکے ہوتے۔ عبدالستار نے کہا اور فراز چپ سن رہا تھا۔

''کیا لگتا ہے تمہیں کہ اس طرح سے بیٹیوں کو گھر میں بیٹھا کر اچھا لگتا ہے مجھے، اب تم ہی بتاؤ دنیا میں ایسا کونسا باپ ہوگا جو چاہتا ہوگا کہ اس کی بیٹیوں کی شادی نہ ہو۔ لیکن میں وہ واحد باپ ہوں جو ایسا ہی سوچتا ہوں۔ عبدالستار بولتے ہوئے ان کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

لیکن آپ ایسا کیوں کررہے ہیں؟ اس کی کیا وجہ ہے؟ فراز نے پوچھا۔

''وجہ ہے۔۔ ایک بہت بڑی وجہ ہے اب میں تم سے چھپانے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا اور جب میں تم کو وجہ بتاؤں گا تو تم یہ عاشقی واشقی بھول جاؤ گے۔ حقیقت بات یہ ہے کہ جب بھی میں اپنی کسی بیٹی کی شادی کسی سے کرانا چاہتا ہوں تو اس کے ہونے والے شوہر کا خون ہوجاتا ہے۔'' عبدالستار نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ خون؟ فراز نے حیرت سے کہا۔''

بات ہاں یہ بالکل حقیقت ہے اور پتا ہے ان کا

خون کون کرتا ہے؟ خود میری بیٹیاں' عبدالستار نے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔

''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آ رہا' فراز نے نہ سمجھنے والے انداز میں کہا۔''

''میں سمجھتا ہوں تمہیں کیا لگتا ہے کہ میں نے اپنی بیٹیوں کی شادی کرنے کی کوشش نہیں کی' سب سے پہلے میری بڑی بیٹی مریم کی جس دن شادی تھی اسی دن مریم کا ہونے والا شوہر مردہ پایا گیا کسی کو پتا نہ چل سکا کہ اس کے ساتھ ہوا کیا۔''

''تو کیا وہ خون مریم نے کیا تھا'' فراز نے سوال کیا۔

''ہاں شاید اس نے کیا تھا کیونکہ شادی والے دن مریم کہیں غائب تھی اور جب وہ واپس آئی تو اس کے ہاتھوں میں خون لگا تھا ہم نے مریم سے بہت پوچھا کہ تم کہاں سے آ رہی ہو؟ اور تمہارے ہاتھوں میں یہ خون کیسا' لیکن اس نے بتایا کہ اسے کچھ پتا نہیں۔

وہ اپنے کمرے میں بیٹھی تھی اچانک اس کی آنکھوں کے سامنے دھند چھا گئی اور جب اسے ہوش آیا تو گھر کے گیٹ پر کھڑی تھی جب میں اندر آئی تو میرے ہاتھوں پر خون لگا ہوا ہے عبدالستار خونی اسٹوری سنائے جارہے تھے۔ اس وقت ہمیں کچھ پتا نہ چل سکا جب ہماری دوسری بیٹی کلثوم کی شادی تھی تب شادی والے دن کلثوم کی حالت ہماری آنکھوں کے سامنے بدلنے لگی ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے وہ ایک چڑیل کے روپ میں آ گئی ہم نے اس کا پیچھا کیا وہ اپنے ہونے والے شوہر کے گھر میں داخل ہوئی اور اپنے نوکیلے ناخن اس کے گلے میں گاڑ دیئے لیکن اس نے بھی مریم والی ہی بات کی' آنکھوں کے سامنے دھند چھانے والی بات بتائی۔

تو کیا آپ میری فائزہ کے ساتھ شادی کروائیں گے تو میں بھی مار دیا جاؤں گا' فراز جو حیرت سے اب تک عبدالستار کی خونی کہانی سن رہا تھا اس نے پوچھا۔

فائزہ کی ہم منگنی کر چکے ہیں عبدالستار نے اطمینان سے کہا۔

''کیا؟ منگنی؟ فراز نے اچھلتے ہوئے چونکا''

''ہاں فائزہ کی ہم نے منگنی دو سال پہلے کر دی تھی اس کے ساتھ بھی وہی ہوا اس کا ہونے والا شوہر منگنی والی رات میں مار دیا گیا جس رات منگنی ہوئی تھی اسی رات فائزہ چڑیل کی شکل میں آ گئی میں نے اور میری بیوی زرینہ بیگم نے اس کے پاؤں پکڑے کہ ہماری بچی کو چھوڑ دو لیکن اس نے ہماری ایک نہ سنی اور مجھے اور بیوی کو دھکیلتے ہوئے وہاں سے نکلی اور اگلے دن اس لڑکے کی لاش ہماری آنکھوں کے سامنے تھی۔

بیٹا بس اس لیے میں اتنا بدنصیب ہوں کہ اپنی بیٹیوں کی شادی نہیں کر رہا اب تمہارے لیے بہتر ہے کہ اپنی ضد چھوڑ کر یہاں سے چلے جاؤ' عبدالستار نے فراز کے سامنے بلکتے ہوئے ہاتھ جوڑ دیئے۔

''نہیں انکل میری چاہت اتنی کمزور نہیں ہے کہ میں موت کے ڈر سے پیچھے ہٹ جاؤں گا میں اب بھی فائزہ کے ساتھ شادی کرنے کے لئے تیار ہوں' فراز نے جذباتی ہوتے ہوئے کہا۔''

''بیٹا تم نادان ہو نہیں سمجھ رہے عبدالستار نے فراز کو سمجھاتے ہوئے کہا۔''

''میں سب کچھ سمجھ رہا ہوں انکل' ابھی میں چلتا ہوں اور آگے کیا کرنا ہے یہ میں آپ کو بتاؤں گا فراز نے وہاں سے اٹھتے ہوئے کہا فراز وہاں سے چلا گیا اور عبدالستار دیکھتے رہے۔

فراز نے گھر جا کر سب کچھ اپنے والد امتیاز احمد کو بتایا تو یہ سن کر امتیاز احمد بہت ہی حیران ہوئے اس کے بعد وہ بولے مجھے یہ کسی آسیب کا چکر لگتا ہے۔ میرے ایک جاننے والے بزرگ ہیں بہت ہی اللہ والے ہیں کسی کی تکلیف میں مدد کرتے ہیں اور کوئی فیس وغیرہ نہیں لیتے ہم عبدالستار کو لے کر ان کے پاس جائیں گے امتیاز احمد کی بات سن کر فراز مسکرا دیا۔

اگلے دن امتیاز احمد' فراز بلال عبدالستار کے بنگلے کے سامنے کھڑے تھے اور گارڈ سے باتیں کر رہے تھے کہ اچانک وہاں پر عبدالستار پہنچ گئے۔ کیوں بھئی کیا اب ہم اتنے برے ہوگئے کہ آپ کا گارڈ ہم کو روک رہا

امتیاز احمد نے عبدالستار سے شکایت کی۔
آ نے دوان کو عبدالستار نے گارڈ کو حکم دیا۔
عبدالستار تینوں کو اپنے گیسٹ روم میں لے گئے۔
ستار صاحب اگر ایسی کوئی بات تھی تو آپ ہمیں اس دن بتادیتے ہم خواہ مخواہ آپ کو غلط سمجھ رہے تھے یہ امتیاز احمد نے مسکراتے ہوئے کہا۔
''دیکھئے آپ لوگوں کے حق میں یہی بہتر ہے کہ آپ شادی کی بات کو ختم کرکے اپنی زندگی خوش وخرم رہیں اور فراز کے لئے کوئی اچھی لڑکی تلاش کرلیں عبدالستار نے ان کو سمجھاتے ہوئے کہا۔
''نہیں ستار صاحب آج ہم شادی کی بات کرنے نہیں بلکہ آپ کی پریشانی دور کرنے کے لئے آئے ہیں امتیاز احمد نے لمبا سانس لیتے ہوئے کہا۔''
''کیسی پریشانی''عبدالستار نے حیرانگی سے پوچھا۔
''وہی پریشانی جو آپ کو اندر اندر کھائے جارہی ہے آپ کی بیٹیوں کے ساتھ ایسا کیوں ہوتا ہے اسی لئے ہم آپ کو ایک بزرگ کے پاس لے جانے کے لئے آئے ہیں جو انشاء اللہ آپ کی پریشانی دور فرمادیں گے۔''
عبدالستار پہلے تو جانے کے لئے راضی نہیں ہورہے تھے لیکن امتیاز احمد کے زور دینے پر آخرمان گئے۔


☆......☆......☆

سید فرمان شاہ اللہ کے پیارے بزرگ ہیں جو لوگوں کی تکالیف روحانی علاج سے فرماتے ہیں آج ان کے آستانے پر لمبی لائن لگی ہوئی تھی اور ایک طرف امتیاز احمد بیٹھے لائن ختم ہونے کا انتظار کررہے تھے تقریباً ڈھائی گھنٹے کے انتظار کے بعد لائن ختم ہوئی تب وہ سب اندر داخل ہوئے بزرگ امتیاز احمد سے مل کر بہت خوش ہوئے اس کے بعد امتیاز احمد نے بزرگ کو پوری کہانی سنائی۔
''عبدالستار کی کہانی سن کر فرمان شاہ نے عبدالستار کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔''
''یہ کسی بھٹکتی ہوئی روح کا کام لگتا ہے لیکن وہ یہ کیوں کررہی ہے یہ جاننے کے لئے اس روح کو یہاں

بلانا ہوگا۔ تم سب تھوڑا دور ہٹ جاؤ' یہ بول کر بزرگ نے ایک گول دائرہ بنا دیا اپنے سامنے آگ جلادی۔ اس کے بعد اس دائرے کے چاروں طرف موم بتیاں جلا کر رکھیں وہاں پر موجود سارے لوگ فرمان شاہ کو حیرت سے دیکھ رہے تھے بزرگ منہ میں کچھ پڑھ رہے تھے اور آٹا جیسی کوئی چیز بار بار آگ میں ڈال رہے تھے۔

''اچانک تیز ہوائیں چلنا شروع ہوگئیں پھر دیکھتے ہی دیکھتے کمرے کے کونے میں سفید دھواں ظاہر ہوا اور دھوئیں میں اچانک ایک ہیولہ نمودار ہوا اس کے بعد اس ہیولے نے ایک خوفناک پر ہیبت چڑیل کی شکل اختیار کی اس پر نظر پڑتے ہی عبدالستار بولے یہی ہے وہ کم بخت جو میری بچیوں کو تنگ کرتی ہے۔

''یہ سن کر چڑیل غصے سے عبدالستار کی طرف بڑھی لیکن اسے بزرگ کی آواز نے روک دیا رک جاؤ ورنہ، میں تمہیں جلا کر بھسم کردوں گا۔''

''اب یہ بتاؤ کیوں ان شریف لوگوں کو پریشان کر رکھا ہے کیوں ان کی زندگی برباد کیں ہیں؟''

''نہیں چھوڑوں گی کسی کو نہیں چھوڑوں گی پہلے میں نے اس کے خاندان کی بیٹیوں کی شادی نہیں ہونے دی اب ان کو ایک ایک کرکے مار ڈالوں گی۔ چڑیل کی بھیانک آواز سے پورا آستانہ گونج رہا تھا۔''

''شاید تم بھول رہی ہو کہ اس وقت تم میری قید میں ہو میں تمہارے ساتھ کچھ بھی کرسکتا ہوں۔ اس لئے تمہاری بہتری ہے کہ ان کو چھوڑ دو بزرگ نے چڑیل سے کہا۔''

''نہیں چھوڑوں گی جس طرح سے اس نے میری زندگی برباد کی تھی اسی طرح میں اس کو برباد کروں گی' چڑیل نے جیسے چیختے ہوئے کہا۔''

''کیا کیا اس نے تمہارے ساتھ کھل کر بتاؤ' بزرگ نے چڑیل سے پوچھا''

''بزرگ کے سوال پوچھتے ہی چڑیل کی شکل بدلنے لگی تھوڑی دیر بعد وہ اب وہاں ایک خوبصورت جوان لڑکی کھڑی تھی اس پر نظر پڑتے ہی عبدالستار کو جیسے 440 وولٹ کا کرنٹ لگا وہ گرنے والے تھے لیکن فراز نے ان کو سنبھال لیا۔''

''اب آپ اس سے پوچھیں کہ اس نے میرے ساتھ کیا کیا تھا'' اس لڑکی نے بزرگ سے کہا۔

''نہیں جناب! آپ کا کیا تعلق تھا اس لڑکی سے' بزرگ نے عبدالستار سے پوچھا۔''

''عبدالستار کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے ان کو اپنی جوانی یاد آگئی اور انہوں نے بتانا شروع کیا۔''

''واقعی میں' میں اس لڑکی کا گناہگار ہوں' جوانی کے دنوں میں' میں بہت ہی عیاش تھا گاؤں کی لڑکیوں کو بہلا پھسلا کر اپنے بستر کی زینت بنانا میرا شوق تھا یہ جو آپ سب دیکھ رہے ہیں اس کا نام روپا ہے یہ ہمارے گاؤں کی سب سے خوبصورت لڑکی تھی میں روز اس کا پیچھا کرتا تھا ایک دن روپا کنویں پر پانی بھرنے آئی تو میں بھی وہاں پر پہنچ گیا اور اس کے ساتھ زبردستی کرنے لگ گیا۔

''اچانک روپا کے ہاتھ میں کہیں سے پتھر آگیا وہ اس نے مجھے پھینک کر مارا جو سیدھا میری آنکھ میں لگا اور میں ایک آنکھ سے محروم ہوگیا۔ اور میں آج تک اپنے گھر والوں کو یہی بتا رہا ہوں کہ میری آنکھ ایک حادثے میں ضائع ہوگئی تھی۔

خیر اپنی آنکھ کے کھونے اور اپنی بے عزتی کا بدلہ لینے کے لئے میں تڑپ رہا تھا اور چند دن بعد میں نے روپا کو اغواء کرکے ایک خالی گھر میں لے گیا اور سوچ لیا تھا کہ اگر روپا میرے بستر کی زینت نہ بنی تو کسی اور کی بھی نہیں ہوسکتی۔'' اور زور زبردستی روپا کے منہ پر ٹیپ لگایا اور پھر اندر سے دروازہ بند کیا روپا نے بھاگنے کی بہت کوشش کی لیکن ناکام رہی اس کے بعد جب جذبات کا طوفان ختم ہوا تو میں نے روپا سے کہا اب تمہارا زندہ رہنا میرے لیے مشکل ثابت ہوگا یہ کہہ کر میں نے روپا کو گلا دبا کر ختم کردیا اور اس کے وجود کو ایک میدان میں گڑھا کھود کر دفن کردیا میں نے اسے برباد کیا اور روپا نے بدلہ لے کر میری بیٹیوں کی سادی نہ ہونے

دی اتنا کہہ کر عبدالستار زور زور سے سسکنے لگے۔

"امتیاز احمد دیگر لوگ اور بزرگ اس کو حیرت سے دیکھ رہے تھے بہت برا ہوا تمہارے ساتھ بہت برا' یہ سن کر بہت زیادہ دکھ ہوا' جو اس نے تمہارے ساتھ کیا وہی تم نے اس کی بیٹیوں کے ساتھ کیا اب حساب برابر ہوا۔ دیکھو عبدالستار اپنی غلطی مان رہا ہے اور اس کو سزا بھی مل چکی ہے اب اس کا پیچھا چھوڑ دو بزرگ نے روپا کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے آپ کہتے ہیں تو میں مان لیتی ہوں لیکن میری آتما کو تب سکون ملے گا جب میرے وجود کو اس گڑھے سے نکال کر کریا کرم کر دیا جائے۔"

"یہ سن کر بزرگ بولے ٹھیک ہے جیسا تم چاہتی ہو میں ویسا ہی کرواؤں گا اب تم وعدہ کرو کہ آئندہ ان لوگوں تنگ نہیں کروں گی۔"

"ٹھیک ہے محترم بزرگ میں آپ سے وعدہ کرتی ہوں کہ آئندہ ان لوگوں کو تنگ نہیں کروں گی اور میرا کریا کرم ہوتے ہی میری آتما پرلوک میں چلی جائے گی۔ اور پھر بزرگ نے روپا کی آتما سے کیا ہوا وعدہ پورا کر دیا۔

☆......☆......☆

ہر طرف خوشیوں کا ماحول تھا۔ عبدالستار کا گھر روشنیوں میں جگمگا رہا تھا بہت زیادہ سجایا گیا تھا سارے لوگ بہت خوش تھے کیونکہ آج فراز اور فائزہ کی شادی تھی سب کو بارات کا انتظار تھا اچانک بارات کے آنے کی آواز سنائی دی دولہا کی گاڑی کے سامنے فراز کے دوست ڈانس کر رہے تھے سب کچھ ٹھیک ٹھاک چل رہا تھا تھوڑی دیر بعد مولوی نے نکاح پڑھنا شروع کر دیا تھا کہ اچانک کونجدار آواز آئی رک جاؤ۔ سب کی نظریں ایک ساتھ اس طرف گئیں تو لوگوں نے دیکھا کہ وہاں فراز کے کالج کا بدمعاش زبیر کھڑا تھا اس کے ہاتھ میں 2 پستول تھے اس کے ساتھ مزید چار نقاب پوش ہتھیار سمیت اس جگہ دائرہ بنا کر کھڑے ہو گئے۔

"ابے او چھچھوندر میں نے تیرے کو سمجھایا تھا ناں کہ فائزہ صرف میری ہے اب عزت سے یہاں سے بھاگ ورنہ ہماری گولیوں سے تیرا جسم چھلنی ہو جائے گا۔ زبیر نے فراز کو دھمکی دیتے ہوئے کہا زبیر کچھ بھی کر لو آج تو میری شادی ہو کر رہے گی۔ فرانے جوش سے کہا۔

فراز کی بات سن کر زبیر اس کی طرف بڑھا اور پھر اچانک زبیر کی نظر فائزہ پر پڑی تو اس نے دیکھا کہ اب فائزہ کا چہرہ بدلتے ہوئے چڑیل کا روپ اختیار کر گیا چڑیل کو دیکھ کر سب کی چیخیں نکل گئیں زبیر کی آنکھیں پھٹی جا رہی تھیں چڑیل نے منہ سے پھونک ماری تو سارے نقاب پوش اڑتے ہوئے ہوا میں معلق ہو گئے اس کے بعد چڑیل نے ایک اشارہ کیا تو سارے نقاب پوشوں نے اپنے ہتھیار سے ایک دوسرے پر گولیاں برسانے لگے اور چشم زدن میں سب ختم ہو گئے اس کے بعد چڑیل نے زبیر کو گردن سے پکڑ کر اوپر پھینکا تو وہ اوپر چھت میں لگے پنکھے سے جا لگا اور اس کا سر جسم سے الگ ہو گیا۔

"تھوڑی دیر بعد فائزہ اپنی اصلی حالت میں آ گئی اور وہاں پر روپا ظاہر ہوئی۔ روپا نے فائزہ کی طرف دیکھ کر مسکرائی اور بولی میں نے شاہ صاحب سے وعدہ کیا تھا کہ اب آپ لوگوں کو تنگ کرنے نہیں آؤں گی لیکن یہ تو وعدہ نہیں کیا تھا کہ تم لوگوں کی مدد کرنے بھی نہیں آؤں گی۔"

"یہ دیکھ کر عبدالستار نے روپا کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے اور معافی مانگنے لگے بس ٹھیک ہے انسان غلط کرتا ہے لیکن جو غلطی کر کے سدھر جائے وہ ایشور کا پیارا ہوتا ہے شاہ صاحب نے میری کریا کرم ادا کر دی ہے اور اب میں جا رہی ہوں اب میں کبھی واپس نہیں لوٹوں گی۔"

یہ بول کر وہ دھوئیں میں تحلیل ہو گئی اور سب لوگ دیکھتے رہ گئے پھر دھوم دھام سے شادی کی رسمیں ادا ہوئیں سارے لوگ بہت خوش تھے۔ ایک گھنٹہ بعد پولیس آئی اور پھر چشم دید گواہوں کے بیانات قلمبند ہوئے پولیس کے مطابق زبیر مزید کئی دہشت گردی کے کیس میں مطلوب تھا لہٰذا پولیس والوں نے کارروائی کی اور شادی کا مزیدار کھانا کھا کر واپس چلے گئے۔



# رولوکا

تحریر: اے وحید

قسط نمبر: 148

وہ واقعی پراسرار قوتوں کا مالک تھا، اس کی حیرت انگیز اور جادوئی کرشمہ سازیاں آپ کو دنگ کردیں گی

"حسن اصغر کون تھا، کیا تھا؟ اور اس نے آج صبح ہی سے کفن کیوں پہن رکھا تھا؟" یہ ایسے سوال ہیں جن کا جواب کم از کم میرے پاس نہیں۔" طہرانی نے رک رک کر کہا۔ "تو کیا حسن اصغر کا وجود ہم سب کے لئے ہمیشہ ایک معمہ رہے گا؟" ڈاکٹر بیگ نے پوچھا۔ سورج غروب ہونے میں ابھی کافی وقت تھا، خلاف معمول آسمان پر ہلکے ہلکے بادل چھائے ہوئے تھے۔ ہوا رقص کرتی ہوئی چل رہی تھی۔ ماحول میں ایک ترنم سا بکھرا ہوا تھا اور مسرت میں ڈوبی ہوئی فضا پکار پکار کر ہر فرد کو خوشی اور مسکراہٹوں کی دعوت دے رہی تھی۔ لیکن بے مثال کامیابی کے باوجود سب مضمحل تھے اداس تھے غمزدہ تھے اور ہر شخص کا دل ایک طرف حسن اصغر کی اچانک موت پر حیران تھا تو دوسری طرف ان کے اعصاب پر ایک انجان خوف بھی مسلط تھا سب کی آنکھیں ایک دوسرے سے سوال کررہی تھیں اور دور گھاٹیوں کی طرف دیکھ رہی تھیں جدھر اناتانیہ اور مختار کے قدم اٹھے تھے۔ سب کے سب حیران و پریشان تھے کہ یہ دونوں کہاں گئے ہیں اور کب واپس آئیں گے، خیر چند منٹ بعد دونوں واپس آگئے اور اناتانیہ اپنے خیمہ میں چلی گئی اور پھر ایک وقت آیا کہ مختار عرف احمس موت کی نیند سو گیا تو اچانک اناتانیہ پر بھی جنون سوار ہوگیا اناتانیہ کی آواز سنائی دی، احمس تم میرے جسم میں پھیلے ہوئے زہر کو امرت سمجھ کر پی گئے تم کامیاب و کامران اور بے قصور ہو...... لیکن میں ناکام بھی ہوں اور خطاوار بھی اور آئین وفا یہ نہیں ہے کہ موت کے بعد تمہارا ساتھ نہ دوں۔ اناتانیہ نے یہ جملہ کہا اور چشم زدن میں خنجر پکڑا اور اپنی چھاتی کی انتہائی گہرائیوں میں پیوست کرلیا اب اناتانیہ بھی مختار کے قریب اپنی زندگی کی آخری سانسیں لے رہی تھی۔ اور سب کے دیکھتے ہی اناتانیہ نے زندگی کی آخری ہچکی لی اور ہوش و خرد سے بیگانہ ہوکر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سرد ہوگئی۔ آج اناتانیہ نے احمس کی خاطر دوسری مرتبہ خودکشی کی تھی اور اس کی خودکشی نے محبت کے اس لافانی شعلہ کو بجھا دیا تھا، جس کو اس نے اپنے لہو کی چنگاری سے جلا کر ہزاروں سال زندہ رکھا تھا۔ آج اناتانیہ کا جنازہ دوسری مرتبہ اٹھا تھا، جنازہ کے منظر نے جیسے پوری کائنات کا ماحول بدل کر رکھ دیا تھا، فضاؤں کو اداس کردیا تھا، خلاؤں میں موت کی خاموشی پھیلا دی تھی۔ وقت کے رفتار کو ٹھہرا دیا تھا، ستاروں کی چمک ماند کردی تھی، چاند کی کرنوں کو رلا دیا تھا اور رات کو ایک المناک سکوت کے گہوارہ میں سلا دیا تھا۔ اور کہانی ختم ہوگئی تھی۔

(اب آگے پڑھیں)

رولوکا نے حکیم وقار سے وعدہ کیا تھا کہ میری کوشش ہوگی کہ میں اناتانیہ اور احمس کی روح سے ملاقات کروں گا۔ لہٰذا حسب وعدہ ایک رات رولوکا مصر میں اس جگہ پہنچ گیا جہاں کہ احمس اور اناتانیہ کو ایک تابوت میں رکھ کر اس مقبرہ میں فگا تانے دفن کردیا تھا۔

رولوکا کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی کہ احمس اور اناتانیہ کی روحوں سے یہ معلوم کروں گا کہ دونوں کا آئندہ انجام کیا ہوگا جوکہ ان کے مذہب میں آواگون کا سلسلہ ہے اس کے مطابق کیا وہ دونوں کہیں اور پیدا ہوں گے یا پھر ان دونوں کا آخری انجام یہی ہے کیا دونوں اب قیامت تک روح کی شکل میں ہی رہیں گے اور کیا وہ دونوں خوش ہیں۔

بہرحال جب رولوکا مقبرہ کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ احمس اور اناتانیہ کی روحیں موجود تھیں اور ان کے ہونٹوں پر دلکش مسکراہٹ رقصاں تھی، اناتانیہ مسکراتے ہوئے بولی۔ "مہان شکتی کے مہان پرش عظیم رولوکا ہم دونوں آپ ہی کے انتظار میں تھے ہمیں معلوم ہوگیا تھا کہ آپ ہمارے پاس تشریف لا رہے ہیں، چونکہ روحوں میں یہ خاصیت ہوتی ہے کہ انہیں آنے والے وقت کا پتہ چل جاتا ہے، ہمیں یہ بھی معلوم ہے



کہ آپ بہت ہی رحم دل، دوسروں کے غم خوار اور دل میں نرم گوشہ رکھنے والے ہیں، اور اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر مظلوموں کی مدد کرتے ہیں اور ظالم اندکیھے وجود کو کیفر کردار تک پہنچاتے ہیں۔ آپ مہان شکتی کے مالک ہیں۔

خیر جو آپ کے دل میں ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اب ہم دونوں قیامت تک اسی طرح ایک دوسرے کے ساتھ رہیں گے، ہم دونوں بہت خوش ہیں، ہمارا مددگار حسن اصغر بھی آخری انجام تک پہنچ گیا ہے۔ ہمارا دشمن اسپاتا کا وجود ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہوگیا ہے۔ پہلے ہم دونوں کی روحوں کا ملاپ نہیں ہوتا تھا کیونکہ ہمارا دشمن اسپاتا رکاوٹ ڈالتا تھا، اس لئے ہماری روحیں بھٹکتی رہتی تھیں، مگر اب اسپاتا خود نیست و نابود ہو چکا ہے۔

مہا پرش رولو کا ہماری آپ سے التجا ہے کہ آپ ہم دونوں کی دائمی خوشی کے لئے دعائے خیر کرتے رہئے گا...... آپ کا بہت بہت شکریہ۔'' یہ سن کر رولو کا بولا۔ ''میں آپ دونوں کے لئے دعائے خیر کرتا رہوں گا۔ اب میں چلتا ہوں اور پھر رولو کا ان کے پاس سے واپس ہوا۔

رات بہت اندھیری تھی، غیبی حالت میں رولو کا ایک صحرا سے گزر رہا تھا کہ اسے پردرد، غم میں ڈوبی ہوئی سسکیاں سنائی دیں، تو رولو کا اس جگہ ٹھہر گیا، اور بغور دیکھا تو ایک مردانہ روح سسک رہی تھی۔ رولو کا قریب گیا اور پوچھا۔ ''محترم روح آپ کون ہیں اور آپ کی پردرد سسکیاں قرب و جوار کو دہلا رہی ہیں، کیا آپ بتانا پسند کریں گے کہ آپ اس قدر غمزدہ کیوں ہیں۔'' یہ سن کر روح بولی۔ ''میں بہت بدنصیب تھا، میری داستان ناقابل فراموش ہے، اگر آپ نے سننا ہے تو سنیں۔

سرخ پتھروں سے بنی ہوئی ایک پرانی عمارت کا نام قصر احمر تھا جس میں ایک نہایت ہی مقبول خاندان آباد تھا، اس عمارت کے مغرب میں تھوڑے ہی فاصلے پر دریائے فرات ناگن کی طرح بل کھاتا ہوا بہہ رہا تھا ایک چھوٹی بستی اس سرخ عمارت کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھی شمال کی طرف ایک نخلستان بھی واقع تھا، کھجور کے اونچے اونچے درخت بہت دور تک پھیلتے چلے گئے تھے اس بستی کے قریب سے گزرنے والا دریا نہایت ہی دلکش نظارہ پیش کر رہا تھا۔

صرف چار میل کے رقبہ میں چار پانچ اور بستیاں بھی موجود تھیں ان بستیوں کے مکان معمولی اور پرانی طرز کے تھے قصر احمر اپنی مثال آپ تھا ان بستیوں کی ایک بھی عمارت اس سے لگا ؤ نہ کھاتی تھی اس جگہ زیادہ تر غریب لوگ آباد تھے کبھی کبھی خانہ بدوش قبائل بھی نخلستان میں ڈیرے جما لیتے تھے، اس وقت اس علاقے کی رونق شباب پر پہنچ جاتی تھی۔

نخلستان سے پندرہ سولہ میل کے فاصلے پر جنوب مغرب میں پرانی تہذیب کے ناقابل فراموش آثار موجود تھے۔ ہر طرف پھیلے ہوئے عظیم ترین کھنڈرات کسی بارونق شہر کی موجودگی کا پتہ دے رہے تھے۔ ان کھنڈروں کو دیکھ کر یہ تسلیم کر لینا کہ کبھی ہزاروں برس قبل اس جگہ عظیم الشان شہر آباد تھا کچھ مشکل نہ تھا۔

ماضی کے اس خوب صورت شہر میں کبھی نمرود نے خدائی کا دعویٰ کیا تھا۔ بعل دیوتا کا معبد بھی اسی جگہ موجود تھا بت پرستی کا آغاز بھی اسی جگہ سے ہوا زہرہ دیوی کا مندر جہاں سینکڑوں کنواری لڑکیاں قسمت آزمائی کے لئے جمع ہوتیں اسی جگہ واقع ہوگا۔

اب اس جگہ بڑے بڑے تودوں اور جھلسے ہوئے پتھروں کے سوا کچھ بھی موجود نہ تھا البتہ سیاحوں کی دلچسپی کے لئے اس تباہ شدہ علاقے میں اب بھی بہت کچھ باقی تھا۔

ہاں...... تو میں یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ قصر احمر میں جو امیر خاندان رہائش پذیر تھا اس میں دو درجن افراد موجود تھے۔ جن میں جوان بوڑھے اور بچے سب ہی موجود تھے آج سے تقریباً بیس سال پہلے میں نے

ایک خادم کی حیثیت سے اس خاندان میں اپنی نئی زندگی کی ابتدا کی تھی میرا آقا اختر سیاہ وسفید کا مالک تھا میں نے اپنی خدمات کے ذریعے تھوڑے ہی عرصہ میں اپنے آقا کا دل موہ لیا اور میں صرف ان کی مہربانیوں کے باعث ہمیشہ کے لئے اس خاندان سے وابستہ ہوگیا۔

مجھے اس جگہ آئے ابھی دو برس ہوئے تھے کہ سرور پیدا ہوا اتفاق کی بات ہے کہ سرور صرف چند روز بعد اپنی ماں کی شفقت سے محروم ہوگیا بیوی کی موت کا میرے آقا کے دل پر بہت اثر ہوا انہوں نے اس خوب صورت بچے کو منحوس سمجھ کر میری گود میں ڈال دیا۔

سرور نہایت ہی خوب صورت اور بھولا سا تھا۔ میں نے اس کی پرورش کے سلسلے میں اپنی طرف سے کوئی کسر نہ اٹھا رکھی، خدا کی شان کہ بے ماں کا معصوم بچہ بڑی کامیابی سے زندگی کے مراحل طے کرتا ہوا چوتھے سال میں لگ گیا اور یہ اس کی بدقسمتی تھی کہ وہ اسی سال اپنے باپ کے سایہ سے بھی محروم ہوگیا۔

شاید خدا کو منظور یہی تھا کہ ننھا سرور ماں کے بعد باپ کی شفقتوں سے بھی محروم ہوجائے ان کی موت کا صدمہ میرے لئے ناقابل برداشت تھا، اگر سرور کی پروش کا خیال نہ ہوتا تو میں یقیناً اپنے آقا کی موت کے بعد قصر احمر کو خیر باد کہہ دیتا۔

دن گزرتے گئے اور میں سرور کی دیکھ بھال میں مصروف رہا اسی دوران میں مجھے لوگوں کی زبانی اس سرخ عمارت کی نحوست کے متعلق بہت سی کہانیاں سننے کا موقع ملا صرف سات سال کے قلیل عرصہ میں اس خاندان کے افراد کی تعداد نصف رہ گئی یہاں تک کہ جس وقت سرور اپنی زندگی کی اٹھارہویں منزل میں داخل ہوا قصر احمر میں ہم دونوں کے سوا اس خاندان کا کوئی بھی فرد اس دنیا میں موجود نہ تھا۔

میں نے قصر احمر کی نحوست کے سلسلے میں کئی مرتبہ سرور سے تبادلہ خیال کیا اور یہ ہی رائے دی کہ ہم اس بڑی عمارت سے نقل مکانی کرلیں لیکن سرور اس کے لئے راضی نہ ہو بلکہ اس نے کہا۔ ''دادا موت برحق ہے جس کا وقت معین ہے ہم اس جگہ سے بھاگ کر خواہ کسی مقام پر کیوں نہ پہنچ جائیں مگر ہم اس سے بچ نہیں سکتے ہم جہاں بھی ہوں گے موت کے بے رحم ہاتھ ہمارا گلا دبائے اسی جگہ پہنچ جائیں گے۔''

سرور کی دلیل معقول تھی میں خاموش ہو رہا اور وہ عام طور پر مجھے دادا کے نام سے پکارتا تھا وہ اب ماشاء اللہ جوان ہو چکا تھا میری خواہش تھی کہ وہ میری زندگی میں شادی کرلے تاکہ میں قصر احمر میں ایک بار پھر چہل پہل دیکھ لوں۔

آہ...... اس منحوس عمارت کے ہر در و دیوار سے وحشت برستی معلوم ہوتی تھی ہر وقت گہری خاموشی اور بھیانک سکوت پایا جاتا تھا اتنے بڑے قلعہ نما مکان میں ہم دونوں کی موجودگی صفر کے برابر تھی میں جب اس مکان کے کمروں کو خالی پاتا میرا دل فرط غم سے الٹ جاتا تھا کبھی وہ بھی وقت تھا جب کہ اس کے ہر حصے سے لوگوں کے بولنے کی آوازیں اور بچوں کے رونے کا شور سنائی دیتا تھا کبھی نقرئی قہقہے بلند ہوتے اور کبھی کسی کی غصیلی آواز لرزہ سا پیدا کر دیتی تھی لیکن آج اتنے بڑے مکان میں گنتی کے ہم صرف دو نفر باقی ہیں۔

ہماری بستی سے صرف دو فرلانگ کے فاصلے پر دائیں جانب ایک اور چھوٹی سی بستی تھی جہاں گنتی کے چند گھر تھے جو لوگ اس بستی میں تھے ان میں سے زیادہ تر ماہی گیر تھے...... ان ہی لوگوں میں ایک نہایت ہی خوب صورت لڑکی تھی جس کا نام یاسمین تھا۔

یاسمین نہایت ہی خوب صورت نیک اور نازک اندام لڑکی تھی اس کے خوشنما چہرہ سے ہر وقت معصومیت جھانکتی معلوم ہوتی تھی اس کی سحر انگیز آنکھیں نہایت ہی مست تھیں یاسمین جہاں اس قدر خوب صورت اور صاحب جمال تھی وہاں قدرت نے اس حسین دوشیزہ کو شرمیلے پن کی دولت سے بھی مالا مال کر رکھا تھا۔

میں کئی مرتبہ اس خوب صورت لڑکی کو دیکھ چکا تھا وہ فطری طور پر سنجیدہ اور رحم دل واقع ہوئی تھی، مجھے اس خوب صورت لڑکی کے متعلق ایک اور بات بھی معلوم تھی وہ یہ کہ جب کبھی سرور کا اس بستی میں سے گزر ہوتا تو وہ عجیب نظروں سے اسے دیکھا کرتی اور اس کی نگاہیں حد نظر تک سرور کا تعاقب کرتی معلوم ہوتی تھیں مجھے اس کی محبت کا اندازہ لگانے میں کچھ بھی دشواری پیش نہیں آئی۔

سرور کئی مرتبہ اس طرف سے گزرا نہ جانے اس غریب لڑکی کے دل پر اس وقت کیا کیفیت طاری ہوئی ہوگی لیکن نوجوان سرور ان باتوں سے بالکل لاعلم اور بے خبر تھا وہ یہ نہ جانتا تھا کہ اس کی راہ گزر میں اس بستی کی کوئی حور چہرہ نازنین اپنی آنکھیں بچھانے کو تیار ہے...... میں سرور کی عادت اور اس کی خصوصی فطرت سے پوری طرح واقف تھا۔

میں کہہ سکتا ہوں کہ اگر یاسمین کی محبت کا راز سرور پر ظاہر بھی ہوجاتا تب بھی وہ اس کے لئے سکون کا باعث نہ بن سکتا۔

یاسمین کے والدین کو انتقال کئے تین برس گزر چکے تھے اسے اس کے بڑے بھائی فیروز نے پرورش کیا تھا ان دونوں میں گہری محبت موجود تھی فیروز نے محض اس خیال سے اپنی شادی نہیں کی کہ کہیں ایسا کرنے سے اس کی بہن کو تکلیف نہ پہنچ جائے۔

میری خواہش تھی کہ سرور کا رشتہ اس جگہ ہوجائے، یاسمین میں اس کی رفیقہ حیات بننے کی تمام خوبیاں موجود تھیں، اور فیروز کی تمام خوشیاں صرف یاسمین کی خوشی سے وابستہ تھیں۔

وقت گزرتا گیا اور میں اس مسئلے پر بڑی سنجیدگی سے غور کرتا رہا یہاں تک کہ میں نے ایک روز یاسمین کی محبت کے متعلق سرور سے بات کرنے کا فیصلہ کرلیا بظاہر سرور کا اس کے لئے راضی ہونا ناممکن نظر نہ آتا تھا لیکن میں زیادہ عرصہ مایوسی کی تاریکی میں گھٹ گھٹ کر مرنے کو پسند نہ کرتا تھا...... میں جانتا تھا کہ سرور اس معاملے میں زیادہ سے زیادہ صرف انکار کردے گا اس نوجوان لڑکے میں بہت سی باتیں عجیب تھیں وہ خاموش طبع اور مفکر قسم کا انسان واقع ہوا تھا جب کبھی وہ زیادہ خوش ہوتا تو صرف مسکرا دیتا شادی اور محبت کے معاملے میں وہ نہایت ہی سرد مہر اور بے پرواہ نظر آتا تھا۔

جوان اور صحت مند ہونے کے باوجود اس نے کبھی اس سلسلے میں کسی سے گفتگو تک نہ کی ایک روز میں نے سرور کو خوش پا کر اپنی طرف سے یاسمین کا ذکر چھیڑ دیا اور اسے بتایا کہ ''پاس والی بستی میں فیروز کی بہن جو نہایت ہی خوب صورت ہے اسے محبت بھری نظروں سے دیکھتی ہے۔''

''دیکھتی ہوگی۔'' سرور نے روکھا سا جواب دیا۔

''لیکن سرور میری خواہش یہ ہے کہ میں اسے تمہاری دلہن دیکھوں۔''

''میری دلہن...... واہ دادا واہ...... بڑی دور کی سوجھی۔''

''بس کرو دادا۔ مذاق بہت ہوچکا۔'' سرور اکتائے ہوئے لہجے میں بولا۔

اس کی اس قسم کی باتوں سے میرا دل ڈوبنے لگا تھا لیکن میں نے اس سلسلے کو جاری رکھتے ہوئے کہا۔

''تم ان باتوں کو مذاق سمجھ رہے ہو سرور...... حالانکہ تم اب جوان ہوچکے ہو تمہاری شادی میرے لئے ایک ایسا فرض ہے کہ جسے جلد ادا ہوجانا چاہئے۔''

سرور نے اپنا رخ تیزی کے ساتھ میری طرف کرلیا اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جھانکتے ہوئے کہا۔ ''کیا قصر احمر کی منحوس فضا، اس غریب کے لئے ہلاکت کا باعث نہیں بن سکتی...... کسی کی عزیز ترین زندگی کو محض اپنے مفاد کے لئے خطرے میں ڈالنا گناہ ہے دادا اس مکان کی منحوس فضا میں صرف ہم دونوں جیسے سخت جان ہی رہ سکتے ہیں۔''

میں نے اس روز سرور کو ہر طرح سے سمجھایا اس کو آمادہ کرنے کی پوری کوشش کی۔ لیکن وہ ضدی لڑکا

کسی بھی میرے ڈھب پر نہ آسکا۔

اس روز اگرچہ میں اس کی طرف سے مایوس ہوگیا تھا لیکن میں نے اپنی کوشش کو ترک کرنے کا فیصلہ نہیں کیا میں جب بھی موقع پاتا یاسمین کا ذکر چھیڑ دیتا لیکن بے سود اب مجھے ایسا معلوم ہونے لگا کہ گویا قدرت نے اس نوجوان کے پہلو میں محبت بھرے دل کے بجائے ایک ایسا پتھر رکھ دیا ہے جو کسی قسم کی حرارت سے نرم نہیں ہوتا۔

سال بھر کی کوششوں کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچ چکا تھا کہ گویا مجھے اب سرور کی شادی کے معاملے میں اس کے سامنے ہتھیار ڈال دینے پڑیں گے۔

ایک شام جب کہ خلائے عظیم کے ہر حصے میں قصر احمر پر نحوست برس رہی تھی ایک نہایت ہی عجیب واقعہ پیش آگیا میں نے اسے واقعہ محض اس لئے کہا کہ آگے چل کر میرا یہ وہم حقیقت کی صورت اختیار کرگیا اس عجیب اور حیرت انگیز واقعہ کے رونما ہونے کے فوراً ہی بعد حالات نے میری توقع کے خلاف پلٹا کھایا میں اس کے سبب استعجاب کے سمندر میں غوطے کھانے لگا۔

میں نے اپنی لمبی زندگی کے آخری دور میں اس شام جو کچھ دیکھا وہ میرے لئے اس روز ایک ناقابل تسلیم حقیقت تھی اسی لئے میں نے اس واقعہ کو وہم سے زیادہ اہمیت نہیں دی۔

غروب آفتاب کے بعد فضا میں خنکی پیدا ہوچکی تھی۔ شام تیزی سے شب تاریک کی طرف بڑھ رہی تھی۔ افق کی کچھ بلندی پر ایک ستارہ جھلملا رہا تھا۔ نوجوان سرور باغ کی ایک کیاری میں کھڑا گلاب کے شگفتہ پھول سے دل بہلا رہا تھا وہ اس وقت پودے کی طرف جھکا ہوا تھا اس کی پشت صدر دروازہ کی طرف تھی میں صرف دس گز کے فاصلے پر سبزہ پر بیٹھا ایک ہفت رنگ کی تتلی کو دیکھنے میں مصروف تھا جو قریب ہی پھول اور پودوں پر منڈلا رہی تھی کہ اچانک مجھے یوں محسوس ہوا کہ گویا اس باغ میں کسی بوڑھے کا دھندلا سا عکس حرکت کررہا ہے۔

میں حیرت زدہ رہ گیا اور ٹکٹکی باندھ کر اس کی طرف دیکھنے لگا اس دھندلے عکس کا تصور اس طرح قائم کیا جاسکتا ہے کہ گویا وہ حقیقت اور بے حقیقت کے درمیان کی کڑی ہو۔

ایک بوڑھا جو کہ کبڑا بھی تھا سبک خرامی سے سرور کی طرف بڑھ رہا تھا وہ جسم ہونے کے بجائے محض ہیولانی معلوم ہوتا تھا۔

اس عجیب ہستی کے باعث میرا دل دھڑکنے لگا چاہے کہ میں سرور کو خبردار کرنے کے لئے چیخ پڑوں مگر...... اس سے پہلے کہ میں سرور کو خبردار کرتا بوڑھے کا عکس ٹھہر گیا اس کی گردن مڑی۔

اُف اب اس منحوس ہیولے کا مکروہ چہرہ ہمارے سامنے تھا زرد رنگ کا جھریوں سے لبریز لمبوترہ چہرہ...... چھوٹی چھوٹی آنکھیں جن میں سانپ کی آنکھوں سی چمک موجود تھی وہ کبڑا شیطان بغیر پلک جھپکائے اس طرح میری طرف دیکھتا رہا جس طرح پھن نکالے ناگ کسی کو گھورتا ہے اس وقت میری حالت بد سے بدتر ہوتی چلی گئی یوں معلوم ہوا کہ گویا مجھے سانپ سونگھ گیا زبان تالو سے لگی استعجاب کے باعث میں اپنی جگہ سے اٹھ بھی نہ سکا کبڑا شیطان دوبارہ سرور کی طرف بڑھ رہا تھا یہاں تک کہ وہ اس کی پشت کے ساتھ جا لگا سرور پھول توڑنے کے بعد اب سیدھی حالت میں کھڑا ہوچکا تھا ایک شگفتہ گلاب اس کی چٹکی میں دبا ہوا تھا، بوڑھے نے اپنی چھاتی سرور کی پشت سے لگادی اور اس کے بعد؟

یوں معلوم ہوا کہ گویا وہ اس کی جلد کا پردہ اٹھا کر میرے آقازادے کے جسم میں داخل ہوکر غائب ہوگیا۔

میں سرور کی طرف دیکھ رہا تھا ابلیسی عکس کے پوشیدہ ہوتے ہی سرور نے اس طرح جھرجھری لی کہ گویا کسی نے اس کے ننگے جسم پر برف بکھیر دی ہے۔

میں نے بمشکل تمام حواس درست کیے تیزی سے اٹھ کر سرور کی طرف لپکا۔

''میرے بچے......''

''سرور نے میری طرف حیرت بھری نظروں

سے دیکھا۔"
"خیریت تو ہے دادا؟"
میں نے اسے اپنے سینے سے لپٹالیا اس وقت سرور کا جسم سخت گرم تھا اس قدر گرم کہ میں دنگ رہ گیا۔
"آپ کچھ گھبرائے سے معلوم ہوتے ہیں؟"
"بے شک لیکن یہ بتلاؤ کہ تمہاری طبیعت کیسی ہے؟"
"ٹھیک ہے دادا مگر بات کیا ہے آپ اس طرح حیرت سے کیا دیکھ رہے ہیں؟"
"کچھ نہیں سرور یونہی...... کبھی کبھی میں کچھ پاگل سا ہوجاتا ہوں"...... اس وقت میں نے اپنے استعجاب کو سرور سے پوشیدہ رکھنے کی پوری پوری کوشش کی میں اس حیرت انگیز واقعہ کے متعلق سرور کو کچھ بھی بتانے کے لئے تیار نہ تھا اس وقت میرے دل کی حالت بہت عجیب تھی دماغ میں قسم قسم کے خیالات چکر لگا رہے تھے۔
کچھ دیر کے لئے اس جگہ گہرا سکوت قائم ہوگیا شب بلا کی تاریکی تمام دنیا کو اپنی آغوش میں لینے کے لئے تیزی سے اسی طرف آرہی تھی اچانک سرور نے مجھے اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے سوال کیا۔"ہاں دادا اس روز آپ نے کسی لڑکی کا ذکر کیا تھا؟"
سرور کا جواب میری توقع اور قیاس کے قطعی خلاف تھا میں نے جواب دینے کے بجائے صرف اس کی طرف دیکھنے پر اکتفا کیا سرور نے دوبارہ اسی فقرہ کو دہرایا چنانچہ مجھے یقین ہوگیا کہ جو کچھ بھی میں نے سنا وہ اپنی جگہ ٹھیک ہے سرور جیسے سرد مہر اور سنگدل نوجوان کی زبان سے اس فقرہ کا ادا ہونا ایک نہایت ہی عجیب بات تھی میرا دل فرط مسرت سے اچھلنے لگا۔
میں نے بے پرواہی سے جواب میں کہا۔
"خیال ہے کہ ایک مرتبہ شاید میں نے یاسمین کے متعلق کچھ کہا تھا......"
"ہاں یہی نام ہے، اسی کے متعلق مجھے بتلایا تھا کہ میں جب اس کی بستی سے گزرتا ہوں تو وہ مجھے دیکھا کرتی ہے کیوں دادا یہ ٹھیک ہے ناں؟"
"یقیناً ٹھیک ہے۔" میں نے حلیمی سے جواب دیا۔
"بہت خوب یاسمین کی نظریں میرا تعاقب کرتی ہیں گویا یہ کہ وہ لڑکی مجھ سے محبت کرتی ہے اور ہاں دادا...... آپ یہ چاہتے ہیں کہ یاسمین قصر احمر کی زینت بنے۔" سرور مسرور لہجے میں بولا۔
"بے شک سرور، بے شک...... اور شاید یہ میری آخری تمنا ہے۔"
"میں کوشش کروں گا کہ آپ کو مایوس نہ ہونے دوں۔"
اتنا کہنے کے بعد وہ بڑی تیزی سے گلاب کے پھولوں کو اپنی چٹکی میں لئے لائبریری روم کی طرف چلا گیا میں خاموش کھڑا اس معاملے پر غور کررہا تھا اور یہ سوچ رہا تھا کہ اس غیر متوقع تبدیلی کا باعث کیا ہے اسے شادی کے نام سے چڑ تھی کسی بھی لڑکی کا نام سن کر سیخ پا ہوجاتا تھا لیکن اس وقت اس نے بلاوجہ رضامندی کا اظہار کردیا، اس خیال کے علاوہ اس بوڑھے کے دھندلے سے عکس کا تصور ابھی تک میرے دماغ میں موجود تھا میں نے اس تخیل کو اپنے دل ودماغ سے دور کرنے کی بار بار کوشش کی لیکن اس کے کردار کی ہولناکی پوری طرح چھائی ہوئی تھی میں دیر تک اسی جگہ کھڑا رہا یہاں تک کہ لیلائے شب نے اپنے سیاہ بالوں کو تمام دنیا پر بکھیر دیا ہر طرف تاریکی کا سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگا...... تمام آسمان جھلملانے والے ستاروں سے بھر گیا۔
سرور میرے سامنے لائبریری روم میں داخل ہوا تھا وہاں کی روشنی باہر سے نظر آرہی تھی ہر طرف خاموشی کی حکمرانی تھی میں نے سرور کی خواب گاہ میں پہنچ کر لیمپ روشن کردیا۔ جب تک سرور اس جگہ نہ پہنچ گیا۔ میں اسی جگہ اس کا انتظار کرتا رہا کچھ دیر بعد وہ بھی آگیا۔

☆......☆......☆

میری کوشش اور یقین دہانی کے بعد سرور کی شادی ہوگئی تھی یاسمین کے اس جگہ آنے کے بعد قصر احمر میں رونق ہوگئی تھی اس کے بھائی فیروز کو رضامند کرنے کے لئے مجھے بہت کوشش کرنی پڑی اس کی طرف سے

ف ایک ہی سوال دہرایا جارہا تھا وہ یہ کہ اسے جب اس بات کا یقین نہ دلایا جائے کہ یاسمین شادی کے خوش رہ سکے گی وہ ایسا نہ کرے غرض یہ کہ میں اسے یقین دلانے میں کامیاب ہوگیا اور فیروز نے کافی غور وخوض کے بعد اس فرض کو انجام دینے میں تاخیر نہیں کی وہ کسی نہ کسی وقت اس جگہ آکر اپنی بہن سے مل جاتا تھا میں حالات اور اس نئے جوڑے کے تعلقات کا بغور مطالعہ کررہا تھا دونوں خوش وخرم تھے اور دو برس گزرنے کے بعد بھی ان کے معاملات میں کسی قسم کی خرابی پیدا نہیں ہوئی تھی میں اپنی جگہ مطمئن ہوچکا تھا......

لیکن ایک عجیب اور نہ سمجھ میں آنے والی بات ابھی تک مجھے بے چین کیئے ہوئے تھی جب بھی میں اس رات کے واقعہ پر غور کرتا پریشان ہوجاتا۔

میرا دل خود بخود بیٹھنے لگا تھا واقعہ یہ ہے کہ جس رات یاسمین دلہن بن کر پہلی مرتبہ قصر احمر میں داخل ہوئی وہ رات میرے لئے بڑی خوشی کی رات تھی میں نے مکان کی نہ صرف صفائی کردی تھی بلکہ اس کو خوب آراستہ بھی کردیا تھا اور یہ لوگ آپس میں بڑی محبت سے زندگی بسر کررہے تھے ان دونوں میں سے کسی کو ایک دوسرے سے کسی قسم کی شکایت نہ تھی۔

جس رات یاسمین اپنے میکے سے پہلی مرتبہ اس عمارت میں داخل ہوئی ہم سب دیر تک جاگتے رہے۔ رات کے ڈیڑھ بجے جب کل کائنات پر سکوت طاری تھا ہر طرف خاموشی مسلط تھی میں اپنے پلنگ پر پڑا ہوا تھا اور یہ سوچ رہا تھا کہ اب اس مکان کی اداسی اور بے حالی ختم ہوجائے گی...... مستقبل کے متعلق بہت سے خیالات میرے دماغ میں موجود تھے میں تصورات کی دنیا میں کھویا ہوا تھا۔

اچانک رات کی اس گہری خاموشی کے طلسم کو پاش پاش کرنے والی ایک نہایت ہی ردبھری آواز بلند ہوئی۔

یوں معلوم ہوا کہ یہ قریب ہی کی آواز ہے اس آواز میں جو کسی جوان عورت کی ہوسکتی تھی دردغم اور یاس کا ایسا دل شگاف لہجہ موجود تھا کہ میں تڑپ گیا گھبرا کر اٹھ بیٹھا آواز کیا تھی کسی جوان عورت کا نوحہ غم تھا کسی الم آشنا نازنین کی فریاد تھی رونگٹے کھڑے کردینے والی آواز نے مجھے اس قدر بے چین کیا کہ میں نے دروازہ کھول کر باہر کی طرف جھانکا۔

نیلے آسمان پر ستارے جھلملا رہے تھے چاند اپنی کرنوں سے ہر شے کو منور کررہا تھا۔ اچانک وہی صدائے دردانگیز بلند ہوئی میں باہر پہنچ گیا جس طرف سے آواز بلند ہوئی تھی اس طرف بڑھا یوں معلوم ہوا کہ قصر احمر کے بڑے پھاٹک کو کھولا گیا تھا لیکن اس جگہ کوئی بھی نہ تھا میں سخت حیران ہوا اس کے بعد میں نے چار دیواری کے گرد چکر لگایا مگر کسی کو نہ پایا۔

میں دوبارہ واپس آیا پھاٹک کو بند کیا اور سوچنے لگا کہ نہ معلوم یہ آواز کہاں سے آئی نہ جانے کون لڑکی ہے جو اس قسم کی درد بھری آواز سے رات کے گہرے سکون کو تباہ کررہی ہے میں کچھ دیر وہیں کھڑا رہا اس کے بعد میں واپس لوٹا اور جونہی میں نے اپنے کمرہ میں قدم رکھا میں نے کسی بدنصیب عورت کی جگر پاش صدا کو سہ بارہ سنا رات کی گہری خاموشی میں دور تک پھیل جانے والا مدھم سا نغمہ...... درد اور غم شکوہ ستم فریاد مظلوم آہ وزاری کسی ناکام تمنا کی آہ وبکا نہایت ہی مترنم آواز میں کوئی گارہی تھی۔

خوشی کے اس موقع پر قصر احمر کی پرسکون فضا میں انتہائی یاس انگیز اور دل پاش نغمہ کا بلند ہونا میرے خیال میں منحوس نالہ تھا میں نے دل میں کہا خدا خیر کرے غریب یاسمین اس رات قصر احمر کی نحوست سے محفوظ رہے اس وقت خود بخود میرے دل پر خوف سا چھانے لگا میں نے اپنے لرزتے ہوئے ہاتھوں سے کمرہ کا دروازہ بند کرلیا میں دوبارہ پلنگ پر آبیٹھا میرا دل دھڑک رہا تھا روح لرز رہی تھی غم والم کی تاریکی بڑھتی ہوئی محسوس ہورہی تھی میں نے چھت پر نظر ڈالے ہوئے کہا۔ ”کیا یہ عمارت واقعی منحوس ہے۔“

میں اس وقت کشمکش وپنج میں مبتلا تھا اس لئے کسی

نتیجہ پر نہ پہنچ سکا میں دیر تک جاگتا رہا خیال تھا کہ شاید وہی گیت دوبارہ سنا جاسکے لیکن ایسا نہیں ہوا اب پھر وہی خاموشی وہی سکون اور ویسا ہی سکوت موجود تھا میں بستر پر دراز ہوگیا مگر گوش بر آواز رہا شاید رات کا بہت کم حصہ باقی تھا کہ میں سو گیا۔

بیدار ہونے کے بعد مجھے یہ معلوم ہوگیا کہ یاسمین مجھ سے پہلے اپنے کمرے سے نکل کر باورچی خانے میں پہنچ چکی ہے میں خود بھی اس کے پاس پہنچ گیا وہ خوش وخرم اور مطمئن تھی اس کے خوب صورت چہرہ پر کسی قسم کی پریشانی کے آثار موجود نہ تھے۔

اس کے بعد پورے دو برس گزر گئے اس عرصہ میں نہ تو مجھے اس کبڑے بوڑھے کا عکس نظر آیا اور نہ میں نے اس قسم کا درد بھرا گیت سنا اگر اس طرح کچھ اور عرصہ گزر جاتا تو شاید ان کا اثر بھی میرے دل سے زائل ہوجاتا۔

شادی کے دو سال اور پانچ ماہ بعد نوجوان سرور ایک لڑکی کا باپ بن گیا جس کا نام اس کی ماں کے نام سے مشابہت رکھتا ہوا نسرین رکھا گیا۔

نسرین نہایت ہی خوب صورت اور پیاری سی لڑکی تھی جسے پیدائش کے چند گھنٹے بعد میری گود میں لاکر ڈال دیا گیا اس روز نہ صرف میں خوش تھا بلکہ سرور بھی خوش تھا اور یاسمین بھی مسرور تھی میری تمنا بھی یہی تھی کہ قصر احمر جیسی بڑی عمارت میں رہنے والوں کی زیادتی سے بارونق ہوجائے اب ہماری تعداد تین سے بڑھ کر چار تک پہنچ چکی تھی میں مستقبل کی طرف سے پرامید تھا۔

ابھی نسرین کی پیدائش کو ایک مہینہ بھی نہ ہوا تھا کہ میں نے ایک خاموش رات کے گہرے سناٹے میں دوبارہ اسی جگر پاش صدا کو سنا یوں معلوم ہوا کہ بالکل قریب کوئی عورت اپنے درد بھرے نغمے بکھیر رہی ہے اس رات بھی میں نے اسے تلاش کیا ہر طرف دیکھا لیکن کوئی دکھائی نہ دیا اس کے نظر نہ آنے کے بعد میں یہ سوچنے لگا کہ کیا اس گیت کو ستاروں کی روشنی اس جگہ تک لارہی ہے اس رات وہی نغمہ تین مرتبہ سنائی دیا۔

پرانے وسوسے جو اتنا عرصہ گزرنے کے دب چکے تھے اور وہ اندیشے جواب کافی حد تک ہوچکے تھے اس رات دوبارہ تازہ ہوگئے۔

اس طرح قصر احمر کی نحوست کی روایت دو میرے لئے سوہان روح بن گئی میں نے دل میں کاش سرور میرے مشورہ پر اپنی سکونت تبدیل کر۔ رضا مند ہوجاتا تا خدا شاہد ہے کہ میں رات بھر امید زیادہ اداس اور بے چین رہا۔

دوسرے روز دوپہر کے کھانے کے بعد نے مجھے اپنے کمرے میں بلایا اس وقت ننھی نسرین کی گود میں پڑی اپنا انگوٹھا چوس رہی تھی یاسمین باورچی خانے میں تھی اس روز سرور خلاف توقع متفکر اداس معلوم ہورہا تھا میں اس کے پاس پہنچ کر بیٹھ گیا سرور نے نسرین کو میری گود میں لٹادیا میں سرور کی طرف دیکھا اس کے بشرے سے ایسا معلوم تھا کہ گویا وہ پریشانی کے چنگل میں گرفتار ہے خیال کہ اس نے مجھے بلایا ہے کچھ کہے گا لیکن وہ خاموش رہا کافی وقت گزرنے کے بعد بھی ہم دونوں درمیان کسی قسم کا سلسلہ گفتگو نہ شروع ہوچکا۔

اس روز میں نے سرور میں عجیب قسم کی دیکھی چنانچہ مجبور ہوکر میں نے اپنی طرف سے کلام شروع کردیا۔

”کیوں سرور کیا آج کوئی خاص بات ہے

وہ میرے اس فقرہ کو سن کر اس طرح چونک اسے خواب غفلت سے اس کی توقع کے خلاف جگا ہے اس کا رخ میری طرف ہوگیا اس کی آنکھیں آنکھوں میں گڑ گئیں اس نے مدھم سی آواز میں پوچھ

”کیوں دادا کیا رات اس جگہ کوئی آیا تھا؟

”یہاں فیروز کے سوا اور کون آسکتا تھا؟“

”فیروز؟“

”میرا مطلب یہ ہے کہ صرف فیروز ہی ایک شخص ہے جو یاسمین سے ملنے اس جگہ آجاتا ہے ورنہ اس نے کہا۔“ دادا میرا مطلب کسی عورت

''

''عورت...... کسی عورت کا رات کے وقت اس ...انا اس طرح ہوسکتا ہے۔''

''میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ نہ تو رات ... آیا اور نہ کوئی اور؟'' کیوں آخر بات کیا ہے...... ...ف صاف بتلاؤ۔''

اس نے اپنے بالوں کو کھجاتے ہوئے کہا۔ ...سمین کا خیال ہے کہ رات کو کوئی لڑکی اس جگہ موجود ...ی۔'' میرا دل دھڑکنے لگا میں نے خیال کیا کہ شاید ...ں لڑکی کو گانا گاتے سن کر میں باہر تلاش کر رہا تھا وہ ...ر ہی موجود ہو اور اسے یاسمین نے دیکھ لیا، میں نے ...نے خوف اور حیرت کو چھپاتے ہوئے کہا۔''سرور جب ...ک میں آنے والے کے لئے پھاٹک نہ کھول دوں اس ...ت تک اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا میرا خیال ہے کہ ...سمین کسی غلط فہمی میں مبتلا ہوگئی ہے۔''

سرور نے کہا۔''ہاں میرا بھی یہ ہی خیال ہے اور ...ں نے بھی اس سے یہی کہا ہے کہ یہاں کوئی نہیں آیا اور نہ ہی کوئی آتا ہے اسے غلط فہمی ہوئی ہے لیکن دادا وہ ...ے نہیں مانتی اس کا کہنا ہے کہ خود اس نے کسی عورت ...ے گانے کی آواز سنی ہے۔''

''نہیں نہیں سرور...... نہیں یہ صرف یاسمین کا وہم ...سکتا ہے تم فکر نہ کرو میں خود اسے سمجھا دوں گا اور اس ...ات کا یقین دلا دوں گا کہ میں نے رات کسی کے لئے بھی پھاٹک نہیں کھولا اس کے علاوہ کسی عورت کو رات کے ...قت اسی جگہ آکر گانے سے کیا حاصل ہوسکتا ہے۔''

سرور نے کہا۔''یہ ہی تو میں بھی کہتا ہوں ایسا ...ہیں ہے لیکن یاسمین مصر ہے کہتی ہے کہ میں نے خود ...انے کی آواز سنی ہے۔''

سرور نے جو کچھ بتلایا وہ اپنی جگہ ایک حقیقت ہے یہ بات یقینی ہے کہ جس پردرد گانے کو میں نے سنا تھا ...سے یاسمین نے بھی سن لیا ہوگا۔

کچھ دیر بعد خوب صورت یاسمین بھی اس جگہ آگئی اور وہ مجھے سلام کر کے ایک طرف بیٹھ گئی۔ نسرین سو گئی تھی میں نے اسے اٹھا کر آہستہ سے یاسمین کی گود میں لٹا دیا۔

سرور نے کہا۔''لو یاسمین اب تم دادا سے پوچھ سکتی ہو اگر کوئی اس جگہ ہوتا تو پھاٹک بھی یہی کھولتے ہیں میں نے ان سے معلوم کرلیا ہے اب تم بھی معلوم کرسکتی ہو۔''

یاسمین نے سنجیدگی سے کہا۔''خیر اب اس بات کو چھوڑو کوئی آئی ہو نہ آئی ہو لیکن میں نے گانا ضرور سنا ہے۔''

''ہوسکتا ہے کہ یہ محض وہم ہی ہو؟'' میں نے جواب دیا۔''نہیں دادا...... میں نے اس آواز کو تین مرتبہ خود سنا ہے کیا میرے کان بھی مجھے دھوکا دے سکتے ہیں لیکن میں اس ذکر کو طول دے کر ان کو پریشان کرنا نہیں چاہتی...... میں نے چونکہ اس خیال کو دل سے نکال دیا ہے لہٰذا اب ان کو بھی یہ ہی چاہئے کہ یہ میری باتوں کو نظر انداز کردیں۔ میں نے محض دریافت کیا تھا اعتراض کرتی تو پھر اس بات کو اہمیت بھی دینے کی ضرورت تھی۔

سرور نے کہا۔''لیکن یاسمین اس وہم کو دور کرانے کے لئے میرے لئے یہ ضروری ہوگیا تھا کہ میں اپنی صفائی میں کوئی ثبوت پیش کروں میں دادا سے معلوم کرسکتا تھا ان کا کہنا ہے کہ انہوں نے رات پھاٹک کو کھولا تک نہیں۔''

چنانچہ اس روز میں نے اپنی طرف سے یاسمین کو یقین دلا کر اس کی طبیعت کو صاف کرنے کی پوری پوری کوشش کی مگر اس کے خوب صورت چہرہ پر حزن و ملال کی جھلک پائی جارہی تھی لیکن میرے سمجھانے سے اس کے دل کے بوجھ میں کمی ضرور آگئی میں کافی دیر تک اسی جگہ بیٹھا رہا۔

یاسمین نے مجھ کو جواب دیتے ہوئے کہا۔''میں خود بھی اسے اہمیت دینا نہیں چاہتی یونہی پوچھ لیا تھا لیکن ممکن ہے کہ یہ محض میرا وہم ہو۔''

میں نے کہا۔''بیٹی جب تک میں زندہ ہوں تمہیں کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچے گی۔ سرور بڑا نیک اور صاف گو لڑکا ہے میں اس کی عادت سے بخوبی واقف

ہوں......آپ قصر احمر کی ملکہ اور ہر چیز کی مالک ہیں۔"

جب میں وہاں سے اٹھا دونوں کے دل صاف ہو چکے تھے خوشی کی سرخی یاسمین کے سفید رخساروں پر دوڑنے لگی تھی کبھی کبھی ہلکا تبسم بھی اس کے خوشنما ہونٹوں پر کھیلنے لگتا تھا۔

ان سے علیحدہ ہونے کے بعد میں رات والی پردرد پکار پر دیر تک غور کرتا رہا۔ یاسمین کے شکوک ٹھیک تھے وہ یقیناً اس وقت جاگ رہی ہوگی میں نے بھی اس آواز کو دوسری مرتبہ سنا تھا اگر کسی طرح یاسمین کو شب گزشتہ کی حقیقت کا یقین ہو جاتا تو وہ نہ صرف دلگیر ہوتی بلکہ ڈر بھی جاتی ان کے خرمن سکون میں آگ لگ جاتی اور بہت ممکن تھا کہ منافرت کے شعلے بھی بھڑک اٹھتے اسی طرح فیروز کو شکایت کا موقع مل جاتا مجھے بھی اس سے شرمندہ ہونا پڑتا خدا کا شکر ہے کہ سادہ لوح یاسمین نے میری جھوٹی باتوں پر اعتبار کرلیا۔

شام سے ذرا ہی پہلے میں نے قصر احمر کے اردگرد کے علاقے کی دیکھ بھال کی اور اس مقام کو تلاش کرنا چاہا جہاں کسی نے خود کو چھپا کر ترانہ غم کو دہرایا تھا کافی جدوجہد کے باوجود میں اس مقام کو تلاش کرنے میں ناکام رہا۔

رات کے وقت جب کہ میں اپنے بستر میں داخل ہو چکا تھا اس وقت بھی وہی باتیں میرے دماغ میں چکر لگا رہی تھیں میں سوچ رہا تھا کہ کیا یاسمین کے اس جگہ آنے کے بعد اس پرانی عمارت کی روایاتی نحوست نے رنگ دکھانا شروع کردیا۔ اس خیال کے باعث میرا دل بیٹھنے لگا میں نے اس غریب لڑکی کی سلامتی کے لئے دعا کی۔

رات والی آواز اگرچہ پراسرار تھی اور ابھی اس بات کا پتہ نہ چل سکا تھا کہ وہ کہاں سے بلند ہوئی تھی لیکن میں نے طے کرلیا کہ مجھے معصوم یاسمین کی حفاظت کرنی چاہئے ہر قسم کے خطرات کو اس لڑکی سے دور رکھنا اس چھوٹے خاندان کی سلامتی کے لئے ضروری تھا۔

میں کافی رات گئے تک جاگتا رہا ہر لمحے میرے دل میں یہ خیال پیدا ہو جاتا تھا کہ وہی آواز گونجنے والی ہے

لیکن ہم میں سے کسی نے بھی اس پکار کو نہیں سنا دوسرے
یاسمین حسب معمول خوش و خرم تھی دوپہر سے ذرا پہلے جاتے ہوئے سرور نے کہا۔ "دادا خدا کا شکر ہے کہ کل یاسمین کی غلط فہمی دور کرنے میں کامیاب ہوگئے ورنہ اس مفروضہ پکار کو حقیقت ہی تسلیم کر چکی تھی۔"

"ہاں یہ ٹھیک ہے سرور۔" تمہیں یاسمین کی طرح سے دلجوئی کرنی چاہئے معصوم نسرین کو ابھی ما سخت ضرورت ہے۔"

☆......☆......☆

اس واقعہ کے پورے چھ ماہ بعد جب کہ تمام سردی کی لپیٹ میں تھی تھوڑی رات گئے اس بستی سناٹا چھا گیا تھا ایسی گہری خاموشی طاری ہو چکی تھی کہ کوئی بستی کے تمام لوگوں کو ہلاک کر کے شہر خاموش بنایا گیا ہے اس رات اتفاق سے میری دونوں ٹا میں نہایت ہی شدید تشنج تھا اینٹھن اور درد سے میں بے چین تھا میرے کمزور جسم میں تھرتھری سی پیدا ہو چکی تھی میں بے چینی کے عالم میں کروٹیں بدل رہا تھا کبھی تشنج کی زیادتی سے تنگ آ کر میں بیٹھ جاتا لیکن رات کسی پہلو مجھے آرام نہ ملا۔

آدھی رات کے بعد کہ میرے خیال میں بستی کا ہر فرد محوخواب تھا...... میں نے اسی پراسرار آ سنا کوئی دردبھری آواز میں گا رہی تھی۔

وہ اس آواز کو سنتے ہی اچھل کر دروازے پاس پہنچ گیا باہر جب نکلا تو ہر طرف چاندنی چھٹکی تھی ستاروں کی درخشندگی ماہ کامل کی لطیف روشنی ماند پڑ چکی تھی دور تک چیزیں صاف نظر آ رہی تھیں۔

اب میں قصر احمر سے باہر ایک کھلے میدان پہنچ چکا تھا اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ادھر ادھر دیکھ یکا یک وہی صدائے درد بلند ہوئی فضا میں ارتعاش ہو گیا میں تیزی سے سامنے کی طرف لپکا کچھ فاصلے پر پتھریلے ٹیلے واقع تھے ایسا معلوم ہوا کہ کوئی اسی جگہ ہے رات کی گہری خاموشی اور جسم کو سرد کر دینے والی ہو جھونکے بھی اس وقت میرا راستہ نہ روک سکے۔

مجھے یقین تھا کہ ان ہی میں سے کسی ٹیلے کے اندر ان میں کوئی پراسرار عورت پوشیدہ ہے جو کبھی کبھی رات کی خاموشیوں میں اس قسم کے گیت سے شکوک پیدا کرنے کا موجب ہوتی ہے یاسمین کی سلامتی کے لئے مجھے پراسرار عورت کو سزا دینے کی ضرورت تھی میں غیظ و غضب کی آگ سے پھنکارتا جارہا تھا چنانچہ جس قدر بھی تیز بھاگ سکا بھاگا یہاں تک کہ میں ان ٹیلوں کے نزدیک پہنچ گیا۔

میں ایک ٹیلے کے پاس سے گزر کر دوسرے کے پاس پہنچنے ہی والا تھا کہ میں گھبرا کر ٹھہر گیا چند قدم کے فاصلے پر دائیں طرف ایک پراسرار ہستی دکھائی دی اس وقت میرے دل پر خود بخود خوف مسلط ہو یا میری آنکھیں کھلی ہوئی تھیں میں اس کبڑے سے آدمی کو دیکھ رہا تھا جو دوسرے ٹیلے کی طرف بڑھ رہا تھا شاید اس نے پتھر اٹھائے ہوئے تھے اور وہ خدا معلوم ان پتھروں سے کسے نشانہ بنا رہا تھا وہ بڑی تیزی سے ساتھ پتھر مارنے میں اس قدر مگن تھا کہ اسے میری موجودگی کا احساس تک نہ ہوا۔

کبڑا بوڑھا اس کا بالائی جسم برہنہ تھا حواس پر قابو پانے کے بعد مجھے یاد آ گیا کہ اس سے قبل اسی قسم کے کبڑے بوڑھے کا عکس اس شام میں نے قصر احمر کے ہال میں دیکھا تھا جس روز سرور کی چٹکی میں گلاب کا پھول موجود تھا۔

وہ شام ابھی تک مجھے یاد تھی جب کہ سرور نے اپنی طرف سے شادی کے معاملے میں رضامندی کا اظہار کیا تھا۔

اس شام کا واقعہ یاد آتے ہی میری حالت خراب ہونے لگی اس روز محض عکس سا دکھائی دے رہا تھا مگر آج رات وہ عام انسانوں کی طرح مادی جسم کا مالک معلوم ہو رہا تھا وہ سخت غصیلی حالت میں سامنے کی طرف پتھر برسا رہا تھا وقت گزرتا جا رہا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ میری طبیعت بھی مضبوط ہوتی جارہی تھی یہاں تک کہ میں نے اپنے دل سے خوف کو بالکل ہی نکال دیا اب ہم دونوں کے درمیان فاصلہ بھی بڑھ چکا تھا میں نے طے کیا کہ میں اس شیطان صفت بوڑھے کو روک کر اس سے دریافت کروں کہ وہ کون ہے؟

پس میں تیزی سے اس طرف لپکا یہاں تک کہ ہم دونوں کے درمیان صرف ڈیڑھ فٹ کا فاصلہ رہ گیا اچانک اس بوڑھے نے پلٹ کر میری طرف دیکھا وہ میرے بالکل مقابل تھا جونہی میری نظریں اس کے چہرے پر گئیں میں اس کی نہ جھپکنے والی منحوس و مکروہ آنکھیں دیکھ کر ڈر گیا۔

لمبوترے چہرہ پر انسانی آنکھوں کے بجائے کسی بڑے ناگ کی آنکھیں مجھے تک رہی تھیں اس وقت میری روح نے سخت قسم کا اضطراب محسوس کیا اور مجھے ایسا محسوس ہوا گویا میری جسمانی قوت سلب ہوتی جارہی ہے۔

خوف و دہشت کا یہ عالم تھا کہ اس وقت میری زبان سے ایک لفظ تک ادا نہ ہوسکا میری ٹانگیں لڑکھڑانے لگیں دماغ چکرانے لگا رات کے اس بھیانک سناٹے میں کبڑا ناگ مجھے اس طرح گھور رہا تھا کہ گویا میں اس کے لئے ایک معمولی قسم کا شکار ہوں۔

اس وقت میرے لئے اس مرد پراسرار کی طرف دیکھنا بھی مشکل ہوگیا سر بھاری اور آنکھوں میں اندھیرا سا پیدا ہونے لگا۔

میں اس منحوس شیطان کے تنفس کی آواز سن رہا تھا قریب ہونے کے باعث اس کے نتھنوں سے خارج ہونے والی ہوا میرے چہرہ سے مس ہو رہی تھی اُف......
وہ کس قدر سرد اور متعفن تھی الحفیظ الامان یوں معلوم ہوتا تھا کہ گویا قدرت نے اس کے سینے میں برف کی سل رکھ دی ہے اور جو ہوا اس کے دہن اور نتھنوں سے خارج ہو رہی ہے وہ انتہائی بدبو لئے ہوئے ہے۔

میں تھر تھر کانپ رہا تھا یوں معلوم ہوتا تھا کہ زمین میرے پاؤں کے نیچے سے نکلی جارہی ہے منحوس کبڑا اس طرح بے حس و حرکت میرے مقابل کھڑا مجھے گھور رہا تھا اس عرصہ میں، میں نے اس بدطینت انسان کی آنکھیں ایک بار بھی جھپکتے نہیں دیکھیں۔

سانپ اور اس بوڑھے کی آنکھوں میں انتہائی

مشابہت موجود تھی میں زیادہ دیر تک اس کے سامنے کھڑا نہ رہ سکا۔

میں اس کے یکھتے ہی دیکھتے گر پڑا میرا ضعف نقطۂ شباب پر پہنچ چکا تھا اس کے بعد میں نہیں جانتا تھا کہ میں کس طرح صاحب فراش ہو گیا۔

جب مجھے ہوش آیا میرا تمام جسم برف کی طرح سرد تھا سانس میں تنگی اور سر میں سخت درد تھا آسمان پر چمکنے والے ستارے مجھ سے ناتواں بوڑھے کی بے چارگی پر مسکرا رہے تھے میں کراہتا ہوا اٹھا آسمان کی طرف دیکھا رات کے ختم ہونے میں کچھ زیادہ وقت باقی نہیں تھا۔

میں لڑکھڑاتا ہوا واپس لوٹا......!

پھاٹک کھلا ہوا تھا میں نے داخل ہونے کے بعد اس کو بند کر دیا اور اپنے کمرہ میں پہنچ کر پلنگ پر جا گرا اور دوسرے روز میں بخار میں مبتلا رہا میں نے اس واقعہ کو صرف اپنے تک محفوظ رکھا۔

دوسرے روز میری حالت کچھ سنبھل گئی کبڑے ناگ کی منحوس صورت میرے لئے اس قدر ذہنی پریشانی کا سبب تھی کہ میں ہکا بکا سا رہا اس کے بعد میں نے ننھی نسرین سے دل بہلانا شروع کر دیا اس طرح میرے دل سے خوف کم ہوتا چلا گیا۔

کئی ماہ گزرنے کے بعد بھی میں یہ نہ سمجھ سکا کہ اس رات کبڑا بوڑھا پتھر کیسے مار رہا تھا اور نہ میں اس کی پراسرار شخصیت کے متعلق کچھ معلوم کر سکا۔

میں اپنی اور قریبی بستی کے تمام لوگوں سے پوری طرح واقف تھا اور ہر ایک کو جانتا تھا لیکن وہ بوڑھا ناگ نہ جانے کون تھا اور کہاں سے آیا تھا وہ کیوں آیا تھا یہ چند ایسے سوال تھے کہ جن کو میرے لئے حل کرنا کسی طرح بھی ممکن نہ ہوا۔

جب نسرین اپنی عمر کے تین سال پورے کر چکی تو وہ چلنے کے قابل ہو گئی اس کی بھولی بھالی باتیں معصوم صورت اور دلنواز مسکراہٹ ہماری مسرتوں میں اضافہ کا باعث تھی سرور کو اس لڑکی سے بے اندازہ محبت تھی اور خود یاسمین بھی بیٹی پر نثار تھی۔

مجھے نسرین سے کچھ اس قدر محبت ہو گئی تھی گھنٹوں گود میں لئے گھماتا رہتا اس کی عمر درازی سلامتی کے لئے دعائیں مانگا کرتا تھا لڑکی انتہائی ذ اور خوب صورت تھی مزید ایک برس گزرنے پر میں یاسمین کی زندگی میں ایک نئی تبدیلی محسوس کی۔

یوں معلوم ہوتا تھا کہ گویا اس کی خوشیاں بتد اس سے چھینی جا رہی ہیں مجھے ان دونوں کا قرب حا تھا لیکن اس کے باوجود مجھے اس وقت اس تبدیلی کا نہ معلوم ہو سکا۔

یاسمین اب نہ صرف اداس تھی بلکہ اسے اپنی سے بھی پہلی سی دلچسپی نہ رہی تھی چند ماہ بعد وہ ایک سو مظلومہ نظر آنے لگی اس کی مسکراہٹ چھن گئی تھی اس قہقہے لوٹ کے جا چکے تھے۔ وہ چپ چاپ رہتی اور کام بہت کم کرتی، میں نے یاسمین سے اس کی اداسی متعلق دریافت کیا لیکن اس نے ہمیشہ مجھے ٹال دیا۔

ادھر خود سرور بھی پریشان نظر آتا تھا وہ دن بھ ادھر سے غائب رہتا اور شام ہونے کے بعد واپس آ تھا ابھی میں شش و پنج میں مبتلا تھا کہ ایک روز فیروز دبے لفظوں میں مجھ سے شکوہ کیا اور یہ ظاہر کیا کہ اس خیال میں یاسمین اس زندگی سے خوش نہیں ہے لیکن نے فیروز کی اس بات کو بظاہر قطعی تسلیم نہیں کیا اور ا یہ بتلایا کہ اس کی بہن اپنی ازدواجی زندگی اطمینان سکون سے گزار رہی ہے۔ وہ چپ ہو گیا۔

جب یاسمین کی اداسی حد سے زیادہ تجاوز ک اس وقت میں نے سرور کو اس کی طرف متوجہ کر ہوئے پوچھا۔ ”کیوں بیٹا کیا یاسمین کی اداسی کا بتلا سکتے ہو؟“

اس نے اپنے بالوں کو کھجاتے ہوئے کہا۔ ” ہو سکتا ہے کہ وہ پہلے کی طرح دوبارہ غلط فہمی کا شکار ہو گئی ہو

”میں نے کہا ایسی صورت میں اس کی غلط دور کرنا تمہارا فرض ہے۔ ہمیں نسرین کی پرورش لئے اس کی ماں کی سلامتی کی اشد ضرورت ہے۔“

اس وقت سرور کچھ کھویا ہوا سا تھا اسی لئے

...ں باتوں کا معقولیت سے جواب نہیں دے سکا......
...ملاتے ہوئے کہنے لگا۔ "میں اسے کہاں تک سمجھاؤں
...س طرح اپنی بے گناہی کا یقین دلاؤں اس کی
...گمانی کا علاج میرے پاس نہیں ہے...... وہ یقیناً
...ل ہو چکی ہے۔"

"صرف یہ کہ میں اس کے خیال میں اس جگہ کسی ...ری لڑکی سے ملتا ہوں۔ اسے چھپا چھپا کر اس جگہ لاتا ...اں...... اور...... اور......"

"تمہارے خیال میں یہ صرف اس کا وہم اور ...ض بدگمانی ہے؟"

"یقیناً دادا میں نے کبھی یاسمین کے ماسوا اس ...ی دوسری لڑکی کی شکل تک نہیں دیکھی محبت کرنا تو ...بھی بڑی بات ہے......"

میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑتے ...ئے کہا۔ "سرور اگر یہ سب کچھ محض یاسمین کا وہم ہے تو ...س کو جلد سے جلد دور کرنے کی کوشش کرو۔ اس کی گرتی ...ئی حالت اور بگڑتی ہوئی صحت سے اس بات کا اندیشہ ...ہے کہ کہیں وہ بیمار نہ ہو جائے۔"

سرور نے اپنی معصوم نظروں سے میری طرف ...یکھا اور اپنے سر کو میری گود میں گراتے ہوئے کہا۔ "دادا یہ کام اب میرے بس سے باہر ہے اس ضمن میں ...چھ کرنا ہے تو پھر آپ ہی کریں آپ ہی اسے ...سمجھائیں مجھے اس کی باتوں سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ ...دادا وہ میری کسی بھی بات پر یقین کرنے پر آمادہ نہیں ...ہے میں یہ پسند نہیں کرتا کہ وہ صاف لفظوں میں مجھے ...جھوٹا کہہ کر حقیر کرے۔"

"میں نے کہا ہو سکتا ہے کہ یہ سب کچھ محض قصر ...کی نحوست کے باعث عمل میں آ رہا ہو۔"

میرے اس جواب پر سرور کی دونوں آنکھیں ...تا سرخ ہو گئیں اس کے چہرہ پر بزرگوں کا سا جلال ...نے لگا اس نے کرخت لہجے میں کہا۔

"دادا ایسے لفظ اپنی زبان سے نہ نکالیں میرے ...ان بزرگوں کی مقدس قیام گاہ کس طرح میرے اور میرے متعلقین کے لئے منحوس ہو سکتی ہے...... اس عمارت کا ہر ذرہ میرے لئے لعل و گوہر سے زیادہ قیمت رکھتا ہے......"

میں نے سرور کے تمتماتے ہوئے چہرہ کو دیکھ کر بات کا رخ بدل دیا اس طرح رفتہ رفتہ اس کا غصہ سرد پڑتا گیا اس کے غیظ و غضب کی چنگاریاں دبتی گئیں یہاں تک کہ جس وقت میں اس سے علیحدہ ہوا وہ اپنے اچھے موڈ میں تھا۔

اس گفتگو کے بعد چوتھے روز میں نے یاسمین کو تخلیہ میں بیٹھا کر سمجھانا شروع کیا۔

اس نے کہا۔ "دادا مجھے ان سے نہ شکوہ ہے اور نہ شکایت اور نہ میں یہ کہتی ہوں کہ وہ مجھے دکھ دے رہے ہیں لیکن...... جو کچھ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور جو کچھ میں نے اپنے کانوں سے سنا بتلایئے میں اسے کس طرح فراموش کر سکتی ہوں میں نے ایسا کرنے کی کوشش بھی کی مگر تاثرات میرے دماغ سے دور نہ ہو سکے۔"

"لیکن یاسمین کیا تم یہ بتلا سکتی ہو کہ تم نے اس جگہ کیا دیکھا۔"

"جی ہاں...... میں نے جو کچھ دیکھا وہ دکھا سکتی ہوں اور جو کچھ خاموش راتوں میں میں نے سنا وہ سنوا بھی سکتی ہوں۔"

اس وقت خوب صورت یاسمین کی دونوں آنکھیں چمک رہی تھیں اور میرا دل فرط غم سے نڈھال ہوا جا رہا تھا اس کے اس جواب سے یہ صاف معلوم ہو رہا تھا کہ اس نے نہ صرف نوحہ غم سنا ہے بلکہ اس عورت کو دیکھ بھی لیا ہے۔

یاسمین کا اس گانے والی عورت کو دیکھ لینے میں کامیاب ہو جانا نہایت ہی عجیب بات تھی کیونکہ میں نے ابھی تک اپنی انتھک کوششوں کے باوجود گانے والی عورت کو دیکھ نہیں سکا تھا......!

اس کے جواب نے کچھ دیر کے لئے میرے لبوں پر خاموشی کی مہر لگا دی میں پاگل انسان کی طرح

ٹکٹکی باندھے اس معصوم لڑکی کو دیکھتا رہا اس کے خوب صورت چہرہ پر صداقت کی پاکیزگی موجود تھی......"

طویل خاموشی کے بعد میں نے جواب میں کہا۔

"مجھے یقین کے لئے کسی ٹھوس ثبوت کی ضرورت ہے یاسمین۔"

"ثبوت......" اس نے میری طرف تعجب سے دیکھا۔

"ہاں......کیوں کہ اس کے بغیر میرے لئے کسی قطعی نتیجہ پر پہنچنا ناممکن ہے......"

"انتظار کریں!...... مجھے امید ہے کہ میں آپ کو بہت جلدی نتیجے پر پہنچا سکوں گی۔"

اس وقت میری حالت گرتی جارہی تھی...... میں خود کو یاسمین کے مقابلے میں نہایت ہی کمزور سمجھنے پر مجبور ہوچکا تھا اس کے جواب سے اس کے محکم کا اندازہ لگایا جاسکتا تھا۔

"میں نے کہا بہت اچھا بیٹی...... میں ضرور انتظار کروں گا......"

وقت تیزی سے گزرتا گیا مگر لیل ونہار کا ایک سلسلہ بدستور جاری رہا۔

یہاں تک کہ ایک رات...... جب سیاہ چادر نے تمام دنیا کو اپنی آغوش میں دبوچ رکھا تھا...... یاسمین نے میرے کمرہ میں پہنچ کر مجھے بیدار کیا میں گھبرا کر اٹھ بیٹھا معصوم نسرین کو اس نے سینے سے لگا رکھا تھا وہ میرے برابر خاموش کھڑی تھی میں نے غیر ہموار لہجے میں سوال کیا۔ "کیا بات ہے یاسمین بیٹی؟......"

"آپ کے انتظار کی گھڑیاں ختم ہوچکیں۔"

"یعنی؟......" میں نے دھڑکتے ہوئے دل سے سوال کیا۔

یاسمین نے کہا۔ "دادا آج آپ کچھ سن بھی سکیں گے اور کسی کو دیکھ بھی سکیں گے آیئے۔"

وہ مجھے لے کر دروازے کی طرف بڑھی ہم بڑے صحن میں پہنچ گئے اچانک میں نے اسی درد بھرے نغمہ کو سنا۔

دل پاش پاش کرنے والا نغمہ درد...... کسی معصوم روح نے اپنی فریاد بلند کی ہے۔

غمہائے شب فرقت
تڑپائیں تو اچھا ہے
ڈوبے ہوئے چاند کی طرح میرا دل
دریائے خون میں ڈوب گیا۔

آواز قریب ہی سے آرہی تھی......!

"اس طرف آجایئے۔" یاسمین نے مجھے اپنی طرف کھینچ لیا اب ہم دونوں ایک بڑے ستون کی آڑ میں خاموش کھڑے تھے میری آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں تاریکی کا گہرا سمندر حد نگاہ تک ٹھاٹھیں مار رہا تھا آسمان پر ستارے خاموش تھے ہوا کی سائیں سائیں کسی نامعلوم وجوہ کی بنا پر رکی ہوئی تھی درخت خاموش ان کی شاخیں بے حرکت اور برگ خشک تصور کی تصویر بننے سے قاصر تھے۔

تھوڑی دیر تک اپنا سانس روکے اسی طرح کھڑے رہے اچانک یاسمین نے میری کلائی میں ہاتھ لے لی میری آنکھوں کی پتلیاں پھیل گئیں تھوڑے فاصلے پر ایک تاریک سایہ حرکت کرتا نظر آیا اس کا رخ سرور کی خواب گاہ کی طرف تھا میں خاموشی کے عالم میں اس منظر کو مجبوراً دیکھتا رہا یہاں تک کہ وہ سایہ دروازے کے پاس پہنچ گیا۔

دفعتاً اندر کی روشنی باہر کے کچھ حصے میں پھیل گئی کھلے ہوئے دروازے میں سے خواب گاہ کا کچھ حصہ جگہ سے دکھائی دے رہا تھا تاریک سایہ اب روشنی میں کسی عورت کا مجسمہ معلوم ہورہا تھا میں نے اسے اندر داخل ہوتے ہوئے دیکھا یاسمین نے آہستہ سے کہا۔

"اب اس طرف آیئے۔"

ہم دونوں رات کے اندھیرے میں دبے پاؤں دوسری طرف بڑھنے لگے اس کے بعد یاسمین نے مجھے پشت والی کھڑکی کے پاس پہنچا دیا۔

میرا جسم برف کی مانند سرد ہوتا جارہا تھا میں نے دبے لفظوں میں کہا۔

"اب اس دروازہ میں سے اندر کی طرف ھا لئے۔"

خواب گاہ کی روشنی کھڑکی کے دروازوں میں ۔روشن لکیروں کی صورت میں باہر آرہی تھی میں نے پلی ایک آنکھ دراز سے لگالی اور اندر کی طرف دیکھنا ُوع کردیا۔

سرور کے پلنگ کے پاس ایک نہایت ہی خوب صورت عورت خاموش کھڑی نوجوان سرور کو دیکھ رہی تھی نی میں اس خوب صورت نازنین کا چہرہ نہایت ہی ال دکھائی دے رہا تھا اس کا گندمی رنگ پتلے و نازک ٹ لمبی گردن چھوٹا سا قد سیاہ اور لمبے بال، یاس کی صویر مایوسی کا مجسمہ ایک مظلوم حسینہ...... پلنگ کے پاس ھڑی اس طرح سرور کے چہرے کو دیکھ رہی تھی گویا وہ ں کی کوئی ایسی گمشدہ شے ہے جو اس کی توقع کے لاف اچانک اس کے سامنے آگئی ہے۔

سرور محو خواب تھا آنکھیں بند تھیں لیمپ کی روشنی یں اس کا خوب صورت چمک رہا تھا اس کے تنفس کی واز بلند تھی اور وہ اس وقت گہری نیند کے عالم میں تھا۔

اس وقت میرے سامنے ایک نہایت ہی حسین ظر موجود تھا مگر حیرت انگیز...... رومانی راتوں کی رومان ور حسینہ......

اچانک سرور کی طرف آہستہ سے جھکی......

ریب تھا کہ دونوں کے جسم آپس میں ایک دوسرے ے پیوست ہوجاتے...... مگر وہ جھجک گئی اس نے روازے کی طرف دیکھا ایک قہر آلود نہ جھپکنے والی آنکھ سے گھور رہی تھی اس عورت نے دروازے کی طرف یکھا اور وہ لڑکھڑاتی ہوئی اس دروازے کی طرف ڑھنے لگی گویا کسی خطرناک سانپ نے اپنی آنکھ کی قناطیسی قوت کے ذریعے اسے اپنی طرف کھینچنا شروع کردیا ہو وہ ہر گام پر لڑکھڑاتی چکرائی مگر گری نہیں آنکھ ود بخود دور ہونے لگی۔

اس ہوش ربا نازنین کی نگاہیں اسی خطرناک نکھ پر لگی ہوئی تھیں وہ بڑھتی رہی یہاں تک کہ وہ سرور کی خواب گاہ سے باہر پہنچ گئی۔

میں اس وقت اس ہوش ربا اور ناقابل فراموش ڈرامائی منظر کو دیکھنے میں اس قدر محو تھا کہ مجھے یہ بھی معلوم نہ ہوسکا کہ یاسمین کس وقت اس جگہ سے کھسک گئی۔

آنکھ کے اوجھل ہونے کے بعد رات کے گہرے اندھیرے نے اس حسینہ کو بھی اپنے دامن میں چھپالیا اس کے بعد مجھے محسوس ہوا کہ میں اس جگہ تنہا ہوں میں نے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا لیکن یاسمین کہیں بھی نہ تھی میں سمجھ گیا کہ وہ مجھے اس جگہ چھوڑ کر جاچکی ہے۔

اسے اس جگہ موجود نہ پاکر میں اس کی آرام گاہ کی طرف بڑھا اس قسم کا منظر یاسمین کی قوت برداشت سے باہر تھا کوئی عورت ایسی حالت میں پرسکون نہیں رہ سکتی......

میں تیزی کے ساتھ یاسمین کی آرام گاہ کے دروازے پر پہنچ گیا دروازہ اندر سے بند تھا لیمپ روشن تھا اور باہر کی طرح اس کے کمرے میں گہرا سکوت طاری تھا میں نے دروازہ پر دستک دی خاموشی نہ ٹوٹی دوبارہ دستک دی اس بار بھی جواب نہ ملا سہ بارہ میں نے اس کا نام لے کر اسے پکارا مگر بے سود اس کو متعدد مرتبہ پکارنے کے بعد میں نے دروازے کی دراز میں سے اندر کی طرف جھانکنا شروع کیا یاسمین پلنگ پر اوندھی پڑی ہوئی تھی اس کا خوب صورت جسم اس طرح لرز رہا تھا گویا کہ وہ آہستہ آہستہ سسک رہی ہو، میں دیر تک اس جگہ کھڑا اندر کی طرف دیکھتا رہا یاسمین سسک رہی تھی اور میرے دل کا خون ہورہا تھا۔

خاموشی کو چیرتی ہوئی وہی درد بھری صدا دفعتاً کچھ فاصلے پر بلند ہوئی ایسا معلوم ہوا کہ گویا وہی عورت قصر احمر سے باہر تھوڑے فاصلے پر آہ و بکا کر رہی ہے۔

چند لمحوں کے بعد دوبارہ خاموشی طاری ہوگئی میں نے دیکھا کہ یاسمین نے خود کو پہلو کے بل دراز کرلیا اس کے دونوں ہاتھ ہلے اور سفید چادر نے اس کے تمام جسم کو ڈھانپ لیا۔

☆......☆......☆

اس واقعہ کے صرف دو ماہ بعد یاسمین ایک مریض کہنہ کی صورت اختیار کرگئی اس کے علاوہ اس کے بھائی فیروز کو اس کی علالت کا راز بھی معلوم ہوگیا چنانچہ ایک روز مجھے اپنے گھر بلایا اور نہایت ہی جانکا صدمہ کا اظہار کیا۔

اس نے کہا۔ ''دادا میری پھول جیسی نازک اندام بہن صرف اس لڑکی کی وجہ سے بیمار ہوئی جو رات کے وقت پوشیدہ طور پر قصر احمر میں آجاتی ہے وہ ان دنوں نہایت ہی لاغر اور بہت کمزور ہے اس کا دکھ مجھ سے دیکھا نہیں جاسکتا میں نے شادی کے وقت آپ سے یہ وعدہ لے لیا تھا کہ یاسمین کو خوش رکھا جائے گا لیکن میرا وہ خواب شرمندہ تعبیر نہ ہوا۔

آپ جانتے ہیں کہ مجھے اس سے کس قدر محبت ہے خدانہ کرے اگر اسے کچھ ہوگیا تو میں زندہ نہ رہ سکوں گا۔''

میں نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ ''فیروز اس قسم کی مایوسی کی باتیں اچھی نہیں، یاسمین اتفاق سے بیمار ہوگئی ہے علاج ہو رہا ہے خدا نے چاہا تو جلد صحت یاب ہوجائے گی۔'' میں کافی دیر تک فیروز کو سمجھاتا رہا۔

اس کی باتوں سے یوں معلوم ہوتا تھا کہ گویا اس پراسرار نازنین کا راز خود اس کی ہمشیرہ نے اس پر ظاہر کردیا ہے اس کی طرف سے ہر بار اسی عورت کے متعلق ذکر آتا رہا میں نے یقین دلایا کہ میں آج ہی سرور سے تذکرہ کروں گا اور کوئی عورت قصر احمر میں کسی طرح آ بھی جاتی ہے تب بھی میں اس کے لئے پوری روک تھام کروں گا۔

فیروز نے کہا۔ ''دادا۔ اس وقت ایک نہیں دو زندگیاں خطرہ میں پڑ چکی ہیں۔ موت اپنا بھیانک منہ پھاڑے ہماری طرف بڑھ رہی ہے خدانخواستہ اگر اس ہلاکت انگیز خطرہ کا اسی وقت قلع قمع نہ کیا جاسکا تو پھر پانی سر سے اونچا ہوجائے گا ڈوبنے والے ہلاکت کے سمندر میں ڈوب جائیں گے خدا کے لئے کچھ کیجئے ہم دونوں کے لئے نہیں تو کم از کم معصوم نسرین کے لئے تو کچھ کیجئے۔ اس کمسن بچی کو شفیق ماں کی ابھی ضرورت ہے...... دادا ایسا نہ ہو کہ یتیمی کے منحوس بادل اس پیاری سی بچی کو گھیر کر اس کی خوشیاں فنا کردیں۔''

''...... نہیں فیروز نہیں ایسا نہیں ہوسکتا ہم میں سے کوئی بھی اس بری حالت کو دیکھنا گوارا نہیں کرے گا مجھے یقین ہے کہ نسرین کے ہونٹوں پر دلنواز تبسم ہمیشہ رقصاں رہے گا۔''

میں شام تک اس کے پاس بیٹھا رہا جس وقت میں واپس پہنچا تو رات ہوچکی تھی۔

مکان میں داخل ہوتے ہی مجھے ایسا محسوس ہوا کہ گویا اس عمارت کے باہر گوشے سے نحوست جھانک رہی ہے اداسی کی فضا خود کو پھیلا رہی ہے یہاں ناقابل برداشت خاموشی سے میرا دل پھٹا جارہا تھا اچانک میں نے یاسمین کے کھانسنے کی کمزور آواز کو سنا وہ پانچ منٹ تک متواتر کھانستی رہی یہاں تک کہ بیدم ہوگئی۔ میں تیزی سے اس کے کمرہ میں پہنچ گیا۔

نسرین ایک طرف بیٹھی تھی سرور یاسمین کا سر اپنے گھٹنے میں رکھے اس کا سینہ سہلا رہا تھا۔ لیمپ ایک طرف روشن تھا خوب صورت یاسمین کے چہرہ کا رنگ اس قدر زرد ہوچکا تھا کہ گویا کسی نے اس کے جسم کا تمام خون نچوڑ لیا ہے اس کی خوب صورت پیشانی عرق آلود ہو رہی تھی وہ نہایت کمزور اور ناتواں ہوچکی تھی۔

میں نے کمرہ میں داخل ہونے کے بعد نسرین کو گود میں اٹھالیا اور اس کو لے کر ان دونوں کے پاس آبیٹھا۔ یاسمین نے اپنی بے نور آنکھیں میری طرف گھماتے ہوئے کہا۔ ''دادا میری نسرین کا کیا بنے گا۔ کسے ماں کہے گی۔''

''نہیں یاسمین نہیں۔''

''لیکن میں تو چراغ سحری ہو رہی ہوں دادا۔''

خدا کے لئے یاسمین تم ایسی منحوس بات منہ مت نکالا کرو...... مرض دور ہو رہا ہے شفا کا یقین رکھو۔''

''لیکن میرا مرض لادوا اور اس کی شفا موہوم ہے دادا۔''

''ناامیدی گناہ ہے یاسمین...... ادھر دیکھو۔ تم سرور کو بھی رلا رہی ہو۔''

اس وقت سرور اپنا سر جھکائے بیٹھا تھا اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی بوندیں گر رہی تھیں۔
نسرین بھی اداس ہوگئی۔
میں نے اسے یاسمین کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''بیٹی اسے کھلاؤ...... دیکھو تو اس کا بھی پھول سا چہرہ کملا گیا ہے تھوڑی دیر کے لئے لے لو۔''
میں نے نسرین کو یاسمین کے پہلو میں لٹا دیا۔
ماں کا جسم بخار سے پھنک رہا تھا اس کے بعد اس نے سرور کو سمجھاتے ہوئے کہا۔
''بیٹا مرد ہو ہمت سے کام لو یاسمین کا بگڑا ہی کیا ہے دوا ہو رہی ہے اب دعا کی ضرورت ہے...... دعا بھی کرو مجھے یقین ہے کہ یاسمین جلدی صحت یاب ہو جائے گی۔''
اس کے بعد میں نے یاسمین کے خیالات کو اس کے مرض کی طرف سے ہٹانے کے لئے اس کے بھائی کا ذکر چھیڑ دیا، باتوں باتوں میں چند فرضی مریضوں کی کہانیاں بھی بیان کر دیں جو اب تک بقید حیات ہیں اس قسم کی فرضی باتوں کا مقصد صرف یاسمین کی طبیعت میں مضبوطی پیدا کرنا تھا...... میں دو گھنٹے تک محض بکواس کرتا رہا میری اتنی دیر کی کوشش کا نتیجہ بھی خاطر خواہ نکلا اس کی طبیعت خود بخود بحال ہونے لگی لیکن موجودہ حالی عارضی تھی۔
ہر آنے والا دن یاسمین کے لئے زیادہ سے زیادہ کمزوری لاتا رہا یہاں تک کہ صرف دو ہفتے کے بعد قصر احمر کی نحوست نے پھر اپنا وہی رنگ دکھایا جس طرح سرور کے خاندان کے دیگر افراد موت کی نحوست کا شکار ہوئے تھے اسی طرح یاسمین بھی ہم سب کو چھوڑ کر روایتی موت کا شکار ہوگئی۔
یاسمین کی موت نہایت ہی پراسرار اور انتہائی غم ناک تھی نسرین کے رونے پر میرا دل پھٹا جا رہا تھا۔
فیروز اس جانکاہ خبر کو سن کر بدحواس ہو گیا اس نے دیوار سے سر ٹکرا کر خود کو اس قدر زخمی کر لیا کہ وہ بہن کا آخری دیدار کرنے بھی قصر احمر تک نہ آ سکا وہ تقریباً دو گھنٹے مردے کی طرح بے ہوش پڑا رہا بستی کے تمام افراد سرور کے شریک غم تھے نیک یاسمین کو سپرد لحد کیا جا چکا تھا سرور دھاڑیں مار مار کر رو رہا تھا نسرین ماں کو یاد کر کے روئے جا رہی تھی اس نے رو رو کر اپنی حالت تباہ کر دی تھی میں اپنے دل پر پتھر رکھے خاموش تھا نسرین کو بہلانے اور چپ کرانے کی کوشش کر رہا تھا۔
یاسمین کی موت کے پانچویں روز میں نسرین کو لے کر فیروز کے پاس پہنچا فیروز کے حواس بجا نہ تھے میں نے نسرین کو اس کی گود میں ڈالتے ہوئے کہا۔ ''خدا کے لئے فیروز صبر سے کام لو اب یاسمین کی جگہ اس بچی کو اس کا بدل سمجھو اسے پیار کرو فیروز...... لو اس کا منہ چوم لو یہ ہی تمہاری مرحوم بہن کی نشانی ہے۔''
فیروز کے سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی اس کا زخم ابھی تازہ تھا اس نے کراہتے ہوئے کہا۔ ''خدا کے لئے دادا نسرین کو یہاں سے لے جاؤ ابھی لے جاؤ...... میرا دل پھٹا جا رہا ہے اگر دیر کرو گے تو میں جان دے دوں گا...... یاسمین...... یاسمین...... بہن مجھے بھی اپنی دنیا میں بلا لو۔''
وہ بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔
بستی کے کچھ لوگ اس جگہ موجود تھے انہوں نے مجھے واپسی کا مشورہ دیا۔
نسرین کو دیکھ کر فیروز کا غم تازہ ہو گیا تھا میرا اس جگہ مزید ٹھہرنا فیروز کے لئے تکلیف دہ تھا ماموں کو روتے دیکھ کر نسرین بھی رونے لگی تھی چنانچہ میں نے اسے گود میں اٹھایا اور فیروز کو اسی حالت میں چھوڑ کر اپنے منحوس مکان کی طرف واپس لوٹا۔
سرور اپنی زندگی سے بیزار ایک طرف پڑا تھا۔
پودے مرجھا چکے تھے کئی دن سے ان کو پانی نہ دیا گیا تھا یاسمین کی موت نے اس بستی کے لوگوں کو چونکا دیا اور وہ ایک بار پھر اس معاملے پر سنجیدگی سے بحث کرنے لگے کہ ''کیا قصر احمر واقعی منحوس ہے؟''
یاسمین کی صحت قابل رشک تھی وہ تندرست و توانا تھی اس کی موت کے بعد مجھ پر وہ حیرت ناک اسرار پوشیدہ تھے اسی بستی کے ہر شخص کی زبان پر یہی تھا کہ ''یاسمین کی

موت کا ذریعہ اس مکان کی روایاتی نحوست ہے۔"

مجھے اس جگہ رہتے مدت گزر چکی تھی لیکن یاسمین کی موت کے بعد مجھے بھی اس سرخ رنگ کے بڑے مکان سے نفرت ہوگئی، میں نے سمجھ لیا کہ اس حویلی کے متعلق جس قدر روایتیں مشہور ہیں وہ سب کی سب درست ہیں سرور بیوی کی موت کے بعد سے بہت ہی چڑچڑا ہو چکا تھا وہ کسی سے بات کرنا گوارا نہ کرتا تھا ایسی حالت میں اسے یہ مشورہ دینا کہ وہ اس مکان سے اپنی سکونت ترک کر کے دوسری جگہ آباد کرے مشکل تھا اگر میں اسے نجی طور پر مشورہ بھی دیتا تو خدا معلوم اس کی طرف سے کیا جواب ملتا۔

نسرین ہر روز ماں کو یاد کر کے رو لیتی تھی۔ میرا زیادہ تر وقت اس بچی کی دلجوئی میں گزر جاتا تھا یاسمین کی موت کے بعد سرور دن بھر خدا معلوم کہاں غائب رہتا جس کی غیر موجودگی میں نسرین کے لئے صرف میں ہی واحد سہارا تھا سرور علی الصبح کہیں چلا جاتا اور غروب آفتاب کے بعد واپس آجاتا تھا۔ نسرین برابر آواز میں روتی رہی میں نے اس کو گود میں اٹھا کر ٹہلانا چاہا لیکن وہ مچل گئی۔

دوپہر کی سخت گرمی میں نسرین نے رو کر اپنا برا حال کر لیا میری تمام کوشش بیکار ثابت ہوئی میں سخت پریشان تھا اور یہ سوچ رہا تھا کہ اس معصوم بچی کو کس طرح چپ کراؤں میں نے اس کا دل بہلانے کے لئے بہت سے طریقے اختیار کئے لیکن نسرین نے رونا بند نہیں کیا۔

میرا رخ کھلے ہوئے دروازے کی طرف تھا نسرین صرف ایک فٹ کے فاصلے پر بیٹھی رو رہی تھی میں اس کے سر پر ہاتھ پھیر رہا تھا اچانک میں نے ایک خوب صورت عورت کو دروازے کے درمیان دیکھا اس کے بال کھلے ہوئے تھے ایک خوب صورت لٹ اس کے داہنے رخسار پر لٹکی ہوئی تھی اس کے سر پر سبز پتوں کا تاج اور لباس میں سرخ اور اودے رنگ کے پھول لگے ہوئے تھے میں اسے دیکھ کر حیران رہ گیا عورت نہایت ہی عجیب اور پراسرار تھی میں نے اپنی زندگی میں اس روز پہلی مرتبہ دیکھا سوچنے لگا کہ یہ کون ہو سکتی ہے.....؟

اس کی صورت اس حسینہ سے بہت کچھ ملتی ہوئی تھی ایک رات یاسمین نے کھڑکی کی دراز میں سے مجھے تھا جو رات کی گہری خاموشی میں سرور کے کمرہ میں م تھی جو اسے چومنے کے لئے جھکی ہوئی تھی اس را نظارہ میری آنکھوں میں گھوم گیا ضمیر نے سوال کیا یہ وہی عورت ہے کہ جس کی پراسرار موجودگی صدمے کے باعث بدنصیب یاسمین کچھ عرصہ بیمار مرچکی تھی میرے بعد نسرین نے بھی اس ہوشربا عو کو دیکھ لیا استعجاب نے میرے لبوں کو سی دیا تھا اسی میں اسے دیکھ کر بھی سوال نہ کر سکا۔

نسرین نے بھی اسے دیکھ کر رونا بند کر دیا تھا میں سکوت طاری تھا عورت نسرین کی طرف دیکھ رہی تھی

اچانک اس کا رخ میری طرف ہو گیا او کے چہرہ سے ایسا معلوم ہونے لگا کہ گویا وہ مجھے طرف متوجہ کرنا چاہتی ہے دفعتاً اس نے کمرہ کے س کو اپنی دلکش آواز سے شکست دے دی۔ اس نے ک "بچی رو رہی تھی...... اس کا رونا مجھ سے نہیں گیا۔ کیا میں اندر آ کر اس کا دل بہلا سکتی ہوں۔"

وہ تیزی سے اندر آئی نسرین کو گود میں ا چومنے لگی میں خاموش بیٹھا اس نہ سمجھ میں آنے و تماشہ کو دیکھتا رہا، عورت نے نسرین کے بکھ ہوئے بالوں کو سلجھاتے ہوئے پوچھا۔"تم کیو رہی ہو بیٹی؟"

مگر نسرین نے اسے کوئی بھی جواب نہیں د

پراسرار عورت نے دوبارہ اپنے سوال کو اور اس نے اس کو گدگدا کر ہنسانے کی کوشش کی وہ نہیں البتہ مسکراہٹ کی حالت ضرور پیدا ہوگئی۔

اس عورت نے کہا۔"بیٹی میں تمہارے ر کی آواز سن کر اس جگہ آئی ہوں...... کس قدر درد و بھری آواز تھی جسے سن کر میرا دل دہل گیا بتلاؤ تو کیا دکھ ہے وہ کون سی اذیت ہے کہ جس نے تمہیں طرح رونے پر مجبور کر دیا تھا۔"

اتنی سی دیر میں نسرین اس عجیب عورت

ان ہوگئی ذرا دیر پہلے وہ رو رہی تھی لیکن وہ اب اس کی ان میں ہشاش بشاش نظر آ رہی تھی۔

پراسرار خاتون نے تیسری مرتبہ نسرین سے اس کی زاری کا سبب دریافت کیا جس کے جواب میں نے اسے بتلایا کہ ''وہ ایک خواب دیکھ کر ڈر گئی تھی۔''

میں نے اس بات کی تصدیق کرتے ہوئے ٹھیک کہتی ہے کچھ دیر پہلے یہ لڑکی میرے گھٹنے پر سو رہی تھی اس نے دیکھا اس کی ماں کا انتقال ہے اب میں ہی اسے پرورش کررہا ہوں جس روز اس کی والدہ کا انتقال ہوا ہے اس کے باپ عجب قسم کی تبدیلی ہوگئی ہے۔ وہ علی الصبح کچھ بغیر کسی نامعلوم مقام پر چلا جاتا ہے اور غروب اب کے بعد وہ واپس آتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے وہ اس دنیا سے گھبرا گیا ہے اپنی زندگی سے تنگ آ گیا وہ نہ مجھ سے پہلے کی طرح بولتا ہے اور نہ اس بچی کی بھری کرتا ہے۔''

''اس بچی کی ماں کا کیا نام تھا؟'' اس عورت سوال کیا۔

''یاسمین۔'' میں نے جواب دیا۔

اور اس خوب صورت بچی کو کس نام سے تے ہیں۔''

''مرنے والی نے اپنی پسند سے اس کا نام ین رکھا تھا اب اس گھر میں صرف یہی خوب صورت اس جواں سال مرحومہ کی واحد یادگار ہے اس نے وقت اسے میرے سپرد کر دیا تھا مجھ سے جو کچھ بن ہے وہ اس کے لئے کررہا ہوں...... نسرین بڑی مزاج تھی مگر ماں کی موت کے بعد یہ بھی اپنے باپ کی طرح چڑچڑی ہوگئی ہے۔''

''کیوں نسرین۔'' عورت نے اس کی آنکھوں ہما کہا۔

نسرین نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

اس عورت کی پراسرار شخصیت میرے لئے معمہ ہوئی تھی مجھے اس کی آمد کے متعلق کچھ بھی علم نہ تھا چنانچہ میں نے دریافت کیا۔

''کیا میں آپ سے آپ کی آمد کا سبب معلوم کر سکتا ہوں۔''

''میں صرف نسرین کے رونے کی آواز سن کر آ گئی ہوں اس جگہ ٹھہرنے کا مقصد اس کام میں صرف آپ کی مدد کرنا ہے۔

آپ اسے خوش رکھنا چاہتے ہیں اور میں آپ کے اس کٹھن کام میں صرف آپ کا ہاتھ بٹانے آئی ہوں اور بس...... کاش میں ایسا کرسکوں میں خود بھی مجسمہ درد اور خوگر غم ہوں صاحب درد ہی لذت غم سے آشنا ہوسکا ہے...... بے درد کیا جانے کہ غم کیا ہوتا ہے۔'' اس کے بعد اس نے نسرین کو چومتے ہوئے کہا۔ ''ہاں بیٹی یہ تو بتا دو کہ تم نے خواب میں ایسی کون سی بات دیکھی جو تمہیں اس قدر دکھ ہوا میں تمہارے اس خواب کو سننا چاہتی ہوں جو کچھ یاد ہو سناؤ۔''

نسرین نے کہا۔ ''مجھے اب تک سب کچھ یاد ہے۔''

اس کے جسم میں جھرجھری سی پیدا ہوگئی چہرہ پر زردی دوڑ گئی اس نے گھبرا کر اپنا سر اس عورت کے سینے سے لگا دیا۔ ''ڈرو مت نسرین...... تم ہماری حفاظت میں ہو۔'' وہ اپنائیت بھرے لہجے میں بولی۔

کچھ دیر کے بعد اس نے سر اٹھا کر اس خوب صورت عورت کی طرف دیکھنا شروع کر دیا۔

باہر آسمان سے جھلس دینے والی کرنیں برس رہی تھیں گرد کے بگولے چکر کھاتے پھر رہے تھے زمین کا ہر ذرہ تپ رہا تھا درختوں کے سرسبز پتے بھی گرمی کے باعث کملا سے گئے تھے پرندے دھوپ سے بچنے کے لئے شاخوں کے درمیان چھپے بیٹھے تھے دریائے فرات کے ساتھ ساتھ دور تک اس وقت ہو کا سا میدان دکھائی دے رہا تھا۔ ''اپنا خواب سناؤ نسرین۔''

''سنئے......'' نسرین نے کہا۔

میں بھی پوری طرح اس طرف متوجہ ہوگیا اس معصوم بچی کا وہ خواب جسے دیکھ کر وہ اس قدر روئی کہ

میں بھی پریشان ہوگیا ضرور سننے کے قابل ہے۔

''میں نے دیکھا کہ میں اپنے ابا کی گود میں بیٹھی ہوں...... ہم اس وقت قبرستان میں تھے میری اماں کی قبر پر ذرا ہی دیر پہلے ابا جی نے پھول بکھیرے تھے وہ دعائے مغفرت سے فارغ ہونے کے بعد مجھے گود میں لے کر اسی جگہ بیٹھ گئے تھے ان کا چہرہ اترا ہوا تھا آنکھیں غم آلود تھیں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ابا جی اپنی آنکھوں میں سمندر کا طوفان چھپائے ہوئے ہیں۔

میں کبھی اپنی ماں کی قبر کی طرف دیکھتی اور کبھی ابا جان کے افسردہ چہرہ کی طرف دیکھنے لگتی اس وقت ہر طرف خاموشی چھائی ہوئی تھی ہوا کے جھونکوں کے ذرے ہر طرف بکھرے ہوئے درختوں کے زرد رنگ کے سوکھے پتے اڑتے پھر رہے تھے۔ دفعتاً عجیب قسم کی سریلی آواز بلند ہوئی جو شروع میں مدھم تھی لیکن بتدریج سخت اور تیز ہوتی گئی ہم سے بیس پچیس قدم کے فاصلے پر گرد کا ایک عظیم بگولہ چرخ کھا رہا تھا جو دو گز بلند ہوگا میری نظریں اسی پر لگی ہوئی تھیں شاید آواز بھی اسی گولہ کے درمیان سے بلند ہو رہی تھی کچھ دیر بعد وہی بگولہ بھوتوں کی طرح ناچتا ہوا مغرب کی طرف بڑھنے لگا۔

جس مقام سے اس غبار نے بڑھنا شروع کیا تھا وہ جگہ خود بخود اس طرح پھٹ گئی گویا کہ شدید قسم کے زلزلہ نے وہاں شگاف پیدا کردیا ہے کچھ زیادہ دیر نہ تھی کہ اس شگاف میں سے چنگاریاں بلند ہوتے دیکھی گئیں وہی چنگاریاں شعلوں میں منتقل ہوگئیں میرے دیکھتے ہی دیکھتے اس جگہ آگ کا ایک چھوٹا سا سمندر موجیں مارنے لگا اس آگ میں سبز رنگ کا ایک جہنمی شعلہ بھی موجود تھا جس کی لمبائی دو بالشت ہوگی وہ کبھی زمین سے دو فٹ بلند ہوجاتا اور کبھی سطح سے لگ جاتا۔

آگ کے اس الاؤ میں صرف وہی جہنمی شعلہ میری نظروں میں چڑھا ہوا تھا میں حیران تھی کہ اچانک اسی شعلے میں سے ایک سیاہ رنگ کے ناگ نے خود کو نمودار کیا جسے دیکھ کر میں گھبرا گئی ابا جان بھی اٹھ کر کھڑے ہوگئے، ناگ کا رخ ہماری طرف تھا اس کی آنکھیں دہکتے ہوئے انگاروں کی طرح چمک رہی تھیں وہ ہماری طرف بڑھتے ہوئے پھنکاریں بھی مار رہا تھا جان نے مجھے اپنے سے لپٹا لیا وہ چاہتے تھے کہ وہاں سے دور ہوجائیں لیکن اسی آگ کی دیوار نے ہم کو اپنے حصار میں لے لیا۔

ایک آتشی دائرہ ہم کو ہر طرف سے اپنے گھیرے میں لئے ہوئے تھا کالا ناگ بھی نزدیک آ چکا تھا قریب تھا کہ وہ ہم میں سے کسی ایک کو ڈس لے لیکن اسی وقت ایک بہت بڑا اسفید رنگ کا پھول جو زمین سے صرف دو گز کی بلندی پر معلق تھا بڑھ کر ہمارے پاس پہنچ گیا کسی نے پھول میں سے پکارا...... ''نسرین کو اس پر پھینک دو...... ورنہ اسے بھی دوگے۔''

ابا جی نے مجھے بدحواسی کے عالم میں اس بڑے پھول کی طرف اچھال دیا اس سے قبل کہ میں اس پر گر ... میں ایک خوش رنگ تتلی کی صورت میں تبدیل ہوگئی ناگ ہماری طرف بڑھ رہا تھا اس کا کچھ حصہ ابھی تک جہنمی شعلے کے درمیان تھا۔

ناگ نے پھول پر پھنکار ماری تو میں اس پھول کی کٹوری میں داخل ہوچکی تھی وہاں کافی سردی تھی ناگ کے زیادہ نزدیک ہونے پر پھول نے دور ہونا شروع کردیا اس کے ساتھ ہی ساتھ اس موذی ناگ کا جسم بھی بڑھتا رہا، میرے والد ابھی تک اسی مقام پر کھڑے تھے شاید وہاں کی زمین نے ان کے پاؤں جکڑ لئے تھے، پھول تقریباً ایک فرلانگ دور ہوگیا لیکن ناگ کا جسم بھی اس قدر طویل ہوچکا تھا کہ اتنے فاصلے کے باوجود اس کا فاصلہ کم نہ ہوا ناگ کی دم کا کچھ حصہ ابھی تک اس سبز رنگ کے شعلے کے درمیان پوشیدہ تھا۔

دفعتاً ابا جان نے وہیں سے ایک نوکدار پتھر اٹھا کر اس ناگ کے جسم پر پھینک مارا تو غالباً درد سے بلبلا اٹھا اور غضبناک حالت میں جھلا کر پھول پر زور سے ایک پھنکار ماری لیکن پھول اس سے متاثر ہوئے بغیر دور ہوگیا، اب ناگ دوسری طرف متوجہ رہا۔ میں نے دیکھا اس ناگ نے ابا جان کے جسم میں بل ڈال لیا اور ...

ے دیکھتے ہی دیکھتے ان کو لے کر اسی جہنمی شعلے میں
امل ہو گیا، سفید پھول کی تمام پنکھڑیاں خود بخود مرکز
علیحدہ ہو گئیں اور میں دوبارہ اپنی اصلی حالت میں
لرزمین پر گر پڑی۔

ایک طرف ناگ مردہ حالت میں پڑا تھا......
سری طرف میرے ابا کی جھلسی ہوئی لاش تھی۔

آگ نے دوبارہ بگولے کی شکل اختیار کر لی
لولہ لاش کی طرف بڑھا یہاں تک کہ اس نے اپنے
آتش دامن میں ان دونوں کو چھپالیا۔

اچانک میں نے اپنے والد کے رونے کی درد
ری آواز سنی جسے سن کر میں تڑپ اٹھی میری روح نے
یہ قسم کی اذیت محسوس کی اسی وقت فرط خوف اور وفور
م سے میری نیند اچاٹ ہو گئی میں اپنے اسی خواب کے
بت ناک تصور کے باعث رونے لگی۔''

اتنا کہنے کے بعد نسرین خاموش ہو گئی میں بھی
اموش بیٹھا اس کی صورت دیکھ رہا تھا اس پراسرار
رت نے بھی پوری توجہ کے ساتھ نسرین کے اس
راؤنے خواب کو سنا۔

عورت کے چہرہ پر اداسی نمودار ہو چکی تھی اس کی
ت زرد اور دل دردمند معلوم ہوتا تھا۔

میں نے دیکھا کہ اس کی سحر انگیز آنکھوں سے
سوؤں کی دو موٹی بوندیں گریں۔

اس نے اسی وقت فرط غم سے نسرین کو دبوچ کر
پنے سینے سے لگالیا میں نے مدھم سی آواز میں اس
رت کو یہ کہتے ہوئے سنا۔

''خدا ہم پر رحم کرے بیٹی وہی سب سے بڑا رحم
رنے والا ہے۔''

☆......☆......☆

پتوں کا تاج رکھنے والی ہوش ربا نازنین متواتر
ایک ماہ تک برابر قصر احمر میں آتی رہی وہ ہمیشہ سرور کے
چلے جانے کے بعد اس جگہ آتی دن بھر نسرین کی دیکھ
بھال میں مصروف رہتی اور غروب آفتاب سے ذرا ہی
پہلے واپس چلی جاتی۔

عورت میرے لئے ایک عجوبہ تھی کیونکہ اتنے
عرصہ کے بعد بھی ہم کو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کون ہے؟
کہاں سے آتی ہے اور پھر کہاں چلی جاتی ہے؟......اس
میں بہت سی باتیں دوسری عورتوں سے بالکل مختلف تھیں
ہمیں ابھی تک اس رحم دل عورت کا نام بھی نہ معلوم ہو سکا
البتہ نسرین اس کو ''جنگل کی شہزادی'' کے نام سے پکارا
کرتی تھی میں نے اس سے نام و پتہ معلوم کرنے کی
کوشش کی مگر اس نے ٹال دیا اس کے ہر روز اس جگہ
آنے سے مجھے یہ فائدہ ہوا کہ میرا کام بٹ گیا وہ گھر کی
صفائی کا کام خود انجام دے جاتی تھی اس کے علاوہ اس
کی وجہ سے نسرین کی طبیعت بہلی رہتی تھی اس نے اپنی
طرف سے ایسی محبت کا مظاہرہ کیا کہ نسرین جو برابر اپنی
ماں کو یاد کر کے رو لیا کرتی تھی وہ رفتہ رفتہ ماں کے غم کو
بھولنے لگی اس کی صحت دن بہ دن اچھی ہوتی جارہی تھی
اسے اس پراسرار عورت سے کافی دلچسپی پیدا ہو گئی تھی
اور وہ عورت بھی اس کو اسی جذبہ سے چاہتی تھی کہ گویا
نسرین اسی کے بطن سے ہے اگر کسی روز اس کو آنے میں
ذرا دیر ہو جاتی تو نسرین اس کے انتظار سے پریشان ہو
کر قصر احمر کے صدر دروازہ پر پہنچ جاتی تھی اور جونہی وہ
اس کو سامنے سے آتا دیکھتی۔ پس وہیں سے شور مچانے
لگتی تھی واپسی میں آکر میرے کاندھے پر بیٹھ جاتی
کان سے منہ لگا کر کہتی۔

''دادا جنگل کی شہزادی آ گئی۔''

وہ عورت اس جگہ آتی اور آتے ہی نسرین کو گود
میں اٹھا لیتی تھی دوپہر کے وقت سخت گرمی میں جب وہ
اس کو تھک تھک کر سلانا چاہتی تو وہ اس کام کے لئے
اپنے مدھم سر میں ایک عجیب قسم کا گیت گنگنانے لگتی تھی
پس نسرین اس خوب صورت عورت کے گھٹنے پر سر رکھے
بے خبر سو جاتی، خدا نے اس عجیب عورت کو ہمارے لئے
جیسے رحمت کا فرشتہ بنا کر بھیج دیا تھا۔

اس کی باتوں میں مٹھاس اور مسکراہٹ میں
جادو تھا وہ نسرین جیسی ضدی لڑکی کو بہلانے پھسلانے کا
فن خوب جانتی تھی۔

ایک روز میں نے اس سے کہا۔ ''بیٹی تم سے نسرین بے پناہ محبت کرنے لگی ہے جب بھی ذرا دیر ہوجاتی ہے تو تمہارے لئے بے تاب ہوجاتی ہے...... خدا معلوم تم نے اس پر کیا جادو کردیا ہے۔''

اس نے کہا۔ ''نسرین کی ابھی عمر ہی کیا ہے بچی ہے جو بھی اس سے محبت کرے گا یہ اسی سے محبت کرنے لگے گی مجھے خود بھی اس سے خصوصی لگاؤ ہے۔''

میں نے کہا۔ ''لیکن تم نے ابھی تک اپنے متعلق ایک لفظ بھی نہیں بتلایا ہے یہاں تک کہ میں تمہارے نام سے بھی لاعلم ہوں۔''

''لاعلمی اچھی ہے بابا...... جب انسان کسی کی اہمیت کا علم حاصل کرلیتا ہے تو پھر دماغ پر اور بھی بوجھ پڑ جاتا ہے خیالات اور تجسس کی دنیا میں ہلچل برپا ہوجاتا ہے دل کو سکون اور دماغ کو آرام نہیں ملتا لاعلمی اچھی ہے اسی کو اپنائے رہو...... میں آتی رہوں گی واضح رہے کہ اگر میں کسی معاملے میں آپ کی طرف سے اگر اصرار دیکھوں گی تو پھر ہوسکتا ہے کہ میں اس جگہ آنا ترک کردوں۔''

''نہ نہ...... خدا کے لئے ایسا نہ کرنا ورنہ نسرین تو رو رو کر اپنی زندگی تباہ کرلے گی اب اس سے محبت بڑھائی ہے تو جب تک یہ جوان نہ ہوجائے اسے نبھاؤ میں وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ کبھی اس سلسلے میں تم کو تکلیف نہ دوں گا۔''

نسرین نے کہا۔ ''دادا آپ تو ناحق انہیں ناراض کرتے ہیں نام کے متعلق تو میں نے آپ کو کئی مرتبہ بتلادیا ہے کہ آپ انہیں جنگل کی شہزادی کہہ کر پکار لیا کریں۔''

''کیوں؟ نسرین نے اس عورت کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''یہ کوئی برا نام تو نہیں ہے......؟''

''نہیں اچھا ہے بیٹی اس سے اور اچھا نام کیا ہوسکتا ہے تم نے یہ نام رکھ کر میری عزت افزائی کی ہے۔''

''عزت افزائی کیا ہوتی ہے دادا؟'' نسرین نے دریافت کیا۔

''کسی کی عزت کو بڑھانا کسی کی قدر کرنا اور ا کو دوسروں سے اچھا سمجھنا۔''

نسرین نے اپنے دونوں ہاتھوں سے تا بجاتے ہوئے کہا۔ ''پھر تو میں اب بار بار آپ کو اسی نا سے پکاروں گی......''

''جنگل کی شہزادی...... جنگل کی شہزادی... جنگل کی شہزادی۔''

جب دن بھر کی مسافت کے بعد تھکا ما آفتاب آرام کرنے کی غرض سے عجلہ مغرب میں دا ہوگیا تو جنگل کی شہزادی حسب معمول چلی گئی کچھ دیر سرور بھی آگیا۔

وہ بیوی کی موت کے بعد اداس اور کھویا ہوا رہنے لگا تھا آج نہ جانے کیا بات تھی جو اس نے آتے ہی نسرین کو گود میں اٹھالیا اور اس کا منہ چو ہوئے کہا۔ ''اب تو ہماری نسرین بڑی صاف ستھ رہنے لگی ہے کیوں دادا جی۔''

''کیوں نہیں...... جوں جوں اسے شعور جائے گا ٹھیک ہوجائے گی۔''

نسرین نے اپنے دونوں بازوؤں کو باپ گردن میں ڈالتے ہوئے کہا۔

''لیکن ابا جان یہ سب کچھ جنگل کی شہزادی طفیل ہے۔''

''جنگل کی شہزادی۔'' اس نے حیرت سے می طرف دیکھا۔

''ادھر کیا دیکھتے ہیں میری طرف دیکھئے...... بڑی اچھی ہیں پتوں کا تاج سر پر رکھتی ہیں، میں ان جنگل کی شہزادی کہتی ہوں، ابا جان یہ نام انہیں بہ زیادہ پسند ہے۔''

''میں کچھ نہیں سمجھا بیٹی......''

''اوہو...... وہ جو میرا منہ دھلاتی ہیں کپڑے د کر پہناتی ہیں میرے بالوں کو سنوارتی ہیں اور پھر بیٹھے بیٹھے گیت گا کر دوپہر کو مجھے سلادیتی ہیں۔''

''یہ کیا کہہ رہی ہو نسرین بیٹی۔'' سرور نے مز

حیرت سے پوچھا۔

''ٹھیک کہتی ہے......'' میں نے جواب دیا۔

سرور نے نسرین کو گود سے اتار کر اپنے سامنے کھڑا کردیا اس کے بشرے سے یوں معلوم ہونے لگا کہ گویا وہ سوچ میں پڑ گیا ہے۔

''میں تو ابھی تک کچھ بھی نہیں سمجھا۔''

نسرین دوبارہ اچھل کر باپ سے لپٹ گئی۔

''جب آپ باہر چلے جاتے ہیں تو وہ آجاتی ہیں دن بھر رہتی ہیں اور شام سے پہلے پر چلی جاتی ہیں۔''

''کون آتی ہیں؟ اور کون چلی جاتی ہیں، یہ کیا طلسم ہے دادا آپ ہی بتلائیں کہ معاملہ کیا ہے؟''

میں نے کہا۔ ''بیٹا خدا نے ایک عورت کے دل میں نسرین کے لئے رحم پیدا کردیا ہے آپ کے جانے کے بعد وہ اس جگہ آجاتی ہے نسرین بھی اس سے بہت مانوس ہوچکی ہے وہ جو کچھ بھی کرتی ہے ہمارے لئے بہت کچھ ہے اس عورت کا نام اس نے جنگل کی شہزادی رکھ لیا ہے اسی عورت کی وجہ سے نسرین اپنی ماں کے غم کو بھی بھول چکی ہے بڑی نیک ہے وہ عورت۔''

''تعجب ہے کہ ایک اجنبی عورت اپنا اتنا وقت محض نسرین کے لئے قصر احمر میں گزار دیتی ہے واقعی بہت نیک ہے ہمیں تو اس کا مشکور ہونا چاہئے لیکن وہ ہے کون؟''

''یہ میں بھی نہیں جانتا......'' میں نے جواب دیا۔

''تو کیا اس کا نام واقعی جنگل کی شہزادی ہے۔''

''جی نہیں......یہ تو صرف نسرین نے رکھ لیا ہے۔''

''تو پھر اصلی نام عورت کا کیا ہے؟''......سرور نے سوال کیا۔

''میں نہیں جانتا۔'' میں نے جواب دیا۔

''کیا وہ اس بستی کی رہنے والی ہے۔''

''جی نہیں......''

''تعجب ہے دادا کہ تمہیں ابھی تک اس کے متعلق کچھ بھی معلوم نہیں ہوسکا کم از کم اس کا پتہ تو دریافت کرلیا ہوتا۔''

''بیٹا میں نے بہت کوشش کی تھی لیکن اسے ناگوار گزرا اسی لئے میں نے اسے مجبور کرنا مناسب نہیں سمجھا۔''

''کیا آج بھی وہ آئی تھی۔''

''ہر روز آتی ہے نسرین کو اس قدر صاف وستھرا رکھنے میں صرف اسی کا ہاتھ ہے۔''

سرور نے کہا۔ ''وہ اگر میرے سامنے آجائے تو میں اس کا شکریہ ادا کروں خدا اسے اس نیک کام کی جزا دے......''

اس روز دیر تک اس پراسرار عورت کے متعلق باتیں ہوتی رہیں، دوسرے روز سرور کافی تاخیر سے باہر گیا، اتفاق کی بات ہے کہ اس روز وہ بھی لیٹ ہوگئی سرور کے چلے جانے کے ایک گھنٹے بعد وہ اس جگہ آئی نسرین نے آتے ہی کہا۔

''شہزادی آج آپ کا ابا جان انتظار کررہے تھے وہ ابھی ابھی گئے ہیں وہ بھی آپ کو دیکھنا چاہتے ہیں۔''

''کیا کہتے تھے؟'' اس عورت نے سوال کیا۔

''شاید وہ آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہتے تھے۔''

''شکریہ ادا کرنا آخر کیوں؟''

''وہ مجھے صاف ستھرا دیکھ کر کل بہت خوش ہوئے تھے، میں نے ان سے آپ کا ذکر کردیا تھا وہ بڑی دیر تک آپ کے متعلق بہت کچھ دریافت کرتے رہے نام پوچھ رہے تھے میں نے بتلا دیا کہ ان کا نام جنگل کی شہزادی ہے یہ نام ان کو بھی پسند ہے......''

''میری خوش نصیبی ہے جو میرا نام انہیں پسند ہے۔''

''لیکن وہ آپ کا شکریہ ادا کرنے کے لئے بے تاب ہیں۔''

''نہیں نسرین اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے میں نے اپنی دانست میں ابھی تک ایسا کوئی کام نہیں کیا کہ میں جس کے لئے ان کو ایسا کرنے کی زحمت دوں'' اس نے اچانک اپنا رخ میری طرف کرتے ہوئے کہا۔

''بابا خدا کے لئے ان سے میری طرف سے عرض کردیں کہ وہ اس طرح مجھے شرمندہ نہ کریں۔''

''اچھا نہیں کریں گے۔'' نسرین اچھل کر اس کی

گود میں بیٹھ گئی اوراپنی انگلیوں سے اس کے تاج کے سبز پتوں کو چھیڑنے لگی۔ ''کتنا خوب صورت معلوم ہوتا ہے پتوں کا بنا ہوا یہ تاج۔''

''اس نے کہا بیٹی...... جنگل کی شہزادی کے لئے جنگلی پتوں کا تاج ہی مناسب ہوسکتا ہے۔''

اس کے بعد وہ روزانہ کے کام میں مصروف ہوگئی۔

☆......☆......☆

سہ پہر سے ذرا پہلے ہی طوفان گردوغبار برپا تھا ہر طرف بھوتوں کی طرح بگولے ناچتے نظر آتے تھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا اس وسیع میدان میں غزالان صحر جنون انگیزی کا مظاہرہ کرنے کے لئے اس جگہ آدھمکے ہیں لوگ...... تپش سے بچنے کے لئے چھوٹے چھوٹے گھروں میں دبکے ہوئے تھے لوگوں کا خیال تھا کہ اس سال مدتوں بعد اتنا شدید موسم آیا ہے......

نسرین جنگل کی شہزادی کے گھٹنے پر سر رکھے سو رہی تھی اور وہ اس کے بکھرے ہوئے بالوں کے درمیان اپنی خوشنما لمبوتری انگلیوں کو آہستہ آہستہ ہلا رہی تھی اس کی پشت دیوار سے لگی ہوئی تھی میں بھی ایک طرف بیٹھا اونگھ رہا تھا پسینے سے تمام جسم شرابور ہو رہا تھا اگر وہ عورت سو جاتی تو شاید میں بھی کسی گوشہ میں دراز ہوجاتا مگر وہ دوپہر کے وقت سونے کی عادی نہ تھی۔

مجھے اونگھتے دیکھ کر اس نے کہا۔ ''آپ آرام کرلیں میں جاگ رہی ہوں باہر سخت قسم کا طوفان آیا ہوا ہے۔''

میں نے اس کی آواز کو سن کر اپنی آنکھیں کھول دیں میری بوکھلاہٹ دیکھ کر پراسرار نازنین نے مسکرا کر سر جھکالیا۔

پانی کا برتن قریب ہی رکھا تھا میں نے پانی پینے کے بعد اپنی ندامت دور کرنے کے لئے گفتگو کا سلسلہ شروع کردیا۔

''بیٹی آج تو اتنی گرمی ہے کہ پسینہ خشک ہونے میں نہیں آتا...... شاید منطقہ حارہ کی تمام گرمی سمٹ کر اسی جگہ آگئی ہے۔''

''واقعی ان دنوں موسم نہایت ہی عجیب ہے...... ابھی تک آندھی کے جھکڑ چل رہے ہیں باہر کی زمین آگ کی طرح تپ رہی ہوگی۔''

ابھی میں نے جواب میں کچھ کہنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ باہر کچھ فاصلے پر شور کی آواز سنائی دی۔

''اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''یہ کیسا شور ہے بابا؟''

''دیکھتا ہوں......'' میں وہاں سے اٹھ کر باہر کی طرف لپکا شور بڑھتا جارہا تھا صدر دروازہ تک پہنچنے سے قبل میں اس کے راز سے واقف ہوگیا۔''

شاید ام الاجل بستی میں گھس آئی تھی جسے نکالنے کے لئے لوگ شور مچارہے تھے پس میں بھی باہر پہنچ گیا میرا خیال درست تھا لوگ اس منحوس بڑھیا کو بستی سے نکالنے کی خاطر گھروں سے باہر آرہے تھے،، میرے دیکھتے ہی دیکھتے لاتعداد مرد، عورتیں اور بچے وہاں جمع ہوگئے انہوں نے پتھر اٹھائے ہوئے تھے اور وہ دائیں طرف تیزی سے بڑھ رہے تھے۔ ''خدا معلوم ام الاجل آج ادھر کہاں سے آمری۔'' ایک موٹے آدمی نے تیز اور بھاری آواز میں کہا۔

''اسے لہولہان کرکے موت کی آغوش میں پہنچادو۔''

''مارو...... مارو...... آگے مت بڑھنے دو۔''

''ہلاکت کی ماں۔''

''نحوست کی نشانی۔''

''موت کی آندھی۔''

ایک نہ ختم ہونے والا شور برپا تھا اس بڑھیا پر پتھروں کی بارش شروع ہوچکی تھی ہر طرف سے ''مارو...... مارو...... نکالو نکالو۔'' کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

میں بڑے دروازے کے پاس کھڑا اس منظر کو دیکھ رہا تھا اور جانتا تھا کہ یہ لوگ اس وقت تک واپس نہ لوٹیں گے جب تک کہ ام الاجل کا خطرہ پوری طرح نہ ٹل جائے۔

پتھر ہجوم کی مٹھیوں میں سے نکل نکل کر تیزی سے بڑھیا کی طرف جارہے تھے اور وہ ابھی تک اسی جگہ منڈلا رہی تھی لوگوں کے اس جم غفیر کو دیکھ کر پتہ چلتا تھا

کہ بستی کے تمام لوگ اس خطرہ کو دور کرنے کے لئے گھروں سے نکل کر اس طرف آچکے ہیں بے پناہ سنگ باری کا مقابلہ زیادہ دیر تک کرنا اس کے لئے ناممکن تھا کیونکہ میں نے دیکھا کہ اس نے مخالف سمت میں بھاگنا شروع کردیا اس کے عقب میں وہ ہجوم بھی بڑھتا گیا اس عورت کے ساتھ وہ عموماً ایسا ہی سلوک ہوتا تھا وہ جس طرف بھی جاتی لوگ ہاتھ دھو کر اس کے پیچھے پڑجاتے تھے وہ کئی بار سخت زخمی بھی ہوئی مگر مری نہیں بھیانک ویرانہ اس کا ٹھکانہ تھا میں اسی جگہ کھڑا دیکھ رہا تھا ہجوم بہت دور نکل گیا تھا۔

دوری کے سبب ام الاجل نگاہ سے اوجھل ہوچکی تھی شور بھی دب چکا تھا میں نے اپنا رخ پھیرا پشت پر جنگل کی شہزادی موجود تھی اس کے چہرہ پر اداسی آنکھوں میں غم کی جھلک موجود تھی اس کے پتلے پتلے ہونٹوں پر پپڑی جمی ہوئی تھی اس کے خوب صورت چہرہ کی موجودہ حالت سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ گویا اس وقت اس کی روح کو کچل دیا گیا ہے۔

''آؤ..... اندر چلیں۔''

وہ اس وقت حد درجہ رنجیدہ تھی ہم دونوں صحن میں واپس پہنچ گئے اس نے اپنی لرزتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''یہ بدنصیب عورت کون تھی؟'' اس نے سوال کیا۔

''ام الاجل..... ہم اور قرب و جوار کے تمام لوگ اس عورت کو اسی نام سے پکارتے ہیں۔''

ام الاجل..... بڑا عجیب نام ہے آخر یہ ہے کون؟ اور لوگ اس سے بری طرح کیوں مارتے ہیں؟''

میں نے دیوار کا سہارا لے کر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''بیٹی ام الاجل نہایت منحوس عورت ہے ایسی منحوس کہ جس بستی سے ایک مرتبہ گزر جائے اسی جگہ وبا پھوٹ پڑتی ہے لوگ مرنے لگتے ہیں گھر کے گھر خالی ہوجاتے ہیں۔''

میرا خیال ہے کہ اس کی نحوست کی وجہ سے اس کا نام ام الاجل پڑگیا ہے۔ یہ عورت جس آبادی میں بھی داخل ہوگی اس کا وہاں یہی حشر کیا جائے گا..... بچہ بچہ اس کو جانتا ہے..... اس کا آنا..... گویا موت کا آنا ہے۔''

''ام الاجل.....'' اس عورت نے کہا۔ ''کیا یہ واقعی منحوس ہے..... میرے خیال میں تو یہ محض لوگوں کا وہم ہے..... وہ غریب تو بظاہر خود بھی لب گور ہے۔''

''لب گور.....؟ نہیں نہیں بیٹی..... وہ بڑی سخت جان سنگ باری کے وقت وہ لہولہان ہوجاتی ہے جگہ جگہ سے اس کا جسم پھٹ جاتا ہے لیکن سخت جان بڑھیا ایسی حالت میں بھاگتی رہتی ہے وہ نہ بیمار پڑتی ہے اور نہ مرتی ہے البتہ وہ جس قصبہ یا دیہات سے گزرتی ہے اپنی نحوست کا تحفہ ''موت'' چھوڑ جاتی ہے..... ہاں تو میرا کہنا یہ ہے کہ اب ام الاجل کی نحوست کو محض وہم کہہ کر نظر انداز کردینا کسی طرح بھی ممکن نہیں ہے۔''

''بڑی عجیب عورت ہے۔'' وہ بڑبڑائی۔ ''میں نہیں سمجھتی کہ اس کے اور نحوست کے درمیان کسی قسم کا تعلق ہے خدا اس پر اور ہم سب پر رحم کرے۔''

میں نے کہا۔ ''بیٹی اس عورت کو اگر متوقع سنگ باری کا خوف ہو تو وہ کیوں ویرانے سے نکل کر آبادی کا رخ کرے..... وہ خود آتی ہے اور اپنے جلو میں ہم لوگوں کے لئے موت و ہلاکت بھی لاتی ہے؟''

''ہوسکتا ہے کہ وہ پاگل ہو..... اور اس کا جنون ہی اسے بھی بستی کی طرف کھینچ لاتا ہو.....'' اچانک اس عورت کی آنکھیں غیر معمولی طور پر چمک اٹھیں اس نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

''کیا یہ ممکن ہے کہ موت اور ہلاکت اس بے پناہ سنگ باری کا جواب ہو جو اس فاترالعقل عورت پر کی جاتی ہے..... ظلم ہمیشہ اپنی موت کو نزدیک لے آتا ہے.....''

''اعمال کا سزا ضرور ملتی ہے..... میرے خیال میں جو لوگ بڑھیا کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتے ہیں وہ خود ہلاک ہوجاتے ہیں..... اب کوئی اسے ام الاجل کہے یا ہلاکت کی وادی..... اس کی ذمہ داری اس پر عائد نہیں ہوتی۔''

گفتگو کا سلسلہ ابھی اسی جگہ تک پہنچا تھا کہ

نسرین نے آنکھیں کھولیں اور وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

عورت نے اسے گود میں اٹھاتے ہوئے پوچھا۔

''کیا نیند پوری ہوگئی؟''

''جی ہاں......'' وہ اس عورت کے بالوں کی ایک لٹ کو اپنی انگلیوں سے چھیڑنے لگی میں ابھی تک جنگل کی شہزادی کا جائزہ لینے میں محو تھا۔''

میرا قیاس ہے کہ اس پراسرار نازنین کی روح مضطرب اور دل دردمند تھا وہ اپنی اداسی اور ملال کو چھپانے کے لئے نسرین کی طرف متوجہ ہوگئی تھی اس کا رخ بھی دوسری طرف ہوگیا تھا وہ اتنی عجیب عورت تھی کہ جو اپنا ہر معاملہ پردہ راز میں رکھنا چاہتی تھی میں نے اپنی مداخلت سے اسے پریشان کرنا غیر مناسب سمجھا وہ کچھ دیر تک نسرین سے باتیں کرتی رہی اس کے بعد اس نے اس کا ہاتھ منہ دھلایا وہ اس کی گود سے نکل کر کھیلنے لگی۔

اسی اثنا میں وہ لوگ بھی واپس آگئے جو ام الاجل کے تعاقب میں گئے تھے ان کے بولنے کی آوازیں آرہی تھیں۔

نسرین تازہ دم ہوچکی تھی وہ اچھل کود سے ہم دونوں کا دل بہلا رہی تھی اس روز اس عورت نے کھانا جلدی تیار کرلیا اور وہ دوسرے روز آنے کا وعدہ کرکے ایک گھنٹہ پیشتر اس جگہ سے چلی گئی اس کے چلے جانے کے بعد میں دیر تک اس معاملے پر غور کرتا رہا۔

ام الاجل ایک ایسی قابل نفرت عورت تھی کہ جس کے لئے کسی کے دل میں ہمدردی یا محبت نہ تھی ہم میں ہر ایک یہ ہی چاہتا تھا کہ وہ اپنے منحوس جسم کو کبھی بھی اس بستی میں نہ لائے لیکن اس کے دل میں اس بڑھیا کے لئے ضرور ہمدردی موجود تھی اس وقت جب کہ سنگ باری کا عمل جاری تھا جنگل کی شہزادی ضرور کڑھ رہی تھی آخر کیوں؟ کیا وہ اس بڑھیا سے واقف تھی؟ لیکن میں اس کے لئے قطعی فیصلہ نہ کرسکا۔

شام کے وقت جب کہ ہوا میں خنکی پیدا ہوچکی تھی اور سورج کے غروب ہونے میں زیادہ وقت نہ تھا سرور بھی واپس آگیا اس نے آتے ہی پوچھا۔''وہ عورت کہاں ہے؟''

''آج وہ جلدی چلی گئی ہے۔''میں نے جواب دیا۔

''افسوس میں تو محض اس کا شکریہ ادا کرنے کے لئے جلدی آگیا ہوں لیکن وہ پھر بھی نہیں ملی۔''

نسرین نے کہا۔''ابا جان...... وہ کہتی تھیں کہ اس میں شکرگزاری کی کچھ بھی ضرورت نہیں آپ ناحق اتنا خیال کررہے ہیں۔''

''بیٹی......'' سرور نے دونوں بازوؤں کو دراز کرکے اس کو گود میں اٹھالیا اور اس کی چمکتی ہوئی پیشانی کو چومتے ہوئے کہا۔

''بیٹی پھر بھی ہمیں اپنے بلند اخلاق سے کام لینے کی ضرورت ہے۔''

اس وقت جب کہ ہلکی سی تاریکی پھیلنے لگی تھی بستی کے لوگ قصر احمر میں جمع ہوگئے وہ محض ام الاجل کے سلسلے میں غور کرنے کے لئے آئے۔ان لوگوں میں بستی کا سب سے بوڑھا شخص عبداللہ بھی تھا جس کی عمر کسی طرح ڈیڑھ سو برس سے کم نہ ہوگی۔

اس نے رائے دی کہ ام الاجل کی نحوست کو اس بستی سے دور رکھنے کے لئے دعا مانگی جائے۔''

اس منحوس بڑھیا کے متعلق بابا عبداللہ کو جو کچھ معلوم تھا وہ بھی بہت کم تھا۔عام روایت یہ تھی کہ تقریباً دو سو برس پہلے ایک خوفناک زلزلے کے جھٹکے سے ایک پہاڑی پھٹ گئی تھی اور یہ بڑھیا جو منحوس کہلاتی ہے اس وقت بھی بڑھیا تھی جو پتھروں پر زخمی حالت میں پائی گئی جس بستی میں اس کی تیمارداری کی گئی وہاں ایسی بیماری اُمڈ پڑی کہ ویرانی ناچنے لگی۔

اس ناخوشگوار واقعہ نے اس کی نحوست کو زبان زد خاص و عام کردیا۔

اس کے بعد......اس کی شدید نحوست کے بے شمار ثبوت فراہم ہوگئے اور لوگوں نے اس کو''ام الاجل'' کے نام سے پکارنا شروع کردیا۔

(جاری ہے)



# برگد کا پیڑ

انوری رمضان۔پنڈ دادن خان

**ڈھانچے سے لڑکی مخاطب ہوئی میں تم سے شادی کرنے کے لئے تیار ہوں اور پھر لڑکی نے اپنے ہاتھ میں موجود تعویذ کو ڈھانچے کی گردن میں ڈال دیا کہ اچانک ڈھانچے میں سے دھواں نکلنے لگا کہ پھر اچانک......**

رات کے گھٹاٹوپ اندھیرے میں جنم لینے والی عجیب وغریب......خوفناک......خونی کہانی

**رات** کے بارہ بج رہے تھے۔ آج پھر کوٹھی کے ملازمین اس کی چیخ و پکار سے جاگ اٹھے تھے اور گھبرائے ہوئے ادھر سے ادھر بھاگ رہے تھے۔ دو ملازماؤں نے اسے ہاتھوں سے مضبوطی سے پکڑا ہوا تھا مگر اس میں تو طوفانی طاقت آئی ہوئی تھی۔ منہ سے جھاگ نکل رہا تھا۔ آنکھوں کی پتلیاں اوپر کی طرف چڑھی ہوئی تھیں۔ ہاتھ اور پیر مخالف سمت میں مڑے جا رہے تھے۔ ملازموں کی جگہ کوئی اور ہوتا تو کب کا گھبرا کے بھاگ چکا ہوتا۔ مگر انہیں عادت تھی، آئے دن اس کی ایسی حالت دیکھنے کی...... عین اسی لمحے گیراج میں گاڑی رکنے کی آواز سنائی دی۔ ساتھ ہی دیوہیکل گیٹ بھی بند ہونے کی آواز آ رہی تھی۔ گاڑی رکتے ہی ملازموں نے جیسے سکھ کا سانس لیا۔

تھری پیس سوٹ میں ملبوس قدرے فربہی فائل

درمیانی عمر کا پروجاہت مرد تقریباً بھاگتا ہوا گھر کے اندر داخل ہوگیا۔

''کدھر ہے ماہ رخ؟ اس نے کوئی نقصان تو نہیں پہنچایا اپنے آپ کو؟''

''اوپر ہیں صاحب جی.....'' اب تو بے ہوش ہوگئی ہیں بی بی۔''

وہ گھبرایا ہوا ماہ رخ کے کمرے میں داخل ہوا۔ بیڈ پر وہ نڈھال سی پڑی تھی۔ بند آنکھوں کے پپوٹوں پر سرخی نے راج قائم کیا ہوا تھا۔ کندھوں تک تراشیدہ بال آپس میں بری طرح الجھے ہوئے تھے۔ چہرے کی رنگت بھی زرد پڑ چکی تھی۔

''میری بچی.....'' وہ بے اختیار ماہ رخ پر جھکے اور اس کے پسینے سے تر پیشانی پر بوسہ دیا۔

''صاحب جی! بی بی کو ایک دم دورہ پڑا تھا۔ ہم نیچے اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے کہ چیخوں کی آواز سن کر دوڑتے ہوئے اوپر آئے تو بی بی کی حالت غیر تھی۔'' صفوراں گیلے ہاتھ کو دوپٹے کے پلو سے پونچھتے ہوئے بولی۔

''میری بات مان لیں صاحب جی۔ ماہ رخ بی بی کو کسی پیر بابا کے پاس لے جائیں۔ یہ ڈاکٹر واکٹر کا کام نہیں ہے۔ ڈاکٹر کے پاس بی بی کا علاج نہیں ہے۔'' ساٹھ کے پیٹے میں پیر رکھتے گل خان کے چہرے پر ابھی بھی نوجوانوں جیسی سرخی قائم تھی۔

انہوں نے بے بسی سے گل خان کی طرف دیکھا اور جھکے ہوئے کندھوں کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے اور جتنی تیزی سے کمرے کے اندر داخل ہوئے تھے اتنی ہی ست رفتاری سے مرے ہوئے قدموں کے ساتھ کمرے سے باہر نکل گئے۔

''صاحب جی! آپ کی چائے.....'' گل خان نے نفیس اور علیٰ پرچ پیالی ان کے ہاتھوں میں تھمائی۔

''میں ماہ رخ کو کسی پیر کے حوالے نہیں کر سکتا گل خان۔ کل کو اس کی شادی بھی کرنی ہے میں نے اور پھر تمہیں پتہ تو ہے کہ یہ پیر ٹائپ کے جو لوگ ہوتے ہیں ہر ایک کے اوپر سایہ بتا دیتے ہیں، ہر ایک گھر کے اوپر جادو بتا دیتے ہیں، ہر ایک کے رشتے کی راہ میں رکاوٹ بتا دیتے ہیں۔ میں بہت اچھی طرح سے جانتا ہوں ان لوگوں کو۔ نہ جانے کیا کیا کہہ دیں گے میری بچی کے بارے میں۔'' بیٹی کی حالت پر وہ کافی متفکر سے نظر آرہے تھے۔ ماتھے پر بھی سوچ کی بیشتر لکیریں ابھر آئی تھیں اور وہ بار بار اپنی پیشانی مسل رہے تھے۔

''لیکن صاحب جی! آپ یہ بھی تو دیکھو ناں، پہلے ماہ رخ کتنا خوش تھا، کتنا ہنستا بستا.....سب کو ہنساتا پھرتا تھا۔ اب ایسا اچانک کیا ہوگیا کہ دو مہینوں کے اندر اندر ماہ رخ گھل کر رہ گیا۔ ڈاکٹر کہتا ہے کہ وہ ٹھیک ہے، اس کو کوئی بیماری نہیں، اگر ڈاکٹر کا بات مان لیں تو پھر بی بی کا ایسا حالت کیوں ہے۔ اس سوال کے جواب کے واسطے ہم کو پیر بابا کے پاس جانا پڑے گا۔'' گل خان ابھی بھی اپنی بات پر قائم تھا۔

ماہ رخ چار سال کی تھی جب اس کی والدہ کا انتقال ہوا۔ شفقت علی کا بزنس وسیع پیمانے پر پھیلا ہوا تھا۔ بیوی سے بے مثال محبت کی بنا پر انہوں نے دوسری شادی تو نہ کی البتہ ماہ رخ کے لئے وقت بہت مشکل سے نکال پاتے، مجموعی طور پر ماہ رخ کو گل خان اور ملازموں نے ہی پالا تھا۔ گل خان کے جاتے ہی شفقت علی ماضی کی اتھاہ گہرائیوں میں اترتے چلے گئے۔

''یس می لارڈ..... آپ کے حکم کی تعمیل کی جائے گی، میں اپنا پورا خیال رکھوں گی۔'' ماہ رخ نے اپنا آپ کسی مودب وکیل کے انداز میں باپ کے آگے سر جھکایا۔ جس پر شفقت علی اپنے منہ سے بلند ہونے والے قہقہے کو نہ روک سکے۔

''ماہ رخ بیٹا.....تمہارے بغیر یہ گھر کاٹ کھانے کو دوڑتا ہے مجھے۔ کیا ٹرپ پہ جانا ضروری ہے تمہارا؟'' اب وہ دوبارہ فکرمند سے نظر آئے۔

''آپ پریشان نہ ہوں بابا، میرا بس آخری سال ہے پڑھائی کا، اس کے بعد تو ہر وقت آپ کے ساتھ.....'' وہ مسکراتے ہوئے باپ کے بازو کے ساتھ

لگ گئی۔

''اوکے بیٹا! اجازت ہے آپ کو۔'' بالآخر وہ ہار مان گئے۔

''ہرے......'' ماہ رخ نے دونوں ہاتھ فضا میں بلند کرکے وکٹری کا نشان بنایا اور بھاگتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔ وہ اپنے دوستوں کو اجازت ملنے کی خوشخبری سنانے کے لئے بھاگی تھی۔ شفقت علی نے مسکراتے ہوئے اسے جاتا دیکھا اور اخبار کھول کر پڑھنے لگے۔

صبح کے سفید اجالے چار سو پھیل رہے تھے۔ پرندوں کی آوازیں ماحول کو خوشگوار بنارہی تھیں۔ پورچ میں گاڑی کا انجن اسٹارٹ ہونے کی آواز گونجی تھی۔ بلیک جینز اور ریڈٹی شرٹ میں ملبوس دبلی پتلی سی ماہ رخ بالوں کو جھٹکتے ہوئے کوٹھی کے ان ڈور سے نکل کر آئی اور برق رفتاری سے گاڑی میں بیٹھی۔ سامان ملازمین پہلے ہی پچھلی نشست پر رکھ چکے تھے۔ بیک مرر سے دیکھتے ہوئے اس نے ٹیرس پہ کھڑے نائٹ گاؤن میں ملبوس شفقت علی کو دیکھتے ہوئے ہاتھ ہلایا۔ جواباً انہوں نے بھی ہاتھ ہلایا اور دیکھتے ہی دیکھتے گاڑی کوٹھی کا مین گیٹ کراس کرتی ہوئی باہر نکل گئی اور منزل مقصود کی جانب رواں دواں ہوگئی۔

''واؤ...... کتنا خوب صورت نظارہ ہے۔''

''یہ آبشار دیکھو، یوں لگ رہا ہے شیشہ اتر رہا ہے زمین پر۔''

''اس جنگل میں تو ضرور ہر بیماری کے علاج کی جڑی بوٹیاں ہوں گی۔''

''سر! ہم نیکسٹ ٹائم بھی اسی جگہ کو منتخب کریں گے ٹرپ کے لئے۔''

اسٹوڈنٹس کے بولنے کی آواز اس جنگل کے گھنے درختوں میں گونج رہی تھیں۔ شام کے سائے ہولے ہولے پھیل رہے تھے۔ اب سبھی کو واپسی کی سوجھی۔

''ثانیہ یہ کیمرہ پکڑو، میں اوپر چڑھنے لگی ہوں، میری تصویر بنانا۔'' ماہ رخ نے اپنا ڈیجیٹل کیمرہ ثانیہ کے ہاتھ میں پکڑایا اور جھک کر اپنے اسپورٹس شوز کے تسمے کس کر باندھنے لگی۔ ثانیہ اچھی طرح بھانپ چکی تھی کہ اب ماہ رخ کا ارادہ درخت کی شاخوں پر لٹک کر تصویر بنوانے کا تھا۔

''یار تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے۔ سب وین میں بیٹھنے لگے ہیں۔ ہمیں دیر ہوجائے گی۔'' ثانیہ کے لہجے میں خفگی اتر آئی تھی۔

''بنادو تصویر! کیا جائے گا تمہارا؟'' پلک جھپکتے ہی وہ درخت کی موٹی سی شاخ پر بڑے ماہرانہ انداز میں اپنا توازن قائم کئے براجمان تھی۔

کلک کی آوز کے ساتھ ہی ماہ رخ نے نیچے جمپ لگادی۔ وہ بہت بہت خوش تھی۔ تصویریں بنانے کے اس کے انداز ہمیشہ ایسے ہی نرالے ہوتے تھے۔ شام کے اندھیروں کی راجدھانی قائم ہوچکی تھی۔ وین میں ہنستے مسکراتے اسٹوڈنٹس کو یہ قطعی احساس تک نہ تھا۔

ماہ رخ کے کندھوں پر دو غیر انسانی ٹانگیں لٹک رہی تھیں۔ دوسروں کو گپ شپ سے محظوظ کرتی ماہ رخ بھی اپنے کندھوں پر یکدم بڑھنے والے توازن سے کچھ پریشان سی تھی۔

☆......☆......☆

ٹوٹی پھوٹی سڑک پر سیاہ رنگ کی بگھی جسے دو سفید گھوڑے کھینچ رہے تھے۔ ہچکولے کھاتی آگے بڑھ رہی تھی۔ کارپیتھیا کا یہ علاقہ اپنے گھنے خوفناک جنگلوں کے علاوہ دلکش سبزہ زار کی وجہ سے توجہ کا مرکز تھا لیکن اس علاقے کی سڑکیں اور راستے بے حد شکستہ حالت میں تھے۔ اس لئے بہت کم لوگ ادھر کا رخ کرتے تھے۔ بگھی میں بیٹھے چاروں مسافر بڑی بے چینی سے پہلو بدل رہے تھے۔ ناہموار سڑک کی وجہ سے بگھی سڑک پر بری طرح اچھل رہی تھی۔ باہر شام کے سائے گہرے ہورہے تھے۔ چارلس کے بے حد اصرار پر ان لوگوں کو یہاں آنا پڑا تھا۔ ان کے بدن کی ہڈیاں بری طرح دکھ رہی تھیں اور وہ دل ہی دل میں یہ دعا مانگ رہے تھے کہ یہ سفر جلدی ختم ہو۔ چند لمحوں بعد بگھی رک گئی اور ان کے دلوں کی دھڑکنیں ایک دم اتھل پتھل ہوگئیں۔ راستہ کھونے کا خوف بار بار

ان کے دلوں میں موجزن تھا۔ لیکن ان کے خوف اور شکوک بے معنی ہوگئے کیونکہ بگھی ایک سرائے کے سامنے آ کر رکی تھی۔ کوچوان کود کر نیچے اترا اور دروازہ کھول دیا۔ سب کے چہروں پر ایک دم بشاشت آ گئی۔ بجلی کی سی تیزی سے وہ سب نیچے اترے۔ سرائے کا مالک بہت خوش اخلاق تھا۔ اس نے اپنے مہمانوں کا بہت پرتپاک استقبال کیا۔ سب سے پہلے ان سب کو گرم قہوہ پیش کیا گیا۔ اس کے بعد اشتہا انگیز کھانے کا دور چلا۔ سرائے کا مالک یوں گھل مل کر ان سے گفتگو کر رہا تھا جیسے ان ہی کے خاندان کا ایک فرد ہو۔ اعلیٰ قسم کے تمبا کو اور قہوے کی مہک نے ماحول کو خوشگوار بنایا ہوا تھا۔

اس تفریحی دورے کا پروگرام چارلس نے بنایا تھا۔ وہ شروع سے ہی سیر اور گھومنے پھرنے کا دلدادہ تھا۔ شکم سیر ہو کر سرائے کے تمام مہمانوں نے سونے کا پروگرام بنایا، ابھی وہ لوگ ہال سے نکل کر اپنے کمروں کی طرف بڑھ ہی رہے تھے کہ سرائے کا صدر دروازہ ایک دھماکے کے ساتھ یوں کھلا جیسے کسی نے بھرپور ٹھوکر ماری ہو۔ سرائے میں موجود تمام افراد کے جسم میں سردی کی لہر سی دوڑ گئی۔ دروازے کے عین بیچوں بیچ ایک لمبا چوڑا دیو ہیکل راہب کھڑا تھا۔ اس نے تیزی سے اندر آ کر دروازہ واپس بند کیا۔

ابھی وہ کرسی پر آ کر بیٹھا ہی تھا کہ یکا یک اس کے سر سے ایک چیز ٹکرائی۔ اس نے گھبرا کر اوپر دیکھا وہاں کسی نے لہسن کی ایک پوتھی سیاہ ڈوری سے باندھ کر لٹکا رکھی تھی۔ اس نے بڑے وحشیانہ انداز میں اس پوتھی کو توڑ دیا۔

''احمق کہیں کے...... خبیث بدرحوں، شیطانی خون آشام عفریتوں کے علاوہ مافوق الفطرت طاقتوں سے سرائے کو محفوظ رکھنے کا یہ کون سا طریقہ ہے۔ آخر تم لوگوں کی کھوپڑیوں میں کیا بھوسہ بھرا ہوا ہے۔ اب یہ سب چیزیں ختم ہو چکی ہیں۔ ابھی یہاں آنے سے پہلے صرف کچھ دیر پہلے ایک معصوم بچے کی لاش کو اس عذاب سے نجات دلائی وہ کم عقل لوگ اسے جلا ڈالنے پر مصر تھے۔ آخر ہم کب تک توہمات کا شکار ہوتے رہیں گے۔'' ہال میں چھائی مکمل خاموشی اور لوگوں کو ڈرا سہا دیکھ کر راہب کا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا اور وہ نرم آواز میں بولا۔

''میں کلین برگ کے سب سے بڑے گرجا کا پادری ہوں اور آپ لوگوں کا حقیر خادم۔''

''فادر آپ یہ گرم گرم قہوہ لیں۔'' چارلس نے نہایت مودبانہ انداز میں پیالی فادر کی طرف بڑھائی۔

''تم لوگ کہاں جا رہے ہو مائی چائلڈ؟'' فادر نے سوال داغا۔

''جوزف سیاد......'' دوسری طرف سے مختصر جواب آیا۔

''وہاں مت جاؤ۔ وہاں جانا خطرے سے خالی نہیں ہوگا۔'' راہب نے قہوے کی چسکی بھرتے ہوئے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

''مگر کیوں فادر؟'' چارلس کا دوست ہنری بولا۔

''میرے بچو! میں خود بھی توہمات کا قائل نہیں رہا ہوں۔ مگر اس جگہ جانا خطرے سے خالی نہ ہوگا۔ وہ جگہ بدروحوں کا مسکن ہے۔ وہاں کے رہنے والے لوگ بھی تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتے۔ اور اگر اس سب کے باوجود بھی تم لوگ وہاں جانا چاہتے ہو تو جوزف سیاد میں موجود ایک قلعے کے پاس ہرگز مت جانا۔''

''کون سا قلعہ؟ ہمارے پاس جوزف سیاد کا نقشہ موجود ہے۔ اس میں تو قلعہ نام کی کوئی چیز نہیں۔'' پیٹرک سراسیمہ ہو کر بولا۔

''ضروری نہیں جو چیزیں نقشے میں نہ ہوں وہ حقیقت میں بھی نہ ہوں۔ بہرحال تم اس قلعہ سے دور رہنا۔ مجھے ابھی بہت آگے تک جانا ہے۔ میں یہاں رات تلک نہیں رک سکتا۔ گرم قہوے کی طلب لائی تھی یہاں تک، میں چلتا ہوں اب۔'' یہ کہہ کر راہب اٹھا اور سرائے کا صدر دروازہ کھول کر باہر چلا گیا۔ رفتہ رفتہ اس کے گھوڑے کی ٹاپیں دور ہوتی گئیں۔

''کیا جوزف سیاد میں کوئی قلعہ بھی ہے؟'' چارلس نے گھبرا کر سرائے کے مالک سے پوچھا۔ مالک نے بڑا

گول مول سا جواب دے کر جان چھڑانی چاہی۔ جس پر چارلس اور اس کے دوست سمجھ گئے کہ سرائے کا مالک ان سے کچھ چھپانا چاہتا ہے اور بے حد خوفزدہ بھی ہے۔ بہرحال وہ سب اپنے اپنے کمروں میں جاکر سو گئے۔

دوسرے دن صبح سویرے اٹھ کر وہ سب ایک بار پھر بگھی میں آموجود ہوئے۔ کافی دیر تک چلنے کے بعد بالآخر کوچوان نے بگھی روک دی۔ انہوں نے روکنے کی وجہ پوچھی تو جواب ملا۔ ''باقی کا راستہ تھوڑا ہی رہ گیا ہے۔ آپ لوگ پیدل طے کرسکتے ہیں۔ میں ایک انچ بھی آگے بگھی لے کر نہیں جاؤں گا۔''

چارلس اور اس کے دوست بگھی سے نیچے اتر آئے۔ نظروں سے کچھ ہی فاصلے پر ''جوزف سیاڈ'' کا بورڈ لگا ہوا تھا اور اس سے کچھ ہی آگے ایک قلعہ اپنی پوری شان و شوکت کے ساتھ کھڑا تھا۔

''کیا تم اس قلعہ کے بارے میں کچھ جانتے ہو؟'' چارلس نے کوچوان سے سوال کیا۔ جس پر کوچوان نے اپنی نظریں چرانا شروع کردیں اور قلعہ کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہ کیا۔ چارلس کے سبھی دوست اب بگھی سے اتر آئے تھے۔ وہ حیرانی سے کبھی قلعہ کو اور کبھی اردگرد کے ماحول کو دیکھ رہے تھے کہ اتنے میں بگھی کے پہیے چرچرانے کی آواز آئی۔ انہوں نے گھبرا کر اس سمت میں دیکھا تو کوچوان بگھی واپس موڑ رہا تھا۔ وہ گھبرا کر بگھی کی طرف بھاگے۔ مگر تب تک بگھی کے گھوڑے اپنی رفتار خاصی تیز کرچکے تھے۔

''میں کل صبح سورج نکلنے کے دو گھنٹے بعد یہاں آؤں گا اور تم لوگوں کو یہاں سے واپس لے جاؤں گا۔ بس شرط یہ کہ تم لوگ مجھے کل زندہ ملو۔'' طوفان کی سی رفتار سے دوڑتی بگھی کی کھڑکی سے سر نکال کر کوچوان نے سفاکی سے مسکرا کر کہا اور الوداعی ہاتھ ہلا کر سر واپس اندر کرلیا۔ اب یہ چاروں دوست اس ویرانے میں بے آسرا کھڑے تھے۔

☆......☆......☆

شفقت علی نے ماہ رخ کو دیکھتے ہی گلے لگایا۔

''کیسا رہا ٹرپ؟'' انہوں نے پوچھا۔

''کافی انجوائے کیا۔ بابا میں فریش ہوجاؤں۔ آپ اتنے تک کھانا لگوالیں۔''

وہ بے دلی سے مسکرائی اور سیڑھیاں چڑھتی ہوئی اوپر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ واش روم میں آکر اس نے اپنے آپ کو آئینے میں بغور دیکھا۔ اس کے کندھوں پر کافی بوجھ تھا۔ کندھے بہت دکھ رہے تھے۔ وہ اپنے کندھوں کو بغور شیشے میں دیکھ رہی تھی اور انجانے میں ہاتھ پھیرتے ہوئے جیسے کچھ کھوجنے کی کوشش کررہی تھی۔ بالآخر اس نے باتھ ٹب کی ساری ٹونٹیاں کھولیں اور اس میں پاؤں اتارا۔ ابھی پاؤں رکھا ہی تھا کہ اس کا پاؤں بری طرح سے پھسلا اور وہ اوندھے منہ باتھ ٹب میں جاگری۔ پانی ابھی گرنا ہی شروع ہوا تھا۔ اس کا منہ ڈائریکٹ ٹب سے ٹکرایا اور سامنے کے دانت بری طرح سے ہل گئے۔ خون اس کے دانتوں سے رس رس کر باہر آرہا تھا۔ اس نے جیسے ہی آواز دینے کے لئے منہ کھولا اور پکارنا چاہا تو سامنے کے دو دانت لپک کر زمین پر آگرے اور اچھلتے ہوئے باتھ ٹب میں جاگرے۔ وہ ہمت کرکے کھڑی ہوئی۔ ٹونٹیاں بند کیں۔ کپڑے پہنے اور ٹشو سے اپنا منہ صاف کرنے لگی۔

''ماہ رخ بی بی...... کھانا لگ چکا ہے۔'' صفوراں دروازے کے باہر سے بولی۔

''آتی ہوں......'' بمشکل اس نے کہا اور دروازے سے باہر آگئی۔

''کیا ہوا بیٹا؟'' شفقت علی اسے نڈھال سا دیکھ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ ''واش روم میں گر گئی تھی بابا۔'' ماہ رخ نے آہستہ سے کہا اور کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔

''کھانا کھالو۔ پھر میں تمہیں دندان ساز کے پاس لے جاتا ہوں۔ سامنے کے دونوں دانت تو بالکل ہی نکل گئے تمہارے۔'' وہ فکرمند سے ہوکر بولے۔ ''بابا مجھ سے کھانا نہیں کھایا جارہا۔ بہت درد ہورہا ہے۔'' ماہ رخ ہونٹوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولی۔ ساتھ ہی اٹھ کھڑی ہوئی مگر جیسے ہی وہ کھڑی ہوئی ایک دم سے زمین پر گرتی چلی گئی تو شفقت علی گھبرا کر کرسی کھینچ کر اٹھے اور اس کی

جانب بڑھے۔

''میرے کندھوں پر کچھ ہے بابا۔ اسے اتاریں۔ اف یہ بوجھ۔ مجھ سے اٹھا نہیں جارہا۔ میرے کندھے ٹوٹ جائیں گے بابا، یوں جیسے کسی نے کافی وزن ڈال دیا ہو میرے کندھوں پر......'' نیم بند آنکھوں کے ساتھ اس نے ٹوٹ ٹوٹ کر جملے بولے اور ہوش کی وادی سے بیگانہ ہوتی چلی گئی۔

☆......☆......☆

دور فاصلے پر قلعہ کی چند کھڑکیوں سے چمکتی ہوئی روشنی تاریک رات میں ستاروں کی طرح لگ رہی تھی۔ دور سے قلعے کی عمارت بڑی پرانی اور بوسیدہ نظر آرہی تھی۔

''قلعہ تو واقعی موجود ہے جبکہ نقشے میں اس کا نشان تک نہ تھا۔'' ہنری حیرت سے قلعہ کی عمارت پر نظریں گاڑتے ہوئے بولا۔ ''اس کا مطلب ہے کہ فادر نے اس قلعہ کے بارے میں سچ کہا تھا۔ ہمیں اس سے دور رہنا چاہئے۔'' ہنری ڈری ڈری آواز میں بولا۔

''میرا خیال ہے ہمیں رات گزارنے کے لئے اس قلعہ میں نہیں جانا چاہئے۔ وہ دیکھو ایک جھونپڑی نظر آرہی ہے۔ ہم وہاں آگ کا الاؤ روشن کرکے رات آرام سے گزار سکتے ہیں۔'' چارلس نے ایک خاص سمت میں اشارہ کیا۔ جھونپڑی تک پہنچ کر انہوں نے دروازے پر دستک دی لیکن جواب ندارد۔ تنگ آکر انہوں نے دروازے کو دھکا دیا تو وہ ایک ہلکی سی چرچراہٹ کے ساتھ کھلتا چلا گیا۔ جھونپڑی اندر سے خالی تھی۔ ویران، اداس اور بے آباد...... ایک کونے میں خشک اور سوکھی لکڑیوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ جیسے کسی نے ان کی آمد کے پیش نظر پہلے سے انتظام کررکھا ہو۔ انہوں نے لکڑیاں جلا کر آگ کا الاؤ روشن کیا تو ماحول میں کچھ حرارت پیدا ہوئی۔ وہ سب آگ پر ہاتھ تاپ رہے تھے کہ اتنے میں انہیں گھوڑوں کے ٹاپوں کی آوازیں آنا شروع ہوگئیں۔

''اتنے ویرانے میں کون آسکتا ہے ادھر؟'' ہنری اٹھ کر کھڑا ہوا گیا۔

''چلو باہر چل کر دیکھتے ہیں۔'' فرانزک نے کہا اور سبھی اٹھ کر اس کی تقلید میں جھونپڑی سے باہر آگئے۔ باہر ایک الگ ہی منظر ان کا منتظر تھا۔ شام کے دھندلکے میں قلعہ کی طرف سے ایک بگھی انہیں اپنی طرف آتی دکھائی دی۔ بگھی عین ان کے پاس آکر رک گئی۔ یہ دیکھ کر ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ بگھی بغیر کوچوان کے تھی۔

''اس ویرانے میں یہاں جھونپڑی میں پڑا رہنے سے اچھا ہے کہ ہم سب اس بگھی میں سوار ہوکر قلعے میں چلتے ہیں۔ جھونپڑی کا دروازہ مضبوط نہیں ہے۔ اگر کوئی جنگلی جانور آگیا تو ہم سب کو کچا کھا جائے گا۔'' چارلس نے بگھی کا دروازہ کھولا۔

''نہیں ہم قلعہ میں نہیں جائیں گے۔ ہم جوزف سیاد جائیں گے۔'' ہنری فیصلہ کن ہوکر بولا۔

''اچھا بابا جوزف سیاد ہی جائیں گے۔ تم سب لوگ بیٹھو تو سہی۔'' چارلس نے اب گھوڑوں کی لگامیں تھام لیں۔ آہستہ آہستہ کرکے سب بگھی میں بیٹھ گئے۔ ان کے سامنے دو سڑکیں تھیں۔ ایک قلعہ کی طرف جارہی تھی۔ دوسری جوزف سیاد کی طرف...... چارلس نے گھوڑوں کا رخ قلعہ کی سڑک پر سے ہٹا کر جوزف سیاد والی سڑک پر کردیا۔

لیکن یہ دیکھ کر اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب گھوڑے خود بخود قلعہ کی طرف جانے والی سڑک کی طرف مڑ گئے۔ اس نے گھوڑوں کو بہت چابک مارے۔ مگر ان پر تو جیسے کچھ اثر ہی نہ ہورہا تھا۔ چارلس کے تو جیسے کاٹو تو بدن میں لہو نہیں...... پیچھے بگھی کے بند درازوں میں بیٹھے باقی تین دوستوں کو معاملے کی نزاکت کا کچھ علم نہ تھا۔ اس نے اونچی آواز لگا کر پیچھے بیٹھے دوستوں کو اپنی جانب متوجہ کیا۔ بگھی کی کھڑکیاں کھلیں اور حیران پریشان دوستوں کے چہرے اس میں سے برآمد ہوئے۔

''ہمیں گھوڑے قلعہ کی طرف لے جارہے ہیں، ہمیں کودنا چاہئے۔'' پیٹرک نے فوراً چھلانگ لگائی؟

''نہیں......موت دونوں طرف ہے۔ یہاں کودے تب بھی۔ قلعہ میں گئے تب بھی۔ بہتر ہے خود کو قسمت پر

چھوڑ دیں۔‘‘ ہنری پسینہ صاف کرتے ہوئے بولا۔
’’ہوسکتا ہے فادر کی بات غلط ثابت ہو۔ قلعہ کا مالک بہت اچھا ہو، اور ہم سے اچھے طریقے سے پیش آئے۔ ہمیں سوچ کو روشن پہلو میں رکھنا چاہیے۔‘‘ فرانزک نے سب کو نیچے کودنے سے روکا۔ لیکن پیٹرک تو اپنی جان دے چکا تھا۔ قلعہ کے عین سامنے آکر گھوڑے رک گئے۔ چارلس ڈرتے ڈرتے نیچے اترا۔ اس کے ساتھ ہی باقی تینوں بھی نیچے اتر آئے۔ پیٹرک نے بڑے سے آبنوسی دروازے پر دستک کے لئے ہاتھ مارا تو دروازہ خود بخود کھلتا چلا گیا۔ وہ چاروں ڈرتے ڈرتے اندر داخل ہوئے۔ اندر داخل ہوتے ہی دروازہ خود بخود بند ہوگیا۔

یہ ایک بڑا سا ہال تھا۔ جس کے خاتمے پر ایک خوب صورت گیلری بنی ہوئی تھی۔ فرش سے لے کر گیلری تک بڑی خوب صورت اور رنگین سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں۔ دیواریں اور فرش بڑے قیمتی پتھروں سے سجائے گئے تھے۔ میزوں پر جابجا انواع واقسام کے کھانے سجے تھے۔ جیسے ان کی آمد کی اطلاع قلعہ والوں کو پہلے سے دے دی گئی ہو۔

’’ہمیں ان سیڑھیوں کے اوپر جا کر دیکھنا چاہیے۔ شاید اس قلعہ کا مالک اوپر ہو۔‘‘ فرانزک نے خیال آرائی کی۔

’’نہیں...... میری مانو تو ابھی بھاگ چلتے ہیں۔‘‘ ہنری ابھی تک ڈرا ہوا تھا۔ ’’دیکھو! جب یہاں تک آ ہی گئے ہیں تو کوئی ایڈونچر ہی کرلیں۔‘‘ یہ کہتے ہی فرانزک سیڑھیاں چڑھتا چلا گیا۔ گیلری ختم ہوتے ہی فرانزک نے خود کو کوریڈور کے سرے پر پایا۔ یہ ایک طویل راہداری تھی۔ اور راہداری کے دونوں اطراف زرد مشعلیں جل رہی تھیں اور دور تک بند کمروں کا ایک طویل سلسلہ تھا۔

یہ روح فرسا خاموشی اسے بے چین کررہی تھی۔ اگر یہ روشنیاں اور مشعلیں وغیرہ نہ ہوتیں تو وہ بھی یہ یقین کرلیتا کہ اس عمارت میں صدیوں سے کسی نے قدم نہیں رکھا۔ وہ دبے پاؤں پہلے کمرے کے دروازے پر گیا۔ دستک دی مگر اندر سے کوئی آواز نہ آئی۔ اس نے ہینڈل گھمایا تو دروازہ کھل گیا۔ کمرہ میں ملگجی سی روشنی تھی اور ایک کونے میں چند سوٹ کیس اوپر تلے رکھے تھے۔ باہر جاتے فرانزک کے پاؤں جیسے کسی نے جکڑ لئے ہوں۔ اس نے ان میں سے ایک سوٹ کیس کے اوپر لکھے ہوئے ’’چارلس‘‘ کے نام کے حروف پڑھ لئے تھے۔ وہ تیزی سے کمرے سے باہر نکلا اور گیلری میں کھڑا ہوکر نیچے دیکھنے لگا۔ جہاں پہلے ہی سب اس کی طرف متوجہ تھے۔ اس نے چارلس کو آواز دی۔ چارلس اوپر گیا تو اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا۔ جب اس نے اپنا سوٹ کیس اور اپنی شرٹ دیکھی جو بیڈ کے سرہانے تہہ کرکے رکھی ہوئی تھی۔ اس کی آنکھیں خوف اور حیرت سے پھیل گئیں۔ انہوں نے دوسرے کمرے کا دروازہ کھولا تو وہاں فرانزک کے نام کا سوٹ کیس اور شرٹ تہہ کرکے رکھی ہوئی تھی۔ وہ ابھی حیرت میں ہی گم تھے کہ ہال میں ایک وحشت ناک آواز گونجی۔ یہ روح فرسا چیخ ہنری کی تھی۔ وہ دونوں گھبرا کر نیچے کی طرف بھاگے تو دیکھا کہ ہال کی دیوار کے قریب ایک بلند قامت، بدصورت اور خوفناک آنکھوں والا آدمی کھڑا تھا۔ اس نے سیاہ لباس پہن رکھا تھا۔

’’مجھے افسوس ہے آپ سب لوگ خوفزدہ ہوگئے۔‘‘ وہ غیر انسانی آواز میں بولا۔

’’آپ کون ہیں؟‘‘ چارلس نے تھوک نگلتے ہوئے پوچھا۔

’’میں اپنے آقا کا غلام ہوں۔ میرے آقا کی مہمان نوازی دور دور تک مشہور ہے۔‘‘ وہ بدستور سینے پر ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔ پھر انہیں کھانے کا انتظام کرنے کا کہہ کر وہ ایک خاص سمت میں بنے کمرے میں چلا گیا۔ جو غالباً کچن تھا۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد میز پر سجے پرانے کھانے کی جگہ گرما گرم نئے کھانے لے چکے تھے۔ اعلیٰ قسم کا روسٹ، مرغ، بہترین سلاد، اعلیٰ قسم کی چٹنیاں، مصالحہ دار فنگر فش کے علاوہ آلو کے فرنچ فرائز قرینے سے سجے ہوئے تھے۔

’’تمہارا نام کیا ہے؟‘‘ فرانزک کرسی گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے بولا۔

''مارتھل......'' جواب دے کر وہ ایک کونے میں جا کر کھڑا ہوا تھا۔

''کیا تمہارے آقا ہمارے ساتھ کھانے میں شرکت نہیں کریں گے؟'' ہنری نے فنگر فش کی پلیٹ اپنی جانب کھسکائی۔

''نہیں......وہ مر چکے ہیں۔'' مارتھل کا جواب تھا یا بم بلاسٹ......سبھی کے ہاتھ میں کھانے کی پلیٹیں لرزنے لگیں۔اور سب متوحش ہو کر ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

''وہ......وہ......وہ بگھی ہمارے سوٹ کیس اوپر کمروں میں اور کھانے کا یہ انتظام...... یہ سب کس نے کیا پھر؟'' چارلس اٹکتے اٹکتے بولا۔

''یہ سب میں نے ان کے کہنے پر کیا ہے۔ یہ محل میرے آقا کا ہے۔ان کی یہ وصیت تھی کہ ان کے مرنے کے بعد ان کے محل کے دروازے اجنبیوں اور راستہ بھٹکنے والوں کے لئے ہمیشہ کھلے رہیں گے اور ان کی بہترین خاطر تواضع کا انتظام کیا جائے گا۔'' اب مارتھل میز کے پاس آ کھڑا ہوا تھا۔

''اوہ اچھا......'' سب نے بیک وقت کہا اور مطمئن سے ہو کر کھانے لگے۔ کچھ دیر بعد کھانے سے فراغت پر مارتھل کچن میں لے جا کر برتن دھونے لگا۔

''ہمیں فادر کی بات کو پس پشت نہیں ڈالنا چاہئے۔فادر نے ہمیں اس قلعہ سے دور رہنے کو کہا تھا۔'' چارلس نے سرگوشی کی۔

''اوہ شٹ اپ......فادر نے ایسا صرف اس لئے کہا تھا کہ ہمیں اپنے ساتھ کلین برگ لے جائیں۔'' ہنری نے گرم قہوے کا کپ اٹھایا۔

''ہمیں مارتھل کے آقا کی ان خدمات کا لطف اٹھانا چاہئے۔ یہ پہلا جام مارتھل کے آقا کے نام......'' فرانزک نے شراب گلاس بھر کر گلاس ہوا میں لہرایا۔ ابھی فرانزک نے یہ الفاظ ادا کئے ہی تھے کہ آتش دان میں لکڑیاں زور سے چٹخیں۔ آگ زور سے بھڑکی اور شعلوں کی سرخ زبانیں آتش دان سے باہر لپکنے لگیں۔ پھر اسی لمحے بادلوں کی گرج اور بجلی کی خوفناک چمک نے پوری عمارت کو لرزا کر رکھ دیا۔

☆......☆......☆

''ادھر دیکھو ماہ رخ...... ہاں اب بالکل ٹھیک ہوگئے ہیں دانت۔'' شفقت علی کے کہنے پر اٹھ کر ماہ رخ کلینک میں لگے شیشے کی طرف گئی۔ مگر جوں ہی اس نے شیشے کی طرف دیکھا اس کے اوسان خطا ہوگئے۔ ماہ رخ نے خوف سے آنکھیں بند کرلیں۔

''بابا...... بابا میرا چہرہ......'' ماہ رخ زور زور سے چلانے لگی۔

''ماہ رخ...... بیٹا کیا ہوا اتنی پیاری تو لگ رہی ہو۔ آنکھیں کھولو......ٹرسٹ می مائی ڈیئر......اوپن یور آئیز......'' شفقت علی نے ماہ رخ کا چہرہ دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔

''بابا......اوکے......'' ماہ رخ نے ڈرتے ڈرتے آنکھیں کھولیں۔

''یہ کیسے ہوسکتا ہے...... با......ا...... با...... میں نے خود دیکھا تھا ابھی میرے دانتوں کی جگہ بالوں کا گچھا تھا...... بابا میرا یقین کریں۔ میں سچ کہہ رہی ہوں......!'' ماہ رخ نے شفقت علی کو یقین دلانے کی پوری کوشش کی لیکن وہ ''ماہ رخ جانی چلو......ہم گھر جا کر بات کریں......''

''بابا میں نے خود دیکھا تھا...... بھلا میں جھوٹ کیوں بولتی......'' ماہ رخ نے گاڑی کے شیشے نیچے کئے۔

''ہم کسی اچھی سی جگہ آج ڈنر کریں گے......پھر صبح کو ہیون ویو چلیں گے رائٹ؟'' شفقت علی نے سیٹ بیلٹ باندھی۔

''بابا آپ مجھے نظر انداز تو نہیں کریں گے۔'' ماہ رخ کی آنکھیں بھر آئیں۔

''No ڈیئر......ایسا مت سوچو......وہ سب ایک وہم تھا بس اور کچھ نہیں بس تم سب کچھ بھول جاؤ میرا بچہ۔'' انہوں نے لاڈ سے ماہ رخ کے گال پر ہاتھ رکھا۔

''بابا......سامنے دیکھئے......'' ماہ رخ نے شفقت علی کو چیخ کر کہا......سامنے سے ایک بھاری بھر کم ٹرک

ان کی گاڑی کی طرف تیزی سے آرہا تھا۔

شفقت علی نے تیزی سے ایکسیلیٹر دائیں گھمایا تو شاید جام ہوچکا تھا۔ ٹرک تیزی سے کار کی بائیں طرف بڑھنے لگا۔ انہوں نے مارے خوف کے گاڑی سے کودنا چاہا پر دروازے بھی لاک ہوچکے تھے۔

"ماہ رخ سیٹ بیلٹ کھولو اور پچھلی سیٹ پر جاؤ...... جلدی......" شفقت علی نے سیٹ بیلٹ کھولی اور ماہ رخ کو پچھلی سیٹ پر دھکا دیا...... اور خود بھی پیچھے جانے کی کوشش کرنے لگے۔ لیکن شاید وقت کو منظور نہ تھا۔ ٹرک ان کی کار پر چڑھ گیا اور دلخراش چیخیں فضا میں بلند ہوئیں۔

"صاحب جی!...... پانی پی لیں۔" گل خان نے پسینے سے شرابور شفقت علی کو پانی دیا جو صوفے پر آنکھیں پتھرائے بیٹھے تھے۔

"اس ایکسیڈنٹ کے بارے میں سوچ رہے تھے......" گل خان وہیں بیٹھ گیا۔

"گل خان......" انہوں نے سرد آہ بھری۔ "وہ...... وہ ایکسیڈنٹ نہیں تھا...... گل خان اگر وہ ایکسیڈنٹ ہوتا تو ماہ رخ سے زیادہ مجھے نقصان پہنچتا...... کیوں کہ میں فرنٹ پر تھا......" وہ تقریباً سسکنے لگے۔

"صاحب جی!...... ماہ رخ میرا بچہ بھی ہے...... آپ کا عزت ہمارا عزت ہے۔ بیگم صاحبہ کے بعد میں نے ماہ رخ کو پالا ہے۔ صاحب جی ہمارے گاؤں میں ایک بابا ہے وہ بڑا نیک ہے سچا ہے۔ صاحب جی وہ ہمارا مدد ضرور کرے گا۔ آپ چلیں تو سہی۔" گل خان نے اپنے میلے کچیلے رومال سے شفقت علی کے آنسو صاف کئے۔ شفقت علی نے بھی ہاں میں سر ہلا کر گل خان کے کندھے سے سر ٹکا دیا۔

☆......☆......☆

"ویسے آپ کے آقا کا نام ہے کیا......" ہنری نے کپڑے جھاڑتے ہوئے پوچھا۔

"تمہیں اس سے مطلب نہیں ہونا چاہئے۔ میرے آقا کا نام اب تم لوگوں کی زبان پر نہیں آنا چاہئے......" مارتھل گرج گرج کر بول رہا تھا۔

"یہ دیو تو سنجیدہ ہوگیا......" فرانزک نے چارلس سے سرگوشی کی۔

"کیوں......؟؟ تمہارا آقا کیا واپس آجائے گا......" ہنری نے قہقہہ بلند کیا جبکہ مارتھل صرف گھور سکا۔

"کل تم لوگوں کی اس قلعہ میں آخری رات ہے...... جو کچھ کرنا ہے آج ہی کرلو۔ جہاں جانا ہے آج ہی جاؤ۔" مارتھل نے اپنا فیصلہ سنایا اور باہر نکل گیا۔

"عجیب بات ہے...... ہم ان کے غلام ہیں کیا۔" ہنری نے دروازے پر ہاتھ مارا۔

"Lets go...... فی الحال ایک دن ہے انجوائے کرنے کے لئے۔" چارلس نے ہنری کی کمر پر تھپکی دی۔

"اس جنگل کا علم ہمیں کیوں نہ تھا......" فرانزک نے سبزہ سے بھرپور جنگل میں چاروں طرف دیکھا۔ "اس فادر کی باتوں میں آتے تو نہ وہ قلعہ ملتا نہ یہ خوب صورت جنگل۔" ہنری نے چارلس سے کہا۔

"دوستو!...... یہ دیکھو...... کتنا خوب صورت درخت ہے......" فرانزک کی آواز پر ہنری اور چارلس متوجہ ہوئے۔

"میرے خیال میں یہ برگد ہے......" ہنری نے دیوہیکل نما درخت کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا۔

"ہنری، فرانزک ادھر آؤ...... یہ دیکھو جوتے کا تسمہ۔" "یہ تو کسی لڑکی کا ہے......" ہنری نے چارلس کے ہاتھ سے تسمہ لیا۔

"تجھے کیسے پتہ؟" فرانزک اور چارلس بیک وقت بولے۔ "بیوقوف فیمیل جوتے کا تسمہ پتلا ہوتا ہے۔ مطلب یہاں کوئی لڑکی آئی تھی۔ پر اکیلی اور کیوں......" ہنری کچھ سوچنے لگا۔

"تم لوگ یہاں کیوں آئے ہو؟ دفع ہوجاؤ اب تم لوگ بھی نہیں بچوگے۔" مارتھل کسی شیر کی طرح دھاڑ رہا تھا۔

"ہنری...... یار اٹھ......" فرانزک نے ہنری کے منہ سے کمبل اتارا۔

"کیا ہوا؟ اتنی رات کو کیوں جگا رہا ہے......"

”خیریت......؟“

”یار خیریت ہوتی تو اس وقت تجھے جگاتا......“

چارلس اپنے کمرے میں نہیں ہے۔“

”تو واش روم میں ہوگا......“ ہنری نے کمبل دوبارہ اوڑھ لیا۔

”واش روم کچن سب دیکھ لیا......اور تو اور وہ دیو مطلب مارتھل بھی غائب ہے۔ مجھے کچھ گڑ بڑ لگتی ہے۔ اٹھ یار چارلس کو ڈھونڈتے ہیں۔“ وہ دونوں بیضوی سیڑھیوں سے اترتے ہوئے نیچے آگئے۔ ہر جگہ اندھیرا ہی اندھیرا تھا وہ آنکھیں پھاڑے چارلس کو آوازیں دیئے جارہے تھے۔

اچانک انہیں بڑی بڑی گول گول آنکھیں دکھائی دیں۔ وہ مارتھل تھا جو بڑے غصے سے انہیں گھور رہا تھا۔ مارتھل کی کمر پر کوئی بوری تھی۔ مارتھل نے بوری زمین پر رکھی اور خود مشعلیں جلانے لگا۔ جب روشنی ہوگئی تو وہ چپ چاپ بوری کے پاس آیا اور بوری کھولنے لگا۔ اتنے میں انہیں گھوڑے کی ٹاپوں کی آوازیں آنا شروع ہوگئیں۔

”یہ کون ہوسکتا ہے؟“ ہنری کے سوال پر مارتھل نے انہیں اندر جانے کا اشارہ کیا اور وہ دونوں بھی بچوں کی طرح گردن ہلا کر اندر چلے گئے۔

”اور پھر قلعہ کے عین سامنے آکر گھوڑے رک گئے۔ بگھی کا پردہ ہٹا اور پشاوری چپل والا مردانہ پاؤں اترا۔ سبز آنکھوں میں خوف نمایاں تھا۔

”میرے آقا کی ملکہ کو غلام خوش آمدید کہتا ہے......“ مارتھل نے دونوں ہاتھ فضا میں بلند کئے۔ مارتھل نے بوری سے خون میں لت پت سر نکالا۔

”فرانزک......یہ تو چارلس کا سر ہے۔ ان لوگوں نے ہمارے دوست کو قتل کردیا۔ کیا بگاڑا تھا چارلس نے......“ ہنری نے جو کب سے دروازے کے سوراخ میں سے ایک آنکھ سے جھانک رہا تھا۔ چارلس کا سر دیکھتے ہی فرانزک کو آواز دی۔

”چارلس...... چارلس کو کیوں مارا......“ دونوں دوست نیم آنکھوں سے ایک دوسرے کو حوصلہ دینے لگے۔

مارتھل نے چارلس کا سر ماہ رخ کے قدموں میں رکھ دیا۔

”کیا کررہے ہو...... یہ کس انسان کا سر ہے۔ کون ہو تم...... کس کا قتل کیا ہے تم نے......؟“ شفقت علی نے گھبرا کر ماہ رخ کو اپنے پیچھے کیا۔ مارتھل نے ایک نظر شفقت علی کو دیکھا اور چپ کرکے چلا گیا۔

”صاحب جی ہم لوگ کیسے آگئے یہاں......ہم تو پیر صاحب کے پاس جارہے تھے۔“ گل خان ڈرا سہما ایک کونے میں کھڑا تھا۔

”میں بتاتا ہوں۔“ فرانزک غصے میں کمرے کا دروازہ پٹخ کر باہر آیا۔ ”یہ لوگ جادوگر ہیں یہ مارتھل پتہ نہیں کس آقا کا نام لے کر جیتا ہے۔ کوئی آقا نہیں ہے یہ مسافروں کے راستے بھٹکا دیتے ہیں اور اس قلعہ میں لے آتے ہیں۔“ فرانزک مارتھل کو آتے دیکھ کر اور بلند آواز میں بولنا شروع ہوگیا۔

”یہ سر دیکھ رہے ہیں۔ اس کمینے نے ہمارے دوست کو قتل کردیا۔ یہ قاتل ہے میں پولیس کو سب حقیقت بتادوں گا۔“ ہنری نے مارتھل کا گریبان پکڑلیا۔

”میری ملکہ کے سامنے اونچی آواز سے بات مت کرو۔ ورنہ تمہارا بھی یہ ہی حشر ہوگا۔“ مارتھل نے ہنری کو دھکیلا اور چارلس کی طرف اشارہ کیا۔ ”ملکہ آپ......اور آپ کے گھر والوں کے کمرے تیار ہیں۔“ مارتھل ماہ رخ کے آگے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوگیا۔

☆......☆......☆

”میں نہیں جانتی بابا...... بابا مجھے بچالیں۔ وہ مار دے گا مجھے...... اس ایکسیڈنٹ کے بعد جتنے دن میں بے ہوش تھی۔ یہ سب مجھے خواب میں نظر آرہا تھا......میر یقین کریں بابا۔“ ماہ رخ شفقت علی کی طرف مڑ کر اپنی صفائیاں دینے لگی۔

”خواب میں دیکھ رہی تھی؟ How This Is Possible......“ ہنری نے سوالیہ نظروں سے ماہ رخ کو دیکھا۔ ”میں کیسے سمجھاؤں......“ ماہ رخ جھنجھلا

کر بولی۔ ''ایک منٹ......'' ماہ رخ کچھ سوچتے ہوئے بولی۔ ''تم لوگوں کا ایک دوست بکھی سے کود کر مرا تھا نا......اس کا نام......اس کا نام پیٹرک تھا۔ یہ سب میں نے خواب میں دیکھا تھا۔'' ماہ رخ کی آنکھوں میں اعتمادی کی چمک آئی۔

''اس کا مطلب ہے......تمہارا کچھ نہ کچھ کنکشن ہے ہمارے ساتھ۔'' ہنری نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے ماہ رخ کو دیکھا۔

''ہمارے ساتھ نہیں مارتھل اور اس کے آقا کے ساتھ......جبھی تو وہ ماہ رخ کو ملکہ کہہ رہا ہے۔'' فرانزک نے ایک الگ ہی نقطہ اٹھادیا۔

''ہنری اور فرانزک کو میرے آقا بلا رہے ہیں۔ چلو میرے ساتھ۔'' مارتھل کی دھاڑ پر سب چونک پڑے۔ لیکن......'' فرانزک اور ہنری نے منہ کھولا ہی تھا کہ مارتھل نے دونوں کو بالوں سے پکڑا اور گھسیٹ کر چل پڑا۔

''بابا میں جا رہی ہوں......شاید میں انہیں بچا سکتی ہوں۔''

''ماہ رخ بچے تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں......''

''نہیں بابا مجھے جانا ہوگا۔'' ماہ رخ نے مارتھل کے پیچھے جانے کے لئے ابھی چند قدم ہی اٹھائے تھے کہ پیچھے سے زوردار دھماکہ سنائی دیا۔ ماہ رخ نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو ایک چیخ بلند ہوئی۔ صوفے پر بیٹھے شفقت علی اور گل خان خون میں نہائے ہوئے تھے۔ 20 کلو کا باریک کانچ سے بنا بھاری بھرکم فانوس شفقت علی اور گل خان میں پیوست ہو چکا تھا۔ گل خان کی روح پرواز کر چکی تھی۔ لیکن شفقت علی شاید کچھ کہنا چاہ رہے تھے۔

''با...... با...... بابا...... میں...... میں بچا لوں گی آپ کو۔'' ماہ رخ باپ کی محبت میں یہ سمجھ ہی نہ سکی کہ وہ اس قلعہ میں تھے جہاں سانس بھی کسی کی اجازت سے لیا جاتا ہے۔

''م......میر......میرے...... بچے......'' شفقت علی نے اپنا خون آلود ہاتھ ماہ رخ کے گال پر رکھا اور دم توڑ گئے۔

''بابا...... بابا مجھے چھوڑ کر مت جایئے...... بابا......'' ماہ رخ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

☆......☆......☆

''میرے آقا......'' مارتھل برگد کے درخت کے آگے سجدہ ریز ہو گیا۔ فرانزک اور ہنری ایک دوسرے کو آنکھوں ہی آنکھوں میں برگد کا درخت یاد دلانے لگے۔ اچانک اس درخت سے دھواں نکلنے لگا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ دھواں اتنا گہرا ہو گیا کہ ہاتھ کو ہاتھ دکھائی نہ دے رہا تھا۔ جب دھواں چھٹا تو فرانزک نے اپنی آنکھیں ملتے ہوئے چاروں طرف دیکھا۔

''ہنری؟؟؟...... ہنری کہاں گیا...... اے او مارتھل ہنری کے ساتھ کیا کیا ہے؟'' فرانزک نے مارتھل کو جھنجھوڑا جو ابھی تک سجدے میں پڑا تھا۔ پھر مارتھل اٹھا اور مارتھل نے ایک زوردار مکا فرانزک کے سینے پر مارا۔ جو سیدھا اس کے دل کی جگہ لگا۔ فرانزک ایک جھٹکے سے زمین پر گرا۔ اس کی آنکھیں پتھرا گئیں۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے دل تھام لیا اور اپنے مذہب کے مطابق کلمات پڑھنے لگا جو اس نے آخری بار گرجا گھر میں عبادت کے دوران پڑھے تھے کہ اس کے دل کی دھڑکن نارمل ہونے لگی۔ مارتھل کے کانوں میں جیسے ہی کلمات کی بھنبھناہٹ پڑی تو اس کی شکل تبدیل ہونے لگی۔ وہ کسی ریچھ کی شکل اختیار کر گیا۔ مارتھل نے فرانزک کو اٹھا کر بہت دور اچھال دیا۔ فرانزک جو ابھی سنبھلا ہی تھا ایک بار پھر زخموں سے چور دور جا گرا۔

''فرانزک...... فرانزک کیا ہوا تمہیں...... ہوش کرو فرانزک پلیز آنکھیں کھولو۔ فرانزک...... یا اللہ...... مدد کر۔ میرے اللہ'' ماہ رخ روتے روتے زمین پر فرانزک کے پاس ہی بیٹھ گئی۔

''م...... ما...... ماہ رخ......'' فرانزک نے نیم دراز آنکھوں کو پوری کوشش سے کھولا۔ ''فرانزک فرانزک اٹھو......اٹھو فرانزک۔'' ماہ رخ نے آنسو صاف کئے اور فرانزک کو سہارا دیا فرانزک کھڑا ہو گیا۔

☆......☆......☆

وہ کوئی انسان نہیں ہیں...... وہ بدروحیں ہیں...... شیطان ہیں وہ۔ انہوں نے میرے بابا کو مار دیا، گل خان کو...... تمہارے دوستوں کو اور نجانے کتنے معصوموں کو...... سب میری وجہ سے ہو رہا ہے فرانزک۔'' ماہ رخ نے خلا میں گھورتے ہوئے کہا۔

''میرے دوستوں کے قتل کی وجہ تم کیوں......؟'' فرانزک نے اپنے دائیں ہاتھ سے بائیں بازو پر رومال باندھا۔

''ہاں چارلس نے اپنے ہاتھ سے میرے تسمے کو چھوا تھا اس شیطان نے چارلس کو سزا دی، میری جینز کو ہاتھ لگانے کی اور پھر...... پھر وہ تسمہ ہنری نے اپنی پاکٹ میں رکھا...... وہ شیطان...... تمہیں بھی مار دے گا۔ تم چلے جاؤ...... چلے جاؤ فرانزک میں اپنے بابا کی موت کا حساب لئے بغیر نہیں جاؤں گی۔'' ماہ رخ کی آنکھوں میں انتقام کی آگ بھڑکنے لگی۔

''ہم چار اس کا کچھ نہیں کر پائے تو تم اکیلی کیا کرلوگی؟''

''پر فرانزک۔''

''پر، ور کچھ نہیں...... مجھے سمجھ آگئی ہے...... میرے پاس ان سے لڑنے کی طاقت ہے۔'' فرانزک اپنے مخصوص کلمات یاد کرنے لگا۔

فرانزک طاقت سے یاد آیا۔ وہ پیر صاحب ہمارا انتظار کررہے ہیں۔ وہ ہماری کوٹھی گئے ہوں گے۔ میں ملی تھی ان سے...... فرانزک تم ان کو لے آؤ...... وہ سب ٹھیک کردیں گے...... میرے پاس ان کا ایڈریس ہے۔'' ماہ رخ ہوا کی تیزی سے سیڑھیاں چڑھتی اپنے کمرے میں گئی اور وزیٹنگ کارڈ نکال لائی۔ ''یہ لو......''

''ٹھیک ہے...... فرانزک نے اپنے بیگ سے صلیب نکال کر گلے میں ڈال لیا۔

''ماہ رخ تم قلعہ سے باہر نکلنے کی کوشش بھی مت کرنا۔ اب ان شیطانوں کا انجام دور نہیں ہے۔

☆......☆......☆

''ماہ رخ...... ماہ رخ مجھے بچالو......''

''ہنری کہاں ہو تم...... میں آگئی ہوں تمہیں بچانے۔''

ماہ رخ دائیں بائیں آگے پیچھے اندھا دھند آوازیں دیئے جارہی تھی۔

''ماہ رخ یہاں اس پیڑ میں......اوپر دیکھو......''

ہنری کی آواز پر ماہ رخ نے جیسے ہی اوپر دیکھا تو مارتھل نے ایک زوردار کلہاڑا ہنری کے سینے میں پیوست کردیا۔ ہنری کی چیخ پر ماہ رخ کی آنکھ کھل گئی۔

''اس کا مطلب ہے ہنری زندہ ہے...... مجھے ہنری کو بچانا ہوگا۔'' ماہ رخ نے بالوں میں پونی باندھی اور جھٹکے سے کمبل پھینکا۔

''نہیں...... فرانزک نے منع کیا تھا...... لیکن ہنری مجھے بلا رہا ہے۔ اف کیا کروں میں......'' ماہ رخ سر پکڑ کر وہیں بیٹھ گئی۔ کچھ دیر یونہی بیٹھنے کے بعد وہ ایک دم اٹھی اور سیڑھیاں اترتی ہوئی مین دروازے پر آگئی۔

''آپ جس غرض سے باہر جارہی ہیں اس کی میں قطعاً اجازت نہیں دوں گا۔'' مارتھل کی گرج دار آواز سے ماہ رخ کے بڑھتے ہوئے قدم رک گئے۔

''اگر مجھے روکنے کی کوشش کی تو میں خود کو آگ لگادوں گی۔'' ماہ رخ نے تیزی سے جلتی مشعل اٹھالی۔ مارتھل نے ایک خوفناک چنگھاڑ ماری جس کے نتیجے میں حویلی کی ساری مشعلیں بجھ گئیں۔ ہر جگہ اندھیرا ہی اندھیرا ہوگیا۔ ماہ رخ ڈری ڈری ابھی چاروں طرف دیکھنے کی کوشش ہی کررہی تھی کہ ماہ رخ کی دونوں کلائیوں میں آہنی زنجیر آن پڑی۔

''بابا...... بابا...... مجھے بچائیں بابا...... ہیلپ می بابا......'' ماہ رخ چیخی اور بے بسی سے رونے لگی۔

☆......☆......☆

اتنی دیر سے آئے ہو تم...... دو معصوموں کی جان خطرے میں ہے۔ اب جلدی چلو......'' پیر صاحب نے فرانزک کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھا تو جلدی جلدی اٹھنے لگے۔

''اور اگر میرے آنے کا اتنا ہی انتظار تھا...... تو

...خود آ جاتے وہاں......" فرانزک نے کہا۔

"مجھے وہ قلعہ نظر نہ آتا کیونکہ وہ صرف انہی لوگوں ...نظر آتا ہے، جن کی اسے ضرورت ہوتی ہے۔ اس قلعہ کو ...ہاری ضرورت ہے اس لئے وہ تمہیں تو نظر آئے گا پر ...ہیں۔" پیر صاحب نے کہا۔

"مگر آپ تو پیر ہیں، میں نے فلموں، کہانیوں میں ...لھا ہے کہ پیروں کو پہلے سے سب معلوم ہو جاتا ہے۔ تو ...تو ان دیکھے قلعہ میں بھی جاسکتے ہیں ناں......" فرانزک ...ات پر پیر صاحب کے چلتے قدم وہیں رک گئے۔

"بیٹا ہم پیر ہیں خدا نہیں......" پیر صاحب نے ...نظر فرانزک کو دیکھا جو ہکا بکا کھڑا تھا۔ وہ دونوں فوراً ...ھی میں سوار ہو گئے۔

"پیر صاحب آپ تو مل چکے ہیں ماہ رخ سے...... ...ن سب حالات سے کچھ پتہ چلا؟...... میں نے اپنے ...ری دوستوں کو کھو دیا ان سب کا قاتل کون ہے......بس ...بتادیں میں پولیس کے حوالے کردوں گا ان کو......"

"صبر رکھو بیٹا......ویسے بھی یہ پولیس کا کام نہیں۔"

پیر صاحب نے فرانزک کے کندھے پر نرمی سے ...ھ رکھا۔ ایک گہرے سانس کے بعد پیر صاحب نے ...نا شروع کیا۔ "آج سے تقریباً اسی سال پہلے اس قلعہ ...ی جگہ ایک گاؤں آباد تھا۔ جس کے سردار کا نام رام سنگھ ...ا۔ رام سنگھ بہت خوب صورت اور کڑیل جوان تھا۔ ...اؤں کی ہر لڑکی کی خواہش رام سنگھ کی بیوی بننا تھی۔ لیکن ...ام سنگھ لڑکیوں کی عزت نہیں کرتا تھا وہ اکلوتا تھا تو ...خواہش مانی جاتی تھی۔ اس کی زندگی میں انصاف نام کی ...وئی چیز نہیں تھی۔ وہ شراب، بے ایمانی اور دنیا کی ہر ...ائی کو اپنے لئے ضروری سمجھتا تھا۔

ایک دن وہ اپنے اوباش دوستوں کے ساتھ شکار ...ر کے واپس آرہا تھا تو واپس آتے ہوئے ان کی گاڑی ...راب ہوگئی۔ وہ رات گزارنے کے لئے وہاں رک ...ئے۔ وہاں کسی لڑکی کی مایوں کی رسم ادا ہو رہی تھی۔ رام ...گھ شراب کے نشے میں چار پائی پر بیٹھ گیا۔ جب عورتوں ...ی بھیڑ دلہن سے ہٹی تو جالی کے پیلے گھونگھٹ سے اس دلہن کی سبز سبز آنکھیں نمایاں ہوئیں۔ دودھ جیسے رنگ پر ابٹن لگا ہوا تھا۔ اس کے بائیں گال پر ایک نمایاں تل جو اس کی خوب صورتی میں چار چاند لگا رہا تھا۔ وہ شرمائی شرمائی مسکرا رہی تھی۔ رام سنگھ آنکھیں پھاڑے دیکھتا رہا۔ کچھ دیر بعد اس کے دوستوں نے اسے گھر پہنچا دیا۔

اگلے دن وہ صبح ہوتے ہی اس لڑکی کے گھر گیا۔ اس لڑکی کی بارات آنے ہی والی تھی، رام سنگھ اس لڑکی کے گھر میں گھسا، اور شرمائی بیٹھی اس لڑکی کو اٹھا کر گاڑی میں بیٹھا دیا۔ اس کے گھر والے چیختے چلاتے رہے مگر بے سود...... جب بارات آئی تو سب پر قیامت گزر گئی۔ لڑکی کا دولہا جو سانولے سے رنگ کا، قد کاٹھ اس کے بھی بائیں گال پر نمایاں تل تھا، پاگلوں کی طرح اسے ڈھونڈنے نکل پڑا، رام سنگھ کی حویلی پہنچ کر دونوں میں ایک جنگ چھڑ گئی۔ دولہا شدید زخمی ہو گیا۔ رام سنگھ دولہا کو اٹھا کر جنگل میں لے گیا۔ رام سنگھ نے اپنی تلوار نکالی اور دولہا کے سینے میں اتار دی۔ رام سنگھ فتح سے جھومتا ہوا حویلی واپس آیا اور دلہن کو اس کی بربادی کی اطلاع دی۔

رات کو نشے میں دھت رام سنگھ جب دلہن کے پاس آیا تو دلہن نے ڈنڈا مار کر رام سنگھ کو بے ہوش کر دیا۔ بے چاری اکیلی اس کے جسم کو گھسیٹ کر جنگل کی طرف لے گئی۔ دلہن نے رام سنگھ کے میان سے تلوار نکالی اور رام سنگھ کا قتل کر دیا۔ پھر اس نے وہیں گڑھا کھودا اور رام سنگھ کو مٹی میں دفنا دیا۔ جب حویلی کے ملازمین وہاں پہنچے تو تب تک وہ خود بھی موت کی آغوش میں جا چکی تھی۔

کچھ عرصے بعد زندگی معمول پر آ گئی۔ لوگوں نے کاشتکاری شروع کر دی۔ اسی گاؤں کا ایک غریب جس کا نام مارتھل تھا، اس نے اپنے گھر کے پاس برگد کا پیڑ اگایا...... رام سنگھ کی روح نے مارتھل پر قبضہ کر لیا، وہ خود تو باہر نہیں آسکتا تھا پر مارتھل کے ذریعہ کالے جادو سے بہت سی بدروحوں کا مالک بن گیا تھا۔ مارتھل نے گاؤں تباہ کر کے ان دیکھا قلعہ تعمیر کر دیا......" پیر صاحب خلا میں دیکھتے دیکھتے چپ ہو گئے۔

"ایک منٹ یہ دولہا اور دلہن کا نقشہ تو ماہ رخ اور......"

"اور...... فرانزک دولہا کی شکل کا کون ہے؟......" پیر صاحب فرانزک سے پوچھنے لگے۔

"ہنری...... ہنری میرا دوست...... جسے مارتھل نے ماردیا......شاید نہیں......" فرانزک کی آنکھیں پیر صاحب پر مرکوز ہوگئیں۔

"اوہ......" پیر صاحب نے افسردگی سے کہا۔

☆......☆......☆

لال ساڑھی میں لپٹی اور کئی زیورات ماہ رخ کے گلے میں تھے۔ ماہ رخ کے دونوں بازو زنجیر سے بندھے ہوئے تھے۔ وہ تختے پر لیٹی نیم بے ہوشی کی حالت میں اپنے بابا کو پکار رہی تھی۔ یک دم مارتھل کسی پنڈت کو لایا جو خود کسی شیطان سے کم نہیں لگ رہا تھا۔ مارتھل نے پنڈت کو اشارہ کیا تو وہ شادی کی تیاری شروع کرنے لگا۔

"روکو...... تم لوگ کسی معصوم کے ساتھ یہ نہیں کرسکتے......" پیر صاحب اور فرانزک مارتھل کے سامنے کھڑے ہوگئے۔ "مارتھل میں تم لوگوں کو تباہ کردوں گا رک جاؤ۔" پیر صاحب نے دم کیا ہوا پانی مارتھل پر پھینکا تو مارتھل ریچھ کی شکل اختیار کرگیا اور دھاڑتا ہوا پیر صاحب کے قریب آنے لگا۔ فرانزک نے ماہ رخ کو زنجیروں سے آزاد کرایا تو برگد کا درخت پھٹنے لگا۔ چاروں طرف دھول اڑنے لگی۔ زمین زور زور سے ہلنے لگی۔

پیر صاحب نے تعویذ ماہ رخ اور فرانزک کے ہاتھ پر باندھا۔ مارتھل زور زور سے دھاڑنے لگا۔ مارتھل نے فرانزک کو اپنے ہاتھوں پر اٹھالیا۔ فرانزک روئی کے گالے کی طرح مارتھل کے ہاتھوں میں موجود تھا۔ پھر مارتھل نے فرانزک کو زمین پر پٹخا۔ تو اس کی حالت غیر ہونے لگی۔

ادھر پیر صاحب درخت کے ارد گرد حصار کھینچ رہے تھے۔ برگد کا درخت ایک دھماکے سے پھٹا اور بدبو کا شدید جھونکا باہر آیا۔ پھر درخت کی شاخوں سے ہنری کا چہرہ نمودار ہوا جو جگہ جگہ سے زخمی تھا۔ ہنری بے ہوش تھا۔ پیر صاحب کے ہاتھوں میں اب کدال تھی جس سے زمین کی کھدائی کررہے تھے، شاید وہ رام سنگھ کی لاش کھوج رہے تھے۔

پھر مارتھل نے پیر صاحب کو ہاتھوں میں اٹھ فرانزک جو زمین پر لیٹا سب بے بسی سے دیکھ اچانک بولا۔ "پیر صاحب یہ پکڑیں اور مارتھل کے میں گاڑدیں۔" فرانزک نے اپنے گلے سے سلیب اور پیر صاحب کی طرف اچھال دی جسے پیر صاحب فوراً پکڑلیا۔ انہوں نے فوراً وہ صلیب مارتھل کے ما چسپاں کردی۔ تو مارتھل چنگھاڑتا ہوا زمین پر عین فرا کے اوپر گرگیا۔ وہ بیچارہ ہل بھی نہ سکا اور خدا کو پیارا ہو

پیر صاحب نے ایک نظر فرانزک کو دیکھا ا بجلی کی تیزی سے ہنری کو ہوش دلانے لگے۔ چا طرف بلیوں کی رونے کی آوازیں تھیں کہ زمین پھ ہڈیوں بھرا ایک ڈھانچہ نمودار ہوا جو سیدھا ہنری کی بڑھا۔ وہ ڈھانچہ خوفناک آوازیں نکال رہا تھا۔ اس منہ سے شدید بدبو نکل رہی تھی۔

ڈھانچے نے ہنری کو اپنے دونوں ہاتھوں می کرکے ایک عجیب سا نعرہ لگایا اور ہنری کو دو حصو تقسیم کرنے ہی والا تھا کہ ماہ رخ آگئی۔ "میں شادی کے لئے تیار ہوں بس اس کو چھوڑ دو۔" ماہ ر کہنے پر وہ ڈھانچہ مسکرایا اور ہنری کو زمین پر رکھ دیا۔

"میں تم سے شادی کرکے اپنی جان دے د پھر ہماری روحیں امر ہوجائیں گی۔" ماہ رخ نے ڈ سے باتوں کے دوران اپنے بازو سے تعویذ کھولا سے دیکھتے ہوئے ڈھانچے کے قریب گئی اور تعویذ کے گلے میں ڈال دیا۔ تعویذ کا گلے میں پڑنا ڈھانچے کی کربناک دلدوز چیخ اس کے منہ سے نکلی اس کے وجود میں آگ کے شعلے بھڑک اٹھے اور ہی دیکھتے ڈھانچہ جل کر راکھ ہوگیا۔

"بہر حال تم نے اسلام قبول کیا، بہت خوشی خدا تم دونوں کی جوڑی کو قائم و دائم رکھے۔" پیر ص نے ماہ رخ اور ہنری جس کا نیا نام ہنری رکھا گ دونوں کو دعا دی تو وہ دونوں مسکرانے لگے۔



# موت سے چھٹکارا

فیصل ندیم۔شیخوپورہ

چڑیل کی خواہش تھی کہ اگر خوبرو نوجوان اس کی دنیا میں آجائے تو چڑیل گائوں والوں سے آئندہ انتقام نہیں لے گی، لہٰذا نوجوان نے چڑیل کی بات مان لی اور گائوں والوں کو آئندہ مرنے سے بچالیا

ایک چڑیل کی خوفناک دیدہ دلیری جو کہ پڑھنے والوں پر لرزہ طاری کردے گی

''ارے ارے۔کچھ سنا ہے تم نے صادق میاں؟''

''نہیں......لیکن بات کیا ہے آخر کیا ہوا ہے اور تم اتنی پریشان کیوں ہوئے جارہی ہو؟''

صادق ابھی ابھی سن کر آرہی ہوں ارے سن کر کیا دیکھ کر آرہی ہوں۔رحمت کو کسی نے بڑی بے رحمی سے مارڈالا ہے۔اس کی لاش کنویں کے راستے پر پڑی ہے۔ بیچارہ بہت بھلا آدمی تھا لیکن ظالم نے مارڈالا۔''

''لیکن ماسی کس نے مارا اور کیوں مارا رحمت کو؟''

''ارے اس چڑیل نے مارا ہے۔جو کنویں پر قبضہ جمائے بیٹھی ہے اور کچھ دنوں سے لوگوں کو بے رحمی سے ماررہی ہے۔''

''لیکن رحمت کو تو پتہ تھا ناں اس چڑیل کا پھر وہ کنویں کی طرف کیوں گیا تھا۔سارا گاؤں جانتا ہے کہ

پیر بابا نے کنویں کی جانب جانے سے منع کیا ہوا ہے۔ اس سے پہلے بابا مہر دین اور عارف بھی تو اسی طرف جانے سے مرے تھے اس چڑیل نے انہیں مار ڈالا تھا اور پھر گاؤں کے سب لوگوں کو تاکید کی گئی تھی کہ کوئی کنویں کے پاس جانے کی کوشش نہ کرے۔ اس کے باوجود بھی رحمت اس طرف چلا گیا تو اس میں کسی کا کیا قصور، اس نے خود ہی اپنی موت کو گلے لگایا ہے۔"

"ارے صادق کیسی بات کر رہے ہو۔ اس کا بھی کیا قصور ہے، موت لے گئی اسے وہاں تک، تم نے سنا نہیں کہ جس جگہ انسان کی موت واقع ہونا ہوتی ہے وہ کسی نہ کسی طریقے سے وہاں لازمی پہنچ جاتا ہے۔ رحمت کے ساتھ بھی تو ایسا ہی ہوا ناں، موت ورغلا کر لے گئی اسے جبکہ اس کے گھر والے کہہ رہے ہیں کہ رات کو یہ کہہ کر رحمت گھر سے نکلا تھا کہ "میں گاؤں کے ایک آدمی سے ملنے جا رہا ہوں۔"

رحمت کی موت کا سن کر گاؤں میں خوف و ہراس پھیل گیا تھا۔ لوگ اب شام ہوتے ہی گھروں میں قید ہو کر رہ جاتے، کوئی بھی گھر سے باہر نہیں رہتا تھا۔ کیونکہ رات کے پچھلے پہر وہ شیطانی چڑیل بانسری بجاتی تھی اور جو بھی بھولا بھٹکا کنویں کے پاس بانسری کی آواز سن کر چلا جاتا تھا تو وہ اسے مار ڈالتی اور لاش گاؤں کی حدود میں پھینک دیتی۔ اس انجانی موت سے گاؤں والے بہت پریشان تھے لیکن کسی کا بس نہیں چلتا تھا کہ اس چڑیل کو روک سکے، اسی لئے وہ گاؤں والوں کو مارے جا رہی تھی۔

رحمت کو مرے ہوئے ابھی چند دن ہی ہوئے ہوں گے کہ ایک صبح گاؤں کی حدود میں ایک اور لاش پڑی ملی، جس کو بری طرح سے نوچا گیا تھا کیونکہ اس کے چہرے پر اتنی خراشیں تھیں کہ پہچان میں نہیں آ رہی تھی کہ اچانک گاؤں کے ایک لڑکے نے لاش دیکھ کر رونا شروع کر دیا اور کہا۔ "یہ تو ہمارے بابا شفیع ہیں۔ جو رات کو یہ کہہ کر گھر سے نکلے تھے کہ "میں کھیتوں کو پانی لگانے جا رہا ہوں۔" ہم گھر والوں نے بابا کو بہت روکا لیکن اس نے کہا۔ "مجھے کچھ نہیں ہوگا تم لوگ فکر نہ کرو میں کنویں کی جانب نہیں جاؤں گا پھر پتہ نہیں کیسے کنو کی طرف چلے گئے اور اس چڑیل کا شکار بن گئے۔"

گاؤں والوں کے لئے بابا شفیع کی موت بہت صدمہ تھی جس نے پورے گاؤں کو اپنی لپیٹ میں۔ جہاں لوگ شام کے وقت اپنے گھروں میں جاتے اب زیادہ تر وقت دن کا بھی گھروں میں ہی گزار مجبور تھے گاؤں والے۔

اسی دوران رات میں صادق کے گھر کا در زور سے کھٹکنے لگا اور صادق چارپائی سے اٹھ کر سوچ کہ اس وقت کون آ گیا اتنی رات گئے خدا خیر کر چل کر دیکھتا ہوں۔ صادق نے جیسے ہی دروازہ کھ ایک بوڑھی عورت فوراً اندر چلی آئی جسے دیکھ کر صا حیران ہوتے ہوئے بولا۔ "ماسی تم اور اس وقت ہمارے گھر خیریت تو ہے ناں؟"

"ارے صادق ابھی تو خیریت ہے لیکن مجھے آ کی خیریت نہیں لگ رہی۔ اب دیکھو ناں ہمارے گا میں کتنی خوفناک اموات ہوئی ہیں گاؤں میں اتنا خو ہراس پھیل چکا ہے کہ کوئی شام ہوتے تو کیا دن میں باہر نکلنے سے گریز کرتے ہیں۔ میری بہو اور بیٹا بچوں کو لے کر شام ہونے سے پہلے ہی اپنے سسرا کے پاس میکے چلے گئے اور میں گھر میں اکیلی رہ گئی، بہو بہت ڈر گئی ہے اس چڑیل کے کارناموں سے، روز کسی نہ کسی کی موت کوئی نئی بات نہیں رہی گاؤں لئے، یہ کہہ کر وہ چلے گئے کہ ہمیں یہاں مرنا نہیں ہے میں نے کہا۔ "مجھے بھی ساتھ لے چلو۔" تو میرا نے کہا۔ "ماں جی آپ یہیں رہیں گھر کی دیکھ بھال کرے گا۔" تم جانتے ہو گاؤں میں کتنی دہشت پھیلا ہے اس چڑیل نے اور جان کس کو نہیں پیاری، تو میں ڈ مارے اکیلی ہونے کی وجہ سے تمہارے گھر آ گئی ہوں

"کوئی بات نہیں ماسی تم ہمارے گھر میں کرو جب تک تمہارا بیٹا اور بہو واپس نہیں آ جاتے۔"

"پتہ نہیں یہ چڑیل اور کتنے بے گناہ لوگ خون کرے گی آخر ہم نے اس کا کیا بگاڑا ہے جو یہ

ں کی جانوں سے کھیل رہی ہے۔ صادق مجھے بھی
ں کے بارے میں سوچ کر بڑی دحشت ہوتی ہے۔"

"ماسی تم فکر نہ کرو میں ہوں ناں، تم یہیں سو جاؤ،
رے لئے اندر چارپائی رکھ دیتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے صادق میاں میں یہیں لیٹ جاتی
ں ویسے مجھے نیند تو نہیں آئے گی لیکن ہو سکے تو تم بھی
گتے رہنا مجھے حوصلہ ملتا رہے گا۔"

"اچھا ماسی نہیں سوتا میں۔ تم بس بے فکر ہو کر
جاؤ۔"

صبح ہوئی تو ایک اور لاش کا تحفہ گاؤں والوں کو ملا
ں بار یہ لاش گاؤں کے ایک نوجوان لڑکے شہباز کی
۔ ماسی کو جیسے ہی پتہ چلا کہ گاؤں میں ایک اور لاش
لی ہے تو وہ فوراً وہاں پہنچ گئی۔ لاش کو دیکھ کر ماسی
نے لگی اور کہنے لگی۔ "کتنا پیارا بچہ تھا شہباز کبھی کسی کی
نہیں کرتا تھا۔ بیچارہ یہ بھی خونی چڑیل کے ہاتھوں
ں پایا۔ پتہ نہیں ہمارا کیا بنے گا، دیکھو کتنی بے رحمی
دیا ہے بیچارے کا پھول سا چہرہ اس ظالم کو ذرا
نہیں آیا اسے مارتے ہوئے نہ جانے کب تک اسی
لوگ مرتے رہیں گے اس چڑیل سے۔"

پھر ماسی واپس صادق کے پاس آئی اور اسے
کی ناگہانی موت کے بارے میں اطلاع دی جسے
صادق تڑپ کر رہ گیا اور بولا۔ "وہ چڑیل ایک
ر کے لوگوں کو مارے جارہی ہے اور ہم کچھ بھی نہیں
رہے اگر اسی طرح چلتا رہا تو گاؤں کی آبادی
ن میں تبدیل ہو جائے گی کوئی بھی زندہ نہیں بچے
ی ہمیں سب گاؤں والوں کو مل کر کچھ کرنا ہوگا۔"

"ارے صادق میاں ایسا کرو تم گاؤں والوں کو
وہ کٹیا والے پیر بابا کے پاس جاؤ۔ وہ یقیناً کوئی
ال لیں گے۔"

"مجھے امید ہے وہ ضرور ہماری کوئی نہ کوئی مدد
ں گے۔ پہلے بھی انہوں نے ہماری مدد کی ہے اگر
نے بروقت کارروائی نہ کی تو ہوتی تو شاید اب تک
ں قبرستان بن چکا ہوتا۔"

”تم ٹھیک کہہ رہی ہو ماسی میں ابھی گاؤں والوں کو ساتھ لے کر پیر بابا کے ساتھ جاتا ہوں۔“

یہ بول کر صادق گھر سے نکلا اور کافی سارے گاؤں والوں کو لے کر پیر بابا کی کٹیا کی جانب چل پڑا۔ کافی دیر بعد صادق اور گاؤں والے پیر بابا کے پاس پہنچے اور انہیں ساری اموات کے حال سے آگاہ کیا۔ پیر بابا نے کہا۔ ”اگر ایسا ہے تو مجھے تمہارے گاؤں جانا ہوگا اور دیکھنا ہوگا کہ کہیں وہ چڑیل گاؤں کی حدود میں آ کر تو نہیں مارتی لوگوں کو۔“

”ٹھیک ہے پیر بابا چلیئے ہمارے ساتھ۔“ شام ہونے سے پہلے ہی پیر بابا صادق اور گاؤں والوں کے ہمراہ گاؤں پہنچ گئے۔

تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد شام ڈھلتے ہی پیر بابا نے اپنے علم سے پتہ لگایا کہ وہ چڑیل گاؤں کی حدود میں آ کر انہیں مارتی ہے۔ پھر پیر بابا نے کہا۔ ”گاؤں والو میں نے پتہ کرلیا ہے، گاؤں کے اردگرد حصار ہے وہ گاؤں کی حدود میں داخل نہیں ہو پائے گی بلکہ مرنے والے خود اس کے پاس کسی طرح چلے جاتے ہیں جنہیں مار کر وہ اپنا غصہ ٹھنڈا کرتی ہے اور بعد میں گاؤں کی حدود میں پھینک دیتی ہے۔ لہٰذا اس کا بہترین حل یہ ہے کہ کوئی بھی گاؤں والا دن کو یا رات کو کنوئیں کی طرف نہ جائے چاہے کچھ بھی ہو جائے اسی میں اس کی بھلائی ہوگی۔“

اس کے بعد پیر بابا نے صادق سے کہا۔ ”صادق میاں رات کافی ہوگئی ہے تم ایسا کرو مجھے کٹیا تک چھوڑ آؤ۔“

صادق نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”کیوں نہیں پیر بابا چلیئے۔“ اور دونوں ویران راستے پر چل پڑے، کٹیا تک پہنچتے پہنچتے رات کافی گہری ہوگئی تھی صادق نے پیر بابا سے اجازت لی اور واپس گاؤں کی جانب چل پڑا۔ اس کے دل میں طرح طرح کے خیالات آرہے تھے کہ سنسان راستہ اور میں اکیلا اگر کوئی چڑیل وغیرہ آگئی تو میں کیسے بچوں گا پھر خود ہی ان خیالات کو یہ کہہ کر رد کردیا۔ ”ارے گاؤں کے گرد تو حصار ہے وہ چڑیل یہاں کیسے آئے گی اور ویسے بھی اب تھوڑی ہی دور گاؤں ہے، بس میں پہنچنے ہی والا ہوں۔ انہی خیا میں جب صادق راستے میں جھاڑیوں کے قریب گزرا تو اسے کسی بچے کے رونے کی آواز سنائی دی۔

صادق چونک گیا اور اپنے کان آواز کی جا لگا دیئے۔ پھر سے جھاڑیوں کے اندر سے بچے کے ر کی آواز سنائی دی۔ صادق نے آواز کے تعاقب میں بڑھا دیئے۔ اور جب وہاں پہنچا تو دیکھ کر حیران رہ گ ایک بچہ بیچ میں رو رہا تھا، صادق نے جیسے ہی اسے اٹھ کے لئے اپنے ہاتھ بڑھائے تو وہ بچہ ایک دم چڑیل روپ میں آگیا اور چشم زدن میں اس نے صادق کو ما اور لاش گاؤں جانے والے راستے پر پھینک دی۔

صبح ہوئی لوگ جب اس راستے سے گزر صادق کی لاش ملی، گاؤں والے خوف و ہراس میں صادق کی لاش نے انہیں لرزا کر رکھ دیا۔ اب تو گا والوں کو یقین ہوگیا تھا کہ ”وہ چڑیل پورے گاؤں انتقام لے گی اور اسی طرح ایک ایک کر کے پو گاؤں کے لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار دے گی۔“

☆......☆......☆

گاؤں میں دہشت کی فضا پھیلی ہوئی تھی کہ دنوں گاؤں میں نومی نام کا ایک لڑکا جو شہر سے اپن سے ملنے آیا تھا کہ گاؤں میں کچھ دن گزاروں گا او گھر واپس چلا جاؤں گا۔ نومی گاؤں پہنچ کر اپنی نان ملا تو بہت خوش ہوا اور باقی رشتے داروں سے بھی ملا اسے جو خوشی پہلے اپنی نانی کے چہرے پر دکھائی دیا اپنے آنے کی وہ اس بار نہیں دکھائی دے رہی تھی لئے وہ پوچھتا رہا۔ ”نانوں کیا بات ہے آپ پریشان کیوں ہیں؟“ پھر نومی کی نانی نے کہا۔ ” بات نہیں ہے بیٹا۔“

لیکن جیسے ہی رات ہوئی نومی اپنی نانوں ساتھ اور باقی گھر والوں کے ساتھ باتوں میں مگن ت گاؤں کے باہر سے بانسری کی آواز آنے لگی۔

بانسری کی آواز سنتے ہی نومی نے پوچھا۔ ”نا کوئی کتنی پیاری بانسری بجا رہا ہے، کون ہے؟

لی بانسری بجاتا ہے گاؤں میں، میں ضرور ملنا چاہوں ں سے بتایئے نہ نانانوں۔''

اور پھر اس لمحے نومی کی نانوں کے چہرے کا ـلق ہو گیا اور ان کے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔ ؤں تم اس سے کبھی نہیں ملو گے خدا نہ کرے کہ تمہارا اس کا کبھی آمنا سامنا ہو اگر ایسا ہوا تو بہت ک انجام نکلے گا۔''

نومی تجسس میں پڑ گیا اور تھوڑی دیر بعد پھر سے ما۔ ''نانوں آپ ایسا کیوں کہہ رہی ہیں اور ایسی کیا ، ہے جو آپ کو اندر ہی اندر کھائے جا رہی ہے مگر آپ ہاں پر لانے سے کترا رہی ہیں؟ بتایئے نانوں کون ا ہے یہ بانسری اور میں کیوں نہیں مل سکتا اس سے؟''

''نومی کی نانی نے چلا کر کہا۔ ''اس لئے کہ میں ں مرتے ہوئے نہیں دیکھ سکتی نومی، کیونکہ وہ بانسری موت کی پکار ہے۔ وہ موت جو مرنے والے کو اپنی ھینچ لیتی ہے۔''

''نانوں میں کچھ سمجھا نہیں آپ کیا کہہ رہی ہیں ل کر بتائیں کہ یہ کیا بات ہے آخر؟''

''اگر سننا ہی چاہتے ہو تو پھر اپنے دل پر ہاتھ رکھ ملو نومی، میں تمہیں یہ سب بتانا تو نہیں چاہتی تھی لیکن تم بار بار پوچھ کر میرے صبر کا امتحان لے رہے ہو لئے بتائے دیتی ہوں تمہیں وہ راز جو شاید تم نہیں ے ابھی تک۔

یہ ان دنوں کی بات ہے جب گاؤں میں ہر طرف ں تھیں، کوئی بھی کسی طرح کا خوف نہیں تھا یہاں، ں کی فضا بہت پیاری تھی لیکن نہ جانے کس کی نظر لگ گئی مارا گاؤں ماتم کدہ بن کر رہ گیا، جس گاؤں کی آبادی اور دور تک چرچے تھے وہ بربادی میں تبدیل ہونے لگا۔

گاؤں سے تھوڑے فاصلے پر مشرق کی جانب گاؤں کا پرانا کنواں ہے وہاں پر صدیوں پرانی چند ں بھی موجود ہیں جو ہماری زندگی سے بھی پہلے کی ن قبروں اور کنویں میں صرف 5 سے 7 قدموں کا ہے، قبروں اور کنویں کے ارد گرد بہت سارے برگد کے پیڑوں نے ڈیرا جما رکھا ہے۔ ان برگد کے پیڑوں میں سے ایک پیڑ ایسا بھی ہے جو سب سے زیادہ پرانا ہے کیونکہ وہی ایک واحد برگد کا پیڑ ہے جو دوسرے پیڑوں سے بہت زیادہ مختلف ہے، اس پیڑ کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ تنے کے لحاظ سے اور پھیلاؤ کے لحاظ سے سب سے بڑا پیڑ ہے۔

اس پیڑ کے تنے میں ایک بڑا سا سوراخ بھی ہے جو تنے کو جدا کرتا ہے ایک ہونے سے لیکن پھر بھی وہ بہت زیادہ بڑا ہے۔ وہ سوراخ زمین کی نچلی تہہ تک جاتا ہے۔ گاؤں والے ہر روز کی طرح اپنی ضرورت کے مطابق پرانے کنویں سے پانی بھرتے تھے اور استعمال کرتے تھے لیکن وہاں پر ایک جن جس کا نام شرال تھا وہ آ گیا اور گاؤں والوں کو ڈرانے لگا اور کہنے لگا۔ ''یہ جگہ میری ہے یہاں مت آیا کرو۔''

یہ پہلی بار ہوا تھا۔ اس لئے گاؤں والے کافی پریشان تھے پھر گاؤں والوں نے پاس والے پیر بابا کو بلایا اور ساری بات بتائی تو پیر بابا نے اپنے عمل کے ذریعے اس جن کو پکڑا اور کہا۔ ''گاؤں والوں کو تنگ کرنا چھوڑ دے اور چلا جا یہاں سے۔'' لیکن وہ نہیں مانا اور لوگوں کو تنگ کرتا رہا تو پیر بابا نے اسے دوبارہ پکڑا اور جلا کر مار ڈالا۔ اس طرح گاؤں والوں نے کچھ سکھ کا سانس لیا۔ زندگی پھر سے پہلے جیسی چلنے لگی۔

لیکن اس جن کے مرنے کے بعد اس کی بیوی جس کا نام سنا ہے شکانی ہے اس نے اپنے شوہر کی موت کا بدلہ لینے کی ٹھانی اور یوں اس نے قبرستان اور ویران کنویں پر قبضہ کر لیا۔ پھر اس نے ہر آنے والے کو مارنا بھی شروع کر دیا۔ لوگوں کو اتنی بے رحمی سے مارتی ہے کہ خدا کی پناہ جو بھی رات کو اس کے ہتھے لگ جاتا وہ اسے ضرور مار دیتی ہے اور کہتی ہے کہ تم گاؤں والوں نے مجھ سے میرا جیون ساتھی چھین لیا ہے میں تم سے زندگی چھین لوں گی تمہاری، پورے گاؤں کو مار ڈالوں گی کسی کو بھی نہیں چھوڑوں گی۔''

اس نے بہت سارے گاؤں والوں کو مارا ہے اور

نہایت بری طرح مارا ہے۔ پھر گاؤں والوں نے جب دیکھا کہ جنی شکانی ایک ایک کر کے گاؤں والوں کو مار رہی ہے تو انہوں نے پیر بابا کو بلایا۔

پیر بابا نے 5 دن کے عمل سے گاؤں کے گرد حصار کھینچا اور یوں وہ جنی گاؤں سے دور کنویں اور قبرستان کی حد تک ہی محدود رہ گئی، وہ اب بھی وہیں رہتی ہے یعنی کنویں کے پاس، گاؤں والوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اسے اس بڑے والے برگد کے پیڑ والے سوراخ سے دھواں بن کر زمین کے اندر جاتے ہوئے اور دھواں بن کر ہی اس سوراخ سے زمین کے اوپر آتے ہوئے، دھویں کے بعد وہ اپنی اصلی حالت میں آجاتی ہے۔

حصار کھینچے جانے کے بعد وہ جنی کنویں کے پاس ہی محصور ہو کر رہ گئی اور لوگوں نے اس طرف جانا بند کر دیا۔ لیکن اس نے بھی ایک راہ نکالی، گاؤں والوں کو مارنے کی، وہ رات کے وقت بانسری بجانے لگی اور یوں بھٹکے ہوئے لوگ اور گاؤں کے لوگ حصار توڑ کر کنویں کے پاس چلے جاتے ہیں اور وہ انہیں مار دیتی ہے۔ لیکن گاؤں والوں کو پتہ ہے کہ رات کو اگر بانسری کی آواز آئے تو کوئی اپنے گھر سے نہ نکلے اور اگر کسی کام سے نکلے تو قبرستان یا کنویں کی طرف نہ جائے۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ لوگ اپنی موت کی طرف قدم بڑھاتے رہے اور وہ ظالم جنی انہیں مارتی رہی اس دن سے لے کر آج تک، گاؤں کے بہت سارے لوگ مارے جا چکے ہیں اور ہر رات وہ جنی بانسری بجاتی ہے۔

ابھی بھی یہ بانسری کی آواز جو تم سن رہے ہو یہ وہی جنی بجا رہی ہے تا کہ کوئی غلطی سے یا بھولا بھٹکا انسان اس طرف آئے تو وہ اسے اپنے انتقام کا نشانہ بنائے۔“

نومی کے دل میں اس جنی سے ملنے، اس کو دیکھنے کی طلب جاگ گئی تھی، لہٰذا اپنی نانی اور دیگر گھر والوں کے سوتے ہی نومی نے چپکے سے دروازہ کھولا اور پرانے کنویں کی جانب چل پڑا۔ گاؤں کی سنسان جگہ لیکن نومی بے خوف کنویں کی جانب چلا جا رہا تھا اور آخر نومی حصار توڑ کر بانسری کے تعاقب میں کنویں کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا۔

وہ جنی کنویں کی دیوار پر بیٹھی بانسری بجا[...] اس نے اچانک سے اپنا چہرہ گھمایا تو بجائے مارنے کے اسے یک ٹک دیکھنے لگی اور اس طر[...] دیر تک نومی کو دیکھتی رہی یعنی پہلی ہی نظر میں و[...] دیوانی ہو گئی تھی۔ پھر وہ نومی کے ساتھ باتیں کر[...] اور اس نے اپنے اور اپنے شوہر کے ساتھ ہو[...] سارا واقعہ بیان کر دیا۔

نومی نے بھی اسے گاؤں والوں کی ہلاکتو[...] حوالے دیئے اور یہ باور کرایا کہ اس کا چاہنے والا تھا لیکن انتقام کی آگ میں اس نے جا[...] انسانوں کی جان لے لی ہے۔“

اسی طرح کافی دنوں تک نومی راتوں کو جا کر [...] سے ملتا۔ وہ نومی کا انتظار کر رہی ہوتی اور جب بجاتی تو نومی کو پتہ چل جاتا کہ وہ اسے بلا رہی ہے۔

ایک رات نومی نے کہا۔ ”خدارا تم لوگو[...] مارو۔“

تو وہ جنی بولی۔ ”اگر تم میری زندگی م[...] ہمیشہ کے لئے تو میں کسی کو نہیں ماروں گی کیونک[...] شکل میرے شوہر کی یاد دلاتی ہے۔“

نومی نے اگلے روز گاؤں والوں سے کہا [...] جنی نے مجھے اپنے ساتھ لے جانے کے عوض و[...] کو نہ مارنے کا وعدہ کیا ہے۔ لہٰذا تم سب کی ز[...] کے لئے میں اس کے ساتھ جا رہا ہوں۔“

اور پھر سارے گاؤں والوں کے سا[...] ہی دیکھتے نومی اس جنی کے ساتھ برگد کے پیڑ [...] بنے سوراخ میں اتر گیا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے۔ او[...] نانی یہ صدمہ برداشت نہ کرتے ہوئے دنیا سے [...] اور اس دن کے بعد اس گاؤں کا کوئی بھی فرد [...] ہاتھوں نہیں مرا اور پھر نہ ہی کبھی کسی نے اس جن[...] کو اس برگد کے پیڑ کے پاس دن یا رات میں د[...]



# دوسرا سایہ

ایس امتیاز احمد-کراچی

**بوڑھا گویا ہوا۔ سالوں گزر چکے ہیں، وہ ہمزاد کی طرح میرے ساتھ لگا ہوا ہے، میں اسے دیکھ سکتا ہوں لیکن کسی دوسرے کو اس کی موجودگی کا احساس نہیں ہوتا لیکن......**

جسم وجاں کے رونگٹے کھڑے کرتی اور دل ودماغ کو لرزا براندام کرتی......ڈراؤنی کہانی

**رات** کے بارہ بجنے والے تھے۔ اس وقت ے اسٹیشن کے ویٹنگ روم میں مجھے ملا کر پانچ آدمی ود تھے۔ سب کے سب آتش دان کے گرد موجود اور کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ہم میں سے دو تو ان لڑکے تھے جو ہلکی آوازوں میں خوش گپیوں میں ول تھے۔ تیسرا آدمی ادھیڑ عمر کا تھا، عمر میں لیس پچاس سال کا لگ رہا تھا۔ اس نے ایک لمبا اوور کوٹ پہن رکھا تھا۔ سر کے بال کھچڑی تھے اس کے ہونٹ پتلے پتلے اور قدرے بھنچے ہوئے تھے۔ اس کے پاس بیٹھنے والے شخص کی عمر بھی کوئی تیس کے لگ بھگ ہوگی۔ اس نے ایک اونی شال اوڑھ رکھی تھی۔ سوائے ان دونوں نوجوانوں کے ہم میں سے ہر شخص خاموش تھا اور ٹرین کی آمد کا منتظر جو کہ ایک گھنٹہ لیٹ تھی۔

"کل رات میں نے اس میں ایک کہانی ایسی پڑھی

کہ پھر میں سو نہیں سکا۔" نوجوانوں میں سے ایک نے دوسرے کو ہاتھوں میں دبا ہوا رسالہ دکھاتے ہوئے کہا۔

میں نے کن انکھیوں سے ادھر دیکھا۔ وہ کسی ڈائجسٹ کا پراسرار کہانی نمبر تھا، سرورق پر ایک بڑی سی انسانی کھوپڑی تھی جس پر ایک خونخوار گدھ پر پھیلائے موجود تھا۔

"تو تمہیں ڈراؤنی کہانیاں پسند ہیں؟" دوسرے نے پوچھا...... "لیکن مجھے تو یہ سب بکواس معلوم ہوتی ہیں۔ آج کے جدید علوم کے دور میں جنوں اور بھوتوں کی کہانیاں محض مذاق نہیں تو پھر اور کیا کہی جا سکتی ہے۔" اس نے تبصرہ کرتے ہوئے میری جانب دیکھا۔ اور ہلکا سا مسکرا دیا۔

"تو تمہیں...... پراسرار قوتوں پر اعتقاد نہیں ہے؟" اچانک کالے اوور کوٹ میں ملبوس شخص نے پہلی بار بولتے ہوئے نوجوان کی طرف دیکھا۔

"بات تو کچھ ایسی ہی ہے۔" نوجوان نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"تم ابھی بچے ہو......" ادھیڑ عمر شخص نے آہستہ سے کہا...... "مجھے دیکھو میں تمہیں ایک بوڑھا شخص نظر آ رہا ہوں لیکن اگر میں تم سے کہوں کہ میری عمر مشکل سے تیس سال ہوگی تو کیا تم یقین کر لو گے؟"

یہ سن کر ہم سب تعجب کے جذبے کے تحت ادھر متوجہ ہونے پر مجبور ہوگئے۔

لڑکے کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا جواب دے۔

"تم کیا کوئی بھی یقین نہیں کرے گا......" بوڑھے شخص نے دوبارہ کہا۔ "اور جن واقعات سے میں گزرا ہوں ان سے گزرنے کے بعد میرا زندہ رہنا بھی کسی معجزہ سے کم نہیں......" یکا یک اس کا لہجہ پر تاسف ہوگیا...... "مجھ جیسا دلیر آدمی اس حال کو کیسے پہنچا۔ یہ ایک لمبی کہانی ہے...... اور میں یہ سب کچھ تمہیں اس لئے نہیں سنا رہا ہوں کہ تمہیں ڈراؤں۔ بلکہ صرف اس لئے کہہ رہا ہوں کہ تم یہ سمجھنا چھوڑ دو کہ پراسرار واقعات سے دنیا کا دامن خالی ہے۔"

یکا یک وہ رک گیا اور آتش دان کو گھورنے لگا۔

مجھے اور شاید سبھی کو اس کا یوں چپ ہو جانا کچھا
طبیعت چاہ رہی تھی کہ اس سے اس کی کہ
جائے...... ویسے میں دیکھ رہا تھا کہ لڑکوں کے چ
شرارت نمایاں تھی۔ حالانکہ وہ زبان سے کچھ
جرأت نہیں کر پا رہے تھے۔

"اگر آپ مناسب سمجھیں تو ہمیں بھی بتا
وہ حالات کیا تھے جن کی طرف آپ نے ابھی ا
ہے۔" دوسرا نوجوان جو رسالہ دبائے ہوئے تھ
ہم سب کے دل کی بات کہہ دی۔

جواب میں اجنبی نے کلائی پر بندھی گھڑی پر
پھر میری سمت دیکھتے ہوئے بولا۔ "یہ لوگ میری
چاہتے ہیں۔ غالباً انہیں میری بات کا یقین نہیں آیا

"جی نہیں...... یہ بات نہیں ہے۔"
جلدی سے کہا...... "آپ یقین کریں، سچی بات
کہ آپ کے حالات سننے کا خود مجھے بھی اشتیا
ہے۔"

"مگر یہ ایک لمبی داستان ہے......" اس
میں تذبذب نمایاں تھا۔ "اور وقت......"

"آپ فکر نہ کریں۔ ٹرین ڈیڑھ گھنٹے
آنے سے رہی۔" اجنبی کے داہنے ہاتھ پر بیٹھے
شخص نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔

"اچھی بات ہے......" اجنبی نے رضا
ظاہر کرتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

پھر اس نے جیب سے پائپ اور پاؤچ
پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ پائپ جلا کر اس
لمبا کش لیا اور دھوئیں کا مرغولہ منہ سے نکالتے ہو
نے اپنی داستان کی ابتداء کی۔

"یہ آج سے پانچ سال پہلے کا ذکر ہے۔
پراسرار واقعات کی ابتداء ہوئی جن کے نقوش اس ا
میرے چہرے پر ثبت ہیں۔ میں نیا نیا کالج سے
ماں باپ کا سایہ بچپن ہی میں سر سے اٹھ چکا تھا۔ او
انتقال کے بعد اب ضروری ہوگیا تھا کہ میں اپنے
خود کھڑا ہو جاؤں۔ کچھ کوشش کے بعد مجھے ایک

ٹ مل گئی اور میرا تبادلہ کردیا گیا۔ نئے شہر میں پہنچ کر لے چند دن ہوٹل میں قیام کیا۔ اس عرصے میں مجھے الی تلاش تھی۔ جلد ہی مجھے ایک مکان بھی مل گیا۔

وہ مکان شہر کے ایک سرے پر تنگ گلیوں کے ان واقع تھا۔ اس میں ایک آنگن اور صرف ایک رہ تھا۔ ایک کچن تھا۔ کمرے میں ایک الماری بھی ر میں جڑی ہوئی تھی۔ اس کا کرایہ بے حد کم تھا لہٰذا نے اسے دیکھتے ہی لے لیا۔ اور آپ یقین کریں ے مصائب کی ابتداء یہیں سے ہوئی......!

میں آج بھی سوچتا ہوں کاش! میں نے وہ مکان ہوتا۔ مگر مقدر کے لکھے کو کون ٹال سکتا ہے۔''

رک کر اس نے پائپ منہ سے لگایا۔ دو تین لمبے ش لئے۔ پھر فضا میں دھواں بکھیرتے ہوئے بولا۔

''اس مکان میں چھ سات دن نہایت آرام سے ے...... اور اس کے بعد، ایک پراسرار عجیب و ب چکر نے مجھے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ وہ میرے ل آٹھویں رات تھی میں اس دن کوئی دس بجے گھر لوٹا تھا۔ تقریباً ایک گھنٹہ مطالعہ کے بعد میں نے ے کا دروازہ بند کردیا اور کنڈی لگادی۔ باہر کا ہ پہلے ہی سے بند تھا۔ پھر میں نے لائٹ آف کی نے کے لئے بستر پر لیٹ گیا۔

دسمبر کے دن تھے...... اور رات بے حد سرد میں لحاف میں دبکا ہوا سو رہا تھا۔ رات کے کوئی دو ہوں گے۔ اچانک مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کوئی ہوا ہو۔

آنکھیں کھول کر دیکھا تو کمرہ اندھیرے میں ڈوبا ۔ صرف روشن دان سے چاندنی کا انعکاس ہو رہا تھا ے کمرے کی تاریکی قدرے کم ہوگئی تھی پہلی نظر کوئی خاص بات محسوس نہ ہوئی۔ ہر چیز اپنی جگہ پر ل توں تھی۔ لیکن دوسرے لمحے۔ غور سے دیکھنے پر ک خاص تبدیلی کا احساس ہوا کہ الماری کا ایک ا کھلا ہوا تھا۔ میں نے لیٹے لیٹے سوچا۔ شاید میں ونے سے قبل بند کرنا بھول گیا ہوں پھر بھی میں نے کسی خیال کے تحت اٹھ کر دیکھ لینا ہی مناسب سمجھا۔

میں نے اٹھ کر لائٹ آن کی۔ ہر طرف دیکھا بھالا کمرے کے دروازے کی کنڈی اندر سے بدستور بند تھی۔ پھر میں نے بڑھ کر الماری کا کھلا ہوا پٹ بند کردیا۔ اور اس کا ہینڈل ٹھیک سے جمادیا اس سے فارغ ہو کر میں دوبارہ بستر میں گھس گیا۔ اور جلد ہی مجھے نیند آ گئی۔

صبح جب میری آنکھ کھلی...... تو میں چونکے بنا نہ رہ سکا۔ الماری کا ایک پٹ، رات ہی کی مانند پھر کھلا ہوا تھا۔ آخر یہ پھر کس طرح کھل گیا......؟ میں دیر تک بستر پر گنگ بیٹھا سوچتا رہا لیکن کوئی معقول وجہ سمجھ میں نہ آ سکی، تنگ آ کر میں اٹھ گیا۔ میں نے بہت زور کے ساتھ پٹ کو بند کردیا اور آفس جانے کی تیاری کرنے لگا......''

بوڑھا شخص چپ ہوگیا۔ اس نے اپنے بجھتے ہوئے پائپ کا ایک کش لیا۔ پائپ کا گل کرسی کے ہتھے پر ٹھونک کر صاف کیا اور میری جانب دیکھتے ہوئے بولا۔

''یہ کوئی ایسی حیرت انگیز بات نہ تھی کہ میں اس پر زیادہ دھیان دیتا۔ اس کی متعدد وجوہات ہوسکتی تھیں۔ ہوسکتا ہے دروازہ کچھ خراب ہوگیا ہو، یہ بھی ہوسکتا تھا کہ میں نے جلدی میں ہینڈل ٹھیک سے گھمایا ہی نہ ہو۔ بہرحال یہ بات دن کے کام کاج میں ذہن سے قطعی نکل چکی تھی۔ دن ڈھلے میں گھر لوٹا۔ معمول کے مطابق کوئی گیارہ بجے میں سونے کے لئے لیٹ گیا۔ اس بار میں نے تمام دروازے اچھی طرح بند کرلئے تھے۔ اور میں پوری طرح مطمئن تھا۔

میری نیند ابھی کچھ زیادہ گہری نہ ہوئی تھی کہ اچانک میری آنکھ کھل گئی۔ یقیناً کھٹکا خاصی زور سے ہوا تھا۔ میں نے فوراً ہی الماری کی سمت دیکھا۔ اس کا ایک پٹ کھلا ہوا تھا۔ حیرانی کا دورہ ابھی ختم بھی نہ ہوا تھا کہ ایک اور جھٹکے سے دوچار ہونا پڑا۔

قریب ہی کوئی سایہ سا کھڑا تھا۔ اور پھر جلد ہی مجھ پر حقیقت واضح ہوگئی تھی، اس کے ہاتھ اٹھے اور وہ اپنی ٹائی ڈھیلی کرنے لگا۔ کمرے کی تاریکی میں بھی اس کی حرکات واضح تھیں۔ اس نے فوراً ہی جھک کر جوتے کھولے اور کوٹ اتار کر الماری میں ٹانگ دیا۔ اس کام

سے فارغ ہو کر اس نے الماری میں سے کچھ کپڑے کھینچے اور انہیں پہننے لگا۔ میں کھلی آنکھوں سے کسی سحر زدہ کی مانند سب کچھ دیکھے جا رہا تھا۔

دروازہ قطعی بند تھا اور کسی کے اندر آ جانے کا سوال ہی نہ تھا۔ پھر اس سے پہلے کہ میں کچھ کر سکوں۔ اچانک وہ سایہ میرے بستر کی طرف بڑھا اس نے میرے لحاف کا ایک کونا اٹھایا اور پھرتی سے بستر میں گھس آیا۔ اس کے جسم کا گرم لمس مجھے بجلی کی مانند محسوس ہوا۔ میں تڑپ کر اچھلا اور ادھر جھپٹا جدھر لائٹ کا سوئچ تھا۔

لمحہ بھر میں سارا کمرہ بقعۂ نور بن چکا تھا۔ اور پھر مجھ پر حیرت کا ایک پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ میرا بستر بالکل خالی پڑا تھا۔ وہاں آدمی تو کجا کسی چڑیا کے بچے تک کا نشان نہ تھا۔ آخر یہ سب کچھ کیا ہے......؟ میں نے سوچا۔ اور مجھے محسوس ہوا کہ شاید میں کچھ بیمار ہو چلا ہوں۔ اسے خواب یا واہمے کے سوا اور کیا سمجھا جا سکتا تھا۔ میں نے کمرے میں اوپر سے نیچے تک ایک ایک چیز دیکھ ڈالی۔ مگر وہاں کچھ ہوتا تو نظر آتا۔ کمرہ اندر سے بدستور بولٹ تھا۔ تھک کر میں دوبارہ بستر پر جا گرا۔ اور اپنی بزدلی پر لعنت بھیجنے لگا۔ دیر تک ساری باتیں میرے ذہن میں گونجتی رہیں۔ اور میں جس وقت سویا اس وقت لائٹ برابر جل رہی تھی۔

صبح جب میری آنکھ کھلی تو...... میں یہ دیکھ کر پھر حیرت میں ڈوب گیا کہ کمرے کا بلب بجھا ہوا تھا۔ سوئچ بھی آف تھا......!! حالانکہ میں نے سوتے وقت لائٹ جلتی چھوڑ دی تھی۔ سارے واقعات اب میرے لئے آہستہ آہستہ ایک مسئلہ بنتے جا رہے تھے۔ میں نے اس واقعے کے لئے کوئی عقلی توضیح تلاش کی۔ اور یہ سوچ کر ساری بات ذہن سے جھٹک دی کہ رات کو اپنی بوکھلاہٹ میں یقیناً میں نے خود ہی لائٹ بجھا دی ہوگی اور اب بھول چکا ہوں۔''

حسب معمول ٹھہر کر بوڑھے اجنبی نے ہمارا جائزہ لیا۔ اور مسکراہٹ لبوں پر بکھیرتے ہوئے بولا۔

''حضرات شاید آپ کو یہ واقعات کچھ ایسے زیادہ حیرت انگیز نہ لگ رہے ہوں لیکن جلد ہی آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ میں کتنے خطرناک حالات میں گھر
اس سلسلے کی تیسری رات پہلی دو راتوں سے بھی ہولناک تھی۔ اس رات پہلی بار مجھے محسوس ہوا کہ واقعی کسی ان دیکھے وجود سے دوچار ہوں اور یہ سب میرا واہمہ نہیں ہے۔

وہ یقیناً دو یا ڈھائی بجے رات کا عمل ہوگا۔ ک آواز نے میری نیند توڑ دی تھی۔ اور اس بار میں نے کہ کمرے کا دروازہ کھلا ہوا ہے وہاں سے باہر آنگن پھیلی ہوئی چاندنی صاف دکھائی دے رہی تھی۔ ا کوئی پرچھائیں سی دروازے میں حائل ہوئی اور تی ہوئی الماری کے قریب جا ٹھہری۔ چلنے کا یہ انداز میرا اپنا تھا۔ پھر اس نے ٹھیک میرے ہی جیسے اندا الماری کھولی۔ اس میں سے میرا سوٹ نکالا۔ ٹائی اور لباس تبدیل کرنے لگا۔ چند ہی لمحوں میں وہ م سوٹ زیب تن کر چکا تھا۔ پھر وہ اطمینان سے جانب دھیان دیئے بغیر باہر نکل گیا۔ چند لمحوں بع باہر کے دروازے کے کھلنے کی آواز سنائی دی اور تب میں سحر کے حصار سے باہر نکل آیا......

میں نے وقت ضائع کئے بغیر کونے میں ر ڈنڈا سنبھالا اور قفل اٹھاتا ہوا اس کے پیچھے دوڑ لیا۔ میں دروازے پر پہنچا تو میں نے دیکھا وہ کھلا ہ وہاں سے گلی دور تک نظر آ رہی تھی۔ وہ اس وقت کے موڑ پر پہنچ چکا تھا، میں نے تیزی سے دروازہ قفل لگایا اور جونہی وہ گلی کے موڑ پر گم ہوا میں اپن قوت سے اس کے پیچھے دوڑ پڑا۔ یہ یقیناً کوئی چ عقلی دلیل بھی کہہ رہی تھی اور میں اسے بے خبری لینا چاہتا تھا۔ اور پھر میں جونہی موڑ پر گھوما......

مجھے یوں لگا جیسے خوف سے میرا دل اچھل میں آ گیا ہو کسی نے بھیانک انداز میں زور سے'' نعرہ بلند کیا تھا۔ بالکل ایسے ہی جیسے شریر بچے دوسر کو ڈراتے ہیں۔ لمحہ بھر کے لئے میں حواس باختہ میرے قدم لڑکھڑا گئے اور میں زمین پر ڈھیر ہو گیا او میں اٹھا...... تو وہاں کوئی دوسرا شخص موجود نہ تھا...... و

تھا میری بدحواسی کا فائدہ اٹھا کر رفو چکر ہو چکا تھا۔
ڑاتا ہوا میں گھر کی سمت لوٹ پڑا...... مجھے اپنے نیلے
ٹ کے اس طرح چلے جانے پر سخت تاسف تھا۔
میں نے گھر پہنچ کر بجلی جلائی اور الماری کھولی
دیکھوں اور کیا کیا چیزیں غائب ہیں؟ اور تب ایک
کر مجھ پر حیرانی کا دورہ پڑ گیا۔ میرا نیلا سوٹ ہینگر میں
ہوا تھا۔ الماری کی دوسری ساری اشیاء بھی بدستور
جگہوں پر موجود تھیں......"
رک کر اس اجنبی قصہ گو نے ہمیں دیکھا...... اور
...... "کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ اس وقت میری کیا
ت ہوئی ہوگی؟...... میرا خیال ہے کہ اس واقعے کے
آپ حضرات میں سے شاید ہی کوئی وہاں ٹھہرنا منظور
ا...... مگر میں پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ میں فطرتاً
دلیر واقع ہوا تھا...... ہاں یہ دوسری بات ہے کہ
...... اس وقت میری حالت بہت مختلف ہے۔ میرا
بے حد کمزور ہو گیا ہے...... اور اب ہر وقت مجھ پر
انجانا خوف غالب رہنے لگا ہے۔"
میں نے محسوس کیا کہ اس کی آواز گلوگیر سی ہو گئی
۔ چند لمحے وہ چپ چاپ آتش دان کو گھورتا رہا جیسے
رے ہوئے واقعات کی کڑیاں ملا رہا ہو۔
"چوتھی رات جو آئی...... وہ اس عجیب وغریب
ان کی سب سے زیادہ ہولناک رات تھی......!!"
نے دوبارہ لب کھولتے ہوئے کہا۔ "میں رات گئے
لوٹا تھا۔ اور بہت تھکا ہوا تھا...... میری نیند یقیناً بے
ہری رہی ہوگی...... کیونکہ باوجود کھٹکا سننے کے میں
طرح بیدار نہیں ہوا تھا۔ میری آنکھوں میں نیند تیر
تھی۔ بوجھل پپوٹوں کو زبردستی کھولتے ہوئے میں
دیکھنے کی کوشش کی۔ کمرے کا دروازہ جسے میں
کر کے سویا تھا۔ کھلا ہوا تھا۔ تب ہی اچانک جیسے
میں کسی کا جسم حائل ہو گیا۔
پھر وہ سایہ رفتہ رفتہ دور ہونے لگا۔ چند لمحوں بعد
باہر کے دروازے کے کھلنے کی آواز سنائی دی۔ وہ
اش جا رہا تھا۔ میں نے خدا معلوم کس جذبے کے

## آپ بھی پوچھئے......!

☆ شوہر اور گدھے میں کیا چیز مشترک پائی جاتی ہے؟

دونوں ہی بار برداری کیلئے استعمال ہوتے ہیں۔

☆ پیار کا لائسنس کیا ہوتا ہے؟

ایک کے لئے خوب صورت چہرہ دوسرے کے لئے نوٹوں سے بھری جیب۔

☆ اگر عورت وفا کی دیوی ہوتی ہے تو مرد کیا ہوتا ہے۔

بیچارہ ...... ! جو ساری عمر اس وفا کی دیوی کی انگلیوں پر ناچتا ہے۔

☆ زندگی میں کتنی بار محبت کرنی چاہئے؟

ایک دفعہ فیل ہو جانے پر تین مواقع تو یونیورسٹی بھی دیتی ہے......!

☆ کیا عشق کے کوچنگ سینٹرز بھی ہوتے ہیں؟

یہ سی این این، ایچ بی او، این ٹی ایم، پی ٹی وی، فلمیں اور ڈس پھر کیا ہیں!

☆ دردِ دل کو دوا چاہئے یا دعا؟

دوا...... کسی خوب صورت نرس کے ہاتھوں سے۔

☆ محبت کے میچ میں جیت کس کی ہوتی ہے؟

پیسے والے کی، غریب تو ہمیشہ زیرو پر آؤٹ ہوتا ہے۔

☆ لڑکے اپنی محبت کا ثبوت کب دیتے ہیں؟

محبوبہ کی شادی میں کرسیاں لگا کر۔

(الیس امتیاز احمد۔ کراچی)

تحت بستر سے چھلانگ لگائی، خالی ہاتھ اور ننگے پیر اس کے پیچھے دوڑ پڑا۔ دروازے پر پہنچ کر میں نے دیکھا کہ وہ انتہائی تیز رفتاری سے جارہا ہے۔ پھر وہ گلی کے موڑ پر دکھائی دیا۔ میں نے اس بار اسے پکڑنے کی ٹھان لی تھی۔ مجھے اپنے اوپر قطعی اعتماد تھا اور مجھے یقین تھا کہ وہ کوئی جن یا بھوت ہرگز نہیں ہوسکتا۔ نیلے سوٹ کی موجودگی کا یہ مطلب قطعی نہ تھا کہ میری سوچی ہوئی ہر بات ٹھیک ہی تھی۔ ہوسکتا ہے وہ کوئی چور ہی رہا ہو اور مجھے دیکھ کر بھاگ نکلا ہو۔ دلیلوں کی روشنی میں ہر بات واضح تھی اور اس میں اس وقت میں مزید گھماؤ پھراؤ پیدا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میں گلی کے نکڑ پر پہنچ کر محتاط انداز میں آگے بڑھا لیکن کوئی خلاف توقع بات نہ ہوئی۔ وہ اس عرصے میں دوسری گلی کے نکڑ پر پہنچ گیا تھا......

میں نے وہیں رک کر اسے مڑتے دیکھا اور پیچھے چل پڑا۔ میرے اور اس کے درمیان کوئی ڈیڑھ سو گز کا فاصلہ موجود تھا۔ گلی کے بعد اس نے سڑک عبور کی اور اس طرح چلنے لگا کہ اس کا جسم چاندنی میں رہنے کے بجائے مکانوں کے سائے میں رہے، میں خاموشی سے اس کا تعاقب کرتا رہا۔ بظاہر وہ اس تعاقب سے قطعی بے خبر لگ رہا تھا کیونکہ اس نے عرصے میں ایک بار بھی پیچھے مڑ کر نہ دیکھا تھا، مجھے اس کے پیچھے چلتے کوئی پندرہ بیس منٹ گزر گئے۔ میں نے طے کرلیا تھا کہ آج اسے بچ کر نہ جانے دوں گا۔ اس تمام عرصے میں کوئی پولیس مین بھی مجھے نظر نہ آیا تھا کہ میں اس کا سہارا لے سکتا۔ سڑک پر سناٹا طاری تھا۔ سڑکیں پورے چاند کی چاندنی میں نہائی ہوئی تھیں۔

بے خبری میں مزید کچھ دور چلنے کے بعد پہلی بار مجھے احساس ہوا کہ میں شہر کے باہر آگیا ہوں اور اس سڑک پر چل رہا ہوں جو سیدھی قبرستان کی سمت جاتی ہے۔ وہاں سے آبادی ختم ہوگئی تھی۔

چند لمحوں کے لئے میں رک گیا تھا کہ وہ اس میدان کو عبور کرلے جو میرے اور اس کے درمیان حائل ہوگیا تھا۔ وہ سیدھے چلتا چلتا قبرستان کے گیٹ میں گھس گیا۔ میں نے وقت ضائع کئے بغیر دوڑ لگائی اور جلد ہی اسے جالیا۔ وہ پیڑوں کے درمیان سے گزرتا ہوا اونچی نیچی قبروں کو پھلانگتا جارہا تھا۔ رات کا سناٹا یہاں کچھ عجیب ہی انداز میں پھیلا ہوا تھا۔ ہر طرف جھینگروں کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ سردی سے میرا برا حال تھا کیونکہ مارے جوش کے یونہی بستر سے نکل آیا تھا۔

مجھے اپنے مکان کے کھلے ہونے کی فکر بھی لاحق تھی۔ اور کچھ سمجھ میں نہ آرہا تھا کہ کیا کروں؟ وہ صرف تجسس کا جذبہ تھا جو مجھے روک رہا تھا۔ اب میں نے کچھ دیر رک جانا ہی مناسب سمجھا۔ میں ایک درخت کے سائے میں رک گیا۔ وہ کوئی سو گز کے فاصلے پر کھڑا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ چند لمحوں وہ ادھر ادھر دیکھتا رہا پھر وہ وہیں بیٹھ گیا...... وہ شاید کوئی قبر ہی تھی۔ اچانک وہ بڑی تندہی سے زمین کھرچنے لگا۔ یعنی کھودنے لگا...... وہ اتنی تیزی سے زمین کھرچ رہا تھا کہ میں بیان نہیں کرسکتا۔ یوں لگتا تھا جیسے اس کی انگلیاں لوہے کی ہوں۔ میں سحر زدوں کی مانند یہ منظر دیکھے جارہا تھا۔ اس وقت مجھے نہ سردی کا احساس تھا اور نہ رات کا خیال۔ اور نہ قبرستان کا خوف......!!

کوئی گھنٹہ بھر کی مشقت کے بعد اس نے قبر کی خاصی مٹی ایک جانب نکال پھینکی۔ اور تب مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ کسی شے کو زور لگا کر کھینچنے کی کوشش کررہا ہے۔ کچھ دیر کی جدوجہد کے بعد وہ کامیاب ہوگیا۔ میں نے چند گز اور آگے بڑھ کر ایک مناسب جگہ ٹھہرتے ہوئے دیکھا۔ وہ قبر میں سے لاش نکالنے میں کامیاب ہوگیا۔ لاش یقیناً تازہ ہی تھی۔ کیونکہ چاندنی میں کفن سفید نظر آرہا تھا۔ اس نے چند ہی لمحوں میں لاش کو کپڑے سے بے نیاز کردیا...... اور پھر......

میرے خدا! رک کر اس نے سسکی سی لی...... جھکا اور دانتوں سے لاش کو نوچنے لگا......

بوٹیاں اتار اتار کر وہ یوں انہیں چبا رہا تھا جیسے کہ گوشت کھاتے ہیں۔ یہ منظر ایسا ہی لرزہ خیز تھا کہ میں مارے خوف کے کانپنے لگا......! پھر میں کسی خوف زدہ

پاگل کی طرح وہاں سے بے تحاشہ بھاگ اٹھا۔ میرے لئے وہاں ٹھہرنا ناممکن ہوچکا تھا۔

بیس منٹ کا راستہ میں نے دس منٹ سے بھی کم وقت میں طے کیا اور جب میں گھر پہنچا تو میرا سارا جسم پسینہ سے شرابور تھا۔ حالانکہ سخت ٹھنڈ پڑ رہی تھی۔ میں نے دروازے خوب اچھی طرح بند کئے...... اور اس رات میں صبح تک جاگتا رہا۔ اس عرصہ میں میں نے فیصلہ کرلیا تھا کہ میں اب اس مکان میں ہرگز نہ رہوں گا۔ صبح ہوتے ہی میں نے مالک مکان کا حساب صاف کیا اور ایک ہوٹل میں منتقل ہوگیا۔"

بوڑھے اجنبی نے رکتے ہوئے ایک لمبی سانس لی۔ پھر پائپ میں تمباکو بھرنے کے لئے جیبیں ٹٹولنے لگا۔ ہم سب اس حیرت انگیز داستان کے تاثر میں اس قدر غرق تھے کہ ہمیں اس کا چپ ہوجانا کچھ ناگوار سا لگ رہا تھا۔ ہر شخص سحر زدوں کی مانند اسے دیکھ رہا تھا...... ہمہ تن گوش!!!

پائپ جلا کر لمبا کش کھینچتے ہوئے اس نے کہا۔

"میری داستان یہیں ختم نہیں ہوتی...... ہوٹل میں، چند ہفتے گزارنے کے بعد ہی مجھے احساس ہوگیا کہ میں یہاں کے کرائے کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ مجبوراً میں نے ایک اور مکان کرائے پر لے لیا۔ یہاں میں کوئی چھ یا سات دن آرام سے رہا...... لیکن آٹھویں رات ہاں آٹھویں رات۔ مجھے یوں لگا تھا جیسے کوئی وزنی چیز گری ہو پھر میری نیند ٹوٹ گئی......

اور یہ یہاں یہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں کہ مجھے یہاں بھی اسی ناٹک کی ابتداء ہوتی نظر آرہی تھی جس سے میں گزر چکا تھا۔ میں نے خطرے کی پہلی ہی علامت پر مکان چھوڑ دیا۔ اور ایک دوست کے ہاں پناہ گزین ہوگیا۔ ان دنوں کسی کے ہاں مستقل رہنا کتنا معیوب سمجھا جاتا تھا۔ اس سے تو آپ واقف ہی ہوں گے۔ میں نے مجبوراً پھر ایک اور مکان تلاش کیا۔ لیکن جلد ہی مجھ پر یہ راز کھل گیا کہ میں کسی بہت برے چکر میں پھنس گیا ہوں۔ گنڈے تعویذ کے باوجود کوئی وجود میرے ساتھ ہمزاد کی طرح لگا ہوا تھا۔

تنہا مکانوں میں سونا اب میرے بس میں نہ تھا۔ ہوٹلوں کا خرچ میری استطاعت سے باہر تھا۔ میں مہینوں ادھر ادھر مارا مارا پھرتا رہا۔ کتنی ہی راتیں میں نے مسافر خانوں میں گزاریں۔ لیکن وہ میرے ساتھ چمٹا رہا اور پھر کچھ عرصے بعد مجھ پر ایک نئی بات کا انکشاف ہوا......

اور یہی وہ ہیبت ناک انکشاف تھا جس نے مجھے قبل از وقت بوڑھا کردیا ہے۔ میں زندہ ہوں لیکن مردوں سے بدتر......

اس احساس کے بوجھ تلے دب کر میں اس حال کو پہنچ گیا ہوں۔ میری عمر، آپ یقین کریں کہ تیس سے زیادہ نہیں ہے...... مگر میں ساٹھ سال کا بوڑھا معلوم ہونے لگا ہوں۔ میرے حوصلے پست ہوچکے ہیں...... اور ایک پراسرار خوف ہر وقت مجھ پر طاری رہتا ہے۔ وہ کسی وقت بھی میرا پیچھا نہیں چھوڑتا۔ ہر وقت سائے کی طرح ساتھ لگا رہتا ہے۔ میں پچھلے پانچ سالوں سے اس پراسرار ہمزاد کی قیام گاہ بنا ہوا ہوں...... وہ اس وقت بھی میرے ساتھ ہے لیکن آپ لوگ اسے نہیں دیکھ سکتے...... خدا کی قسم وہ اس وقت بھی میرے ساتھ ہے۔"

بوڑھا اچانک خاموش ہوگیا اور پھر وہاں موجود ہر شخص کے ہونٹوں پر طنزیہ سی مسکراہٹ دیکھ کر جھنجھلا گیا۔ "شاید آپ لوگوں کو میری کہانی پر یقین نہیں آیا۔" وہ تلخ لہجے میں بولا اور پھر اٹھ کر تیزی سے چلتا ہوا دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

میں نے اس بے تکی کہانی پر ایک ہلکا سا قہقہہ لگانا چاہا لیکن دوسرے ہی لمحے میری آواز حلق میں اٹک گئی۔ میری طرح اور سب بھی مبہوت ہو کر رہ گئے تھے...... کیونکہ......؟

جس وقت وہ اجنبی دروازے سے باہر نکل رہا تھا تو ویٹنگ روم کے فرش پر اس کا سایہ پڑ رہا تھا۔ سایہ نہیں بلکہ سائے...... دو سائے تھے...... جبکہ اجنبی کے ساتھ کوئی دوسرا شخص دکھائی نہیں دے رہا تھا۔



# خونی جزیرہ

ایم الیاس

قسط نمبر: 6

خوفناک حیرت ناک اور دہشت ناک وادی میں جنم لینے والی عجیب و غریب خوف کی وجہ سے دل کو سہماتی اور رگوں میں خون کو منجمد کرتی، قدم قدم پر لرزاتی اور پورے جسم میں ارتعاش پیدا کرتی نادیدہ قوتوں کی ناقابل فراموش اور ناقابل یقین، ڈرائونی کہانیوں کی فہرست میں سب سے آگے حقیقت پر مبنی خونی کہانی۔

مشہورومعروف رائٹر کے زورقلم کی شاہکار کہانی جو کہ پڑھنے والوں کو حیران کردے گی

**میری** نس نس میں خوف ودہشت کی ایک ایسی لہر اٹھی جس نے نہ صرف میری ریڑھ کی ہڈی میں کسی چاقو کی نوک کی طرح اتر گئی بلکہ میرے وجود کو بری طرح دہلا کر رکھ دیا۔ میں سن سا ہوگیا اور میں ساکت و جامد ہوکر انہیں پھٹی پھٹی نظروں سے دیکھنے لگا۔

وہ چاروں مسلح تھے۔ نریندر گروپ کے بدمعاش تھے جن کے نزدیک انسانی لہو پانی سے بھی ارزاں تھا۔ اس قدر شقی القلب تھے کہ آدمی کو کسی پرندے اور جانور کی طرح ذبح کرکے خوش ہوتے تھے۔ کسی پرشباب نوجوان، دوشیزہ اور جواں سال عورت کو اغوا کرکے لاتے تو اس سے اس وقت تک ہر طرح سے کھیلتے رہتے تھے جیسے وہ کوئی کھلونا ہو۔ ان سے رحم کی بھیک مانگنا فضول ہوتا کیوں کہ وہ جانتے نہیں تھے کہ رحم کیا ہوتا ہے۔

جب وہ پناہ گاہ سے دو ایک قدم پر رکے تو میں سانس لینا بھول گیا۔ میں نے پل بھر کے لئے نیتا کی طرف دیکھا تو وہ بستر پر آڑی ترچھی ہوکر دراز تھی۔ اس کا لباس بھی بے ترتیب سا اس طرح ہو رہا تھا کہ مرد کے جذبات میں ابال آسکتا تھا۔ وہ بدمعاش اس حالت میں اسے دیکھ لیں تو بے قابو ہوکر اس کی بے حرمتی کرنے میں پل بھر کی دیر نہ کریں۔ میں نے سوچا کہ کیوں نہ باہر نکل کر اپنے آپ کو ان کے حوالے کردوں اور ساتھ بغیر کسی مزاحمت کے چل پڑوں۔ پھر اس پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔ کیوں کہ انہیں علم نہیں کہ اس جزیرے پر کوئی عورت بھی ہے...... نوجوان اور نہایت حسین......

''یارو......! ہم یہاں اتنے دنوں سے خوامخوا خوار ہورہے ہیں یہاں تو انیل کی بدروح بھی نہیں ہے۔'' ایک نے کہا۔

''ساتھ چلتے شراب اور اس حسینہ کو ساتھ لے لیتے تو اتنے دن بور نہ ہوتے......؟'' دوسرے نے کہا۔ ''ان کے سنگ ہر طرح کا لطف اٹھاتے۔''

''تم سچ کہتے ہو...... عورت اور شراب کے بغیر ایک دن بھی لطف نہیں آتا ہے اور ہم کب اس کے بغیر رہے ہیں۔'' تیسرا بولا۔

''اب ہم ہندوپور چلتے ہیں۔'' چوتھے نے کہا۔ ''اب یہاں رہنے سے کچھ حاصل نہیں ہے۔''

''لیکن ہندوپور یہاں سے تو بڑی لمبی مسافت ہے۔'' دوسرے نے کہا۔ ''باس کہے گا کہ ہندوپور کیوں گئے تھے؟''

''لیکن وہاں پہنچتے ہی ساری تھکن اور بوریت دور ہوجائے گی۔'' وہ کہنے لگا۔ ''اس لئے کہ وہاں ہر



کی لڑکیوں اور عورتوں کی بہتات ہے۔ بڑی گرم جوشی ہے۔ ہر طرح سے دل بہلاتی ہیں۔ باس سے کہہ دیں گے کہ ہمیں اطلاع ملی تھی کہ انیل وہاں روپوش ہے۔"

"اب چلو.....“ پہلے نے کہا۔”لانچ چلنے کے لئے تیار ہے۔ اس کی وسل بھی خراب ہوچکی ہے۔"

پھر وہ چاروں تیزی سے گھاٹ کی طرف لپک گئے۔ جہاں لانچ کھڑی تھی۔ میں پناہ گاہ سے نکل آیا اور ایک گھنے درخت کے پیچھے کھڑے ہو کر لانچ کو دیکھتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد لانچ روانہ ہوگئی۔ میں اس وقت تک کھڑا اسے دیکھتا رہا جب تک وہ ایک دھبہ بن کر نظروں سے اوجھل نہ ہوگئی۔ مجھے ایسا لگ رہا تھا کہ میں گہری نیند میں کوئی سندر سا سپنا دیکھ رہا ہوں۔

میری خوشی اور سرشاری کی انتہا نہ تھی۔ میں نے سکون اور طمانیت کا سانس لیا۔

تھوڑی دیر بعد نیتا کو پناہ گاہ سے نکل کر آتے دیکھا۔ میں نے ہی اسے آواز دی تھی۔

”نیتا.....! نیتا.....!“ جلدی سے باہر آجاؤ..... وہ سارے بدمعاش چلے گئے ہیں۔"

نیتا نے میری مسرت سے بھرپور آواز سنی تو ننگے سر پناہ گاہ سے نکل آئی۔ میں نے اسے صرف ایک بار ندی کنارے ننگے سر دیکھا تھا۔ جب اس کے بال خشک تھے۔ دوسری مرتبہ چٹان کے پاس..... وہاں ایسا گھپ اندھیرا تھا کہ نہ تو اس کے بال نظر آئے تھے اور نہ ہی ان کا خیال آیا۔ وہ اپنے بالوں کو سفید اسکارف سے ڈھانپ کر رکھتی تھی۔ میں چوں کہ پناہ گاہ سے باہر تھا۔ اس لئے اس نے اسکارف اتار کر رکھ دیا تھا۔ میری آواز سنتے ہی وہ ننگے سر نکل آئی تھی۔

میں اس کے بال دیکھتے ہی بھونچکا رہ گیا۔ آنکھوں کو یقین نہ آیا۔

ایسے بال دنیا کی کسی عورت کے نہیں ہوسکتے تھے۔ وہ لپکتی ہوئی میری طرف آرہی تھی۔ بدمعاشوں کے دفع ہوجانے کی خبر سن کر وہ بھی حیرت اور خوشی سے پاگل سی ہوئی جارہی تھی۔ وہ جس اشتیاق اور برسوں سے بچھڑی ہوئی بیوی کی طرف اس سے ایسا لگ رہا تھا کہ وہ مجھ سے جذباتی انداز اور خود سپردگی سے لپٹ جائے گی۔ مگر بے حد سیاہ بال اس کے مخملیں شانوں پر بکھرے دیکھ کر مجھے ایک خوف طاری ہوگیا۔ مجھے اس لمحے ایسا لگا جیسے یہ کوئی حسین بدروح ہو۔

میں اسے دور رکھنے اور اس خیال سے کہ وہ زندان سے رہائی پانے کی خوشی میں مجھ سے لپٹ نہ جائے۔ کیوں کہ وہ ایسی بے قابو ہورہی تھی کہ اسے جیسے کسی بات کا خیال ہوش نہیں رہا تھا۔ ساڑی کا پلو تھا کہ بار بار سینے اور شانے سے پھسلا جارہا تھا۔ کھلے گریبان کا نظارہ اور اس کا سراپا اور تناسب ایسے تھے کہ مرد کا پیر پھسل سکتا تھا۔

اس نے میرے گلے میں اپنی مرمریں بانہیں حمائل کردیں تو ہم دونوں کے ہونٹ مصافحے کے انداز سے مل گئے۔ چند لمحوں بعد میں نے کہا۔

”چائے کی بڑی طلب ہورہی ہے..... اتنی بڑی آبادی ہے..... اب تک ہم نے مغربی حصہ کی آبادی کے مکانات نہیں دیکھے ہیں۔ ادھر چلتے ہیں..... شاید کسی مکان میں چائے کی پتی، شکر اور خشک دودھ مل جائے۔"

”تم ٹھیک کہتے ہو.....“ نیتا نے تائیدی انداز میں سر ہلایا۔”چلو..... چل کر تلاش کرتے ہیں..... ہم اتنے دنوں سے صرف پھلوں پر گزارا کرتے چلے آرہے ہیں۔ ایک گھونٹ چائے بھی پینے کو نہیں ملی ہے۔"

”ویسے مٹھائی ضرور مل گئی تھی جس کا میں نے تصور بھی نہیں کیا تھا؟“ میں نے شوخی سے کہا۔

”کون سی مٹھائی.....؟ کیسی مٹھائی.....؟ کہاں سے آئی؟“ نیتا نے حیرت سے پلکیں جھپکائیں۔

میں نے اس کے رس بھرے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر کہا۔”یہ کس قدر مدھ بھرے ہیں..... آج تک میں نے کسی میں اتنی مٹھاس نہیں پائی۔"

وہ حیا آلود ہو کر اس قدر حسین لگی کہ میں نے اس کے ہونٹوں کی حیا اپنے لبوں پر جذب کرلی۔

”اب چلیں بھی.....“ اس نے کہا۔”ایسا نہ ہو کہ

ہم بہک جائیں......"

ہم کوئی نصف گھنٹے کے بعد اس مغربی حصے میں پہنچے جو بڑی آبادی تھی۔ ویران اور سنسان پڑی ہوئی تھی۔ ہم نے جب آبادی کے اندر قدم رکھا تو نیتا نے ایک دم سے چونک کر میرا ہاتھ پکڑلیا اور خوف زدہ لہجے میں بولی۔

"انیل......! وہ دیکھو......گھاٹ پر ایک بڑی سی کشتی کھڑی ہے......"

میں نے چونک کر نیتا کا چہرہ دیکھا جو متغیر ہورہا تھا اور اس کا سینہ دھڑک رہا تھا۔ پھر گھاٹ کی طرف جہاں ایک جدید ترین تیز رفتار کشتی کھڑی تھی میرا دل بھی دھڑک اٹھا...... یہ کس کی کشتی ہے......؟"

"چلو بھاگو انیل......!" وہ دہشت زدہ لہجے میں بولی۔ "یہاں ہمارا دشمن آگیا ہے......"

"بھاگنے کی آواز نہیں بچو......!" ایک مٹھاس بھری آواز خاموش فضا میں گونجی۔ "میں دشمن نہیں دوست اور مددگار ہوں۔"

ہم دونوں نے تیزی سے آواز کی سمت گھوم کر دیکھا۔ ایک بڑے سے مکان کے برآمدے پر ایک عمر رسیدہ شخص کھڑا ہوا تھا۔ جس کے سر کے تمام بال سفید تھے۔ بھنویں اور پلکیں بھی سفید تھیں۔ چھوٹی سی داڑھی بھی...... اس کے چہرے اور آنکھوں میں شفقت بھری تھی۔

"تم کون ہو......؟" میں حیرت اور خوف کے ملے جلے لہجے میں بولا۔ "نریند کے آدمی......؟"

"نہیں......" اس نے سر ہلایا۔ "تمہیں ڈرنے اور خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں...... میں کسی کا آدمی نہیں ہوں...... اس نریند کے آدمی تمہارا بال بھی بیکا نہیں کرسکتے...... میں اسے تباہ کرنے کی شکتی رکھتا ہوں اور تباہ کردوں گا......"

"وہ کس طرح......؟" نیتا نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔

"وقت آنے پر تمہیں پتا چل جائے گا...... تم نیتا ہو اور تم انیل......!" وہ مسکرادیا۔ "میں جانتا ہوں تم دونوں کو کن حالات نے یہاں پہنچایا اور تم دونوں نریند کے بدمعاشوں سے خوف زدہ ہوکر زمین دوز پناہ گاہ میں چھپے ہوئے ہو......"

ہم دونوں بھونچکے ہوگئے۔ مجھے اپنی سماعت پر یقین نہیں آیا۔ نریند کا یہ کوئی آدمی ہوتا تو میں اسے جانتا۔ اس کے گروہ میں کوئی بھی چالیس پچاس کی عمر سے زیادہ کا آدمی نہ تھا۔ حیران کن بات یہ تھی کہ وہ نیتا کے نام سے بھی واقف تھا۔

"تم دونوں بہت دنوں سے پھلوں پر گزارہ کررہے ہو......" اس نے کہا۔ "تم میرے ہاں آؤ...... میں تم دونوں کی ہر طرح سے سیوا کروں گا۔ میرے پاس بسکٹ، چائے، پتی، خشک دودھ، پرندوں کا گوشت...... وہ سارا سودا سلف موجود ہے جس کی ہر گھر میں ہر شخص کو ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ انڈے، مکھن اور شہد اور ڈبل روٹی بھی ہے...... اندر آجاؤ...... تم دونوں ہر طرح سے محفوظ ہو۔"

اس کے لب و لہجے سے اندازہ ہوگیا کہ وہ سچ بول رہا ہے۔ لیکن پھر بھی دل کے کسی کونے میں ڈر، خوف اور اندیشہ جنم لے رہا تھا کہ یہ شخص مکروفریب کے جال میں پھنسانا چاہتا ہے۔ یہ نریند کا آدمی ہے۔ جو اس کے گروہ کے لوگوں کے ساتھ آیا ہوا ہے۔ اس کا ثبوت یہ کشتی ہے۔ ہمیں اندر گھستے ہی اس کے آدمی دبوچ مجھے دبوچ کر بے بس کردیں گے اور پھر نیتا کے ساتھ جبر و زیادتی کریں گے اور اس کی عزت سے کھلونے کی طرح کھیلیں گے۔ میرے دل میں ایک انجانا خوف سا دامن گیر ہورہا تھا۔

وہ مجھے سوچ اور تذبذب میں مبتلا دیکھ کر بولا۔

"کیا تمہیں میری بات پر بسواس نہیں...... اگر میں نریند کا آدمی اور تمہیں پکڑ کرلے جانا ہوتا اور اس لڑکی کو ان درندوں کے سامنے ڈالنا ہوتا تو کل رات ہی میں یہ کارنامہ انجام دے دیتا۔ لہٰذا بے خوف وخطر اندر آجاؤ۔"

نیتا بھی ایک انجانے خوف سے تذبذب کا شکار ہو رہی تھی۔ اس نے میرا ہاتھ تھام لیا۔ پھر ہم دونوں بے دھڑک اندر داخل ہوگئے۔ اندر اس کے سوا کوئی نہ تھا۔ وہ اکیلا ہی تھا۔ میں نے تمام کمروں کے اندر غیر محسوس انداز سے جھانک کر اپنی تسلی کرلی۔ تھوڑی دیر بعد اس نے کھانے کی میز پر تلی ہوئی مچھلی، چکن بروسٹ، دال اور چاول چن دیئے اور بولا۔

''آپ دونوں بھوجن کریں۔ میں اتنی دیر میں چائے بنا کرلاتا ہوں۔''

''نہیں...... آپ زحمت نہ کریں۔'' نیتا بولی۔ ''میں کھانا کھاتے ہی چائے بناؤں گی۔ مجھ سے اچھی چائے کوئی بنا نہیں سکتا ہے؟''

وہ پراسرار سا شخص نیتا کی بات سن کر ہنس پڑا۔ ''تم سچ کہتی ہو...... عورت کے ہاتھ میں جو بات ہے وہ مرد میں کہاں......؟''

پھر ہم دونوں کھانے پر ٹوٹ پڑے۔ خوب سیر ہو کر کھایا۔ وہ ہمیں بڑے اصرار اور محبت سے کھلاتا رہا۔ جب ہم کھانے سے فراغت پاچکے تو نیتا برتن سمیٹ کر باورچی خانے میں لے گئی۔ تمام جھوٹے برتن دھو کر اس نے چائے بنائی اور نشست گاہ میں لے آئی۔ کھانے کے دوران اس شخص نے بتایا میری کشتی میں بیک وقت سات آدمی سفر کرسکتے ہیں۔ یہ خورد و نوش میرے پاس اتنا ہے کہ دس آدمی ایک ماہ تک تینوں وقت سیر ہو کر کھاسکتے ہیں۔ فروزن پراٹھے، پوریاں اور نان اور چپاتیاں اور چاول اور دال بھی ہے۔

چائے پینے کے بعد اس نے بتانا شروع کیا۔

''یہ کہانی جتنی سنسنی خیز ہے اتنی خوفناک اور پرخطر بھی ہے۔ یہ لاشوں کی وادی کی کہانی جو نہایت پراسرار اور ناقابل یقین بھی ہے۔ برسوں سے جدید سائنس یہ پیشن گوئیاں کرتی چلی آرہی ہے کہ سائنس کالا جادو، ہر قسم کے جادو اور منتروں سے کہیں بڑھ کر ہے۔ سائنس آئے دن حیرت انگیز اور ناقابل یقین ترقی کرے گا۔ اس کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا۔ سائنس نے انسانوں کو چاند پر پہنچا کر یہ سچ ثابت کیا کہ اس نے آخر چاند کو تسخیر کیا۔ اس کے بعد اس نے وی سی آر کمپیوٹر، انٹرنیٹ اور موبائل فون ایجاد کیا جو ایک طرح سے جادو ہے۔ جدید ترین جادو منتر۔ سائنس کے آج کے دور میں کوئی بات بھی ناممکن نہیں رہی۔ اس نے ہر خیال اور تصور کو ممکن کردکھایا اور دکھا رہا ہے۔

لیکن آج کے دور میں لوگ جادو منتر کو کوئی اہمیت نہیں دیتے اور نہ ہی اس کی سچائی پر یقین رکھتے ہیں۔ اس کے وجود پر یقین نہیں رکھتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ سب قصہ کہانیاں ہیں۔ من گھڑت باتیں ہیں۔ لیکن اس کے باوجود آج بھی ایسے بہت سارے لوگ ملیں گے جو جادو منتر پر آنکھیں بند کرکے یقین رکھتے ہیں اور اسے سچائی اور حقیقت تسلیم کرتے ہیں۔

میں جو کچھ بتا رہا ہوں۔ وہ مجھ پر بیت چکا ہے۔ میں نے اب تک اس لئے کسی کو نہیں سنائی کہ کہیں لوگ مجھے پاگل سمجھ کر پتھر نہ ماریں۔ اب چوں کہ دنیا نے بہت ترقی کرلی ہے۔ اور اس امر کو تسلیم کرتے ہیں کہ دنیا میں کوئی بات ناممکن نہیں رہی ہے۔ جیسا کہ سائنس کی ایجادات نے ثابت کردکھایا ہے اب اس کا وقت آگیا ہے کہ سنادوں۔ میرے پاس ان باتوں کی سچائی کا ٹھوس ثبوت ہے۔

یہ جزیرہ ماضی میں ایک چھوٹا سا ملک تھا لیکن اسے جزیرہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ کیوں کہ یہ پانی میں چاروں طرف سے گھرا ہوا ہے۔ یہ پہلے سنگارا کے نام سے مشہور تھا۔ لیکن آج بھی جزیرہ کہلاتا ہے۔ یہ سنگارا بہت ہی خوب صورت، پرفضا، سرسبز و شاداب اور قدرت کے حسین اور دلکش نظاروں سے بھرا ہوا ہے۔ گو یہاں اب آبادی نہیں رہی لیکن آج بھی کئی اعتبار سے شہرت رکھتا ہے۔ سری لنکا کی طرح یہاں چائے اور ناریل کے باغات ہیں اور بھی مختلف قسم کے پھلوں کے درخت ہیں۔ اس کے علاوہ صدیوں سے پراسرار، ماورائی اور بہت ہی خوف ناک قسم کے واقعات جنم لیتے رہے ہیں۔ بنگال، آسام اور ہندوستان کے دیگر علاقوں

طرح یہاں جادوگر، جادوگرنیاں، چڑیلیں، بھوت، ت ہیں۔ اس بات سے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ میں وستان سے سنگارا جزیرہ کیوں اور کس لئے آیا اس کا منظر سن لیں۔

اپریل کی بڑی سہانی اور خوش گوار صبح تھی۔ اتوار کا بھی تھا۔

میں گہری نیند سوتا ہی رہتا اگر میرا ملازم مجھے ر نہ کرتا۔ میں ناشتے کی میز پر بیٹھا ہوا تھا کہ میرا ینہ دوست کشن سوامی آیا تو اس کا چہرہ وہ ہر اتوار کے صبح کا ناشتا میرا ساتھ ہی کرتا تھا یہ اس کا معمول تھا۔ ن اس نے کوئی ایک ماہ کے بعد اپنی صورت دکھائی ۔ لیکن وہ کبھی مجھے اتنا خوش اور سرشار دکھائی نہیں ۔ اس کی آنکھوں میں بے پناہ چمک تھی۔ میں نے ے ناشتا کرنے کے لئے کہا تو وہ بولا کہ میں تھوڑی دیر ے ہی ناشتا کرکے آیا ہوں۔ وہ صرف کافی پیئے گا۔ ں نے ملازم سے کافی لانے کے لئے کہا۔

"یار میری جان کشن......!" میں نے اس کے رے پر نگاہیں مرکوز کرکے پوچھا۔ "کیا بات ہے آج بہت خوش دکھائی دے رہے ہو......؟ میں نے تمہیں ھی اتنا خوش نہیں دیکھا۔ کہیں ڈربی ریس کا انعام تو یں نکل آیا؟ شاید تم نے اس کا ٹکٹ خریدا تھا؟"

"ڈربی ریس سے بھی بڑا انعام مل سکتا ہے۔" ں نے جواب دیا۔ "اگر تم تیار ہو تو یہ انعام مل سکتا ہے۔ رے چار دوست تیار ہوگئے ہیں۔ تمہیں اور مجھے ملا کر یں چھ عدد حصے بن جائیں گے جو مساوی طور پر آپس ں تقسیم ہوجائیں گے۔"

"حصے مل سکتے ہیں کیا مطلب......؟ وہ انعام کیا ہے......؟" میں نے پوچھا۔ "تم نے کبھی اس انعام کے رے میں نہیں بتایا۔ کس خوشی میں انعام ملے گا؟ کیوں ر کیسے ملے گا......؟ اس کی مالیت کتنی ہے......؟ اور یہ عام مساوی طور پر اپنے دوستوں میں کس لئے تقسیم کرو ے......؟ یہ کیا کوئی پراسرار انعام ہے......؟"

"وہ انعام ایک خزانہ ہے اور خزانے کی صورت میں مدفن ہے۔" وہ کہنے لگا۔ "جب ہم یہ خزانہ حاصل کرلیں گے تو یہ ہمارے لئے ایک طرح ایک ایسا بیش قیمت انعام ہوگا جو خواب میں بھی نہیں مل سکتا اور نہ ہی اس کا تصور کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اس خزانے کے حصول کے لئے ہم پانچ چھ دوستوں کو جانا ہوگا۔ کیوں کہ میں یا کوئی اور اس خزانہ کو کیسے لایا جاسکتا ہے۔ اس لئے میں اس مہم میں تمہیں شریک اور آمادہ کرنے آیا ہوں......"

"یہ خزانہ کیا ہے......؟ اور کہاں مدفن ہے اور کس شکل میں ہے؟ کیا کرنسی کی شکل میں ہے؟ ڈالر، پونڈ، ریال یا دینار، یا پھر سونا ہے...... یا منشیات......؟ ہیروئن بھی کسی خزانے سے کم نہیں ہے۔ ایک کلو ہیروئن امریکہ یورپ میں ایک کلو کے ایک کروڑ ڈالر ملتے ہیں...... جو بھی ہے۔" میں نے تجسس کے زیر اثر دریافت کیا۔ "اس کے بارے میں تمہیں کس سے اور کیسے پتا چلا ......کیا تم مجھے تفصیل سے بتانا پسند کروگے......؟ میں تم سے محض معلومات کی غرض سے دریافت کررہا ہوں۔"

"کوئی ایک ماہ پیشتر میری ایک سادھو سے ملاقات ہوئی تھی۔" کشن سوامی بتانے لگا۔ "وہ بہت بھوکا پیاسا تھا۔ کئی دنوں سے اس نے کچھ کھایا پیا نہیں تھا۔ وہ نہ صرف نڈھال اور بے جان ہورہا تھا بلکہ بہت بیمار بھی تھا۔ پہلے تو میں نے اسے بھوجن کرایا اور شراب بھی پلائی جس سے اس میں توانائی اور شکتی آگئی۔ پھر میں اسے ایک بہت بڑے ڈاکٹر کے پاس لے گیا۔ اس کے انجکشن اور دوا دارو سے ایسا بھلا چنگا ہوگیا۔ جیسے وہ بیمار، کمزور اور نڈھال ہی نہ تھا۔ پھر اس نے مجھ سے کہا کہ چوں کہ تم نے میرے ساتھ بھلائی کی ہے جس کے دان سے مجھ ایک نئی زندگی دی ہے۔ اس لئے میں انعام دینا چاہتا ہوں۔ یہ انعام خزانے کی صورت میں ہے۔ یہ خزانہ میسور کے جنگل میں شمال مغرب میں ایک ویران اور سنسان مقام پر ہے۔ وہاں کوئی آبادی نہیں ہے۔ درخت نہیں ہے۔ ایک اجاڑ سی بستی ہے۔ لیکن اس بستی کی پہچان یہ ہے کہ اس میں ایک بھی درخت نہیں ہے۔ اس بستی میں خزانہ موجود ہے۔ اس خزانے میں دو ہزار

بڑے بڑے نایاب اور انمول ہیرے، بڑی بڑی قدیم ترین مورتیاں، ہیرے جواہرات کے زیورات، سونے کی سلاخیں اور نہ جانے کیا کیا ہے۔ ایسی مورتیوں کی مالائیں ہیں کہ دنیا میں کسی کے پاس نہ ہوں گی۔ اس خزانے کا وزن دو من سے بھی کہیں زیادہ ہے جو ایک لوہے کے بہت ہی مضبوط اور بہت ہی بڑے صندوقچے میں موجود ہے۔''

کشن سوامی نے سانس لینے کے لئے توقف کیا پھر اس نے کہا۔

''میں نے سادھو جی سے دریافت کیا کہ اس بستی میں جہاں یہ خزانہ دفن ہے اس کی کوئی نشانی یا نقشہ وغیرہ......''

''سادھو نے کہا کہ اس بستی کا رقبہ دو میل کا ہے۔ لیکن اس کا کوئی نشان یا نقشہ نہیں ہے۔''

''پھر خزانہ کیسے اور کس طرح تلاش کیا جائے......؟'' میں نے دریافت کیا۔ ''کیا ساری زمین کھود دی جائے جہاں جہاں شبہ ہو...... اندازہ ہو کہ شاید یہاں خزانہ مدفن ہے؟''

''نہیں......'' سادھو نے نفی میں سر ہلایا۔ ''میں تمہیں ایک منتر بتاؤں گا۔ یہ منتر صرف اور صرف خزانے کی موجودگی کا پتا بتائے گا......

لیکن تم اس منتر سے کوئی اور کام نہ لے سکو گے۔ تم اس بستی میں پہنچ کر منتر پڑھ کر پھونکو گے تو وہ خزانہ نظر آجائے گا۔ پھر اس جگہ کھدائی کر کے خزانہ نکال لینا......''

''تو کیا سادھو نے تمہیں وہ منتر بتادیا؟ میں نے کہا۔ ''تمہیں وہ منتر یاد ہے؟''

''سادھو نے ایک خاص تپسیا کا پربندھ کیا...... یہ تپسیا کھنڈروں، ویرانوں اور کسی ایسی سنسان جگہ جہاں کسی انسان کا گزر نہ ہو پورے تین دن تک کیا جاتا ہے۔ تمہیں تین دن تک تپسیا پھر تمہیں وہ منتر بتادوں گا۔ میں نے تین دن تک تپسیا کی۔ پھر سادھو نے مجھے چوتھے دن وہ منتر بتادیا۔ اس لئے اب میں تمہارے پاس آیا۔ چاروں دوست ساتھ چلنے کے لئے تیار ہوگئے۔ رمیش، جیون، راجندر اور کپور دامی...... اب تم بھی آمادہ ہو جاؤ تاکہ اس مہم پر جلد روانہ ہو جائیں۔ سادھو نے سختی سے تاکید کی کہ اس شبھ کام میں دیر نہ کرو۔ اب تم کیا کہتے ہو!''

''اچھا یہ بتاؤ کہ سادھو نے خزانے کی مالیت کے بارے میں کچھ بتایا کہ اندازاً اس کی کیا مالیت ہوگی؟'' میں نے سوال کیا۔ ''شاید چھ سات کروڑ تو ہوگی؟''

''کیا کہا...... چھ سات کروڑ......!'' کشن سوامی ہنس دیا۔ ''اس کا کہنا ہے کہ کم از کم سات ارب...... اس کا کہنا ہے کہ اس سے بھی زیادہ ہو سکتا ہے...... اس طرح فی کس کم از کم ایک ارب کا حصہ ملے گا۔ پھر ہم لوگ ارب پتی بن جائیں گے اور ہندوستان کے بڑے دولت مندوں میں ہمارا شمار ہوگا۔''

اس دور میں جس کے پاس سینکڑوں روپے ہوں وہ مال دار کہا جاتا تھا۔ شہر میں جو لکھ پتی تھے انہیں انگلیوں پر گنا جا سکتا تھا۔ کروڑ پتی میرے دور میں صرف بڑے شہروں میں تھے اور ہمارے علم میں کروڑ پتی ایک بھی نہ تھا۔ ہوں گے تو شاید دو ایک ہوں گے! ارب پتی بن جانے کا تصور شیریں اور سنسنی خیز اور تحیر انگیز تھا کہ مجھ پر سرشاری طاری ہوگئی۔

جب اور جس دن اور جس وقت کہو چلنے کے لئے تیار ہوں......'' میں نے کہا۔ ''تم نے اس سادھو سے ٹھیک سے پتا معلوم کرلیا کہ نہیں؟''

''میں نے اس کی مدد سے نقشہ بہت اچھی طرح ذہن نشین کرلیا ہے۔'' اس نے کہا۔ ''وہ بستی میسور کے جنگل کے چیک پوسٹ شمالی مغرب میں کوئی پچاس کلو میٹر ہے۔ یہ واحد بستی ہے جو ویران اور سنسان اور غیر آباد ہے...... اس میں نہ تو کوئی مکان اور جانور ہیں اور نہ ہی چرند پرند ہیں۔ یہ بستی اس لئے آباد نہ ہو سکی کہ شام کو اس بستی میں بلائیں نازل ہو جاتی ہیں۔ ہم لوگوں کو دن کے وقت خزانہ نکال کر دن ڈوبنے سے پہلے اس بستی کی حدود سے نکل جانا ہے۔ یہ بلائیں صرف اور صرف

اس بستی میں آتی ہیں۔ وہ بے پناہ خوب صورت، پرشباب، گداز دوشیزائیں بن کر مردوں کو بہکاتی، دل بہلاتی اور باہم پیوست ہوکر اور نشاط انگیز لمحات سے فائدہ اٹھا کر ان کے خون کا ایک ایک قطرہ پی جاتی ہیں اور موت کی نیند سلادیتی ہیں یہ ڈائنیں اور چڑیلیں ہوتی ہیں۔"

"اگر ایسی بات ہے تو کیوں نہ ہم سادھو مہاراج کو ساتھ لے چلیں؟" میں نے تجویز پیش کی۔ "ہم انہیں بھی ایک حصہ دے دیں گے۔ وہ نہ صرف ان بدروحوں سے بچائیں گے بلکہ خزانے کی جگہ بھی بتادیں گے۔"

"لیکن سادھو مہاراج منتر سکھانے کے بعد پھر نظر نہیں آئے۔" کشن سوامی نے جواب دیا۔ "میں نے ان کی تلاش میں چپہ چپہ چھان مارا۔ مجھے بڑی مایوسی ہوئی۔

☆......☆......☆

دوسرے دن میں اور چاروں دیرینہ اور گہرے دوست کشن سوال کے ساتھ اس مہم پر روانہ ہوگئے۔

ہم سب مسلح تھے۔ سادھو نے کشن سوامی کو سختی سے تاکید کی تھی ہم سب مسلح ہوکر اس مہم پر نکلیں۔ کیوں کہ یہ جنگل ہے۔ شہر کی آبادی نہیں ہے۔ جہاں ایک سے ایک گاڑیاں، نوجوان لڑکے اور وجیہہ مرد، تنگ و چست لباس میں ملبوس لڑکیاں عورتیں جن کی بے حجابی، خدو خال، نشیب و فراز اور جسموں کی نمائش جو مردوں کو متوجہ کرتی ہیں۔ گو کہ ان کا حسن بڑا خطرناک اور زہریلی ناگنوں کی طرح ڈسنے والا ہوتا ہے۔ جب وہ لچک کر، بل کھا کر، مٹک مٹک کر متوالی چال چلتی ہیں تو دلوں پر بجلی گراتی ہیں اور ان کے حصول کی آرزو کرتا ہے۔

لیکن جنگل میں خون خوار جانور اور درندے، زہریلے سانپ، ناگ، اژدھے اور ناگنیں بھی ہوتی ہیں۔ ان سے مقابلے کے لئے کوئی نہ کوئی خطرناک اور جدید ترین ہونا چاہئے۔ اسلحہ ہی ہماری حفاظت کرسکتا ہے۔

سادھو نے یہ بھی بتایا کہ سامان لادنے اور سواری کے لئے خچر گھوڑوں کے مقابلے میں آسانی سے مل جائیں۔ یہ خچر کسی بھی بستی کے ہوسکتے ہیں۔ ان خچروں پر خزانہ لاد کر لانا...... خزانہ صندوقچہ اس گڑھے میں دفن کردینا اسے خزانے سے خالی کرنے کے بعد چوں کہ یہ صندوقچہ جانے کب سے اس گڑھے میں مدفون ہے اس لئے اس پر کسی بلا کا سایہ ہوسکتا ہے۔ سادھو نے کشن سوامی کو بتایا تھا کہ اس کے علم کے مطابق ایک ہزار برس پہلے مہاراجا کے بھائی نے یہ خزانہ چرا کے یہاں لا کے دفن کردیا۔ جب وہ کچھ عرصہ بعد اس خزانے کو نکال کر لے جانے آیا تو زہریلے سانپوں کی مہارانی جو اس خزانے کی حفاظت کررہی تھی۔ اس نے ایک نہایت حسین نوجوان دوشیزہ کا روپ دھار کر اسے خود سپردگی اور جذباتی سے دیوانہ بنادیا اور نشاط انگیز لمحات میں اسے ڈس لیا۔ وہ اس وقت مرگیا۔ کسی کو بھی اس خزانے کے بارے میں علم نہ ہوسکا۔

☆......☆......☆

میں ساری رات ارب پتی بننے کے خیال، جنون اور خوشی سے ایک پل بھی سو نہ سکا تھا۔

اس لئے جاگتا اور کروٹیں بدلتا رہا تھا کہ میں کوئی دولت مند نہ تھا۔ دولت مند بننے کی کسے خواہش نہیں ہوتی ہے۔ اور کون اس کے سپنے نہیں دیکھتا ہے۔ رات بھر جاگنے اور ٹھیک سے سو نہ سکنے کی وجہ سے طبیعت قدرے بوجھل اور مضمحل بھی تھی۔ نیند کا غلبہ تھا۔ یہی حالت کشن سوامی اور دوسرے ساتھیوں کی بھی تھی۔

جب ہم لوگ میسور شہر کے علاقے سے نکل کر جنگل میں منزل کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ہر کوئی ان جان خیالات اور طرح طرح کے منصوبے جنم دے رہا تھا۔ جب ایک ارب ہاتھ لگے تو وہ فلم نگر کی سب سے حسین اداکارہ سے شادی کرے گا۔ ایک ارب کی رقم کم نہیں ہوتی ہے۔ اس سے دنیا کی ہر چیز خریدی جاسکتی ہے۔ شیخ چلی ہر شخص اس سے بنا ہوا تھا کہ اس خزانے کا حصول مشکل نہ تھا۔ اس لئے بھی کہ کشن سوامی منتر جانتا تھا۔ اس بستی میں پہنچنے کی بات تھی اور ہم ایک صرف ایک گھنٹے میں خزانے کے مالک بن جاتے۔ راجندر ایک جیولری شاپ میں تین برس سیلز مین رہ چکا تھا کہ وہ

سونے اور ہیروں کی مالیت سے واقف تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ یہ خزانہ دگنی چوگنی سے بھی زیادہ ہوگا۔ سادھو کو اندازہ نہیں ہے کہ آج ساری دنیا میں سونے اور ہیروں کے بھاؤ آسمان سے باتیں کررہے ہیں۔ اس جنگل میں پہنچنے کی بات ہم صرف ایک گھنٹے میں اس خزانے کے مالک بن جائیں گے اور آپس میں خزانے کی تقسیم ہوجائے گی۔

میسور کے جنگل میں دس میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد ایک دم سے اس طرح اچھل پڑا جیسے میرا پاؤں بجلی کی تار پر پڑ گیا ہو۔ میرے سارے بدن میں خوف کی لہر دوڑ گئی اور لہو خشک ہونے لگا۔ میری ریڑھ کی ہڈی میں جیسے کسی نے خنجر گھونپ دیا ہو۔ میں بری طرح چونک پڑا تھا۔

میں جو اچھل اور چونک پڑا تھا۔ اس لئے نہیں تھا کہ کوئی زہریلا اور خوف ناک سانپ دیکھ لیا ہو۔

میں آواز سن کر اس لئے چونکا اور اچھل پڑا تھا کہ یہ آوازیں میرے لئے نہ صرف اجنبی بلکہ ان اطراف میں قطعی غیر متوقع تھیں۔ آگے گھنے جنگلات تھے۔ اس طرف کوئی عام آدمی اور سیاح نہیں آتے تھے۔ صرف شکاری آتے تھے تاکہ درندوں کا شکار کیا جاسکے۔ جیسے جیسے گھنے جنگلات شروع ہوتے تھے۔ ویسے ویسے شکار کی بہتات ہوتی جاتی تھی۔ جو آوازیں سنائی دے رہی تھیں وہ اکثر سنائی دیتی تھیں۔ اس میں حیران کی بات نہ تھی۔

چند لمحوں کی اذیت ناک خاموشی کے بعد پھر یہ پراسرار اور ہیبت ناک آوازیں سنائی دیں۔

میں نے چاروں سمتوں میں کان لگا کر اندازہ کیا کہ یہ آوازیں کہاں سے آرہی ہیں......؟

جیسے ہی مجھے سمت کا اندازہ ہوگیا تو میں نے پل بھر کی تاخیر بھی نہیں کی۔ زمین پر رائفل شانے سے نکال کر پیٹ کے بل لیٹ گیا تھا۔

میرے پانچوں ساتھیوں نے فوراً ہی میری پیروی کی۔ انہوں نے اس طرح سے اپنی اپنی پوزیشن سنبھال لی جیسے وہ جنگ کے محاذ پر ہوں۔ پل بھر کی تاخیر ہماری موت کا پیش خیمہ بن سکتی ہو۔

"ونود......! یہ کیسی آوازیں ہیں؟" رتیش نے پوچھا تو اس کی آواز مرتعش تھی۔

"یہ تم اس قدر خوف زدہ اور پریشان کس لئے ہورہے ہو؟"

"سیدھی سی بات ہے۔" میں نے دوسرے لمحے لحاتی توقف کے بعد بتانا چاہا کہ بیس دنوں سے کوئی شکاری پارٹی شکار کھیلنے نہیں آئی ہے۔ اس لئے میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ یہ پراسرار قسم کی آوازیں سنگین نوعیت کی ہیں۔ کوئی خطرہ موت کی طرح سر پر منڈلا رہا ہے۔ کوئی مصیبت جس کی آہٹ سنائی دے رہی ہے۔ اس نے مجھے اپنی بات پوری کرنے نہیں دی۔ اس نے درمیان میں کہا۔ کوئی ایسی سنگین اور خوف ناک بات ضرور ہے جو تم ہم سب سے چھپا رہے ہو۔ بتادو...... اصل بات کیا ہے......؟ تمہاری اس پراسراری حرکت نے ہمیں ڈرادیا ہے......؟"

"اس جنگل میں کوئی شکاری پارٹی موجود نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "اس لئے میں خود بھی زیادہ پریشان ہورہا ہوں۔"

"کیا یہ ضروری ہے کہ جو بھی شکاری یا شکار پارٹی آئے تو وہ باضابطہ اس کی اطلاع دے؟" کپور داس نے کہا۔

"ہاں۔" میں نے کہا۔

"یہ تم کیسی فضول سی باتیں کررہے ہو؟" کشن سوامی نے تیز لہجے میں کہا۔ "شکار پارٹی تمہیں اطلاع دے کر ہی جنگل میں شکار کھیلنے آئے۔ جیسے تم یہاں کے گورنر ہو؟"

"گو کہ میں گورنر تو نہیں ہوں لیکن بہت کچھ بھی ہوں۔" لیکن تم سب پرلے درجے کے احمق ہو۔" میں نے بگڑ کے برہمی سے کہا۔ "یہ بات تم لوگ اچھی طرح جانتے ہو کہ یہ میرا علاقہ ہے...... لیکن یہ بات تم بھول رہے ہو کہ میں فارایسٹ آفیسر ہوں۔ میری اجازت کے بغیر کوئی درخت نہیں کاٹ سکتا ہے اور نہ ادھر پھٹک سکتا ہے۔ چوں کہ خزانہ کے حصول کے لئے جانا تھا۔ اس لئے

تم لوگوں کے ساتھ بغیر قانون کی اجازت کے آ گیا۔“
”اگر کوئی غیر قانونی طور پر جنگل میں گھس کر شکار کھیل رہا ہے تو تم اس قدر پریشان اور ہراساں کیوں ہورہے ہو؟“
رمیش بولا۔ ”وہ جانوروں کا شکار کررہا ہوگا۔ انسانوں کا نہیں۔ اس میں تشویش کی کیا بات ہے؟“
میں اس لئے خوف زدہ اور ہراساں ہورہا ہوں کہ جنگل میں جو شکار پارٹی ہوگی اسے ہمارے بارے میں اطلاع نہ ہوگی۔“ میں نے کہا۔ ”اس لئے اس کی بے خبری میں ہم ان کی بھٹکی ہوئی گولیوں کا نشانہ بن سکتے ہیں۔ کیا اب میری بات سمجھ میں آئی؟“
”میں تمہاری بات سے کسی حد تک اتفاق کرتا ہوں اور وہ ایک طرح سے دل کو لگ بھی رہی ہے لیکن ایسا کوئی خطرہ بھی نہیں جو تم اس ڈرپوک اور قدر ڈرپوک اور بزدل ہورہے ہو؟“ کشن سوامی بلاوجہ بحث و تکرار کرنے لگا تھا۔
”ہم لوگ صبح سے اب تک کوئی دس میل اندر آ چکے ہیں۔ مگر ہم نے اس عرصے میں ابھی تک کسی اور کی رائفل کی آواز نہیں سنی ہے۔“ چند لمحوں کے بعد پھر وہ حجت پر اتر آیا۔
”اچھا...... اب تم اپنی زبان کو لگام دو اور مجھے یہ پراسرار آوازیں توجہ سے سننے دو۔“ میں نے قدرے تلخ لہجے میں کہا۔
”کیا تم اس بات کو محسوس نہیں کررہے ہے کہ صورت حال کس قدر پریشان کن اور تشویشناک ہے؟ ان اطراف میں ہرن سے بڑا کوئی چوپایہ نہیں ہوتا...... کیا تم ڈھول اور ڈرم کی آوازیں نہیں سن رہے ہو......؟ آخر یہ ڈھول پیٹ پیٹ کر اور ڈرم بجا بجا کر کس کو ہانکا جارہا ہے......؟ کیا کہیں اس وقت بھی کسی بڑے درندے کے غرانے کا شور سنائی دے رہا ہے؟“ میں نے پھر اس سے کہا۔
کشن سوامی نے میری بات اور دلیل کا جواب نہیں دیا۔ اسے خاموش ہوجانا پڑا۔ کیوں کہ میں نے غلط نہیں کہا تھا۔
میں گزشتہ بارہ برس سے اس علاقے میں تعینات تھا اور مجھے یہاں کے چپے چپے سے واقفیت تھی۔ چوں کہ میں فاریسٹ آفیسر تھا۔ اس لئے مجھے شکار پارٹیوں کے بارے میں پل پل کی خبر رہتی تھی۔ شکاریوں کی کوئی قانونی جماعت تو ادھر تھی ہی نہیں...... دو باتیں ہوسکتی تھیں۔ ایک بات تو یہ ہوسکتی تھی کہ کوئی شکاری شکار پارٹی غیر قانونی راستے سے گھس آئی ہوگی؟ لیکن اسے اس کی ضرورت بھی کیا تھی؟ شکار کی اجازت دے دی جاتی۔ صرف ستمبر اور اکتوبر میں شکار کی اجازت نہیں ہوتی تھی۔ کیوں کہ ان دو ماہ کے اندر مادہ بچے جنتی تھیں۔ بالفرض کوئی پارٹی گھس بھی آئی تھی اور وہ شکار کررہی تھی نا قابل ترین قیاس تھا۔ عموماً بہت سارے شکاری ہرن کا شکار کرتے تھے۔ کالے ہرن کا شکار...... اس شکار کی اجازت نہیں تھی۔ کسی شکاری نے کالا ہرن شکار کیا تو اس کی شامت آجاتی تھی۔ نہ صرف اس پر بھاری جرمانہ عائد کیا جاتا تھا بلکہ اسے جیل بھی کاٹنا پڑتی تھی اور پھر کسی بھی ہرن کا شکار اس طرح نہیں کیا جاتا تھا...... نہ ہی ڈھول پیٹا جاتا تو ہی ڈرم بجا کر شکار کو ہانکا جاتا۔
جنگل میں بہت ساری جنگلیوں کی بستیاں تھیں۔ ایک بات سمجھ میں آئی تھی کہ جنگلی بستیوں کے باشندے کسی جانور کو نرغے میں لینے کی کوشش کررہے ہیں۔ لیکن وہ درندہ گونگا کیوں ہوگیا تھا؟ یہ بڑی موٹی سی بات ہے کہ ہانکا کسی بڑے خوف ناک، خطرناک ترین درندے ہی کو ہانکا جاتا ہے۔ جو شور وغل سے وحشت زدہ ہوکر بری طرح دہاڑتے، چنگھاڑتے ہوئے پلٹ کر اس سمت ہولیتے ہیں۔ جدھر ہانکا کرنے والوں کا باقاعدہ جال ہوتا ہے...... اور پھر ہم صبح ہی تو روانہ ہوئے تھے اور میلوں اندر آ گئے تھے لیکن ہم نے چھوٹے موٹے جانوروں کے علاوہ کسی بڑے جانور کے شور کی کوئی آواز بھی نہ سنی تھی۔ میں جانوروں اور خطرناک درندوں کی آوازوں کی شناخت رکھتا تھا۔ آواز سن کر بتا سکتا تھا کہ یہ کس درندے کی آواز ہے۔
”ونود......! ونود......! راجندر کی آواز جو بڑی

بے جان تھی فضا میں تھرتھرائی۔

"کیا بات ہے؟" میں نے پوچھا۔

"کسی غلط فہمی نہ رہنا..... کیا تم نے اس بات کو محسوس نہیں کیا کہ یہ شور ہمارے چاروں طرف گونج رہا ہے۔ اور لمحہ بہ لمحہ قریب تر ہوتا جارہا ہے۔ یہ صرف ہمیں ہانکا جارہا ہے۔ ہم ان شکاریوں کے شکار ہیں۔ درندے نہیں۔" اس نے جواب دیا۔

میں نے بھی محسوس کرلیا تھا۔ خود فریبی میں مبتلا ہونا نہیں چاہتا تھا۔ راجندر نے یہ سنسنی خیز نتیجہ اس لئے اخذ کرلیا تھا کہ وہ بذات خود شکاری تھا۔ شکار کا اسے جنون تھا۔ ہر ماہ دو ماہ میں شکار کھیلنے آجاتا تھا۔ اس لئے اسے احساس اور اندازہ ہوگیا تھا۔ واقعی ہم گھیرے جارہے تھے۔ اس لئے میں نے فوراً ہی ہذیانی لہجے میں چیخ کر کہا۔

"راجندر ٹھیک کہہ رہا ہے۔ ہمیں گھیرا جارہا ہے..... تم لوگ کسی غلط فہمی میں مت رہنا....."

"لیکن اب ہم کیا کریں.....؟" رمیش نے مرتعش آواز میں پوچھا۔ "کیا ہم واپس بھاگ چلیں.....؟"

"اب بھاگنے کا کوئی راستہ نہیں رہا۔" میں نے جواب دیا۔ "اپنے اپنے میگزین درست کرکے چاروں طرف کور کرلو۔ معلوم نہیں ہمارا دشمن.....؟ اور کیوں ہمیں گھیرے میں لینا چاہتا ہے؟ ہم سے کیا چاہتا ہے؟ میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا ہے؟"

میری بات سنتے ہی میرے دوستوں پر خوف و دہشت طاری ہوگئی۔

ان میں سے صرف ایک راجندر شکاری تھا۔ ہم لوگ آٹھ دس میل کی مسافت طے کرچکے تھے۔ اور طویل مسافت طے کرکے جنگل میں آگئے تھے۔ ہم نے چھ سات گھنٹے میں چار ہرن اور کچھ پرندے شکار کئے تھے۔ ان میں ایک کالا ہرن بھی تھا۔ اس کا گوشت جتنا مزے دار اور ذائقہ دار ہوتا ہے اس کا مقابلہ کسی اور جانور کا گوشت نہیں کرسکتا..... اور جب بھی بستی کی طرف جاتے ہوئے آخری ہرن کی تلاش میں تھے۔ اس لئے بھی کہ اس کی کھال بڑی ملائم اور دیدہ زیب ہوتی ہے۔ یکا یک ان آوازوں نے سارا سکون غارت کردیا تھا۔ کنستروں کا شور چاروں سمتوں سے تیزی سے قریب ہوتا جارہا تھا۔ جس سے کان کے پردے پھٹے جارہے تھے۔ ہم لوگ سنبھلے اور سانس بھی نہیں لی تھی کہ دوسری مصیبت نازل ہوگئی۔ تھوڑی دیر بعد مختلف سمتوں سے مٹی کے ڈھیلے ہماری طرف آنے لگے۔ ایک طرف سے ان ڈھیلوں کی بارش ہورہی تھی۔ اس صورت حال نے ہم سب کو بری طرح بوکھلا کر رکھ دیا تھا جس سے سراسیمگی طاری ہوگئی اور ہم سب حد درجہ خائف ہوگئے۔ کیوں کہ مٹی کے ڈھیلوں کی بارش ناقابل فہم تھی۔ اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ ذرا سی ہی دیر میں ان ڈھیلوں کی بارش نے پریشان کردیا اور اس کی بوچھاڑ سے بچنا مشکل ہورہا تھا۔ اس لمحے ایک خیال جو میرے دل میں آیا وہ یہ تھا کہ کہیں سادھو نے کسی اور کو تو اس خزانے کے بارے میں بتا تو نہیں دیا ہوگا۔ وہ بھی شاید اس خزانے کے لئے نکلے ہوں۔ شاید انہیں کسی ذریعے سے معلوم ہوگیا کہ ہم بھی خزانے کے لئے نکلے ہیں۔ اس لئے وہ ہمیں گرفتار کرنا چاہتے ہیں۔ وہ ہمارے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔ کچھ کہا نہیں جاسکتا تھا۔ لیکن میرا قیاس تھا کہ وہ شاید ہمیں کہیں یرغمال بنا کر رکھ دیں یا پھر ہم سب کو موت کی بھینٹ چڑھا دیں۔

میرے کہنے کی دیر تھی کہ میرے ساتھیوں نے یک بیک اپنی رائفلوں کے دہانے کھول دیئے تاکہ دشمن کی پیش قدمی کو روکا جاسکے اور جو مٹی کے ڈھیلوں کے مسلسل بوچھاڑ ہورہی ہے اس کا سلسلہ رک جائے۔

لیکن ہماری یہ کوشش اور حملہ بے سود رہا۔

کیوں کہ اس فائرنگ کا کوئی نتیجہ نہ نکل سکا۔ دشمن پر اس کا کائی اثر نہ ہوا۔ پرندوں کے تیز شور کے سوا ہمیں کوئی اور آواز سنائی نہ دی جس سے ہم یہ سمجھتے کہ کوئی حملہ آور ہمارا نشانہ بنا ہے۔ میں حیران اور پریشان تھا کہ ہم نے جو گولیوں کی برسات کی ہے اس سے کوئی حملہ آور زخمی کیوں نہیں ہوا؟

ابھی میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ ایک تیر سنسناتا ہوا

کسی سمت سے آیا اور اس نے کشن سوامی کو نشانہ بنایا۔ کشن سوامی اس کی زد میں آتے ہی بری طرح چیختا ہوا دہرا ہوگیا۔ تیر اس کے داہنے ہاتھ میں پیوست ہوگیا تھا۔ اس کی رائفل ہاتھ سے چھوٹ گئی تھی۔

''اپنی اپنی رائفلیں پھینک دو......'' کپور داس نے ہذیانی لہجے میں چیخ کر کہا۔ ''ہم اس کا بال تک بیکا نہیں کر سکتے۔''

''کیوں پھینک دیں......؟'' راجندر نے اس سے تکرار کی۔

''ابھی تو صرف ایک تیر آیا ہے...... فائرنگ بند نہ کرنے کی صورت میں تیروں کی برسات شروع ہوجائے گی۔ تمہیں ایسی حماقت نہیں کرنی چاہئے ورنہ بے موت مارے جائیں گے۔'' راجندر نے پھر کہا۔

''تم لوگ میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔'' کپور داس نے تشویش ناک لہجے میں کہا۔ ''ایسا لگ رہا ہے کہ ہماری فائرنگ سے وہ مشتعل ہوگئے ہیں۔ اس لئے انہوں نے تیر چلا کر کشن سوامی کو زخمی کر دیا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ مٹی کے ڈھیلوں کی برسات بند کر کے تیروں کی بوچھاڑ شروع کر دیں۔ اب ہم ان کے نرغے میں ہیں۔ وہ ہمیں دیکھ سکتے ہیں اور دیکھ بھی رہے ہوں گے لیکن ہم انہیں دیکھ نہیں سکتے ہیں...... کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ ایک ایک کو موت کی بھینٹ چڑھا دیں۔''

کپور داس کی بات سمجھ میں آنے والی تھی اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا تھا کیوں کہ وہ تیر جس طرح کشن سوامی کی ہتھیلی کی پشت پر پیوست ہوا تھا اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ یہ گمنام نشانہ باز تیر دل یا جسم کے کسی بھی حصے میں اتار سکتا ہے۔ گو کہ رائفلیں پھینکنا بھی حماقت سے کم نہیں تھا لیکن کیا کرتے۔ اس کے سوا چارہ بھی نہیں تھا۔

مجبوری اور بے بسی تھی لیکن ہم نے یہ کیا کہ فائرنگ بند کر کے نالیں جھکا لیں۔ مٹی کے ڈھیلوں کی بوچھاڑ سے بچتے ہوئے واپسی کے راستے کی طرف بڑی سرعت سے دوڑ پڑے۔ ہر ایک کو اپنی جان پیاری تھی۔ کشن سوامی کی حالت بڑی خراب تھی۔ وہ چوں کہ زخمی ہو چکا تھا اس لئے سب سے پیچھے آرہا تھا۔

اندھا دھند بھاگتے ہوئے کسی بھی بات کا خیال نہیں تھا اور نہ ہی ہوش رہا تھا۔ میں نے جوں ہی خاردار جھاڑیوں کے کنج میں قدم رکھا ایک سوئی کی طرح نوکیلا کانٹا جوتے کے تلے سے گزرتا ہوا پیر میں جا گھسا تھا۔ میں نے جز جھلاتے ہوئے پلٹ کر پیچھے دیکھا تو کشن سوامی گدھے کے سر کے سینگ کی طرح غائب تھا۔ اس کا کہیں بھی نام و نشان نہ تھا۔ باقی چاروں دوست اتنی دیر میں کافی آگے جاچکے تھے۔ ان میں سے کسی نے بھی پلٹ کر دیکھنے کی زحمت نہیں کی کہ مجھ پر کیا بیتی ہے۔

میں بھاگنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ اس لئے داہنی ایڑی کے سہارے لنگڑاتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ درد کی لہر اٹھ رہی تھی۔ لیکن وہ قابل برداشت تھی۔ ابھی میں نے چند قدم بہ مشکل طے کئے ہوں گے ناگہاں کسی جانب سے ایک جال مجھ پر آن پڑا۔ میں رائفل پر گرفت برقرار نہ رکھ سکا۔ وہ ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا گری۔

میں کھینچتے ہوئے جال میں بری طرح قید ہوگیا تھا۔ وہ جال کافی دیر تک مجھے یوں ہی کھینچتا رہا۔

میں جھاڑیوں اور ناہموار زمین پر بری طرح مدد کے لئے چیختا رہا۔ لیکن میرے مفرور ساتھی بدحواس اور افراتفری کے عالم میں اتنی دور نکل چکے تھے کہ میری چیخیں ان تک پہنچ نہ سکیں۔ اگر وہ سن لیتے اور پلٹ کر دیکھتے بھی تو شاید میری مدد کو نہ آتے۔ ایسے وقت میں آدمی خود غرض ہو جاتا ہے اور اسے صرف اپنی فکر ہو جاتی ہے۔ اس دوران کنستروں کا شور بھی بے پناہ تیز ہو چکا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ ہماری جماعت کو گھیرے میں لینے والے بہت چالاک ہیں۔ انہوں نے کنستروں کے بے ہنگم شور میں میری چیخیں دبا دی تھیں۔

دشمن اور صیاد کون تھا......؟ مجھے ابھی تک اندازہ نہ ہوسکا تھا...... جو بھی تھا اس نے مجھے شکار کیوں کیا......؟ یہ بات میری سمجھ سے بالاتر تھی۔ صرف میں ایک ہی تو جال میں پھنسا تھا۔ میرے ساتھی نظروں سے اوجھل ہو چکے تھے۔ میرا کوئی دشمن بھی نہ تھا اور نہ ہی

میرے تعلقات کسی شخص کی بہن یا بیوی سے تھے اور نہ ہی میں کسی کا دشمن تھا۔ لیکن میں تو اب نادیدہ دشمن کا قیدی بن چکا تھا۔

جال کو بڑی بے دردی اور بے رحمی سے اس بری طرح گھسیٹا جارہا تھا۔ اس بربریت کے کارن میرا بدن بری طرح لہولہان ہوچکا تھا۔ میرے سارے بدن میں جو ناقابل برداشت درد کی لہریں جو اٹھ رہی تھیں وہ میرے وجود کو ہلادے رہی تھیں۔ درد کی اتنی شدت تھی کہ میرے منہ سے چیخیں نکلی جارہی تھیں۔ پھر بھی اسے مجھ پر رحم نہیں آرہا تھا۔ وہ انسان نہیں درندہ معلوم دیتا تھا۔

میں چوں کہ جال کے مضبوط پھندوں میں اس بری طرح جکڑا ہوا تھا کہ میرے لئے کھڑا ہونا تو کجا جنبش تک کرنا محال تھا۔ اگر میرے پاس چاقو ہوتا تو جال کے پھندے کاٹ دیتا۔ چاقو تو ساتھیوں کے پاس تھے۔ ہرن ذبح کرنے اور گوشت بنانے کے لئے تھا۔ اگر چاقو ہوتا تو بھی شاید بے رحم صیاد پھندوں کو کاٹنے کی مہلت یا موقع بھی نہیں دیتا۔

”خاموش......“ اچانک ایک کرخت آواز میرے کانوں میں گونجی تو میں کانپ کر رہ گیا۔

میں نے سامنے نظریں اٹھا کر دیکھا تو میرے اوسان خطا ہوگئے اور میری رگوں میں لہو منجمد ہونے لگا۔

نیم برہنہ قبائلیوں کا ایک نیزہ بردار لشکر موجود تھا اور میں ان کی نگاہوں کی گرفت میں تھا۔ ان سب کے گلے میں پرانے اور زنگ آلود کنستر لٹک رہے تھے۔ جنہیں وہ موٹی، بھدی اور بدوضع چھڑیوں سے مجنونانہ انداز سے بجارہے تھے۔ جب میں دہشت زدہ ہوکر سہم گیا۔ سکڑ سمٹ گیا تو پروں کی ٹوپی والے شخص کے اشارے پر کنستروں کو بجانا بند کردیا گیا۔ اس طرح یہ بے ہنگم اور کان کے پردے پھاڑ دینے والا شور تھم گیا اور مجھے قدرے سکون سا ملا۔

میرے لئے یہ صورت حال اتنی سنسنی خیز اچانک اور غیر متوقع تھی کہ میں صورت حال کے متعلق سوچ بھی نہ سکا۔ ذہن کسی قسم کا فیصلہ کرنے سے قاصر تھا۔ وہ تمام قبائلی درختوں کی چھال سے بنائے ہوئے مختصر سے لباس میں تھے۔ جو ستر پوشی کر رہے تھے۔ ان کے گھٹے ہوئے پستہ قامت اور گندے مضبوط جسموں پر رنگین مٹی سے بھونڈے نقش ونگار بنے ہوئے تھے جسے دیکھ کر مجھے بڑی وحشت سی ہوئی تھی۔ ان میں سے کسی ایک کے ہاتھوں میں موٹی رسیوں سے بندھے ہوئے کمر والے طاقتور اور اونچے اونچے شکاری کتے موجود تھے۔ وہ طاقتور اور اونچے اونچے قامت کے تھے۔ انہیں دیکھ میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ ان خوں خوار کتوں کی نسل کے بارے میں بہت کچھ جانتا تھا یہ جنگلی کتے شیروں کی جسامت سے بھی بڑے ہوتے تھے۔ دیکھنے میں جتنے خوف ناک معلوم ہوتے تھے اتنے ہی خطرناک بھی تھے۔ یہ میسور کے گھنے جنگلات میں پائے جاتے تھے۔ وہ شیروں سے بھی بھڑ جاتے تھے۔ ان کے لمبے دانت خنجروں کی طرح نوکیلے اور تیز ہوتے تھے۔ آدمی کو اس طرح چیر پھاڑ کر رکھ دیتے تھے جیسے شیر کرتے ہیں۔

ان کی بے پناہ توانائی کو قابو میں کرنے کے لئے ان کی کمر کو پتھر سے باندھا ہوا تھا۔ لیکن وہ زمین پر گھسیٹ رہے تھے۔ اس کے باوجود ان شہ زوروں کو قابو میں رکھنا دشوار ہورہا تھا۔ لیکن وہ پھر بھی قابو کئے ہوئے تھے۔

بائیں جانب میری نگاہ اٹھی تو کیا دیکھتا ہوں کہ قدرے فاصلے پر دو قبائلی بڑی بے رحمی کے ساتھ کسی شخص کو دبوچے ہوئے اس کے ہاتھ پیر باندھ رہے ہیں۔ میں نے اس شخص کو اس کے لباس سے فوراً ہی پہچان لیا۔

وہ کشن سوامی تھا۔

کشن سوامی کا اس افتاد میں کوئی دخل نہ تھا۔ وہ ہم سب دوستوں کو خزانے کے حصول کے لئے لے جارہا تھا۔ میں نے اس لمحے سوچا کاش! وہ سادھو مہاراج سے ایسا کوئی منتر بھی سیکھ لیتا جو جنگلیوں سے نجات کا باعث بن جاتا لیکن سادھو مہاراج نے صرف

ایک منتر بتایا تھا۔ اب خزانے کا حصول ایک خواب سا معلوم دکھائی دیتا تھا۔

پروں کی ٹوپی والے کے اشارے پر کچھ نیزہ بردار قبائلی میری طرف تیزی سے بڑھے تو میرا خون خشک ہوگیا اور مجھے نظروں کے سامنے موت نظر آنے لگی۔ لیکن انہوں نے خلاف توقع میرا بدن چھید نے کے بجائے مجھے جال کے پھندوں سے آزاد کرنا شروع کردیا۔ جب وہ میری طرف جارحانہ انداز سے بڑھ رہے تھے تو میری چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی تھی۔ میں نے بہ وقت تمام ضبط کیا تھا۔ جال سے آزاد ہوتے ہی مجھے سکون اور اطمینان ہوا کہ یہ مجھے موت کے منہ میں نہیں دھکیلیں گے۔

جب میں جال سے پوری طرح آزاد ہوگیا تو سردار نما شخص نے آگے بڑھ کر میری قمیص سے دو جیبیں پھاڑ کر ہاتھ میں پکڑلیں۔ پھر اس نے اس میں سے ایک اپنی جیب میں رکھ لی۔ مجھے اس کی یہ حرکت نہ صرف کچھ عجیب بلکہ پراسرار سی لگی۔ اس کی وجہ میری سمجھ میں آ گئی۔ کیوں کہ اس نے دوسرے لمحے دوسری جیب کا ٹکڑا ایک دیو ہیکل سیاہ کتے کے سامنے ڈال دیا تھا جو چند لمحوں تک بے چینی سے اس ٹکڑے کو سونگھتا ادھر ادھر گھومنے لگا۔ پھر اس نے اچانک ہی میری بو پالی جس سے وہ کپڑے کے ٹکڑے سے واقف ہو چکا تھا۔

اس کی خون خوار آنکھوں میں چمک پیدا ہوئی اور پھر وہ وحشیانہ انداز میں غرا کر میری طرف جھپٹا۔ اس کی کمر سے ایک وزنی پتھر بندھا ہوا تھا مگر وہ پہلے ہی جھٹکے میں اپنے رکھوالے کو کئی قدم آگے کھینچ لایا اگر دو قبائلی آگے ہی بڑھ کر اس کی رسی نہ کھینچتے تو اگلے ہی جھٹکے میں وہ خون خوار کتا اپنے رکھوالے کو گھسیٹتا ہوا مجھ پر آ پڑتا۔

اس کتے کو روک لیا گیا۔ لیکن وہ میری طرف منہ اٹھائے ہوئے غضب ناک انداز سے بھونکنے لگا۔ اس کے دہانے سے سفید جھاگ اڑنے لگی تھی۔ سردار نما شخص چند ثانیوں تک مجھے اور اس کتے کو دلچسپی سے دیکھتا ہوا معنی خیز انداز سے مسکرادیا۔ وہ وحشی کتا اتنا طاقت ور تھا کہ ان تینوں قبائلیوں کو بار بار پہلو بدلنے کے باوجود مجھ سے دور رکھنے میں دقت پیش آرہی تھی۔ آخر کار سردار نے اپنے ایک ساتھی کے تھیلے سے ایک مردہ پرندہ نکال کر اس خون خوار کتے کے سامنے اچھال دیا۔

کتا پل بھر میں مجھے بھول کر اس پرندے پر ٹوٹ پڑا۔ کتے کی بھوکی غراہٹوں کے درمیان پروں کی ٹوپی والا شخص کرخت مقامی زبان میں مجھ سے مخاطب ہوا۔

''یہ سب کتے خون خوار اور انتہائی خطرناک ہیں۔ جس کا اندازہ تمہیں ہو چکا ہوگا اور ہو رہا ہوگا۔ میرے پاس تم دونوں کے لباس کے چیتھڑے موجود ہیں جن کی بو پر قبروں تک سے کھینچ لیتے ہیں۔ لہٰذا اب فرار کی ہر کوشش بے سود ہوگی...... تمہیں وہی کچھ کرنا ہوگا جو ہم چاہیں گے......''

میں سمجھ گیا کہ وہ چاہتا ہے کہ ہم خزانے کے حصول کے لئے اس بستی کی طرف جانے کے بجائے واپس چلے جائیں۔ میں اس پر یہ بات ظاہر کرنا نہیں چاہتا بلکہ یہ کہنا چاہتا تھا کہ ہم شکار کھیلنے نکلے ہیں۔ لیکن میں نے انجان بن کر ٹوٹی پھوٹی قبائلی زبان میں کہا۔

''مگر ہمارا قصور کیا ہے......؟ ہم تو شکار کھیلنے کے لئے آئے تھے...... آخر تمہارا ارادہ کیا ہے؟''

''اس میں قصور تمہارا نہیں، تمہارے ساتھی کا بھی نہیں بلکہ تم دونوں کے مقدر کا ہے۔''

وہ میری اور کشن سوامی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

''کیا مطلب......؟'' میرا چہرہ سوالیہ نشان بن گیا۔

''اگر تم لوگوں نے ہماری بات مانی تو بہت بڑے اعزاز سے نوازے جاؤ گے جس کا تم تصور بھی نہیں کرسکتے۔'' اس نے توقف کرکے ہم دونوں کے چہرے دیکھے، پھر اس نے کہا۔ ''تمہارا فیصلہ ایک خفیہ مقام پر منتظر ہے۔''

اب اس بات میں کوئی شک وشبہ نہیں رہا کہ سارے فساد کی جڑ وہ خزانہ ہے۔

وہ ہمیں لے جا کر اس وقت تک قید کر کے رکھتے جب تک وہ خزانہ نکال نہیں لیتے۔ ہمارے خواب ریت کے تودے ثابت ہوئے تھے۔ ہمیں لینے کے دینے پڑ گئے تھے۔

میرے دونوں ہاتھ پشت پر لے جا کر باندھ دیئے گئے تھے۔ کشن سوامی کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا گیا۔ اس کے زخمی ہاتھ کی ذرا برابر بھی پروا نہیں کی گئی۔ غریب کراہتا اور بری طرح چیختا رہ گیا۔

ان ہیبت ناک اور مکروہ صورت قبائلیوں نے ہمیں نرغے میں لے لیا اور گھنے جنگل سے گزر کر پہاڑوں پر چڑھنے لگے۔ وہ ہمیں انسان نہیں بلکہ جانور ہی سمجھ رہے تھے۔

یہ سفر میرے لئے بڑا کٹھن اور صبر آزما تھا۔ ایک ایک لمحہ نہ صرف اذیت ناک بلکہ سوہان روح تھا۔ ادھر وہ لوگ ذرا بھی رعایت دینے کے لئے ہرگز تیار نہیں تھے۔ پروں کی ٹوپی والا بار بار تشویش ناک نظروں سے ڈھلتے سورج کی طرف دیکھ رہا تھا۔ جو کچھ دیر بعد مغرب کی وادی میں ڈوبنے والا تھا۔ اس کی پریشانی اور بے تابی سے ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ اندھیرا پھیلنے سے قبل کسی مخصوص جگہ پہنچنا چاہتے ہوں۔

کتے ان بھاری پتھروں کو گھسیٹتے ہوئے بے تھکان ہوئے جا رہے تھے اور میں رہ رہ کر ان لمحوں کو کوس رہا تھا۔ دولت کے لالچ میں کشن سوامی کے ساتھ جانے کا فیصلہ کیا تھا۔ اب احساس ہو رہا تھا کہ اصل دولت کیا ہوتی ہے...... سکون...... سکون سے بڑی دولت کوئی نہیں ہے......

وہ لوگ اب ٹوپی والے کی رہنمائی میں اتنی تیزی کے ساتھ بار بار راستے بدل رہے تھے کہ میرے دل میں راستہ بھٹک جانے کے قوی شبہات سر ابھارنے لگے۔ ادھر سورج اپنا آخری سفر تیزی سے طے کر رہا تھا اور جنگل میں گونجتے بے پناہ شور میں خوف ناک درندوں کی آوازیں بھی سنائی دینے لگیں۔

سورج غروب ہونے کے بعد جب سرمئی دھندلکا پھیل چلا تو سب ایک دم سے رک گئے۔

پروں کی ٹوپی والے نے اپنے چند ساتھیوں سے مشورے کیے اور پھر کسی سے کوئی چیز طلب کی جس کے جواب میں ٹوپی والے کو پتھروں کی ایک مالا دی گئی۔

''دو کتے...... فوراً ہی ادھر لاؤ۔'' سردار نے رک کر اونچی آواز میں کہا۔

اور فوراً ہی پتھروں سے بندھے دونوں خون خوار اس کے سامنے پہنچا دیئے گئے۔

پروں کی ٹوپی والے نے برے انداز میں ان کتوں کی مکروہ تھوتھنیوں کے بوسے لئے اور پتھروں کی مالا ان کے سامنے نچانے لگا۔

کتے بڑی بے تابی سے اس مالا کو اس طرح سے سونگھنے لگے جیسے کسی کچے گوشت کی بو سونگھ رہے ہوں۔ وہ جس انداز سے اپنی اپنی دمیں ہلا رہے تھے اس سے اندازہ اور محسوس ہوتا تھا کہ وہ مالا یقیناً کسی ایسے شخص کے جسم پر رہی ہے جس سے وہ کتے بہت زیادہ مانوس ہیں۔ اس مالا میں اس شخص کے جسم کی بو رچی بسی ہوئی ہے۔

ان دونوں کتوں اور رکھوالوں سمیت پروں کی ٹوپی والا سے وہ آگے کھڑا رہا۔

باقی لوگوں نے کسی سے کچھ کہے بغیر ان کے پیچھے ایک لمبی سی قطار بنالی۔ لیکن مجھے اور کشن سوامی کو کئی قبائلیوں کے فاصلے سے درمیان میں لے لیا گیا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ لوگ ان گھنے اور خوفناک جنگلات میں ایسی مہمات کے عادی رہے ہوں۔ انہوں نے جو یہ مہم سر کی ہے یہ کوئی نئی اور پہلی نہیں ہے۔ بہر حال ان میں ایک نظم و ضبط تھا جب کہ یہ اجڈ اور جنگلی اور غیر مہذب تھے۔

روشنی کے مدھم سایوں میں، میں نے ان دونوں کتوں کو بے تابی کے ساتھ زمین سونگھتے اور ادھر ادھر چکر کھاتے دیکھا۔ کافی دیر ہوگئی۔ اندھیرا آہستہ آہستہ گہرا ہو رہا تھا۔ مگر یہ قطار بند قافلہ جوں کا توں کھڑا ہوا تھا اور جنگل کی نم ناک فضا پر چھائے ہوئے وحشت ناک سناٹے میں کتوں کی تیز سانسوں اور دبی دبی غراہٹوں کا

شور سنائی دیتا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ کتے کوئی سراغ نہ ملنے پر ان دبی دبی آوازوں میں اپنی بے بسی کا اظہار کررہے تھے۔

یہ جو جنگلی آئے تھے۔ وہ شاید پہلی بار اس جگہ آئے تھے اور واپسی کا راستہ بھول گئے تھے۔ جنگلات میں بڑی بھول بھلیاں ہوتی ہیں۔ عام طور پر شکاری جو کالا ہرن یا کسی شکار کی تلاش میں اندر تک چلے جاتے ہیں اور کئی دنوں تک بھٹکتے رہتے تھے۔ یہی ان کے ساتھ بھی ہوا تھا۔ ان سب کے چہروں پر پریشانی کے آثار تھے۔ دن کا وقت ہوتا وہ اس قدر پریشان نہ ہوتے۔ رات کے وقت گہری تاریکی میں راستہ تلاش کرنا بہت دشوار ہوتا ہے۔

پھر کتوں کے تاریک ہیولوں نے فضا میں منہ اٹھا کر ادھر ادھر سونگھنا شروع کردیا جیسے وہ ہواؤں کے دوش پر آنے والی کسی مخصوص بو کی تلاش میں ہوں۔ صبر آزما لمحات بڑی اذیت سے سرکتے رہے تھے۔ پھر اچانک وہ دونوں کتے پوری شدت سے بھونکنے لگے۔

اس کے ساتھ جنگل کی پرسکوت فضا پرندوں کے خوف زدہ شور سے گونج اٹھی۔ وہ کتے جوش وخروش سے بھونکتے، بار بار ایک جانب بڑھنے کے لئے اپنا پورا زور لگا رہے تھے۔ ان سے بندھے ہوئے پتھر اور رکھوالے انہیں روکنے میں ناکام ہورہے تھے۔ ان میں شیروں سے کہیں زیادہ توانائی اور طاقت موجود تھی۔ ان دونوں کتوں کے شور پر دوسرے شکاری کتے حیرتناک طور پر خاموش تھے۔ وہ ہم نسلوں کے کام میں کوئی دخل دینا نہیں چاہتے ہوں...... آخر پروں کی ٹوپی والے نے پرجوش لہجے میں رکھوالوں سے مخاطب ہوکر کہا۔

''بڑھو...... ہمیں بہت دیر ہوچکی ہے۔''

وزنی پتھر زمین پر گھسیٹتے ہوئے وہ دونوں کتے ہوا کو سونگھتے گھنے جنگل کی ڈھلان پر چڑھنے لگے۔

ان کے پیچھے پیچھے پورا قطار بند قافلہ بھی حرکت میں آگیا۔ ان کے چہروں پر خوشی پھوٹ پڑی تھی، اور آنکھیں چمکنے لگی تھیں۔ ان لوگوں نے آپس میں ہاتھ ہلا کر خوشی کا گرم جوش اظہار بھی کیا تھا۔ ان کی چال میں بڑا جوش وخروش بھی تھا۔ اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ اندر ہی اندر بے پناہ خوشی محسوس کررہے ہیں۔

تاریک اور گھنے جنگل میں بھٹکے ہوئے کارواں کا یہ پراسرار اور خوف ناک سفر جاری رہا۔ زندگی میں کبھی ایسے سفر سے رابطہ پڑے گا وہم وگمان میں بھی نہ تھا۔ میں نے سوچا بھی تھا کہ کہیں یہ ہولناک خواب تو نہیں ہے۔ لیکن یہ خواب نہ تھا ایک خوف ناک اور زہریلی حقیقت تھی جسے جھٹلایا نہیں جاسکتا تھا۔ کاش! یہ خواب ہوتا۔ زندگی میں یہ دن بھی دیکھنا تھا...... کچھ خبر نہیں تھی کہ وہ مجھے اور کشن کو کیوں لے جارہے ہیں؟ وہ چاہتے تو باقی میرے ساتھیوں کو آسانی سے پکڑ سکتے تھے لیکن انہیں اس طرح جانے دیا جیسے انہیں صرف دو شکار کی ضرورت تھی۔

ہر گزرے ہوئے لمحات کے ساتھ کتوں کی دیوانگی بڑھتی جارہی تھی۔ فضا میں پرندوں کا شور اور چوپایوں کی تیز آوازیں گونج رہی تھیں جن کے باعث ماحول خوف زدہ اور ڈراؤنا ہوکر رہ گیا تھا۔ اور لمحہ بہ لمحہ دہشت ناک ہوتا اور کسی خنجر کی طرح وجود میں اتر رہا تھا۔

☆......☆......☆

میں نے کئی بار ان کی قید سے نکل جانے کے بارے میں سوچا لیکن ایسا تو خواب میں بھی ممکن نہ تھا۔

نوکیلے نیزوں اور ماہر نشانہ باز تیر اندازوں کے خوف سے کوئی قدم اٹھانے کی جرأت نہ کرسکا۔ فرار ہونے کی کوشش نہ صرف احمقانہ بلکہ موت کو دعوت دینے کے مترادف تھی۔ میں اپنے پیروں پر کلہاڑی مارنے کا قائل نہ تھا۔ ابھی زندہ رہنا چاہتا تھا کیوں کہ میں نے ابھی دیکھا ہی کیا تھا۔ ایک ایسا جوان، خوب صورت اور وجیہہ شخص تھا کہ لڑکیاں عورتیں مجھے خواب ناک نظروں سے دیکھتی تھیں۔ میرے دل میں بڑی انجان آرزوئیں اور تمنائیں پنپ رہی تھیں اور ان لوگوں نے میرے بشرے سے بھانپ لیا تھا کہ پنچھی اڑنے کے لئے پر تول رہا ہے۔ اس لئے ان ہنگامی

لمحات میں وہ پوری طرح منظم اور چوکنے تھے اور مجھ پر کڑی نگاہ رکھے چل رہے تھے۔

آخر جنگل کے شور کے درمیان کسی عقاب کی ایک تیز سی چیخ گونجی۔ تو وہ سب ہم آہنگ ہو کر خوشی سے چیخ اٹھے۔ مجھے یہ بات بڑی عجیب اور پراسرار سی لگی کہ وہ عقاب کی چیخ سن کر اس قدر خوش کیوں ہو گئے......؟ یہ راز جلد ہی عیاں ہو گیا۔ ورنہ میں الجھن میں مبتلا ہو جاتا۔

''ہم صحیح راستے پر سے گزر رہے ہیں۔'' ٹوپی والے نے کہا تو اس کے لہجے سے خوشی ٹپک رہی تھی۔

''سردار کا غار قریب آ گیا ہے۔'' ایک نے کہا۔

یہ سن کر مجھے ذرا اچنبھا سا ہوا۔ کیوں کہ میں ابھی تک اس غلط فہمی میں مبتلا تھا کہ یہ ٹوپی والا ہی سردار ہے۔ اب پتا چلا کہ قبیلے کا سردار تو کوئی اور ہی ہے لیکن اس کے باوجود کہ سردار کا درجہ رکھتا ہے۔ اس کی بڑی عزت اور احترام ہے۔

اس نے چند لمحوں کے بعد اپنے منہ پر ہاتھ رکھ کر اپنے حلق سے عقاب کی سی تیز چیخ نکالی تو اس کا جواب عقاب نے چیخ کی صورت میں دیا۔ اس عقاب کا جواب سنتے ہی اس کاررواں کی رفتار میں تیزی آ گئی۔

کچھ دیر بعد اس اذیت ناک اور سوہان روح سفر کا اختتام گھنے درختوں سے ڈھکے پہاڑی کے غار پر ہوا۔

اس غار کے تنگ دہانے سے زرد روشنی خارج ہو رہی تھی۔

اس کے سامنے صاف کئے ہوئے پتھریلے حصے پر ایک ادھیڑ عمر مگر تندرست اور سخت گیر شخص کھڑا ہوا تھا۔ وہ دراز قد بھی تھا۔ اس کی بھنویں پر بڑے بڑے اور بے ترتیبی سے جھکے اور بکھرے ہوئے بال اس کی آنکھوں کو ہیبت ناک بنا رہے تھے۔ اس کے بائیں ہاتھ کی کلائی پر ایک بڑا سا عقاب بیٹھا ہوا تھا۔ جس کا پیر کسی مضبوط ڈوری کے ذریعے اس شخص کے انگوٹھے سے بندھا ہوا تھا۔

''اے سردار...... ! تیرا جانثار دونوں قیدیوں سمیت حاضر ہے۔'' پروں کی ٹوپی نے قدرے جھک کر مودبانہ لہجے میں کہا۔

''شولو...... !'' سردار نے اس کے قریب جا کر اس کی پشت بڑے پرجوش انداز سے تھپتھپاتے ہوئے تعریفی انداز میں کہا۔ ''میری نظروں میں جو تیرا بلند مقام ہے اس کو کوئی حاصل نہیں کر سکتا۔ مجھے تجھ پر ہمیشہ ناز رہا ہے۔''

''سردار!'' شولو نے سیدھے ہو کر کہا۔ ''تو مجھے جو عزت دیتا ہے وہ میرے لئے بہت بڑا اعزاز ہے۔ میں تیرا ادنیٰ سا خادم ہوں تو جو حکم بھی دے گا میں اسے پورا کرنے کے لئے جان بھی دے سکتا ہوں۔''

''مجھے اس بات کا اندازہ اور احساس ہے کہ میری کتنی قدر اور عزت کرتا ہے۔ کاش! میں تیری جانثاروں کا حق ادا کر سکتا۔ یہ میری خوش نصیبی مجھے تجھ جیسا وفادار ملا۔''

اس دوران بھٹکے ہوئے کارواں کی رہنمائی کرنے والے غضب ناک کتے سردار کے قدموں میں لوٹ رہے تھے۔ ایسا لگا کہ اس سردار نے اپنے کسی منتر سے ان کتوں کو تابع بنا رکھا ہے۔ ورنہ یہ کتے اس طرح اس کے قدموں میں لوٹنے سے رہے تھے۔

اب میری سمجھ میں ایک بات اور آئی۔ درندے کی کھال میں ملبوس سردار کی ہی کی بو پر کتے وہاں پہنچے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ پتھریلے موتیوں کی مالا اس مقصد کے لئے سردار نے اتار کر شولو کو دے دی۔

سردار اب مجھے اور کشن کو اس طرح سے گھور رہا تھا جیسے ایک درندہ اپنے شکار کو گھورتا ہے۔

غار کے اندر سے آنے والی روشنی اس کی پشت پر پڑ رہی تھی اور ہم دونوں پوری طرح اس روشنی میں تھے۔ مگر اس کے تاریک چہرے پر دہکتی ہوئی وحشیانہ پن لی ہوئی آنکھیں صاف نظر آ رہی تھیں۔

''ان دونوں کو غار میں پہنچا کر ان کی کمر سے پتھر باندھ دو...... پھر اپنے آدمیوں کو بستی کی طرف روانہ کر دو۔'' سردار نے باوقار لہجے میں حکم دیا۔ ''ان دونوں کا فیصلہ ہونے تک تم میرے ساتھ ہی رہو گے۔''

''جو حکم سردار...... !'' شولو نے اثبات میں سر ہلایا۔

پھر شولو کے اشارے پر ہمیں غار کے روشن دہانے کی طرف بڑھنا پڑا۔ میں نے سردار سے کچھ کہنا چاہا تو شولو نے اس کی مہلت نہ دی۔ غار میں داخل ہوتے سمے معاً میری نگاہ درختوں کی اوٹ میں بندھے ہوئے بہت سارے خچروں پر پڑی جس کا مطلب یہ تھا کہ ان قبائلیوں کی بستی اس مقام سے خاصے فاصلے پر موجود ہے۔

پھر بڑی تیزی کے ساتھ کتوں کی کمر سے بندھے وہ سب سے وزنی پتھر کھولے گئے اور آہنی زنجیروں کے ساتھ میری اور کشن کی کمر کے ساتھ باندھ دیئے گئے۔ اس اثنا میں ادھیڑ عمر کا سردار بھی روشن غار میں آ گیا تھا۔

شولو اور اس کے ساتھی اپنا کام ختم کر کے وہاں سے چلے گئے کیوں کہ اب ان کا کوئی کام نہیں تھا اور پھر وہ بے حد تھکے ماندے بھی تھے۔ پھر میں نے چند لمحوں کے بعد باہر خچروں کے ہنہنانے کی آوازیں اور کتوں کی غراہٹیں سنیں جس کا مطلب تھا وہ سب سردار کے حکم کی تعمیل میں کتوں سمیت واپس جا رہے تھے۔

جب خچروں کے سموں کا شور تھوڑی دیر میں دور ہوتے ہوئے معدوم ہو گیا۔ تو ایک دم سا سناٹا پورے ماحول پر کسی آسیب کی طرح مسلط سا ہو گیا۔

سردار اس کشادہ غار میں پڑے ہوئے ایک بڑے اور صاف ستھرے پتھر پر بیٹھ گیا۔

شولو زمین پر سردار کے قدموں کے پاس ہی بیٹھ گیا۔ میں پتھر سے بندھی ہوئی مختصر زنجیر ہونے کے باعث بیٹھا رہنے پر مجبور تھا۔ چوں کہ کشن کی زنجیر قدرے لمبی تھی۔ اس لئے وہ دیوار کے سہارے کھڑا رہا۔ وہ سردار اور شولو کو گھورے جا رہا تھا۔

میرا نام جیون ہے۔'' سردار گلا صاف کرتے ہوئے دھیمی اور پر فکر آواز میں بولا۔ ''تمہیں اس قبیلے کے بارے میں بتادوں کہ لڑکیوں اور عورتوں کی اکثریت ہے اور مردوں کی تعداد ان کے مقابلے میں بہت کم ہے۔ نہ ہونے کے برابر سمجھو۔ میرے قبیلے میں اس عورت کی دیوتا کی طرح پوجا کی جاتی ہے۔ جو سب سے زیادہ لڑکے جنتی ہے اس کی بڑی عزت کی جاتی ہے اس کا مقام لڑکیاں جننے والی عورتوں میں سب سے بلند اور باوقار ہوتا ہے۔ مگر میری صرف ایک ہی لڑکی ہے۔''

اتنا کہہ کر اس نے پہلو بدلنے کے لئے توقف کیا اور یوں قدرے خاموش رہا جیسے بات جاری رکھنے کے لئے الفاظ موزوں کر رہا ہو؟

''میری بیٹی کا نام رانی ہے۔'' سردار نے اپنی بات جاری رکھی۔'' اس کا حسن الفاظ میں کیا کوئی بھی بیان نہیں کر سکتا۔ میں نے سنا بلکہ تمہارے شہر کی بہت ساری حسین لڑکیوں اور عورتوں کی تصویریں دیکھی ہیں۔ ایک سیاح جو کبھی اس جنگل میں آیا تھا وہ اپنا تھیلا بھول گیا تھا۔ جو شولو کے ہاتھ لگا تھا۔ اس میں جنگل کے باہر کی دنیا کی حسین عورتوں کی تصویریں ایک کتاب میں چھپی ہوئی تھیں۔ لیکن ان میں ایک لڑکی اور عورت بھی میری رانی سے حسین نہیں تھی۔ وہ تیرہ برس کی عمر سے اپنے جیون ساتھی کے انتظار میں کرب آمیز لمحات گزار رہی ہے۔ اس کی زندگی بڑی بے کیف سی ہے۔''

''لیکن جب وہ اتنی حسین ہے کہ تم نے اس کی شادی اپنے قبیلے کے کسی نوجوان سے کیوں نہیں کر دی؟'' میں نے درمیان میں کہا۔

''یہی تو دکھ اور افسوس کی بات ہے کہ بستی کا کوئی جوان دو برس گزر جانے کے باوجود اس کا ہاتھ تھام لینے کے لئے تیار نہیں ہے۔'' سردار نے یاسیت بھرے لہجے میں جواب دیا۔

''بڑی عجیب اور سمجھ میں نہ آنے والی بات ہے سردار......! ایک نہایت حسین لڑکی کو کوئی اپنانے کے لئے تیار نہیں......؟'' میں نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

''تم دونوں میری ایک بات کان کھول کر سن لو کہ میں جو کچھ کہنے والا ہوں...... اسے نہ مانا تو بہت ہی برا ہوگا۔ تم دونوں کے حق میں اچھا نہیں ہوگا...... تمہاری زبان سے انکار سنتے ہی میرے اور شولو کے نیزے نہ صرف تمہارے جسم بلکہ دلوں کو بھی چھید کر دیں گے۔ اگر تم دونوں نے میری بات مان لی تو اس صورت میں تم میں سے صرف ایک زندہ رہے گا۔ میں دوسرے کی

زندگی کی کوئی ضمانت نہیں دے سکتا۔"

سردار جیون کی بات سن کر میرا دل اچھل کر حلق میں دھڑکنے لگا۔

اس کا لہجہ فیصلہ کن تھا جو ایک طرح سے اٹل تھا۔ اس نے بڑے سپاٹ اور بے رحمانہ لہجے میں ہمارے نصیب کا فیصلہ سنا دیا جو غیر مبہم بھی تھا۔

"سردار.....!" میں نے چند لمحوں کی اذیت ناک خاموشی کو توڑتے ہوئے اسے بے جان لہجے میں مخاطب کیا۔

"ہم کچھ نہیں سمجھ سکے کہ تم کیا چاہتے ہو؟ تم نے اتنا بڑا فیصلہ سنا دیا..... آخر ہمارا جرم کیا ہے؟"

"تم خود ہی جلد ہی سمجھ جاؤ گے؟" جیون کہنے لگا۔ "باہر دو سدھائے خچر موجود ہیں۔ شولو تم میں سے کسی ایک کو پہلے روانہ کردے گا اور اس کا خچر تمہیں سیدھا میری بستی میں لے جائے گا جہاں میں پہلے سے موجود ہوں گا۔ وہ شخص وہاں پہنچ کر رانی پر اپنے حق کا اعلان کرے گا۔ ایک دن کے وقفے سے شولو دوسرے کو بھی بستی میں اسی طرح پہنچائے گا..... اگر تم دونوں میں سے کسی نے بھی بستی والوں کو بتایا کہ رانی کی خاطر میں تمہیں بستی میں زبردستی جنگلات میں جال میں پھانس کر لایا ہوں اور تم اپنی جان کی سلامتی کی غرض سے رانی کو اپنانے پر آمادہ ہوگئے۔ جانتے ہوئے اس راز کو ظاہر کرنے کا انجام کیا ہوگا؟ موت ..... یہ کوئی آسان موت نہیں ہوگی..... انتہائی سفاکانہ..... ظالمانہ..... اور اذیت ناک جس کا تم تصور بھی نہیں کرسکتے۔ میرے جانثاروں کے نادیدہ زہریلے نیزے تمہارے جسموں کو چھلنی کردیں گے..... میری یہ بات ذہن پر نقش کرلو....."

اس کا ایک ایک لفظ کسی نیزے کی طرح تھا جو دل میں چھید کرتا اتر رہا تھا۔

ہم دونوں گم صم اس کی باتیں سن رہے تھے اور ساکت و جامد اور پتھر بنے ہوئے تھے۔ اس نے ایک لمحے کے لئے ہم دونوں کے چہرے باری باری دیکھے۔

پھر وہ مضبوط لہجے میں کہنے لگا۔

"اگر تم دونوں نے راز داری رکھی۔ کسی کے کان میں بھنک پڑنے نہیں دی تو ایک مقررہ دن پر تم دونوں کے درمیان خونی مقابلہ ہوگا جو اس وقت تک جاری رہے گا۔ جب تک تم دونوں میں کوئی ایک نہ مرجائے یا پھر ایسا معذور ہوجائے کہ مقابلے کے قابل نہ رہے۔ پھر میری بیٹی رانی فاتح کی ملکیت ہوگی۔ اس کے علاوہ وہ میرے بیش قیمت انعامات کا مالک بھی ہوگا۔ میں اس کے قدموں میں ہیرے جواہرات کا ڈھیر لگادوں گا۔ اگر اس تجویز سے انکار کرتے ہو تو ابھی اور اسی وقت تمہارا فیصلہ کردیا جائے گا۔ اب تمہاری سمجھ میں آ گیا ہوگا۔"

ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ رانی جب اتنی حسین و جمیل دوشیزہ ہے تو بستی کے جوانوں نے اسے اپنانے کی کوشش کیوں نہیں کی.....؟ آخر کیوں اور کس لئے؟ اس میں ایسا کون سا عیب اور نقص ہوگا؟ بستی کے سردار نے یہ نہیں بتایا کہ بستی کے جو نوجوان ہیں وہ کس لئے شادی کرنے سے پیچھے ہٹ رہے ہیں جس کے باعث اسے یہ منصوبہ بنانا پڑا۔ شامت اعمال کہ ہم دونوں اس کے منصوبے کا شکار ہوگئے۔

میں اس کا ہولناک منصوبہ سن کر لرز اٹھا تھا۔ سارے بدن میں خون برف کی طرح ہونے لگا۔ انکار کرنا گویا موت کو دعوت دینے کے مترادف تو تھا ہی مگر اقرار میں جان کا شدید خطرہ تھا۔ ایک عجیب دوراہے پر کھڑا تھا۔

"بولو تم نے کیا فیصلہ کیا.....؟" سردار نے عقاب کی پشت پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کرخت لہجے میں کہا۔ "میں زیادہ انتظار نہیں کرسکتا..... تمہاری خاموشی کہہ رہی ہے کہ تم میری بات ماننے کے لئے تیار نہیں ہو؟"

اس لمحے میری اور کشن کی بے بس نگاہیں چار ہوئیں۔ اسے فیصلہ سننے میں بڑی جلدی تھی۔ میں نے مردہ لہجے میں جواب دیا۔

"ہمیں تمہاری پیش کش منظور ہے..... انکار ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہم تمہاری حسین بیٹی

کے لئے مقابلہ کریں گے۔"

یک لخت سردار کے چہرے پر نرمی نے کرختگی کی جگہ لے لی۔ پھر آنکھیں وحشیانہ انداز میں چمک اٹھیں۔ اس پر سرشاری سی طاری ہوگئی۔ وہ عقاب کو چومتا ہوا مغرورانہ لہجے میں بولا۔

"رانی کا مقدر کا ستارہ عروج پر ہے...... اب کوئی میری بیٹی کو بدبختی کا طعنہ نہ دے سکے گا۔"

پھر سردار جیون، شولو کا ہاتھ پکڑ کر اسے غار سے باہر لے گیا۔ اب ہم دونوں غار میں تھے۔

چند ساعتوں تک میں اور کشن مبہوت ایک دوسرے کا منہ تکتے رہے۔

ہمارے درمیان ایک ہولناک سکوت طاری رہا جیسے کوئی بجلی سی آگری ہو۔ اس وقت ہماری حالت بے جان مجسموں کی سی تھی۔ اس کا چہرہ سفید پڑا ہوا تھا۔ پھر اس نے خوف زدہ لہجے میں سکوت کو توڑا۔

"ونود......! یہ ہم کس مصیبت میں پھنس گئے...... سوچ سوچ کر میرا دماغ ماؤف ہوتا جارہا ہے۔"

"خزانے کے لالچ نے ہمیں کہیں کا نہیں رکھا۔" میں نے کہا۔ "نہ یہ سادھو ملتا اور نہ خزانے کے بارے میں بتاتا اور نہ ہم اس ناگہانی افتاد کے بھنور میں پھنس جاتے۔"

"میرے وہم وگمان میں یہ بات نہ تھی کہ ہم پر بلائے ناگہانی نازل ہوجائے گی۔" کشن بے بسی سے بولا۔ "میری پتنی سرلا نے مجھے اس خزانے کی تلاش سے باز رکھنے کی بہت کوشش کی۔ اس کا کہنا تھا کہ یہ خزانہ وبال بن جائے گا۔ حکومت پوچھے گی کہ ایک دم سے اتنی ساری دولت کہاں سے آگئی...... کیسے مل گئی؟ کیا بینکوں میں ڈاکہ مارا؟ حکومت نہ صرف ساری دولت قبضے میں کرلے گی بلکہ ایک نئی مصیبت گلے پڑ جائے گی۔ اس خزانے پر لعنت بھیجو۔ بھگوان نے جو سکون کی دولت دی ہے وہ کسی بھی خزانے سے کم نہیں ہے......" لیکن میں نے اس کی بات نہیں مانی جس کی یہ سزا ملی ہے۔ لیکن میں نے حوصلہ نہیں ہارا ہے۔ یہاں سے ہم فرار ہوجائیں گے...... پھر بعد میں منصوبہ بنا کر یہ خزانہ حاصل کرلیں گے۔"

میری نظروں میں اس کی پتنی سرلا پل بھر کے لئے گھوم گئی۔ نہایت حسین تھی۔ اگر وہ میری پتنی ہوتی اور اس مہم پر جانے نہیں دیتی تو میں نہیں جاتا۔

"گویا خزانے کا بھوت ابھی بھی نہیں اترا ہے۔" میں نے استہزائیہ انداز سے کہا۔ "اس کا خیال دل و دماغ سے نکال اور سوچو کہ اب کیا کرنا ہے......؟"

"کیا تمہارے خیال میں سردار کی بیٹی رانی، واقعی اتنی حسین ہوگی جتنا اس کا باپ بتا رہا ہے؟" کشن نے موضوع بدلا۔ "تمہیں اس کی بات کا یقین آیا؟"

"میرے خیال میں نہایت بدصورت ہوگی اور کسی چڑیل سے کم نہ ہوگی۔" میں نے کڑوا سا منہ بنایا۔

"یہ تم کس بنا پر کہہ رہے ہو؟" کشن نے کہا۔ "سردار اس قدر غلط بیانی نہیں کرسکتا۔ شاید وہ سچ کہہ رہا ہو؟"

"اس بنا پر کہ اس کی بسیت کا کوئی نوجوان اسے اپنانے کے لئے تیار نہیں ہے۔" میں نے کہا۔ "کیا وہ کہہ نہیں رہا تھا کہ اس کی بیٹی دو برس سے جیون ساتھی کا انتظار کررہی ہے۔ اس کا کوئی دعوے دار نہیں آرہا ہے۔"

"میں بھی یہی بات سوچ رہا ہوں۔" کشن نے کہا۔ "اور اس چڑیل کے حصول کے لئے ایک دوسرے پر ہتھیار اٹھانے ہوں گے...... اگر وہ واقعی کوئی حسین لڑکی ہوتی تو پھر سوچا جاتا...... یہ خون خرابہ...... اس کے تصور سے ہی ہول آرہا ہے......"

"ہم دونوں بچپن کے دوست ہیں اور ایک دوسرے پر ہتھیار اٹھانے کا سوچ بھی نہیں سکتے ہیں۔" میں نے کہا۔

"تم کسی بات کی چنتا نہ کرو۔" کشن کا لہجہ خوشی سے بھر گیا۔ اس نے مجھے جیسے دلاسا دیا۔

"چنتا کیوں نہ کروں؟" میں نے بجھے ہوئے لہجے میں کہا۔ "ہم دونوں کو ایک دوسرے کی جان کا جو دشمن بننا ہوگا...... ورنہ......"

(جاری ہے)

# نیا خوف

سیدہ عطیہ زاہرہ۔لاہور

نوجوان رات کے اندھیرے میں چلا جارہا تھا کہ اچانک ایک سایہ اسے نظر آیا، وہ سایہ بھی نوجوان کے پیچھے چلا جارہا تھا، سایہ کو دیکھ کر نوجوان کے پورے جسم میں خوف کی لہر دوڑ گئی، اور پھر اچانک......

ناقابل یقین اور ناقابل فراموش دل کو خوف کے شکنجے میں کستی......حیرت انگیز کہانی

نو سے بارہ کا شو دیکھ کر وہ جیسے ہی باہر نکلا۔ سردی کی ایک شدید لہر اُس کی ریڑھ کی ہڈی میں سرایت کرتی چلی گئی، تو وہ کانپ کر رہ گیا۔دسمبر کی درمیانی شب تھی۔دھند بھی تھی، اور ایک عجیب سا سحر بھی ہر طرف چھایا ہوا تھا۔پھر جو فلم اپنے دوستوں کے ساتھ دیکھ کر وہ نکلا تھا۔وہ بھی پُرتجسس تھی۔جبکہ اپنی طرف سے وہ ایک رومانی فلم دیکھنے آیا تھا۔مگر یہاں آکر اکثریت کی رائے بدل گئی، اور وہ سب ایک انگریزی فلم دیکھنے کے لئے بضد تھے۔ایسے میں اُس کی یا اُس جیسے دو چار اور کی رائے کیا حیثیت رکھتی تھی؟ اس لئے وہ شرم کے مارے یہ بھی نہ بتا سکا، کہ اس طرح کی فلمیں دیکھنے کے بعد اُس کے دماغ میں کئی دنوں تک کرنٹ کی تیز تیز لہریں دوڑتی رہتی ہیں۔جس کی وجہ سے اُس کا آدھا سر سن رہتا تھا۔وہ اپنے حواسوں میں ہی نہیں رہتا تھا۔ڈاکٹر کو بھی کئی بار چیک کروا چکا تھا۔مگر ہر دفعہ اُسے یہ ہی ہدایت سننے کو ملتی تھی، کہ اپنے ماحول کو خوشگوار بناؤ۔ایسی فلموں یا ڈراموں سے دور رہو، جو دماغ میں سنسناہٹ پیدا کرنے کا باعث بنے۔مگر وہ ان سب باتوں کا تذکرہ اپنے دوستوں سے کرتا، تو مذاق کا نشانہ بنتا۔اس لئے چپ چاپ اُن کے ساتھ بیٹھا رہا، مگر ہوا وہی کہ جب وہ باہر نکلا تو اُس کا آدھا سر بُری طرح سے سن ہو چکا تھا۔جس میں کبھی کبھی ایک تیز سنسناہٹ سی محسوس ہوتی مگر وہ چپ رہا۔۔۔اب باقی دوستوں کا ارادہ آوارہ گردی کا تھا۔مگر وہ اُن سے الوداع لیتے ہوئے بولا۔

"میں اب چلتا ہوں۔"

"کیوں۔۔۔کیا ہوا؟"

"یار وقت تو دیکھو کتنا ہو گیا ہے۔پھر سردی کافی ہو رہی ہے۔صبح آفس بھی جانا ہے۔"

"تو۔۔۔؟"

"اس سب وضاحت کے بعد بھی "تو" کی گنجائش ہے؟"

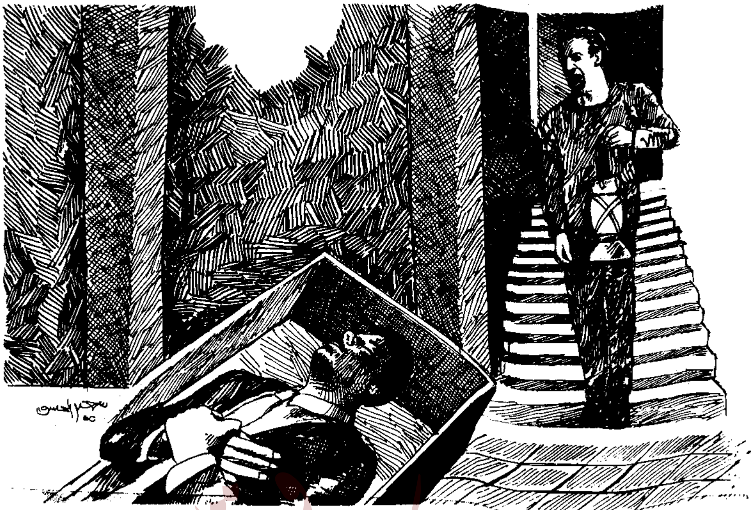
اسفند نے اکتائے ہوئے انداز میں کہا، تو اُس کا سب سے قریبی دوست بولا۔

"ارے چھوڑو یار۔۔۔آفس بھی چلا جانا۔۔۔مگر آؤ ابھی لالا کے ہوٹل پر گرما گرم چائے پیتے ہیں۔تمھاری سردی کا بھی اس طرح کچھ علاج ہو جائے گا۔"

"مگر یار۔۔۔۔!"

"ارے چھوڑو۔۔۔اگر مگر۔۔۔!"

اُس نے کہا، اور ساتھ ہی اسفند کے کندھے



...ہ کہتے ہوئے اُسے آگے کی طرف دھکیلا۔

"تم لوگ اس طرح نہیں مانو گے؟"

"نہیں۔۔۔!"

سب یک زبان چلائے، اور پھر اس کے بعد ...ک فلک شگاف قہقہہ ہر طرف گونجا، کہ آس پاس سے ...زرتے لوگ بھی مڑ مڑ کر دیکھنے لگے، اور وہ تھوڑے ...ہ شرمندہ تھوڑے سے ڈھیٹ بنے آگے کی طرف ...ھ گئے۔ اُن کی منزل لالا جی کا ہوٹل تھا۔ اُن کا آوارہ ...لا پہنچتے ہی لالا جی کے ہوٹل پر پہنچا۔ گویا پورا ہوٹل ...ک اُٹھا۔ چائے کا دور چلا۔ سیاست پر بحث ہوئی۔

مگر اُس کے دماغ میں اُٹھنے والی سنسناہٹ کم ...ہوئی۔ اُسے اب کئی دنوں تک اس عذاب میں مبتلا ...ہنا تھا۔ مٹھیاں بھر بھر کر دوائیں کھانی تھیں۔ پھر کہیں جا ...کر اس کے دماغ میں اُٹھنے والی یہ سنسناہٹ کم ہونی ...تھی۔ اسی ذہنی دباؤ کے زیر اثر وہ اُٹھا، اور دوستوں سے ...اجازت لے کر ہوٹل سے باہر نکل آیا۔ لالا جی کا ہوٹل ...ُس کا گھر سے قدرے فاصلے پر واقع تھا۔ مگر ہوٹل سے ...گھر کا فاصلہ پیدل چلو تو پونے گھنٹے کا تھا۔ اتنی رات کو ...کوئی سواری ملنا محال تھی۔ اسی لئے وہ پیدل ہی چل ...دیا۔ وہ جلد از جلد گھر پہنچا چاہتا تھا۔ تجسس سے بھری فلم کے کئی سین اُس کی آنکھوں کے سامنے گھومنے لگے۔ یوں دماغ کی سنسناہٹ بھی بھرگئی۔ شدید سردی میں بھی پسینہ آنے لگا۔ وہ تیز تیز قدم اُٹھانے لگا۔ وہ خود جتنا تیز چلتا۔ اُس سے بھی تیز قدموں کی چاپ اُسے اپنے عقب میں سنائی دیتی۔ اُس کے قدموں کی رفتار کم ہوتی تو اُسے اپنے پیچھے بھی قدموں کی رفتار کم ہوتی سنائی دیتی۔۔۔ یہ اُس کے ساتھ کیا ہو رہا تھا۔ پونے گھنٹے کا راستہ اتنا طویل کیسے ہوگیا تھا۔ فلم میں موجود دماغی مریض جو اسی طرح کی سرد راتوں میں لوگوں کو اپنا شکار بناتا تھا۔ اُس کے حواسوں پر چھانے لگا۔ آئے روز اخباروں میں پڑھی خبریں اُس کے دماغ میں گھومنے لگیں۔ بوری بند لاشیں۔۔۔۔ کٹے سر۔۔۔ بکھرے انسانی اعضاء۔۔۔ خنجر سے پھوڑی آنکھیں۔۔۔۔

اُس کی سانس اکھڑنے لگی۔ قدموں نے رفتار پکڑی۔ تو تعاقب کرتے قدموں نے بھی رفتار پکڑلی۔ اس خیال کے آتے ہی وہ سرپٹ دوڑنے لگا۔ اُس کا تعاقب کرنے والا بھی دوڑنے لگا، اور آکر جلد ہی اُس نے اُسے جالیا۔

"ارے۔۔۔ سنو۔۔۔!"

وہ اُس کے قریب آکر چلایا۔

"کو۔۔۔کو۔۔۔کون۔۔ہو۔۔تم؟"

اسفند ڈرتے ڈرتے بولا۔

"میں۔۔۔؟"

تعاقب کرنے والے نے اپنی طرف اشارہ کرتے ہوئے دریافت کیا۔

"ہاں۔۔۔تم؟"

"ارے مجھے چھوڑو۔۔۔مگر تم کمال بھاگتے ہو۔"

"یہ کہتے ہوئے اجنبی نے فلک شگاف قہقہہ لگایا۔تو اسفند کو وہ بالکل ہی پاگل لگا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ اس وقت میری طلب عروج پر ہے مجھے اس سلسلے میں تم نظر آئے تو میں نے شکر ادا کیا۔"

"طلب۔۔۔کیسی طلب؟"

اسفند کو اپنی گردن میں نوکیلے دانتوں کی چبھن محسوس ہوئی۔

"ارے بھائی سگریٹ کی طلب۔۔۔اتنی سردی ہے۔دھند ہے۔ویرانی ہے۔ایسے میں سگریٹ کی لت بڑی بُری ثابت ہوتی ہے۔اگر سگریٹ انگلیوں میں نا سلگاؤ،تو مانو کوئی بہت بڑا جرم سرزد ہوگیا ہو۔"

"اوہ۔۔۔!"

اسفند نے کہا،اور ایک طویل سانس خارج کیا۔

"تو اور کیا۔۔۔میں بس یہاں سے اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھا،کہ سگریٹ کی طلب جاگی۔۔۔ویسے طلب تو اور بھی جاگیں۔۔۔مگر۔۔۔!"

"مگر کیا۔۔۔؟"

اسفند نے چونک کر پوچھا،اور کوٹ کی جیب سے سگریٹ کی ڈبی نکال لی۔

"کچھ نہیں۔۔۔!"

تعاقب کرنے والے نے کہا،تو اسفند نے سگریٹ کی ڈبی اُس کی طرف بڑھادی۔

"ارے۔۔۔نہیں۔۔۔نہیں۔۔۔سگریٹ تو ہے میرے پاس۔۔۔!"

"تو پھر۔۔۔!"

اسفند نے آگے بڑھتے ہوئے پوچھا

اُسے اس اجنبی سے گھبراہٹ ہونے لگی تھی۔

"ماچس نہیں ہے،اور ماچس کے بغیر سگر کیا حقیقت ہے؟"

"ہوں۔۔۔!"

اسفند نے ہنکارا ابھرا،اور جیب سے ماچس کر اپنے ساتھ تقریباً بھاگتے ہوئے اجنبی کو تھ اُس نے اسفند کے ساتھ تیز تیز بھاگتے ہوئے س سلگا لی۔دھند میں خفیف سا دھواں شامل ہو مزے کی بات یہ تھی۔کہ اجنبی اور اسفند دونوں دوسرے کو ٹھیک سے دیکھ نہیں پائے تھے۔کیونکہ راستے سے وہ گزر رہے تھے۔وہاں روشنی کا انت ہونے کے برابر تھا۔اسی لئے وہ اندھیرے میں دوسرے کے پیچھے بھاگ رہے تھے۔اسی آنکھ مچ اُس اجنبی نے اسفند کا ہاتھ پکڑ کر اُسے روکا۔ اُس کے ہاتھ کا لمس عجیب سا محسوس ہوا۔آدھے اُٹھتی سنسناہٹ نے اُسے ہلا کر رکھ دیا۔شدید سر بھی اُس کے جسم کے ہر مسام سے پسینہ پھوٹ پ لگا۔یہ ہاتھ ابھی اُسے کسی چاقو کی طرح کاٹ د وہ اُس سے چھوٹ کر بھاگنا چاہتا تھا،کہ اُس اجن ایک سگریٹ اُس کی طرف بڑھائی۔

"نہیں شکریہ۔۔۔!"

اُسے یاد آیا کہ اس طرح کے لوگ کچھ کھ بھی اپنا کام کرتے ہیں۔

"کیوں۔۔۔؟"

اجنبی اُس کے سامنے آتے ہوئے بولا۔

"بس یُوں ہی۔۔۔!"

اسفند نے کہا۔

تو اجنبی نے کندھے اچکادیے۔

"اچھا۔۔۔جیسے تمھاری مرضی۔۔۔"

اجنبی نے کہا۔اور اسفند کے آگے آ

اب اسفند بھی کچھ پُرسکون ہوگیا تھا۔اُس کا گھر بھی ب ہی تھا۔ایسے میں اچانک وہ اجنبی پلٹا، ۔۔۔۔اسفند پر آرہا۔۔۔۔اسفند گرتے گرتے گر وہ اک دم خوف زدہ ہوگیا۔اجنبی جلدی سے ھا ہوا،اور بولا۔

"معاف کیجئے گا۔میرا پاؤں پھسل گیا تھا۔"

یہ کہتے ہی وہ پلٹا،اور تیز تیز چلنے لگا۔اسفند کے یا میں ہلچل سی ہوئی۔

"کہیں یہ کوئی جیب کترا تو نہیں۔۔۔؟"

اسفند نے سوچا۔اُس کا خیال تھا،کہ جیب ے یُوں ہی واردات کرتے ہیں۔اس خیال کے ی ہی اُس نے جلدی سے اپنی جیب ٹٹولی،اور پھر کا شک یقین میں بدل گیا۔اُس کا بٹوا غائب تھا۔ میں اُس کی ایک بڑی رقم تھی۔اُس نے گھبرا کر کو دیکھا جو کہ اب اُس سے آگے چل رہا تھا۔اسفند فاصلہ کم کرنے کے لئے اُس کی طرف دوڑ لگا دی۔ ے کے دوڑتے ہی اجنبی بھی دوڑنے لگا،اور دوڑتے ئے وہ اُس گلی میں مڑا۔جہاں اسفند کا گھر تھا۔اس لے اسفند کا حوصلہ بڑھایا۔اسفند نے ایک جست ،اور اجنبی کو دبوچ لیا۔اپنی انگلیوں کو اُس نے یُوں ی پسلیوں میں گھسایا،کہ اُسے یہ بندوق لگی۔وہ لا تو اسفند تیزی سے بولا۔

"بٹوا نکالو۔۔۔!" "کہ۔۔۔کے۔۔۔ مطلب۔۔۔؟"

اجنبی ہکلایا۔

"بٹوا نکالو۔۔۔جلدی کرو۔"

"یہ۔۔۔یہ۔۔۔لو۔۔۔!"

اجنبی نے بٹوا جیب سے نکالا،اور اسفند کی بڑھا دیا۔

اسفند نے بٹوا پکڑا،اور اُسے اک طرف دھکیل ھر دو قدموں پر اُس کا گھر تھا۔وہ اپنے گھر کی بڑھا۔تالا کھولا،اور پلٹ کر اجنبی کو دیکھا۔اجنبی کا تھا۔مگر وہ اپنے گھر کی دہلیز پھلانگ کر اندر داخل ہوگیا۔اندر آکر اُس نے پانی پیا۔کپڑے بدلے۔ مزے سے چائے بنائی،اور اپنے بیڈروم میں چلا آیا۔مگر ڈریسنگ ٹیبل پر نظر پڑتے ہی وہ سکتے میں آگیا۔

ڈریسنگ ٹیبل پر اُس کا بٹوا پڑا ہوا تھا۔اُس نے جلدی سے بڑھ کر اُسے اٹھایا،اور کھول کر چیک کیا۔اُس کی پوری رقم اُس میں موجود تھی۔اُس نے گھبرا کر اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا،اور وہ بٹوا نکال لیا۔جس میں اجنبی سے لیا بٹوا تھا۔اُس نے وہ بٹوا کھولا۔بٹوے میں کافی بڑی رقم تھی۔مگر یہ بٹوا اُس کا نہیں،بلکہ اُس اجنبی کا تھا۔ اُسے یاد آیا،کہ سینما ہاؤس میں ٹکٹ اُس کے دوست نے خریدیں تھیں۔اس لئے بٹوے کی ضرورت نہ پڑی۔ چائے بھی دوستوں نے پلائی،تو بٹوے کا خیال نہ آیا۔

دراصل وہ بٹوا گھر بھول گیا تھا،اور اپنے بھٹکے خیالات کی وجہ سے اُس نے اُس اجنبی کا بٹوا چھین لیا۔ ندامت کا پسینہ اُس کی پیشانی پر چمکنے لگا۔اتنے میں دروازے پر دستک ہوئی۔اُس نے گھبرا کر گھڑی دیکھی۔آدھی شب گزر چکی تھی۔وہ جلدی سے باہر آیا، اور دروازہ کھولا۔

"یہ ہی وہ چور ہے صاحب۔۔۔جس نے میرا بٹوا چھینا تھا۔"

دروازے کے باہر وہی اجنبی دو پولیس والوں کے ساتھ کھڑا تھا۔اسفند نے اُسے اُس کی آواز سے پہچانا۔

"چل بھئی۔۔۔ذرہ تجھے بتاتے ہیں۔کیسے کسی کے بٹوے چھینتے ہیں۔"

پولیس والے نے کہا۔تو وہ اُنھیں بتانے لگا کہ کس طرح اُسے غلط فہمی ہوگئی تھی۔مگر اجنبی کا بٹوا اُس کے ہاتھ میں تھا۔جو اجنبی نے جھپٹ لیا،پولیس والے اُسے گھسیٹ رہے تھے۔جبکہ فلم سے پیدا ہونے والی سنسناہٹ اب ختم ہو چکی تھی،اور ایک نیا خوف اُسے اپنے گھیرے میں لے رہا تھا۔



# شوباز

گلاب خان سولنگی۔ کشمور

جنگل کا ٹھٹھرا دینے والا اور دہلا دینے والا ماحول اس پر سے برستی بارش نے قیامت کا منظر پیش کر رکھا تھا کہ اتنے میں ایک بچے کی فلک شگاف چیخ نے پورے جنگل کو دہلا کر رکھ دیا کہ پھر……

لفظ لفظ اور سطر سطر دل و دماغ پر سکتہ طاری کرتی انہونی و انوکھی……سبق آموز تحریر

ویسے تو اس کا نام شرف الدین تھا، لیکن گاؤں والے اسے ''شرفو شیخی باز'' کے نام سے پکارتے تھے اور پکارتے بھی کیوں نہیں؟ وہ تھا ہی اول نمبر کا شیخی باز اور شو باز پورا گاؤں اس کی بے تکی باتوں سے تنگ آچکا تھا، لیکن شرفو میاں کو تو کسی کی بھی پرواہ نہیں تھی، اس کی باتوں سے لگتا تھا کہ اگر پورے گاؤں میں بہادر ہے تو صرف شرفو باقی سب کے سب ڈرپوک، یہ تو صرف شرفو بخوبی جانتا تھا کہ وہ کتنا بہادر ہے؟ دن بھر پورے گاؤں میں اپنی بہادری کے قصے ہانکتا رہتا تھا اور جب رات کو گھر واپس آتا تھا تو گھر کا دروازہ ایسے بند کرتا تھا کہ کوئی پہلوان بھی اسے نہیں کھول پائے اور تو اور رات کے سناٹے میں باہر کوئی کتا بھی بھونکتا تو شرفو ڈر کے مارے سہم جاتا تھا اور گرمی میں بھی کمبل لپیٹ کر سوتا تھا۔

شرفو ادھیڑ عمر کا شخص تھا جس کے آگے پیچھے کوئی نہیں تھا وہ صرف باتوں کا امیر تھا لیکن حقیقت تو یہ تھی کہ پورے گاؤں والے اس کی عزت اور شیخی باز طبیعت کی وجہ سے اسے رشتہ دینے کے لئے بھی تیار نہیں تھے۔ دوسری طرف شرفو کو شادی سے زیادہ اپنا پیٹ پالنے کی فکر رہتی تھی۔ دوسرے گاؤں والوں کی طرح نہ تو وہ کھیتوں میں کام کرتا تھا اور نہ ہی کوئی محنت مزدوری، بھلا ہو چوہدری کرم داد کا جس کے ڈیرے پر شرفو کی روٹی نصیب ہوتی تھی۔ چوہدری کرم دا[…] ترس بندہ تھا۔

شرفو بھی یہاں وہاں کی سنا کر چوہ[…] بہلاتا رہتا تھا، وہ اس کے کھانے پینے اور خیال رکھتا تھا۔ اور صدقہ زکوٰۃ، خیرات بھی نکا[…]

''جی آیا نوں، ست بسم اللہ۔'' اوئے[…] دنوں بعد دکان پر آئے ہو، کیا بات ہے کوئی [… ] نہیں لگا؟'' اکرو نائی نے روایتی طنزیہ لہج[…] آگے کرتے ہوئے کہا۔

شرفو کرسی پر بیٹھتے ہوئے۔ ''اوہ نا اکر[…] شیر کو بھی کسی کام دھندے کی ضرورت پڑتی[…] دراصل کچھ دنوں سے طبیعت ناساز تھی اس[…] اسی بہانے ڈاکٹر سے ملاقات بھی ہو جائے گ[…] کی دوائی بھی۔''

شرفو تھوڑا خاموش ہوا تو اکرو نائی [… ] عادت زبان اور ہاتھ ساتھ چلانے لگا۔ ''او[…] ہمارے شیر کو……سب ٹھیک تو ہے استاد۔''

شرفو اکڑ کر بولا۔ ''اوئے مجھے کیا ہونا[…] ڈاکٹر کا خراب ہے، ایک تو گھنٹہ بھر انتظار کرا[…]



ری باری آئی تو اچانک وہ اپنے گاؤں کی ماسٹرنی ہے
اہ آدھمکی وہ کیا بولتے ہیں۔ ''لیڈیز فرسٹ'' تو ڈاکٹر
ے مجھے نظر انداز کرتے ہوئے اس ماسٹرنی کا چیک اپ
یا۔ اور چیک اپ تو بہانہ تھا وہ تو الٹے سیدھے ہاتھ
پھر رہا تھا اور وہ بھی میرے سامنے!
کتنی بار میں نے چوہدری سے کہا ہے کہ گاؤں
ے اسپتال میں کوئی لیڈی ڈاکٹر ہی پوسٹ کرادو، لیکن
ہدری صاحب میری سنتے کہاں ہیں۔''
اکرو نائی استرا صاف کرتے ہوئے ''تبھی تو اس
ری ڈاکٹر کے پاس عورتوں کا ہجوم لگا رہتا ہے۔''
شرفو۔ ''اور تو اور وہ مجھ سے زیادہ فیس وصول کررہا
، پھر تو میں بھی اسے کھری کھری سنا کر آیا ہوں۔''
اکرو نائی۔ ''اچھا کیا ایسے ڈاکٹر کے ساتھ اسی
ح کا سلوک کرنا چاہئے۔'' کام ختم ہونے پر اکرو
ں نے شرفو سے پیسے مانگے تو شرفو نے اکڑ کر کپڑے
ال کرتے ہوئے کہا۔ ''اوے لکھ دینا پرانے کھاتے
ں، کب سے بک بک کئے جارہے ہو، کہیں پنڈ چھوڑ کر
ٹھی جارہا ہوں، مل جائیں گے تیرے پیسے، اب میں
و جیب میں لئے تو نہیں پھر رہا۔'' اس مرتبہ بھی شرفو
ے ادھار سے کام چلایا تو پتا نہیں کتنے مہینوں سے پنڈ
کے نائی، موچی اور دکان دار سے چلا رہا تھا۔

بال کٹوا کر شرفو سیدھا چاچا عارف کریانہ والے کی دکان کی طرف بڑھا۔ ''اوکیا حال بوڑھیو! ذرا وہ سگریٹ کی ڈبی تو پکڑانا۔'' چاچا نے بھی ناگواری انداز میں کہا۔ ''اوئے شرفو کے بچے آج اپنا پرانا حساب چکتا کر پھر کسی چیز کا نام لینا۔''

چاچے عارف کے تیور دیکھ کر شرفو نے وہاں سے کھسکنے ہی میں عافیت سمجھی۔ ''چاچا سودا نہیں دینا تو نہ دے، بھلا شریف گاہکوں سے اس طرح کی بات کوئی کرتا ہے کیا۔'' آج شرفو کو سگریٹ بھی نہیں مل رہی تھی۔ وہ خود کلامی کرتے ہوئے چوہدری کرم داد کے ڈیرے کی طرف جارہا تھا۔ ''لگتا ہے شرفو میاں اس پنڈ سے ہمارا دانہ پانی ختم ہوگیا ہے۔ بھوک بھی بہت لگی ہے اور جیب بھی خالی ہے، اوپر سے جتنے بھی پیسے تھے وہ ڈاکٹر نے ہتھیا لئے۔ پتا نہیں ڈیرے پر کسی نے روٹی رکھی ہوگی کہ نہیں۔''

شرفو ان ہی خیالوں میں جارہا تھا تو اسے گاؤں کے خطیب صاحب کی آواز سنائی دی۔

''میاں شرفو الدین کہاں جارہے ہو۔ کبھی مسجد کے لئے بھی وقت نکال لیا کرو۔'' شرفو نے خطیب صاحب سے مصافحہ کیا۔ ''کیا بتاؤں خطیب صاحب،

سوچتا ہوں کہ بندے کے پاس اگر پیٹ نہ ہوتا تو پھر مسجد کے لئے ٹائم ہی ٹائم ہوتا۔“

خطیب صاحب بولے۔”یہی تو اصل امتحان ہے بندہ ساری زندگی مالک سے دور بھاگتا ہے، اس کی نافرمانی کرتا ہے لیکن وہ کتنا غفور الرحیم ہے آخری دم تک بندے کے لئے توبہ کے دروازے کھولے رکھتا ہے۔“

شرفو کو خطیب صاحب کی باتیں بہت سکون دیتی تھیں۔لیکن پھر بھی وہ اپنی شو بازی سے باز نہیں آتا تھا۔

آج کسی مسئلے کو لے کر پنڈ والوں کی پنچایت تھی اس لئے شرفو بھی تیار ہو کر پنچایت میں شرکت کرنے پہنچ گیا۔

چوہدری کرم داد پیپل کے درخت کے نیچے ایک پرانی لکڑی کی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا، وہ حقے کا کش بھی لگا رہا تھا۔ وہ فکر یہ انداز لہجے میں گویا ہوا۔”پنڈ والو! آج کی یہ پنچایت روایتی انداز سے ہٹ کر ہے، پنڈ میں پے درپے چوری کی وارداتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ چور کوئی عام انسان نہیں ہے۔یا تو وہ انسان ہی نہیں ہے۔“

گاؤں والوں نے کھسر پھسر شروع کر دی ایک کسان کھڑا ہو گیا۔”چوہدری صاحب، کیا مطلب ہے آپ کا، چوری کرنے والا انسان نہیں تو پھر کون ہے؟“

”میرے بوڑھے ذہن کے مطابق وہ کوئی مافوق الفطرت انسان ہے۔“

پورے گاؤں والوں میں ڈر کے مارے تشویش کی لہر دوڑ گئی جبکہ شرفو کے تو ہونٹ ہی خشک ہو گئے، وہ اپنا ڈر چھپاتے ہوئے روایتی انداز میں کھڑا ہو کر شوخیانہ انداز میں بولا۔”معاف کرنا چوہدری صاحب پنڈ میں میرے جیسے کئی گبرو جوان موجود ہیں، بھلا کس کی یہ جرات کہ ہمارے پنڈ کی طرف میلی آنکھ سے دیکھے۔ چوہدری صاحب وہ چور انسان ہو۔یا جن، شرفو کے ایک ہی پنجے سے ڈھیر ہو جائے گا۔“

شرفو سوچ رہا تھا کہ چوہدری کے ساتھ پورا پنڈ اس کی تعریف کرے گا، مگر قبل اس کے کہ وہ کچھ مزید بولتا چوہدری کرم داد، جلال میں آ گیا، اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا، وہ چور سے پہلے شرفو کو سبق سکھانا چاہتا تھا۔

”تو پنڈ والو طے یہ ہوا کہ آج سے ٹھیک ا تک گاؤں سے دور جنگل والی ویران چوکی پر شر پہرہ دے گا اور پل پل کی مجھے خبر دے گا۔ایک دوبارہ یہ پنچایت لگے گی، رب راکھا۔“چوہدری فیصلے سے گاؤں والے تو بہت خوش ہوئے کہ اب پتا لگ جائے گا کہ بہادری باتوں سے حاصل نہیں لیکن دوسری طرف خوف کے مارے شرفو کا گلا ہو گیا تھا، وہ سوچ رہا تھا کہ لوگ دن کے وقت بھی کے اس طرف جانے سے گریز کرتے ہیں۔ میں رات کے وقت کیسے وہاں پر پہرہ دوں گا، آج میں دام میں خود پھنس گیا۔“

پنچایت سے سیدھا شرفو اپنے دوست رفیق فیقا کے پاس آیا۔”اوئے میرے یار یہ کیا سن ر چوہدری نے تجھے ایک ماہ جنگل والی چوکی پر ہے۔“

شرفو کرسی پر بیٹھتے ہوئے تشویش زدہ جواب دیا۔”ہاں یار فیقے! تو نے صحیح سنا، پر ا میری سمجھ میں نہیں آئی، یہ پنڈ والوں کو میں تکلیف پہنچائی ہے جو اس طرح خوش ہو رہے

فیقا ہنستے ہوئے بولا۔”اوئے گولی مار کو، آ، پتے کھیلتے ہیں۔“

شرفو کے غصے میں مزید اضافہ ہو گیا۔” جائیں تیرے پتے، دیکھتا نہیں کہ میرے سر ہے اور تجھے پتوں کی پڑی ہے، یار مجھے کوئی میں ڈرپوک قسم کا بندہ ہوں، آخر کیسے پورا ا سے باہر اندھیرے میں اس ویران چوکی میں گا، آخر کوئی تو حل نکال۔“

شرفو کو پریشان دیکھ کر فیقے نے اے ہوئے مشورہ دیا۔”دیکھ شرفو! تم پنڈ میں ہا نہ کوئی رشتہ دار، نہ بیوی بچوں کا جھنجھٹ تیری مدد کرنے سے رہے، مگر چوہدرائن ا چوہدری سے بات کرسکتی ہے سو میرا مشورہ ہونے سے پہلے حویلی میں جا کر چوہدرا

اور ہاں بندے کی طرح جانا اور اپنی اکڑ اور شیخی ادھر رہنا ورنہ اس سے بھی زیادہ سزا مل سکتی ہے۔“

شرفو کو فیقے کا مشورہ پسند آیا اور وہ وہاں سے حویلی کی طرف بھاگا۔ شرفو اجازت لے کر حویلی کے اندرونی دروازے کے سامنے با ادب کھڑا ہو گیا تھوڑی دیر بعد چوہدرانی دروازے کے اوٹ میں سے مخاطب ہوئی۔ ”کیا بات ہے شرفو، اس ویلے کیوں یاد کیا؟“

شرفو بدستور نیچے گردن جھکائے کھڑا تھا۔ ”وہ چوہدرانی جی بات دراصل یہ ہے کہ آپ تو مجھے جانتی ہیں، ساری زندگی آپ کا نمک کھایا ہے، مانا کہ میں اول درجے کا شیخی باز ہوں اور جھوٹ موٹ کی اکڑ دکھاتا رہتا ہوں، پر کیا کروں اپنی اس عادت سے میں تنگ آچکا ہوں، بندہ آپ کا فرمانبردار ہے۔ آپ چوہدری صاحب سے سفارش کیجئے نا کہ وہ مجھے جنگل کی چوکی پر اکیلا نہ بھیجیں اور ویسے بھی وہ صرف آپ ہی کی مانتے ہیں۔“

شرفو کی خوشامدی باتیں سن کر چوہدرانی نے بھی اس کو کہا۔ ”دیکھ شرفو! ویسے تو چوہدری صاحب اپنا فیصلہ نہیں بدلیں گے۔ لیکن میں کوشش کروں گی کہ تم کو 30 کی بجائے کم کر کے 15 دنوں کے لئے چوکی پر بھیجا جائے، اس سے زیادہ میں کچھ نہیں کر سکتی، اب تم جا سکتے ہو۔“

شرفو حویلی سے واپس آیا اور شام ہونے کا انتظار کرنے لگا۔

شام کو چوہدری کا بندہ شرفو کو بلانے آیا، شرفو حویلی پر آیا تو چوہدری نے ایک عدد بندوق اسے تھماتے ہوئے کہا۔ ”یہ لے اپنی حفاظت کے لئے اور ہاں تجھے صرف 15 دنوں کے لئے پہرہ دینا ہوگا۔ چوہدرانی نے تیرے بارے میں بات کی ہے، خیر رات کو چوکی پر رہے گا، اور دن کو پنڈ میں۔ جا لیکن ایک بات یاد رکھنا، پنڈ والوں کی جان و مال کا مسئلہ ہے۔ رات کو جاگ کر پہرہ دینا ہے۔ میں خود تیری نگرانی کروں گا۔ جا شاباش۔“

## ذرا سوچئے

ہم جس مسجد میں روزانہ نماز ادا کر رہے ہیں وہاں ہمیں وضو کے لئے پانی، ہوا کے لئے پنکھے، روشنی کے لئے لائٹس، جنریٹر، کارپٹ، امام اور موذن کی سہولت حاصل ہوتی ہے تاکہ ہمیں نماز میں آسانی ہو اور ہم مسجد کو ماہانہ کیا دیتے ہیں۔ دس روپے زیادہ سے زیادہ بیس روپے جبکہ ہم ٹی وی کیبل 350 اور انٹرنیٹ 1200 کی فیس ہر ماہ ادا کرتے ہیں۔ موبائل پر بے تحاشا لوڈ کرواتے ہیں۔ ذرا سوچئے ہم مسلمانوں کا پیسہ کہاں خرچ ہو رہا ہے۔

(شرف الدین جیلانی۔ ٹنڈو الہ یار)

سرِ شام ہی شرفو بندوق اٹھائے بادل نخواستہ بوجھل قدم اٹھاتا ہوا جنگل کی طرف روانہ ہوا۔ چوکی تک پہنچتے ہوئے مغرب ہو چکی تھی۔ شرفو اپنے ساتھ ٹارچ، سگریٹ اور چائے کا سامان ساتھ لایا تھا۔ چوکی کیا تھی بس ایک چھوٹا سا بوسیدہ کمرہ تھا جس کا ایک ٹوٹا پھوٹا دروازہ تھا جسے صدیوں سے کسی نے نہیں کھولا ہوگا، شرفو کمرے کے اندر داخل ہوا، وہاں ایک ٹوٹی ہوئی چارپائی اور ایک کرسی کے علاوہ کچھ بھی نہیں تھا۔ شرفو نے اپنا بستر چارپائی پر لگایا اور کرسی پر دراز ہو گیا۔

جنگل گاؤں سے کچھ ہی فاصلے پر واقع تھا جہاں بے ضرر جانوروں کی بھرمار تھی باہر جنگل کا شور سن کر دھیرے دھیرے شرفو کا خوف بھی بڑھتا جا رہا تھا۔ وہ کھانا کھا کر آیا تھا، اب اس نے چائے کیتلی میں ڈالی اور گرم

کرنے لگا۔ سگریٹ کا کش لگاتے ہوئے خود کلامی کی۔
"یہ چوہدری بھی بڑا سیانا ہے مجھے کس مصیبت میں پھنسا دیا، ہائے ربا، مجھے اگر اس مصیبت سے نجات ملی تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ کبھی بھی فالتو بک بک نہیں کروں گا، میرے ربا، میں اکیلا کیا کروں گا اگر سچ مچ میں کوئی بھوت پریت آ گیا۔
جبکہ جنگلی گیدڑوں کے چلانے سے تو جیسے اس کی جان نکلے جا رہی تھی، اس نے اچھی طرح سے دروازے کا کنڈا لگایا اور بندوق کے ساتھ چارپائی پر دراز ہوا، لیکن نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی، وہ سگریٹ پر سگریٹ پیے جا رہا تھا۔ اس نے ایک سادہ سی گھڑی باندھ رکھی تھی ابھی صرف رات کے دس بجے تھے۔ گرمی قدرے کم تھی لیکن شرفو کے ماتھے کا پسینہ خشک ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ آخرکار سوچتے سوچتے شرفو سو گیا۔
نہ جانے کب اس کی آنکھ کھلی جب باہر سے ایک بچے کے رونے کی آواز آ رہی تھی۔ "اس وقت یہ بچہ کیوں رو رہا ہے اور یہ بچہ کس کا ہے؟" شرفو نے بندوق اٹھائی اور آہستہ آہستہ دبے پاؤں دروازے کی طرف آیا اس نے دروازے کا کنڈا کھولا، ٹارچ روشن کی، باہر ایک 6 سالہ بچہ زمین پر بیٹھا رو رہا تھا، اس کا لباس بھی عجیب و غریب تھا، شرفو نے سوچا۔ "بچے سے کیسا ڈرنا۔" وہ اس کے پاس آیا۔ "کون ہو پتر اور اس ویلے یہاں کیا کر رہے ہو؟"
اب بچہ بھی اپنے پاؤں پر کھڑا ہو گیا۔ وہ مسلسل روئے جا رہا تھا۔ "انکل انکل وہ ادھر جھونپڑی میں وہ......وہ لوگ......"
شرفو نے پہلی مرتبہ اس کے سر پر ہاتھ رکھا تو اسے محسوس ہوا جیسے برف کے ڈلے پر ہاتھ رکھ دیا ہو۔
"کون لوگ پتر۔"
بچے نے جواب دیا۔ "آؤ میرے پیچھے میں آپ کو وہ جھونپڑی دکھاتا ہوں۔"
شرفو کو اب خوف کے بجائے بچے کی فکر ہو رہی تھی کہ نہ جانے کس کا بچہ ہے جو کہ کھو گیا ہے، وہ بے ساختہ اس بچے کے پیچھے چلا جا رہا تھا، جنگل اب کافی پر ہو گیا تھا مگر اچانک دور کسی درخت کی ڈالی پر بیٹھے پراسرار آواز سے ماحول کی ہیبت ناکی میں اضافہ ہو تھا جسے یکسر نظر انداز کرتے ہوئے بچے کی مدد کی سے شرفو کے قدم بڑی تیزی سے بچے کا تعاقب کر ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔
چہار سو اندھیرے میں شرفو کی ٹارچ کی آنکھوں کو کچھ حوصلہ دے رہی تھی، چلتے چلتے وہ بچہ جھونپڑی کے سامنے آ کر رک گیا۔ "انکل وہ جھونپڑی۔"
شرفو جھونپڑی کے اندر داخل ہوا۔ اندر اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ "اندر تو کوئی نہیں ہے۔"
جیسے ہی شرفو نے بچے کی طرف دیکھا۔ تو غائب پا کر حیرت سے ہکا بکا رہ گیا۔ "ارے! یہ بچہ کہ چلا گیا؟ ابھی تو یہاں کھڑا تھا۔" شرفو نے دائیں اسے کافی آوازیں دیں۔ لیکن اسے بچے کی آواز سنائی نہیں دی۔
شرفو پر ایک انجانا سا خوف طاری ہو گیا۔ وہ وا جانے لگا۔ لیکن چوکی پر نہیں اس کے قدم گاؤں کی طر بڑھ رہے تھے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ بچہ کسی انسان کا نہ بلکہ کسی بھوت کا بچہ ہے تبھی تو یک دم غائب ہو گیا۔ بڑی تیزی سے گاؤں کی طرف جا رہا تھا۔ لیکن اسے شدید ڈر اور خوف لگ رہا تھا جیسے کوئی اس کا پیچھا کر ہو۔ پسینے سے شرابور شرفو اب گاؤں پہنچ گیا تھا۔
رات کا پچھلا پہر تھا۔ ہر کوئی اپنے گھروں آرام کر رہا تھا۔ شرفو نے سوچا اگر کسی پنڈ والے کو یہ بتاؤں گا تو وہ لوگ مجھے ڈرپوک سمجھ کر میرا مذاق اڑا گے، لہٰذا اسے گاؤں کی مسجد کے علاوہ اور کوئی ٹھکانہ نہیں سوجھا، وہ مسجد میں داخل ہوا، وضو کیا اور ہی اندر مسجد میں داخل ہوا تو خطیب صاحب تہجد نما کر رہے تھے۔ شرفو بھی ایک کونے میں نماز ادا کر لگا۔ بعدازاں شرفو نے خطیب صاحب کو سارا ماجرا سنا
خطیب صاحب خوش تھے کہ "چلو اسی بہا

ب بھٹکا ہوا بندہ راہ راست پر آ گیا ہے۔" خطیب صاحب نے اسے خاموشی اختیار کرنے کی تاکید کرتے ہوئے کہا۔ "فی الحال وہ کسی بھی پنڈ والے سے اس بات کا ذکر نہیں کرے اور وقت آنے کا انتظار کرے۔

صبح ہوتے ہی شرفو اپنے گھر آ گیا۔ وہ رات بھر کا جاگا ہوا تھا۔ سو بستر پر گرتے ہی سو گیا۔

شرفو نے دن بھر کسی سے بات نہیں کی جبکہ چوہدری کے ڈیرے پر بھی وہ خاموش تھا۔ شرفو جیسے شوباز کی خاموشی دیکھ کر پنڈ والے چہ میگوئیاں کرنے لگے۔

"ارے دیکھو وہ جا رہا شرفو، بڑا بہادر بنا پھرتا تھا، ایک ہی رات میں موصوف سے بہادری کی ہوا نکل گئی۔ ارے پنڈ والو! یہ تو رکشہ میں اونٹ بیٹھانے کی بات ہے کہ شرفو بندہ بن گیا ہے۔"

پنڈ والوں کا مذاق شرفو پر گراں گزر رہا تھا۔ پر وہ سر جھکائے پنڈ کی گلیوں سے گزر کر سیدھا اپنے مکان میں گھسا۔ خطیب صاحب کے سمجھانے پر وہ اپنی پرانی عادتوں سے توبہ تائب ہو چکا تھا۔ غرور و تکبر چھوڑ کر وہ ایک عاجز بندہ بن گیا تھا جو کہ اب اپنی انا اور بقا کی جنگ لڑ رہا تھا۔

وہ گاؤں کو چھوڑ بھی نہیں سکتا تھا۔ ایک ایسا پنڈ جہاں اس نے اپنا بچپن گزارا، زندگی کے باقی ایام بھی وہ نیک بندوں کی طرح محنت مزدوری کر کے گزارنا چاہتا تھا وہ باقاعدہ پابندی کے ساتھ گاؤں والی مسجد میں جانے لگا تھا۔ وہ روزانہ سرِ شام ہوتے ہی پہرے پر جاتا تھا۔ اب وہ کافی حد تک اپنے ڈر کو کنٹرول کر چکا تھا لیکن ایک انجانا سا خوف اب بھی اس پر طاری تھا۔

ایک رات وہ چوکی میں بیٹھا پہرہ دے رہا تھا۔ شدید بارش ہو رہی تھی جبکہ اس ویرانے میں بجلی کی چمک اور بادلوں کی گڑگڑاہٹ سے ماحول کی ہیبت ناکی میں مزید اضافہ ہو گیا تھا۔

شرفو کو باہر کسی کے کھانسنے کی آواز سنائی دی۔ "اس طوفانی بارش میں کون ہو سکتا ہے؟ شاید کوئی مسافر ہے۔" اس نے خود کلامی کرتے ہوئے بندوق اٹھائی اور چوکی کا دروازہ کھولا۔ باہر تھوڑے فاصلے پر اسے ایک بزرگ دکھائی دیا تھا جبکہ وہ گھوڑے کی لگام تھامے بارش میں بھیگ رہا تھا۔ شرفو مدد کی غرض سے جب اس کے قریب آیا تو حیران ہو گیا۔

"ارے چوہدری کرم داد آپ! اس وقت یہاں کیا کر رہے ہیں؟ سب خیریت ہے ناں۔"

چوہدری صاحب نے اپنے مخصوص انداز میں کہا۔ "ارے شرفو! مہمانوں کو چھوڑنے جا رہا تھا کہ واپسی پر طوفانی بارش ہو گئی تو سوچا کہ کیوں نہ تمہاری بھی خیر خبر لی جائے اور سناؤ پہرہ کیسے جا رہا ہے؟"

شرفو نے گھوڑا ایک درخت کے ساتھ باندھا اور چوہدری کو لے کر اندر چوکی میں داخل ہوا۔ "چوہدری صاحب اس سے پہلے تو کبھی آپ نے گھوڑے پر سواری نہیں کی اور نہ ہی آپ کے پاس کوئی گھوڑا موجود ہے؟"

چوہدری نے جواب دیا۔ "بس آخری عمر میں گھوڑا پالنے کا شوق ہو گیا ہے۔ ویسے یہ گھوڑا میں نے آج ہی خریدا ہے۔"

شرفو نے کیتلی سے چائے کا کپ بھرتے ہوئے چوہدری کی طرف پیش کیا۔ "چوہدری صاحب آپ مکمل بھیگ چکے ہیں۔ یہ لیں چائے اور بارش رکنے پر میں خود آپ کو چھوڑنے جاؤں گا۔"

چوہدری نے انکار کرتے ہوئے کہا۔ "یہ چیزیں ہم لوگ نہیں پیتے۔"

شرفو حیران ہو گیا۔ "پر چوہدری صاحب میں نے دیکھا ہے کہ آپ تو ڈیرے پر چائے بڑے شوق سے پیتے ہیں۔"

چوہدری نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "چل چھوڑ ان باتوں کو، میرے پاس وقت بہت کم ہے، یہ بتا کہ جنگل کے اندر ایک جھونپڑی مجھے دکھائی دی تھی وہاں کون رہتا ہے؟"

شرفو بولا۔ "ارے چوہدری صاحب میں خود اس جھونپڑی میں گیا ہوں، پتا نہیں کب سے خالی پڑی ہے۔" شرفو نے جان بوجھ کر بچنے والی بات چھپائی تا کہ

چوہدری اسے ڈرپوک نہ سمجھے۔

"اچھا خیر میرے جانے کا وقت ہوگیا ہے۔ رب راکھا۔" چوہدری بجلی کی سرعت سے اٹھا اور باہر نکل گیا جبکہ شرفو بھی اس کو چھوڑنے کی غرض سے نکلا اور تو وہ دم بخود رہ گیا کیوں کہ وہاں نہ تو چوہدری کا نام ونشان تھا اور نہ ہی گھوڑا موجود تھا۔ انہیں غائب پاکر شرفو کو ایک دفعہ پھر ڈر نے آ گھیرا۔ "ارے یہ چوہدری صاحب اتنی جلدی پلک جھپکتے ہی گھوڑے سمیت کہاں غائب ہوگئے۔"

"باہر بارش تھم چکی تھی لیکن شرفو پسینے کی بارش میں شرابور خوف کے شکنجے میں جکڑ چکا تھا۔ وہ پوری رات سو نہیں سکا۔ صبح منہ اندھیرے ہی وہ مسجد میں موجود تھا، اس نے خطیب صاحب سے بات کی تو وہ بولے۔ "شرفو ایک کام کر، ڈیرے پر جاکر معلوم کرکے آ کہ رات کو چوہدری صاحب کہاں تھے، پھر میں تم کو کوئی حل بتاتا ہوں۔"

شرفو نے ہامی بھری اور سیدھا ڈیرے کی طرف روانہ ہوا۔ ڈیرے پر اسے ملوم ہوا کہ رات بھر چوہدری صاحب اپنی حویلی میں موجود تھے۔ کیوں کہ وہ سخت بخار میں مبتلا تھے۔ شرفو کو تسلی نہیں ہوئی وہ تیمارداری کے بہانے چوہدری سے ملنا چاہتا تھا سو اس کا رخ اب حویلی کی طرف تھا۔

چوہدری صاحب بستر پر لیٹے ہوئے تھے اور نوکر چاکر ان کی خدمت میں مصروف تھے۔ شرفو نے اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ "اندر آجا شرفو۔" چوہدری کی اجازت پاکر شرفو اندر داخل ہوا اور چوہدری کے پاؤں چھوکر کرسی پر بیٹھ گیا۔ "چوہدری نے پہلو بدلتے ہوئے جواب دیا۔ "شرفو! بڑھاپے سے زیادہ کوئی بیماری نہیں ہے، رات کو بخار کی شدت میں کچھ زیادہ اضافہ ہوگیا تھا۔ پر حکیم صاحب کی دوائی سے کافی افاقہ محسوس کررہا ہوں۔ خیر تم سناؤ پہرہ کیسا جارہا ہے اور کچھ چاہئے تو بتاؤ۔"

شرفو نے کہا۔ "وہ چوہدری صاحب پہرے میں اب باقی دو دن رہ گئے ہیں۔ باقی سب ٹھیک جارہا...... وہ چوہدری صاحب ایک بات پوچھنی تھی آپ سے؟"

چوہدری نے کہا۔ "ہاں کہہ کیا بات ہے؟"

شرفو نے ہکلاتے ہوئے "وہ...... وہ چوہد صاحب!"

"ارے بھئی پریشان کیوں ہوتا ہے، بتا بات ہے۔"

شرفو پھر گویا ہوا۔ "چوہدری صاحب آپ گھوڑ پر سواری کرتے ہوئے رات کو کہاں گئے تھے؟ مطلب ہے کہ مہمانوں کو تو چھوڑنے نہیں گئے تھے؟"

چوہدری صاحب چونک کر بستر پر بیٹھ گئے۔ "تیرا دماغ تو ٹھیک ہے؟" رات بھر میں بخار میں تپا ہوں اور اپنے بستر سے اٹھا بھی نہیں اور تو نے گھوڑے پر بھی بٹھادیا؟ لگتا ہے پی کر پہرہ دیتا ہے جھلیئے! تجھے تو پتا ہے کہ میں گھوڑے سے کتنا ڈرتا ہ اسی لئے آج تک کوئی گھوڑا نہیں خریدا۔"

شرفو شرمندہ سا ہوکر کہنے لگا۔ "معاف چوہدری صاحب شاید میں نے خواب میں آپ کو سواری کرتے ہوئے دیکھا ہوگا۔ وہ چوہدری صاح خرچہ پانی ختم ہوگیا ہے تو......"

چوہدری نے بیچ میں بولتے ہوئے کہا۔ "ٹھ ہے ٹھیک ہے، جاتے ہوئے اسحاق سے رقم لیتے ج اب تو جاسکتا ہے۔"

شرفو اٹھتے ہوئے "رب راکھا" کہہ کر کمر سے باہر نکل آیا وہ سیدھا خطیب صاحب کے پاس گ

"خطیب صاحب! مجھے تو رات کسی بھوت چوہدری صاحب کے روپ میں ڈرایا ہوگا۔ یہاں چوہدری رات بھر اپنے بستر پر پڑا بخار سے تپ ر تھے؟ پہلے وہ بچہ، پھر چوہدری صاحب؟ پر ایک با میری سمجھ میں نہیں آئی! دونوں کا اشارہ جھونپڑی طرف کیوں تھا؟

خطیب صاحب نے اسے بیٹھنے کو کہا۔ "د شرف الدین! اس دنیا میں کافی اسرار و رموز ہیں ہماری سمجھ سے بالاتر ہیں، مجھے تو وہ لوگ نیک ناد ہستی معلوم ہورہے ہیں، شاید وہ کچھ کہنا چاہ رہے ہ

ان لئے وہ لوگ جھونپڑی کا نام لئے جارہے ہیں۔
میں ایک وظیفہ بتاتا ہوں، انشاء اللہ کوئی بھی روح تم کو نقصان نہیں پہنچا سکتی، تم ایک کام کرو آج ہی ابھی جنگل والی اس جھونپڑی کا تفصیلی جائزہ لے کر باقی باتیں بعد میں کریں گے۔''

شرفو وہاں سے اجازت طلب کر کے سیدھا جنگل والے راستے پر آ پہنچا، وہ جھونپڑی کے اندر داخل ہوا۔ بظاہر تو وہ عام سی جھونپڑی تھی جو گھاس پھوس سے بنی ہوئی تھی۔ اس کا فرش مٹی کا تھا۔ اچانک شرفو کو اپنے پاؤں تلے کسی لکڑی کے پھٹے کی سی آواز سنائی دی۔ وہ بیٹھ گیا اس نے ابھی تھوڑی مٹی کھودی ہی تھی کہ ایک لکڑی کا بنا تخت نظر آیا، وہ بہت حیران ہوا، اس نے لکڑی کے تخت سے مٹی جھاڑی اور جیسے ہی اسے اٹھایا تو نیچے لکڑی کی سیرھیاں دیکھ کر حیران رہ گیا۔ حیرت ہے جھونپڑی میں یہ خفیہ تہہ خانہ موجود ہے، جو ہماری آنکھوں سے اوجھل ہے۔ وہ ڈرتے ڈرتے سیڑھیاں اترنے لگا۔

نیچے کافی گہرائی میں اسے ایک راہداری نظر آئی۔ دبے پاؤں راہداری سے گزرنے لگا۔ راہداری کے سامنے سامنے مختلف کمروں کے دروازے نظر آرہے تھے جو کہ بند تھے، لیکن راہداری کے آخر میں ایک کمرہ نظر آرہا تھا جس کا دروازہ تھوڑا کھلا ہوا تھا۔

شرفو سانس روکتے ہوئے پھونک پھونک کر قدم اٹھارہا تھا، اس نے دروازے کی اوٹ لے کر اندر جھانکا تو اس کے قدموں تلے سے جیسے زمین کھسک گئی اندر کئی آدمیوں کا ایک گروہ اسے نظر آیا ہو، باتوں میں مصروف تھا، ان میں ایک بندہ نمایاں جگہ بیٹھا ہوا تھا جو کہ شاید ان کا سردار تھا۔

شرفو نے سنا، ''ساتھیو! ہماری منزل نزدیک ہے وقت آ گیا ہے جس کے لئے ہمیں کئی ماہ سے اس جنگل کے تہہ خانے میں انتظار کرنا پڑا۔ وہ وقت دور نہیں جب ہمیں اپنی منزل مل جائے گی، کل 14 اگست ہے اور ہمارا ٹارگٹ ٹھیک صبح 9 بجے شہر کے اسکول میں بے شمار بچے قومی ترانہ گارہے ہوں گے۔ اور ترانہ کے درمیان ایک دھماکہ ہوگا...... اور ہر طرف تباہی اور بربادی...... ہاہاہا......''

ان لوگوں کی منحوس ہنسی سن کر شرفو نے اپنے کانوں میں انگلی دبالی۔ ''یا اللہ خیر! ان وطن دشمن عناصر کے لئے تو ایک سچا پاکستانی ہی کافی ہے، شرفو! تجھے جینے کا مقصد مل گیا۔'' شرفو کا مزید وہاں ٹھہرنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ وہ دبے قدموں واپس آیا اور اوپر سیڑھیاں چڑھ کر لکڑی کا تخت واپس اپنی جگہ لگایا اور گاؤں کے تھانے کی طرف دوڑ لگادی۔

وہ خطیب صاحب کو ساتھ لے کر تھانیدار کے پاس آیا اور ساری صورتحال سے آگاہ کیا، پولیس کی بھاری نفری نے جنگل کو گھیر لیا، تھوڑی مزاحمت کے بعد کچھ وطن دشمن عناصر پولیس مقابلے میں مارے گئے اور کچھ گرفتار ہوئے۔

حکومت نے ایسے خطرناک دہشت گردوں کو پکڑوانے پر شرفو کو بڑے انعام واکرام سے نوازا۔ اب تو پورے پنڈ میں شرفو کی بلے بلے ہوگئی۔ وہ 14 اگست والے جشن میں شامل ہوگیا، بچوں کے اسکول میں بھرپور فنکشن ہوا۔ ہر طرف قومی پرچموں کی بہار تھی جبکہ شرفو نے بھی قومی پرچم تھاما ہوا تھا اور پورے پنڈ والے اسے کندھے پر اٹھائے بھنگڑا ڈال رہے تھے جبکہ خوشی و مسرت سے شرفو کے لب پر تھا۔ ''پاکستان زندہ باد''

کئی دن بعد خطیب صاحب نے شرفو کو نماز کے بعد اپنے پاس بیٹھایا اور بولے۔ ''شرف الدین دراصل وہ بچہ اور گھوڑے پر سوار چوہدری صاحب کی شکل میں جو صاحب تھے۔ دراصل وہ قوم جنات میں سے تھے اور مسلمان جن تھے۔ اور انہوں نے تمہیں اس جان لیوا حادثہ کی طرف متوجہ کیا اور ہاں اب تم نماز کسی بھی حالت میں نہ چھوڑنا۔'' اور یہ بول کر خطیب صاحب نے شرفو سے مصافحہ کیا اور شرفو اپنے گھر آ گیا۔



# اسرار

قسط نمبر 14

محمد خالد شاہان۔صادق آباد

**نقطہ نقطہ لفظ لفظ سطر سطر خوف و ہراس کے لبادے میں لپٹی اپنی نوعیت کی ناقابل یقین اور ناقابل فراموش جسم و جاں کو انگشت بدنداں کرتی اور دلوں کو تھراتی ہوئی خونچکاں بھونچکاں اور لہولہان کہانی جو کہ پڑھنے والوں پر سکتہ طاری کردے گی۔**

صدیوں پر محیط سوچ کے افق پر چنگھاڑتی گھٹاٹوپ اندھیرے میں جنم لینے والی کہانی

**سکھ** فوجی اور انگریز فوجی نے جب ایک نوجوان کو دیکھا تو اپنے پرانے زمانے کی لمبی لمبی نالی والی بندوقیں تان لیں۔شاہان نے ان کی بندوقوں کی طرف کوئی دھیان نہ دیا۔شاہان نے لڑکی سے کہا۔

"بہن گھبراؤ نہیں۔ میں تمہاری مدد کو آ گیا ہوں۔"

فوجیوں نے شاہان کو پکڑ کر زمین پر گرادیا اور فوراً شاہان کے سر کا نشانہ لیا اور فائر کر دیا۔ دھماکہ ہوا اور شاہان کپڑے جھاڑتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا پھر اس نے کہا۔"میں تم تینوں کو یہاں سے بھاگنے کی مہلت نہ دوں گا۔"

پھر تینوں فوجیوں نے شاہان پر ایک ہی وقت میں اپنی اپنی بندوق کا فائر کھول دیا۔ تین دھماکے ہوئے۔ دھواں چھٹا تو یہ دیکھ کر تینوں فوجی اور لڑکی بھی بہت حیران ہوئی کہ شاہان کو کچھ بھی نہ ہوا تھا۔شاہان نے اپنی جیب سے ریوالور نکال لیا اور انگریز نے ریوالور دیکھا تو پیچھے ہٹا۔ مگر شاہان نے بڑے سکون سے فائر کر دیا۔ گولی جو کہ چھوٹی مگر بڑی ظالم تھی۔ انگریز فوجی کے دماغ میں گھس گئی اور دوسری طرف سے کھوپڑی توڑ کر نکل گئی۔ دونوں سکھ فوجی بھاگنے لگے تو شاہان نے پیچھے سے گولی چلادی اور دونوں گولی کھا کر اچھلے اور پھر ان کی لاشیں بھی انگریز فوجی کے پاس پڑی تھیں۔

شاہان نے لڑکی کے سر پر زمین سے دوپٹہ اٹھا کر اس کے سر پر رکھ دیا اور کہا۔"بہن اسے اوڑھ لو۔" لڑ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔"بھائی تمہارا شکریہ ا میری ماں اور باپ کو بھی بچالو۔"

"کہاں ہیں وہ؟"

"فوجی افسر انہیں سولی پر لٹکانے کے لئے۔ گئے ہیں۔"

"مگر ان کا جرم کیا تھا۔" لڑکی نے کہا۔"ا قصور صرف اتنا ہے کہ وہ مسلمان ہیں اور ان کے گھر۔ سونا چاندی نہیں نکلا۔ اگر نکل آتا تو شاید چھوڑ د۔ جاتے۔"

ایک طرف جھاڑیاں تھیں۔شاہان نے لڑکی۔ کہا۔"تم ان جھاڑیوں کے پاس چھپ کر بیٹھ جاؤ میرا انتظار کرو۔ میں ان لوگوں کی خبر جا کر لیتا ہو لڑکی روتی ہوئی جھاڑیوں کے پاس بیٹھ گئی اور شا جیسے ہی جھاڑیوں کی اوٹ سے نکلا تو سامنے ہی کچھ گھاس پر دس بارہ مرد مسلمان اور عورتیں خوفزدہ چہرہ بیٹھی تھیں۔ چار پانچ سپاہی ان کے اوپر کھڑ بندوقیں تانے پہرہ دے رہے تھے۔شاہان بے دھ ایک کرنل کے پاس جا کر بولا۔"ان لوگوں کو چھوڑ د ان کی جگہ مجھے سولی پر لٹکا دو۔"

کرنل نے شاہان کو سر سے پاؤں تک دیکھ



بولا۔ ''کون ہو؟''

''مسلمان ہوں میں۔'' یہ سننا تھا کہ کرنل دھاڑا۔

''سب سے پہلے اس کو سولی پر لٹکا دو۔'' سپاہی اسی وقت شاہان کو سولی کے پاس لے گئے۔ کرنل بولا۔ ''جلدی کرو۔ میں اس کی پھانسی کا تماشہ دیکھوں گا۔'' اور پھر وہ سب ہنسنے لگے۔ پھر شاہان سولی والے تختے پر چڑھ کر کھڑا ہوگیا۔ اس کے گلے میں جلاد نے رسی ڈال دی اور کس دی۔ جلاد مسلمان تھا۔ یہ کسی کو خبر نہ تھی۔ اس نے شاہان کے کان میں کہا۔ ''معاف کردینا بھائی۔'' شاہان نے کہا۔ ''تم مسلمان ہو کیا؟''

''شی آہستہ بولو نہیں تو یہ سب مجھے بھی پھانسی پر چڑھا دیں گے۔'' شاہان نے ہنس کر کہا۔

''فکر نہ کرو بھائی۔ ابھی تم ایک تماشہ دیکھو گے۔ جو تم نے کبھی نہ دیکھا ہوگا۔''

کرنل پھر دھاڑا۔ ''جلاد کیا باتیں کر رہے ہو۔''

جلاد نے ہاتھ باندھ کر کہا۔ ''سرکار یہ کہتا ہے کہ پھانسی کا پھندہ تنگ ہے۔'' اس پر کرنل زور سے ہنسا اور کہا۔ ''اسے کہو کہ ابھی اور تنگ ہوجائے گا فکر نہ کر۔'' کرنل نے رومال ہلاتے ہوئے حکم دیا۔ ''دے دو پھانسی۔''

جلاد نے تختہ کھینچ دیا۔ ''شاہان پھانسی کا پھندہ گلے میں ڈالے لٹکنے لگا۔ سب کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ اور وہ لڑکی بھی چیخ اٹھی۔ ایک فوجی فوراً ادھر کو دوڑا اور لڑکی کو پکڑ لایا۔ اپنی بیٹی کو دیکھ کر اس کے ماں باپ بھی رونے لگے جو دوسروں کے ساتھ زمین پر بیٹھے اپنی موت کا انتظار کر رہے تھے۔

شاہان نے جب یہ دیکھا تو اس نے اپنا کام شروع کردیا۔ سب سے پہلے تو اس نے ایک جھٹکا دیا اور رسی ٹوٹ گئی۔ وہ زمین پر گر پڑا۔ پھر اس نے اپنے ہاتھوں کی رسی کو بھی ایک جھٹکے سے توڑ ڈالا۔ فوجی سمجھے کہ مرنے کے بعد وہ زمین پر گر پڑا ہے۔ لیکن جب انہوں نے مردے کو زمین پر سے اٹھ کر اپنے ہاتھوں کو رسی کی گرفت سے آزاد کرتے اور گلے میں سے رسی کھولتے دیکھا تو پہلے حیرت سے ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔ پھر کرنل نے کہا۔

''اسے پکڑ کر گولی ماردو۔'' اور پھر کئی گولیاں شاہان پر فائر کی گئیں، مگر شاہان کے جسم سے ٹکرا کر زمین پر گر پڑیں۔ شاہان نے اپنا ریوالور نکال کر اسے کھولا اور اس میں گولیاں بھریں اور اوپر تلے فائر کرکے فوجیوں کی لاشیں گرادیں۔ کرنل تلوار سونت کر شاہان کی طرف بڑھا تو شاہان نے اس کی تلوار کا وار بڑے آرام سے اپنے ہاتھوں پر روک لیا اور اس کی تلوار بھی کھینچ لی۔ اور اسی تلوار سے اس کے دو ٹکڑے کردیئے۔ اب باقی فوجی شاہان پر ٹوٹ پڑے۔ شاہان نے ایک ایک کرکے سب فوجیوں کو ہلاک کر ڈالا۔ اور باقی لوگ بھاگ کھڑے ہوئے۔ یہ منظر دیکھ کر سب مرد، عورتیں اٹھ کھڑی ہوئیں۔ انہوں نے شاہان کو گھیر لیا اور اس لڑکی کے ماں باپ اپنی بیٹی سے لپٹ لپٹ کر روئے جاتے تھے۔

شاہان نے ان سب سے کہا۔ ''فوراً یہاں سے بھاگ جاؤ۔ خدا حافظ'' شاہان بھی وہاں سے نکل کر دوسری طرف چلا گیا۔

رات اب گہری ہوگئی تھی۔ شہر میں کئی جگہوں میں آگ لگی ہوئی تھی۔ شاہان شاہی مقبرے کی طرف جانا چاہتا تھا۔ جو وہاں سے کافی دور تھا۔ اس کا خیال تھا کہ رات مقبرے میں بسر کرے گا۔ اور دن نکلنے پر دلی شہر کو چھوڑ کر کلکتہ کی بندرگاہ کا رخ کرے گا اور پھر وہاں سے کسی بحری جہاز میں بیٹھ کر مصر پہنچ جائے گا۔ شاہان شہر سے باہر ایک باغ کی دیوار کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ باغ میں اندھیرا تھا۔

دلی شہر کی ساری فضا اداس تھی کہ اچانک شاہان نے ایک سائے کو دیکھا جو درختوں میں سے ہوکر باغ کی طرف جا رہا تھا۔ شاہان کے دل میں آیا کہ آدھی رات کو یہ کون شخص ہے اور کدھر جا رہا ہے وہ ایک طرف چھپ گیا۔ سایہ پرانے باغ کے دروازے پر آ کر رک گیا۔ اس نے اپنے پیچھے دیکھا کہ کوئی اس کا پیچھا تو نہیں کر رہا۔ پھر وہ تیزی سے باغ میں داخل ہوگیا۔ شاہان بھی اس کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ سایہ کسی مرد کا تھا۔ جس

نے مغل زمانے کا لباس پہن رکھا تھا۔ آسمان پر تارے چمک رہے تھے۔ ان کی روشنی بڑی ہلکی سی تھی۔ پھر بھی اس ہلکی روشنی میں شاہان نے سائے کو باغ کے چبوترے کی سیڑھیاں چڑھتے صاف دیکھ لیا تھا۔ چبوترے پر پہنچ کر سایہ زینے سے نیچے تہہ خانے میں اتر گیا۔ شاہان بھی تھوڑا وقفہ ڈال کر زینے پر پہنچ گیا۔ زینے پر ہلکی ہلکی روشنی تھی۔ جو آگے کو جارہی تھی۔ معلوم ہوتا تھا کہ اس سائے نے زینے کی سیڑھیاں اترنے کے بعد موم بتی قسم کی کوئی شے روشن کرلی تھی۔ اور شاہان آگے آگے جاتی ہلکی روشنی میں بڑھتا گیا۔ ایک جگہ پہنچ کر سایہ رک گیا۔

شاہان بھی سرنگ کی دیوار کے ساتھ لگ کر چھپ گیا۔ وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ یہ شخص آدھی رات کے وقت یہاں کیا کررہا ہے۔

سائے نے موم بتی ایک پتھر پر رکھ دی۔ جیب سے چابی نکال کر سرنگ کی دیوار میں لگائی اور ایک چھوٹے سے دروازے کے پٹ آہستہ سے کھول کر اندر دیکھا۔ موم بتی کی روشنی میں اس نے دیکھا وہ سایہ ایک بوڑھا آدمی ہے جس کی سفید داڑھی تھی۔ وہ موم بتی ایک طرف رکھ کر زمین پر پڑے ہوئے پتھروں کو ادھر ادھر ہٹا رہا تھا۔ پھر پتھرے کے نیچے سے ایک چھوٹا سا صندوقچہ نکل آیا۔ بوڑھے آدمی نے صندوقچہ کھولا اس میں ایک غلاف میں لپٹی ہوئی ڈبیا نکالی اور اسے کھول کر دیکھنے لگا۔ پھر اس نے ایک ٹھنڈا سانس بھرا اور ڈبی میں سے ایک لاکٹ باہر نکالا۔ لاکٹ کی زنجیر سفید موتیوں کی تھی۔ جس کی چمکیلی شعاعیں تہہ خانے میں لہرانے لگیں۔ لاکٹ کے درمیان ایک بڑا ہیرا تھا۔ ہیرے میں سے بڑی تیز روشن شعاعیں نکل رہی تھیں۔ جن کی وجہ سے اندھیرے تہہ خانے میں ایک عجیب قسم کی روشنی پھیل گئی تھی۔

اچانک بوڑھے نے چونک کر پیچھے دیکھا۔ اسے شک ہوگیا تھا کہ کوئی دوسرا انسان وہاں موجود ہے۔ پیچھے شاہان کھڑا تھا۔ شاہان کو دیکھ کر بوڑھے نے تلوار نکالی اور شاہان پر حملہ کردیا۔ شاہان نے تلوار کا وار اپنے ہاتھ پر روک لیا۔ تلوار بوڑھے کے ہاتھ سے چھین کر اسے بڑے ادب سے دوبارہ پیش کردی اور کہا۔ ''میں مسلمان ہوں اور دلی میں مسلمانوں کے زوال پر غمزدہ ہوں یہ بتائیں کہ آپ کون ہیں اور یہ قیمتی لاکٹ آپ کہاں لے جارہے ہیں۔''

بوڑھا ابھی تک شاہان کو تشویش اور حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے کہا۔ ''کیا تم میرا پیچھا کررہے تھے۔''

''ہاں جناب۔''

''کس لئے؟''

''یہ دیکھنے کے لئے کہ آپ اگر کسی مصیبت میں ہوں تو میں آپ کی مدد کرسکوں۔''

''تم کون ہو؟''

شاہان نے کہا۔ ''اس سوال کا جواب بہت لمبا ہے اس وقت میں آپ کو صرف اپنا نام ہی بتا سکتا ہوں۔ میرا نام شاہان ہے اور مجھے آپ شکل وصورت سے نیک انسان معلوم ہوتے ہیں۔ کہیے میں آپ کی کیا مدد کرسکتا ہوں؟''

جب اس بزرگ کو یقین ہوگیا کہ شاہان ایک شریف نوجوان ہے اور اس کے لاکٹ کو بھی دیکھ چکا ہے تو اس نے کہا۔ ''میرے بیٹے میں تم پر مغلیہ حکومت کا آخری راز ظاہر کررہا ہوں۔ جو ہار تم میرے ہاتھ میں دیکھ رہے ہو یہ مغلیہ حکومت کی بڑی قیمتی اور آخری نشانی ہے۔ اور شہنشاہ کے باپ دادا کے زمانے سے یہ ہار چلا آرہا ہے۔ جب دلی کے حالات زیادہ خراب ہونے لگے تو بادشاہ نے مجھے یہ قیمتی ہار اور مغلیہ حکومت کی آخری نشانی دے کر کہا تھا کہ ''میں اسے باغ کے خفیہ تہہ خانے میں جا کر رکھوں۔'' پھر جب انگریزوں نے شہر پر قبضہ کرلیا اور بادشاہ سلامت گرفتار کرلئے گئے اور انہیں جلاوطن کرکے رنگون شہر بھیجا گیا تو میں انہیں ان کی آخری نشانی واپس نہ کرسکا۔ میں بادشاہ سلامت کے شہزادوں کا اتالیق ہوں۔ اب میں نے فیصلہ کیا کہ کسی طرح یہ ہار لے جا کر جلاوطن بادشاہ کے پاس رنگون شہر پہنچادوں اور ان کو یہ نشانی واپس کردوں۔ بس یہ وہ راز

ہے جو میں نے تمہیں بتادیا ہے۔ اب بتاؤ بیٹا کہ تم میری کیا مدد کرو گے۔ کیونکہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور رنگون شہر یہاں سے بہت دور ہے۔ اور سمندر کا خطرناک سفر کر کے وہاں جانا پڑے گا۔"

"بابا جی آپ فکر نہ کرو۔ آپ کی خاطر میں یہ خطرہ ضرور مول لوں گا۔" شاہان نے کہا۔ "انشاء اللہ یہ قیمتی نشانی جلاوطن بادشاہ تک ضرور پہنچادوں گا۔"

"میں اس خطرناک سفر میں آپ کے ساتھ ہوں گا۔" بوڑھے نے شاہان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔ "بیٹا ہمارا سفر سمندری خطرناک طوفانوں سے بھرا ہوا ہے بلکہ قدم قدم پر یہ بھی خطرہ ہے کہ انگریزوں کے جاسوس ہمیں گرفتار کر کے اس شاہی نشانی پر قبضہ نہ کرلیں۔ کیونکہ بڑا کرنل اس ہار کی تلاش میں ہے۔"

شاہان نے کہا۔ "اس کی بھی آپ فکر نہ کریں خدا نے چاہا تو ہم راستے کی تمام مشکلوں پر قابو پالیں گے۔ یہ بتائیں کہ ہمیں کلکتہ کی بندرگاہ سے جہاز میں سوار ہونا ہوگا۔"

"جی ہاں بیٹے۔"

"ٹھیک ہے بابا اس کا بھی بندوبست ہو جائے گا۔ آیئے پہلے اس تہہ خانے سے باہر نکل کر باتیں کرتے ہیں۔" شاہان نے کہا۔ تہہ خانے سے باہر آ کر شاہان اور بوڑھا باغ کے چبوترے پر بیٹھ گئے اور باقی ساری رات انہوں نے یہ سوچنے میں بسر کردی کہ انہیں کس طریقے سے دلی شہر سے نکل کر کلکتہ پہنچنا ہوگا۔ کچھ ہی دیر بعد دن کی بھی روشنی ظاہر ہونا شروع ہوگئی۔ دونوں باغ سے نکل کر شاہی مقبرے میں گئے۔ وہاں سے شاہان نے اپنا بریف کیس نکالا۔ اسے دیکھ کر بوڑھے نے پوچھا۔ "اس میں کیا ہے؟"

شاہان نے کہا۔ "یہ وقت آنے پر آپ کو معلوم ہو جائے گا۔"

بوڑھے نے کہا۔ "میرا نام علی ہے اور تم مجھے چچا کہہ سکتے ہو اور میرا خیال ہے کہ تمہیں اب اپنا لباس تبدیل کر کے سادہ لباس پہن لینا چاہئے۔ کیونکہ اس لباس پر سب تم پر شک کرسکتے ہیں کہ تم انگریزوں کے جاسوس ہو۔"

شاہان نے کہا۔ "ٹھیک ہے میرے پاس سونے کی ایک ڈلی ہے۔ اسے بازار میں بیچ کر نیا لباس لے لیتا ہوں۔"

بوڑھا بولا۔ "شہر میں سونا تانبے کے بھاؤ بک رہا ہے۔ لباس میں کہیں سے لے آؤں گا۔ سونے کی ڈلی تم اپنے پاس ہی رکھ لو۔ آگے کام آئے گی۔" پھر اسی دن شام کو شاہان اور بوڑھے نے ایک قافلے کے ساتھ کلکتہ کی طرف سفر شروع کردیا۔ وہ گھوڑوں پر سوار قافلے کے ساتھ ساتھ جارہے تھے۔ وہ اسی طرح سفر کرتے رہے۔ آکر دو روز بعد وہ کلکتہ پہنچ گئے اور پھر تین دن بعد انہیں ایک بحری جہاز مل گیا۔ اور جگہ بھی مل گئی۔ جہاز پر چڑھنے سے پہلے ان کی تلاشی لی گئی۔ مگر شاہان نے بڑی ہوشیاری سے شاہی ہار ایک سامان اٹھانے والے مزدور کی پگڑی میں چھپادیا۔ جو مسافر کا سامان اٹھا کر جہاز میں جارہا تھا۔ اور جہاز میں آ کر شاہان نے اس کی پگڑی سے ہار واپس نکال لیا۔ اس کے کچھ ہی دیر بعد شاہان نے محسوس کیا کہ جہاز پر ایک سوار مسافر جس کی ایک آنکھ کانی تھی۔ شاہان کو اپنی اکلوتی آنکھ سے گھور گھور کر دیکھ رہا تھا۔ شاہان نے چچا سے کہا۔ "اس مکار شخص سے خبردار رہنے کی ضرورت ہے۔"

"ٹھیک ہے بیٹا۔ ہوشیار رہیں گے۔" تھوڑی دیر ہی دیر میں جہاز نے اپنا سفر شروع کردیا۔

تیسرے روز شاہان دوپہر کے وقت جہاز کے عرشے پر کھڑا ہو کر سمندر کی بڑی بڑی لہروں کو دیکھ رہا تھا کہ اچانک شاہان کو سمندر کی فضا میں ناگنی کی خوشبو محسوس ہوئی۔ جو اس سے بچھڑ گئی تھی۔ اور ساتھ میں شریم بھی بچھڑ گیا تھا۔ شاہان بڑا خوش ہوا۔ اس نے چاروں طرف دیکھا اسے ناگنی کہیں بھی نظر نہ آئی۔ لیکن اس کی خوشبو اسے وہاں محسوس ہورہی تھی۔ کچھ ہی دیر بعد یہ خوشبو ہوا کے ساتھ ہی غائب ہوگئی۔ اب شاہان کو شریم کی بھی یاد ستانے لگی تھی کیونکہ یہ دونوں اس کے سفر کے ساتھی تھے۔ شریم جو کسی کو بھی نظر نہیں آتا۔ وہ بھی نہ

جانے کہاں ہوگا۔ شریم اور ناگنی دونوں ہی ایک ساتھ شاہان سے بچھڑ گئے تھے۔

بہرحال شاہان پھر جہاز کے عرشے سے نیچے واپس آ گیا۔ اور اسی روز شام کو سمندر پر بادل چھا گئے۔ ساتھ ہی زبردست بارش شروع ہوگئی۔ جہاز ڈولنے لگا۔ آدھی رات کے وقت ہواؤں نے طوفان کا روپ دھار لیا۔ جہاز کے بادبان اڑ گئے اور جہاز بادبان کی وجہ سے تنکے کی طرح ادھر ادھر ڈول رہا تھا۔ مسافروں میں چیخ و پکار مچ گئی۔ شاہان نے چچا کو اپنے ساتھ رہنے کی ہدایت کردی۔ تاکہ اس طوفان میں وہ ان کی حفاظت کر سکے۔ آخر ایک بھیانک لہر نے جہاز کو الٹا کر رکھ دیا۔

شاہان نے بڑی ہی مشکل سے چچا کو ایک تختے پر سوار کردیا اور سمندر کی طوفانی لہروں کے حوالے خود کو کردیا۔ اندھیری رات تھی۔ سمندر میں طوفان تھا۔ بارش بھی زور کی ہورہی تھی۔ شاہان نے دیکھا کہ ذرا ہی فاصلے پر ایک اور کشتی لہروں کا مقابلہ کرتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی۔ اس میں تین مسافر سوار تھے۔ وہ کشتی شاہان کے تختے کے پاس آ گئی اور انہوں نے انہیں کشتی میں سوار کرلیا۔ وہ کانا شخص بھی اسی کشتی میں سوار تھا۔ مگر وہ شاہان اور چچا کو بڑی گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اس وقت سب کو اپنی اپنی جان کی پڑی ہوئی تھی۔ کشتی میں شاہان کے ساتھ چند اور لوگ بھی سوار تھے۔

کشتی طوفانی لہروں پر بہے جارہی تھی۔ ساری رات اسی طوفان میں گزر گئی۔ صبح ہوئی تو طوفان تھما اور دور کسی جزیرے کے سیاہ لکیر سی دکھائی دی۔ مکار نوجوان نے جزیرے کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''ایک موت سے ہم بچ کر دوسری موت کی طرف جارہے ہیں۔''

''میں جانتا ہوں یہ آدم خوروں کا جزیرہ ہے۔'' مکار شخص کی بات پر کوئی کچھ نہ بولا۔ اور اب صبح کی روشنی میں جزیرہ صاف نظر آرہا تھا۔ اونچے اونچے درخت کے وہاں بے تحاشہ جھنڈ تھے۔ سمندر کی لہروں نے کشتی کو جزیرے کے کنارے پر لگادیا۔ چچا نے ساحل کی ریت پر اترتے ہوئے شاہان سے کہا۔ ''اب ہمیں اس مکار شخص سے اور زیادہ ہوشیار رہنا ہوگا۔''

شاہان نے کہا۔ ''فکر نہ کرو چچا یہ شخص ہمارا کچھ بھی نہ بگاڑ سکے گا۔'' ایک شخص اور وہ مکار اترتے ہی ریت پر لیٹ گئے۔ ادھر چچا بھی سمندر کی مار کھا کر لاغر ہورہے تھے۔ اور شاہان اسی طرح چاق و چوبند تھا۔ وہ مکار نوجوان ساتھ والے سے کچھ کھسر پھسر کرنے لگا۔ ریت پر لیٹے لیٹے شخص نے سر اٹھا کر شاہان کی طرف دیکھا اور پھر مکار شخص سے کھسر پھسر کرنے لگا۔

چچا نے شاہان کے کان میں کہا۔ ''یہ لوگ ہمارے خلاف کوئی گہری سازش کررہے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں جزیرے پر کہیں جا کر روپوش ہوجانا چاہئے۔''

شاہان نے کہا۔ ''چچا پریشان کیوں ہوتے ہو، آپ فکر نہ کرو، یہ ہمارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے۔ وقت آنے پر دیکھ لینا۔'' چچا کو شاہان کی خفیہ طاقت کا علم نہیں تھا۔ پھر بھی شاہان کے کہنے پر چپ ہوگیا۔ کچھ دیر ریت پر آرام کرنے کے بعد مکار شخص اور دوسرا شخص اٹھ کر شاہان کے پاس آ گئے۔ نوجوان نے جزیرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''میں نے اس جزیرے کے بارے میں بہت کچھ سنا ہے۔ یہ سارے کا سارا جزیرہ آدم خور وحشیوں سے بھرا ہوا ہے۔ ہمیں اب کوشش کرنی چاہئے کہ کہیں سے دوسری کشتی مل جائے اور پھر یہاں سے فرار ہوجائیں۔''

جس کشتی پر بیٹھ کر وہ جزیرے تک آئے تھے وہ سمندر کے تھپیڑوں سے ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوگئی تھی۔

مکار نوجوان کی بات پر شاہان نے کہا۔ ''کشتی ہمیں صرف آدم خوروں سے ہی مل سکتی ہے۔ اس پر دوسرا شخص جو کہ ایک تاجر تھا خوف سے کانپتے ہوئے بولا۔ ''ارے باپ رے میں تو آدم خوروں کی کشتی میں نہیں بیٹھوں گا۔'' پھر شاہان نے کہا۔ ''یہاں سے رنگون شہر کتنی دور ہے۔''

چچا نے ریت پر شمال جنوب کے نشان لگا کر کچھ حساب کیا اور بولے۔ ''میرے اندازے کے مطابق ہم اس وقت جس جزیرے میں ہیں یہاں سے رنگون چار

دن کے سمندری سفر پر واقع ہے۔ اگر ہم عام کشتی میں بیٹھ کر سفر کریں تو کشتی کا سفر چھ یا سات دنوں میں طے ہوسکتا ہے۔'' تھوڑی دیر رک کر پھر چچا نے کہا۔ ''اور اسی صورت میں ہمیں چھ سات دنوں کی خوراک اور پانی کا بھی کشتی میں ذخیرہ کرنا پڑے گا۔''

''ہاں ہم اس جزیرے پر سے ناریل زیادہ سے زیادہ توڑ کر کشتی میں رکھ لیں گے۔ ناریل سے ہمیں خوراک اور پانی دونوں ہی مل جائیں گے۔

دوسری طرف تاجر کا ڈر کی وجہ سے رنگ زرد ہو رہا تھا۔ وہ کھلے سمندر میں کشتی میں بیٹھ کر سفر کرنے سے گھبرا رہا تھا۔ اس نے مکار نوجوان سے کہا۔ ''کیا ہی اچھا ہو کہ ہم یہاں بیٹھ کر کسی بحری جہاز کا انتظار کریں۔''

مکار نوجوان بولا۔ ''اس سے پہلے جزیرے کے آدم خور تمہیں چٹ کر جائیں گے۔''

شاہان نے کہا۔ ''اگر آدم خوروں نے ہم پر حملہ کردیا تو کیا ہمارے پاس ان سے مقابلہ کرنے کے لئے کچھ ہتھیار ہیں۔''

نوجوان نے جیب سے ایک خنجر نکال کر کہا۔ ''میرے پاس سوائے اس خنجر کے اور کچھ نہیں۔'' شاہان نے ریوالور نکال کر کہا۔ ''میرے پاس یہ گن ہے۔''

نوجوان نے ریوالور کو بڑی حیرت سے دیکھا۔ پھر اسے الٹ پلٹ کر جائزہ لیا۔ اس نے آج تک ایسی گن نہ دیکھی تھی۔ اس زمانے میں پستول کو بھی گن ہی کہتے تھے۔ ''یہ تم نے کہاں سے لی شاہان۔'' شاہان اسے کچھ بھی نہیں بتانا چاہتا تھا۔ اس نے کہا۔ ''یہ میں نے بڑی محنت سے خود تیار کی ہے۔'' لیکن نوجوان کے چہرے سے صاف ظاہر تھا کہ اسے شاہان کی بات کا یقین نہیں آیا۔ وہ خاموش رہا اور ریوالور شاہان کو واپس کردیا۔

جتنی دیر تک ریوالور اس نوجوان کے ہاتھ میں رہا۔ چچا علی بے چین رہے۔ انہیں ڈر تھا کہ کہیں وہ اس ریوالور کی مدد سے مغلیہ خاندان کا انمول ہار نہ چھین لے۔ انہوں نے جزیرے کی مشرق کی طرف سمندری ساحل کے ساتھ ساتھ چلنا شروع کردیا۔ آگے آگے مکار نوجوان تھا۔ اس کے ہاتھ میں خنجر تھا۔ بیچ میں تاجر تھا۔ اس کے بعد علی چچا اور سب سے آخر میں شاہان چل رہا تھا۔

جزیرے پر سورج کی ہلکی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ کیونکہ آسمان پر ابھی تک بادل چھائے ہوئے تھے۔ ساحل پر جگہ جگہ بڑے بڑے چٹانی پتھر پڑے تھے۔ جن کے ساتھ آکر سمندری لہریں ٹکرا رہی تھیں اور شور پیدا کررہی تھیں۔ جزیرے پر ایک عجیب قسم کی گہری پراسرار سی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ درخت پہاڑی ڈھلانوں پر خاموش کھڑے تھے۔ ان میں کوئی پرندہ بھی نہیں بول رہا تھا۔ گرمی اور حبس تھا۔

نوجوان نے کہا۔ ''ہمیں زیادہ آگے نہیں جانا چاہئے۔ آگے خطرہ ہوسکتا ہے۔''

تاجر بولا۔ ''ارے باپ رے۔ خطرے والی بات نہ کریں۔''

شاہان نے کہا۔ ''ہمیں ایسی جگہ جنگل میں کوئی ٹھکانہ تلاش کرنا چاہئے۔'' اور وہ ساحل سے ہٹ کر جنگل میں گھس گئے۔ جزیرے کے جنگل عام طور پر بڑے گھنے ہوتے تھے۔ یہ جنگل بھی بڑا گھنا اور ڈراؤنا تھا۔ درختوں کی شاخیں ایک دوسرے سے پھنسی ہوئی تھیں اور زمین کو چھو رہی تھیں۔ زمین پر گھاس اور جنگلی جھاڑیاں تھیں۔ بعض درختوں کے تنے سانپ کی طرح زمین پر بل کھا کر پھیلے ہوئے تھے۔

جنگل میں آگے جا کر ایک بہت بڑا درخت آ گیا۔ جس کے درخت کے تنے میں اتنا بڑا سوراخ تھا کہ ایک آدمی بیٹھ کر اندر جاسکتا تھا۔ نوجوان وہاں رک گیا۔ ''یہ جگہ چھپنے کے لئے ٹھیک رہے گی۔'' تاجر بولا۔ ''اس کے اندر کوئی اژدھا نہ رہتا ہو۔'' نوجوان نے مسکرا کر کہا۔

''اگر کوئی اژدھا نکل آیا تو ہم تمہیں اس کے آگے ڈال دیں گے۔'' خوف سے تاجر کی توند ہولے ہولے لرز رہی تھی۔ پھر وہ کھوہ میں اتر گئے۔ کھوہ اندر سے کافی بڑی تھی۔ انہوں نے جنگل سے پتے لاکر وہاں فرش بچھادیا۔ پھر پتوں اور گھاس کے بستر بنائے۔

نوجوان نے کہا۔ ''شاہان ہمیں مل جل کر کام کرنا ہوگا۔ پتوں کے بستر میں نے بچھادیا۔ اب تم ایسا کرو جنگل میں جا کر پھل اور ناریل تلاش کرو تاکہ ہم خوراک کو ذخیرہ کر کے رکھ دیں۔ ہوسکتا ہے کہ ہمیں اس جگہ ہفتہ بھی رہنا پڑے۔''

نوجوان کی سازش یہ تھی کہ شاہان کو پھل تلاش کرنے جنگل میں بھیج دیا جائے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ آدم خوروں کے ہتھے چڑھ جائے۔ اور وہ بوڑھے علی چچا سے قیمتی ہار حاصل کرنے میں کامیاب ہوجائے۔ کیوں کہ جب سے اس نے شاہان کے پاس ریوالور دیکھا تھا۔ وہ محتاط ہوگیا تھا۔

شاہان نے کہا۔ ''میں ابھی پھل تلاش کر کے لاتا ہوں اور وہ درخت کی کھوہ سے نکل کر جنگل میں آ گیا۔ کافی آگے جا کر اسے ناریل کے اونچے اونچے درخت نظر آئے۔ جن کے نیچے ناریل گرے پڑے تھے۔ شاہان نے ناریل اٹھا کر واپس آ کر نوجوان کے آگے ڈال دیئے۔ ''ابھی اتنے کافی ہیں۔''

''وہاں ڈھیروں ناریل پڑے ہیں۔ کل جا کر اور لے آؤں گا۔'' نوجوان مایوس ہوگیا۔ اس کا خیال تھا کہ شاہان واپس نہیں آئے گا۔

اب وہ کسی دوسرے موقع کی تلاش میں تھا۔ جزیرے پر شام آئی تو پرندوں کے جھنڈ آ کر درختوں پر بسیرا کرنے لگے۔ کچھ دیر شور مچاتے رہے۔ پھر چاروں طرف گہری خاموشی چھاگئی۔ انہوں نے ناریل توڑ کر کھائے اور ان کا میٹھا پانی پی کر پیاس بجھائی۔

رات آ گئی۔ سناٹا ایسا تھا کہ معلوم ہوتا تھا کہ جزیرے پر موجود ہر شے مرگئی ہے۔ کہیں زندگی کی کوئی آواز نہ تھی۔ تاجر ڈر سے لرز رہا تھا۔ آدھی رات کے بعد سب سوگئے۔ مگر شاہان جاگ رہا تھا۔ اسے سونے کی ضرورت بھی نہ تھی۔ وہ کھانے پینے اور سونے سے بے نیاز تھا۔ نوجوان شاہان سے کچھ دیر تک باتیں کرتا رہا وہ اس سے پوچھتا رہا۔ ''وہ کہاں جارہے ہیں اور یہ بوڑھا کون ہے؟'' شاہان نے صرف اتنا بتایا کہ بوڑھا علی اس کا چچا ہے۔ اور وہ رنگون اپنے رشتے دار کے پاس جارہے ہیں۔ مکار نوجوان کی باتوں سے شاہان نے اندازہ لگایا تھا کہ اسے مغلیہ ہار کا پتہ چل چکا ہے۔ اور وہ اس کی تلاش میں ہے۔

شاہان دل ہی دل میں ہنس دیا کہ یہ مکار نوجوان اپنی موت کو آوازیں دے رہا ہے۔ اب ایسا ہوا کہ جنگل میں چاند نکل آیا۔ مگر اس کی روشنی گھنے درختوں کے اندر بڑی مشکل سے آرہی تھی۔ نوجوان تاجر اور علی چچا بھی سو رہے تھے۔ شاہان جاگ رہا تھا۔

اچانک اسے ایک آہٹ سنائی دی۔ جیسے کوئی سوکھے پتوں پر پھونک پھونک کر قدم اٹھا رہا تھا۔ شاہان چوکنا ہوگیا۔ ''یہ کون ہوسکتا ہے؟ کیا آدم خور آ گئے؟'' شاہان چپکے سے کھوہ سے باہر نکل آیا۔ جنگل میں ہر طرف ویرانی اور خوفناک خاموشی تھی۔ گھنی شاخوں سے چاند کی کرنیں جھاڑیوں پر رقص کر رہی تھیں۔ شاہان نے چاروں طرف دیکھا۔ درختوں کے نیچے گیلی زمین پر سوکھے پتھر بکھرے ہوئے تھے۔ مگر وہاں کوئی بھی نہ تھا۔ شاہان نے ریوالور نکال کر ہاتھ میں پکڑلیا۔ اور بائیں طرف والے درختوں کی طرف چلا اس کا خیال تھا کہ آہٹ کی آواز ادھر سے ہی آئی تھی۔ وہ کافی آگے نکل گیا۔ پھر یہ سوچ کر واپس پلٹا کہ اسے اپنے ساتھیوں سے زیادہ دور نہیں جانا چاہئے تھا۔ کم از کم علی چچا کو اکیلا نہیں چھوڑنا چاہئے تھا۔ کیونکہ مغلیہ ہار ان کی کمر کے گرد بندھا ہوا تھا۔ مکار نوجوان انہیں ہلاک کر کے ہار لے کر رفو چکر ہوسکتا تھا۔

شاہان واپس مڑا۔ ابھی وہ درخت کے کھوہ سے کچھ قدم فاصلے پر ہی تھا کہ اس نے ہلکی ہلکی چاندنی میں ایک ایسا بھیانک منظر دیکھا کہ اس کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ حالانکہ وہ بہت کم ڈرتا تھا۔ بلکہ ڈر تو اس کے قریب بھی نہیں آتا تھا۔ لیکن جو کچھ وہ اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ رہا تھا۔ وہ اس قدر ڈراؤنا تھا کہ اگر کوئی دوسرا انسان دیکھ لیتا تو دہشت کے مارے بے ہوش ہوجاتا۔

شاہان نے دیکھا کہ درخت کی کھوہ میں سے ایک بہت بڑا اژدھا اپنا سر باہر نکالے ہوئے ہے۔ اژدھا

نے اپنا سر باہر نکالا تو اس کے منہ میں تاجر آدھا اندر جاچکا تھا۔ صرف تاجر کی ٹانگیں اژدھے کے منہ سے باہر تھیں جو آہستہ آہستہ ہل رہی تھیں۔ ایسا لگتا تھا کہ اژدھا نے خاموشی سے رینگتے ہوئے تاجر کے سر کو منہ میں ایک دم نگل لیا تھا۔ اور وہ کوئی آواز تک نہ نکال سکا تھا۔ شاہان نے ریوالور نکال کر اژدھے کے پیٹ میں دو فائر کیئے۔ گولیوں کے دھماکے سے جنگل گونج اٹھا۔ مکار نوجوان اور علی چچا بڑبڑا کر کھوہ سے باہر نکل آئے۔ اژدھے کے منہ میں تاجر کو دیکھ کر وہ لرز اٹھے۔ اژدھا زخمی ہو کر تڑپ رہا تھا۔ نوجوان نے خنجر نکال کر اژدھے پر وار کرنے شروع کر دیئے اور اژدھا مر گیا۔ انہوں نے اژدھے کی گردن کاٹ کر تاجر کو اس کے منہ سے باہر نکالا۔ اس کی شکل بالکل مسخ ہو چکی تھی۔ اژدھے کے دانتوں نے تاجر کے اوپر والے آدھے دھڑ کو اس طرح چھیل دیا تھا کہ کھال ادھڑ چکی تھی۔

نوجوان نے شاہان سے کہا۔ ''اس جزیرے پر ایسے اژدھے بہت ہوتے ہیں۔ بیچارے کی موت اسی طرح لکھی تھی۔ ہمیں اسے دفن کر دینا چاہئے۔'' اور پھر انہوں نے اسی جگہ گڑھا کھود کر اژدھے اور تاجر کی لاش کو دفن کر دیا۔ کیونکہ خطرہ تھا کہ ان کی لاشیں باہر رہیں تو جزیرے کی گوشت خور چیونٹیاں حملہ کر دیں گی۔ اس کے بعد وہ کھوہ میں آ کر بیٹھ گئے۔ باقی رات انہوں نے جاگ کر گزاری۔

جنگل میں دن کی روشنی پھیلنے لگی۔ درختوں میں سے تھوڑا تھوڑا آسمان دکھائی دے رہا تھا۔ نوجوان نے کہا۔ ''ہمیں مشرقی ساحل کی طرف جا کر کوئی کشتی تلاش کرنی چاہئے۔ میرا اندازہ ہے کہ آدم خوروں نے مشرقی ساحل کی طرف کشتیاں رکھی ہوئی ہیں۔''

علی چچا نے کہا۔ ''ادھر خطرہ زیادہ معلوم ہوتا ہے۔'' تو نوجوان بولا۔ ''یہ خطرہ تو ہمیں مول لینا ہی ہوگا۔ نہیں تو ایک نہ ایک رات ہم بھی کسی دوسرے اژدھے کی خوراک بن جائیں گے۔ اور اگر اژدھا نہ آیا تو آدم خور ہمیں کھا جائیں گے۔''

شاہان نے کہا۔ ''ہمیں یہ جگہ چھوڑ دینی چاہئے۔ کیونکہ ہوسکتا ہے کہ گولیوں کی آواز کی وجہ سے اس جگہ آدم خور حملہ نہ کر دیں۔''

نوجوان نے کہا۔ ''مناسب خیال ہے۔ چلو ہم یہاں سے کوچ کرتے ہیں۔'' پھر تینوں کھوہ سے نکل کر جزیرہ کے مشرقی کنارے کی طرف روانہ ہوگئے۔ نوجوان کے پاس کمپاس تھا جس سے سمت کا اندازہ ہو رہا تھا۔ دوپہر تک وہ جنگل کے گنجان اور کانٹے دار جھاڑیوں کے راستے پر چلتے رہے۔ علی چچا کا تھکن سے برا حال ہو رہا تھا۔ نوجوان کا جسم بھی کانٹوں سے جگہ جگہ سے چھل گیا تھا۔ مگر شاہان کو کچھ بھی نہ ہوا تھا۔ اس کے کپڑے ضرور پھٹ گئے تھے۔ لیکن جسم پر خراش تک نہ آئی تھی۔ دوپہر کے وقت وہ ایک جگہ ناریل کے جھنڈ دیکھ کر رک گئے۔ اس جگہ ایک ندی بھی بہہ رہی تھی۔ ندی کے پانی میں انہوں نے غسل کیا۔ ناریل سے اپنا پیٹ بھرا اور کچھ دیر کو آرام کرنے ایک جگہ بیٹھ گئے۔

نوجوان نے شاہان سے کہا۔

''میں دیکھ رہا ہوں شاہان کہ تم پر سفر کی تکلیف کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔ سمندری طوفان میں بھی تم بڑے سکون سے بیٹھے رہے تھے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟'' علی چچا بھی حیران تھے اور یہ سوال بھی وہ شاہان سے پوچھنا چاہتے تھے۔ شاہان مسکرا کر بولا۔ ''میرے پاس ایک ایسا جادو ہے، جس کی وجہ سے مجھ پر کسی شے کا اثر نہیں ہوتا۔'' یہ سن کر نوجوان نے کہا۔ ''میرا خیال ہے کہ تمہارے اندر مقابلہ کرنے کی طاقت زیادہ ہے۔ اور ویسے بھی تم بڑی احتیاط سے چلتے ہو۔'' شاہان ہنس دیا۔ ''ٹھیک ہے تم ٹھیک سمجھے میرے جادو کا راز ہے۔'' شاہان خود چاہتا تھا کہ وہ نوجوان اسی غلط فہمی میں ہی رہے۔ دوپہر کے بعد انہوں نے پھر جنگل میں اپنا سفر شروع کر دیا۔

شام کے سائے پھیل رہے تھے کہ انہیں درختوں کے درمیان سمندر کے کنارے پر کھڑی بڑی بڑی چٹانیں نظر آنے لگیں۔ ''سمندر آ گیا ہے مگر کشتیاں کہیں بھی نظر نہیں آ رہیں۔'' نوجوان نے درختوں کے

درمیان سے غور سے سمندر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ سمندر کے پانی کو علی چچا اور شاہان بھی دیکھ رہے تھے۔ علی چچا نے کہا۔ ''ہوسکتا ہے کہ آدم خور ادھر نہ رہتے ہوں۔'' نوجوان نے سر کھجاتے ہوئے کہا۔ ''اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمیں کل صبح جزیرے کے مغرب کی طرف جانا ہوگا۔''

شاہان کہنے لگا۔ ''پہلے چل کر دیکھیں تو سہی۔'' وہ جنگل سے نکل کر جزیرے کے مشرقی ساحل پر آ گئے تو سورج سمندر میں غروب ہو رہا تھا۔ مگر وہ بادلوں کے پیچھے تھا۔ شام کے سائے گہرے ہوتے جا رہے تھے۔ سمندر کی طرف ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ ان کا اندازہ درست نکلا۔ وہاں کسی بھی جگہ ایک بھی کشتی نہ تھی۔ نوجوان کنارے کے ریت پر بیٹھ گیا۔ ''اب ہمیں مغرب کی طرف جانا ہوگا۔ ایسا لگتا ہے یہ جزیرہ ہمیں یہاں سے زندہ سلامت نہیں نکلنے دے گا۔'' وہ رات انہوں نے اسی جگہ بسر کرنے کا فیصلہ کیا۔ چٹانوں کے درمیان سمندر کی موجیں دور دور سے آ کر اپنا سر پھوڑ رہی تھیں۔ آخر انہوں نے ایک جگہ تلاش کرلی۔ یہ ایک چھوٹا سا غار تھا۔ دیوار کے ساتھ بڑے بڑے پتھر پڑے ہوئے تھے۔ انہوں نے ان پتھروں پر ٹھکانہ بنالیا۔ نوجوان جنگلی کیلے لے آیا۔ جو انہوں نے کھا کر پیٹ کی آگ بجھائی۔

رات گہری ہوئی تو بادلوں میں بجلی چمکنا شروع ہوگئی۔ اس کی چمک چٹانی غار کے اندر تک آ رہی تھی۔ بجلی چمکتی تو اس کے تھوڑی دیر بعد بادلوں میں گرج پیدا ہوتی۔ جس سے چٹانیں گونج اٹھتیں۔ علی چچا پتھر کی دیوار سے ٹیک لگا کر سو گئے۔ شاہان دیوار کے ساتھ پیٹھ لگا کر بیٹھا غار کے باہر دیکھتا رہا۔ جہاں رہ رہ کر بجلی چمک جاتی تھی۔ اور بادلوں کی گرج سنائی دے جاتی۔ پھر ایسا ہوا کہ شاہان کو غنودگی آ گئی۔ حالانکہ ایسا بہت کم ہوا تھا کہ شاہان کو غنودگی آئی ہو۔ مگر قسمت کی بات ہے کہ اسے غنودگی آئی اور اس کی ذرا دیر کے لئے آنکھ لگ گئی۔ اس کے سامنے نوجوان اس کا ریوالور تانے کھڑا تھا۔ اس نے اپنے آگے علی چچا کو رکھا ہوا تھا۔ ''خبردار اگر تم نے حملہ کرنے کی کوشش کی تو میں اس بوڑھے کو ہلاک کردوں گا۔''

شاہان پریشان ہوگیا۔ چچا علی پھٹی پھٹی آنکھوں سے شاہان کو دیکھ رہے تھے۔ علی چچا کی کمر سے اس نے مغلیہ خاندان کی آخری نشانی کروڑ روپے کی مالیت کا قیمتی ہار نکال کر اپنے ایک ہاتھ میں پکڑ لیا تھا۔ نوجوان مکاری سے مسکرا رہا تھا۔

''میں شروع ہی سے اس ہار کی تاڑ میں تھا۔ میں اسی ہار کے لئے تمہارا پیچھا کر رہا تھا۔''

شاہان نے کہا۔ ''عقل سے کام لو نوجوان تم بے شک یہ ہار لے لو۔ مگر یہ بھی خیال کرو کہ تم ہماری مدد کے بغیر اس آدم خور جزیرے سے نہیں نکل سکو گے۔ تمہیں ہماری مدد کی ضرورت ہوگی۔'' نوجوان نے ریوالور کی نال علی چچا کی گردن پر رکھی ہوئی تھی کہنے لگا۔ ''میں جان بوجھ کر تم لوگوں کو اس طرف لایا ہوں۔ میں اس جزیرے سے خوب واقف ہوں۔ میں ایک بار پہلے بھی اس جزیرے پر آچکا ہوں۔ آدم خوروں کی کشتیاں اسی ساحل پر مشرقی چٹانوں کے پیچھے ہیں۔ میں اب یہاں سے فرار ہو رہا ہوں۔ اگر تم نے مجھے پکڑنے کی کوشش کی تو میں اس بوڑھے کو گولی ماردوں گا۔ اور پھر تمہیں ہلاک کردوں گا۔''

شاہان ایک پل میں اس مکار نوجوان کی گردن مروڑ سکتا تھا۔ مگر وہ بوڑھے علی چچا کی خاطر مجبور تھا۔ اگر وہ آگے بڑھتا ہے تو نوجوان یقیناً علی چچا کو ہلاک کردے گا۔ اس نے صرف اتنا کہا۔ ''مسٹر تم حماقت کر رہے ہو۔ یہ قیمتی ہار دلی کے آخری مغل بادشاہ کی امانت ہے۔ ہمیں یہ ہار بادشاہ تک پہنچانا ہے۔ بہتر یہی ہے کہ ہمیں یہ ہار واپس کردو۔''

''ہاہاہا۔ نوجوان نے قہقہہ لگایا۔ ''تم مجھے بے وقوف سمجھتے ہو کہ میں اتنی دولت ہاتھ میں آئی ہوئی چھوڑ دوں گا۔ ہرگز نہیں۔ میں نے اس ہار کے لئے اپنی جان کی بازی لگادی ہے۔ میں تم دونوں کا خون کر کے بھی اسے یہاں سے لے جاؤں گا۔ اب ایک قدم پیچھے ہٹ جاؤ۔'' نوجوان نے ریوالور کی نال علی چچا کی کنپٹی پر رکھ دی تھی۔

علی چچا نے کہا۔ ''شاہان بیٹے تم میری جان کی پرواہ نہ کرو اس دھوکے باز سے ہار چھین لو۔'' مگر شاہان کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔ وہ علی چچا کی زندگی سے کھیلنا نہیں چاہتا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ ظالم نوجوان کروڑوں روپے کے ہار کی خاطر کئی لوگوں کو ہلاک کرسکتا ہے۔ وہ ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ نوجوان علی چچا کو کھینچتا ہوا غار میں سے باہر نکل گیا۔ آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے اور بجلی رہ رہ کر چمک رہی تھی۔ بجلی چمکتی تو ساحل کی ریت اور سمندر کا پانی چمکنے لگتا۔ نوجوان اس جزیرے کے سارے راستوں سے واقف تھا۔ وہ تیزی سے علی چچا کو گھسیٹتا ہوا ایک چٹان کے پیچھے چلا گیا۔

شاہان لپک کر وہاں آ گیا۔ چٹان کے پیچھے کچھ بھی نہ تھا۔ خدا جانے وہ کس کھوہ میں گم ہوگیا تھا۔ اندھیرے میں وہاں جگہ جگہ چٹانوں میں غار نظر آرہے تھے۔

شاہان نے دو ایک غار میں جھانک کر دیکھا۔ اندر کوئی نہیں تھا۔ شاہان پریشان ہوکر چٹانوں سے باہر نکل آیا۔ اس کا خیال تھا کہ نوجوان آخر باہر نکلے گا لیکن ایسا نہ ہوا۔ ہلکی ہلکی بونداباندی شروع ہوگئی۔ شاہان سمندر کے کنارے ساحل کی ریت پر کھڑا چٹانوں کی طرف گھور گھور کر دیکھنے کی کوشش کررہا تھا کہ اچانک اسے ایک بار پھر ناگنی کی بو محسوس ہوئی۔

''یہی وہ ناگنی ہے جو پانچ سو برس زندہ رہنے کے بعد پوری دنیا کے سانپوں کی دیوی ناگنی بن گئی تھی۔ اور اس میں اتنی طاقت آ گئی تھی کہ وہ جو چاہے شکل اختیار کرسکتی ہے۔''

پھر شاہان نے لمبے لمبے سانس لے کر یہ معلوم کرنے کی کوشش کی کہ ناگنی کہاں ہوسکتی ہے؟ بجلی چمکی تو شاہان نے دیکھا کہ ساحل دور تک ویران ہے۔ شاہان یاب ناگنی کی تلاش میں تھا۔ شاہان کو اب بو بڑی تیز محسوس ہورہی تھی۔ وہ بہت خوش ہوا کہ ناگنی واپس آ گئی ہے۔ اب وہ مل کر سفر کریں گے۔ اس نے آہستہ سے ناگنی کو آواز دی۔ ''ناگنی بہن تم آ گئی ہو کیا؟'' کوئی جواب نہ آیا۔ صرف سمندر کی لہروں کا ہلکا ہلکا شور تھا۔ جو ساحلی چٹانوں سے واپس ٹکرا کر جارہی تھی۔ بونداباندی اسی طرح ہورہی تھی۔ ناگنی کی بو یعنی خوشبو اس کے سامنے تھوڑے فاصلے پر کھڑی چٹان کی طرف سے آرہی تھی۔ شاہان اس چٹان کی طرف چلنے لگا۔ جوں جوں وہ چٹان کے قریب جارہا تھا۔ بو تیز ہوتی جارہی تھی۔

شاہان چٹان کے قریب آ کر رک گیا۔ یہاں بو تیز تھی۔ اس نے آہستہ سے آواز دی۔ ''ناگنی بہن تم آ گئی ہو۔ کہاں ہو تم۔'' اس کے ساتھ ہی ایک زبردست پھنکار کی آواز سنائی دی۔ شاہان نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر سمندر کی طرف دیکھا کیونکہ آواز سمندر کی طرف سے آئی تھی۔ بجلی چمکی تو اس نے ایک خوبصورت سرخ لمبے سانپ کو دیکھا۔ جس کے جسم پر سفید اور سبز نشان بنے ہوئے تھے۔ وہ اپنا سرخ پھن اٹھائے سمندر کی لہروں پر تیرتا ہوا شاہان کی طرف آیا تھا۔ شاہان خاموش اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔ اور سانپ کو اپنی طرف آتے دیکھتا رہا۔

سانپ ساحل پر آ کر ریت پر بڑے شاہانہ انداز میں بل کھاتا پھن اٹھائے شاہان کے قریب آ کر رک گیا۔ شاہان سانپ کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔ سانپ نے ایک پھنکار ماری۔ اور انسان کے روپ میں ناگنی سامنے آ گئی۔ شاہان کے سامنے اس کی ساتھی ناگنی جو جہاز میں بچھڑ گئی تھی وہ سامنے کھڑی تھی۔ ''میری پیاری بہن ناگنی۔''

''شاہان بھائی۔'' ناگنی دوڑ کر شاہان کے سینے پر اپنا سر لگا کر کھڑی ہوگئی۔ اور شاہان نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔ اور ناگنی کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو آ گئے۔ ''بھگوان کا شکر ہے کہ ہم اتنی مدت بعد مل رہے ہیں اور میں تمہارے بغیر اداس ہوگئی تھی۔''

شاہان نے خوشی سے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''ناگنی بہن میں کس قدر خوش نصیب ہوں کہ مجھے تم دوبارہ مل گئی ہو۔ اور اب ہمارا بھائی شریم بھی مل جائے تو ہمارا ساتھ مکمل ہوجائے گا۔''

ناگنی نے کہا۔ ''میرا خیال ہے کہ ہم دونوں بہن بھائی کی محبت شریم بھائی کو ضرور ہم تک کھینچ لائے گی۔

شاہان بھائی اب تم اپنی کہانی سناؤ کہ اس جزیرے پر کیسے پہنچ گئے۔“

شاہان نے شروع سے لے کر آخر تک ناگنی کو ساری کہانی سنادی۔ ناگنی نے شاہان کے ایک ایک لفظ کو بڑے غور سے سنا۔ پھر بولی۔ ”تو کیا وہ مکار نوجوان علی چچا کو لے کر سامنے والی چٹانوں میں کہیں چھپا ہوا ہے۔“

”ہاں ایسا ہی لگتا ہے کہ وہ کسی سرنگ میں چلا گیا ہے۔“

ناگنی نے ہنس کر کہا۔ ”شاہان بھائی میں آ گئی ہوں۔ اب تمہیں فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ مکار نوجوان اگر زمین کی ساتویں تہہ میں بھی ہوگا تو میں اسے نکال لاؤں گی۔“

شاہان نے کہا۔ ”میں اسے ایک منٹ میں ختم کر لیتا مگر کیا کروں اس کم بخت نے علی چچا کو یرغمال بنالیا تھا۔ ان کی جان کو خطرہ تھا۔“

”میں ابھی اس کا سراغ لگاتی ہوں۔ آؤ میرے ساتھ۔“ ناگنی نے شاہان کو ساتھ لیا۔ اور سمندر کنارے کی اس چٹان کے پاس آ گئی۔ جہاں اس کے خیال میں مکار نوجوان علی چچا کو یرغمال بنا کر غائب ہوا تھا۔ شاہان نے اس چٹان کی کھوہ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ”یہاں وہ غائب ہوا تھا۔“

ناگنی نے غار کے اندر جھانک کر دیکھا اور شاہان سے کہا۔ ”تم اسی جگہ رک کر میرا انتظار کرنا بھائی۔“ یہ کہہ کر ناگنی نے ہلکی سی پھنکار کی آواز نکالی اور دوسرے لمحے وہ ناگن بن چکی تھی۔ ناگنی چٹان کے پتھروں پر رینگتی ہوئی سرنگ کے اندر داخل ہوگئی۔

ادھر علی چچا کو لے کر نوجوان غار میں گھس گیا۔ اس کے اندر سرنگ تھی۔ جس میں ایڑیوں تک سمندر کا پانی تھا۔ علی چاچا سے نوجوان زیادہ طاقت ور تھا۔ اس نے اچھل کر چاچا کو پکڑا۔ اور پانی میں گرا لیا۔ دونوں گتھم گتھا ہوگئے۔ نوجوان نے چاچا کو پانی میں گھسیٹ کر ان کا سر ڈبو دیا۔ اور اسی وقت چھوڑا جب علی چاچا کی روح پرواز کر گئی۔ نوجوان نے چاچا کے مردہ ہاتھوں سے مغلیہ ہار جھپٹ کر جیب میں رکھا۔ اور سرنگ میں آگے بھاگنا شروع کر دیا۔ آگے جا کر سمندر کا جمع شدہ پانی ختم ہوگیا۔ مکار نوجوان اس سرنگ سے اچھی طرح واقف تھا۔ آگے جا کر یہ سرنگ ایک چوکور بڑی چٹان کے پاس نکل آئی تھی۔ جس کے سائے میں آدم خوروں کی کشتیاں بندھی رہتی تھیں۔ وہ سرنگ میں بھاگا جا رہا تھا۔ دور اسے چوکور چٹان کی طرف روشنی دکھائی دی۔ یہ بجلی کی چمک تھی۔ اور سرنگ کا دوسرا منہ تھا۔ نوجوان سرنگ سے باہر آ گیا۔ اس کے سامنے کشتیاں ساحل پر کھڑی تھیں۔ اور سمندر کی لہریں ان سے ٹکرا کر واپس جا رہی تھیں۔ وہ لپک کر ایک کشتی میں بیٹھ گیا۔ اس نے رسی کھولی اور کشتی کو لے کر آگے کی طرف بڑھا۔ اسے کوئی خبر نہیں تھی کہ ایک سرخ ناگن سرنگ میں اس کے پیچھے لگی ہوئی ہے۔ وہ ناگنی تھی۔

ناگنی نے سرنگ کے پانی میں علی چاچا کی لاش پڑی دیکھی تو وہ سمجھ گئی کہ نوجوان نے انہیں ہلاک کر دیا ہے۔ ناگنی تیزی سے آگے بڑھی اور سرنگ سے باہر نکل آئی۔ اس نے نوجوان کو دیکھا۔ وہ کشتی میں بیٹھا اس کے چپو تیز تیز چلا کر کھلے سمندر میں جا رہا ہے۔ نوجوان بڑا خوش تھا کہ اس نے بڑا قیمتی ہار قبضے میں کر لیا ہے۔ جسے وہ جا کر لاکھوں میں فروخت کر سکتا تھا۔ وہ سوچ ہی رہا تھا کہ اس نے ایک سرسراہٹ سی سنی۔ سوچا کہ شاید سمندر کی لہروں کی آواز ہے۔ پھر ایک پھنکار سنائی دی۔

نوجوان نے پلٹ کر دیکھا تو پیچھے ایک ناگن پھن اٹھائے کھڑی جھوم رہی تھی۔ وہ اپنی لال لال آنکھوں سے پھنکاریں مار رہی تھی۔ نوجوان کا جسم خوف سے ٹھنڈا پڑ گیا۔ چپوؤں پر ہاتھ کمزور پڑ گئے۔ کشتی سمندر میں رک گئی۔ ایک سیکنڈ کے لئے ناگنی اور نوجوان ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر گھورتے رہے۔ پھر نوجوان نے آہستہ آہستہ ہاتھ ریوالور کی طرف بڑھایا۔ مگر ناگنی بے خبر نہیں تھی۔ ابھی نوجوان کا ہاتھ ریوالور تک پہنچا بھی نہیں تھا کہ ناگنی بجلی کی طرح کوندی اور لپک کر نوجوان کی گردن پر ڈس لیا۔ نوجوان

کے سارے جسم میں گرم رو دوڑ گئی۔ پھر اسے یوں لگا جیسے اس کا سارا جسم پتھر بنتا جا رہا ہے۔ اس کے ہاتھ پیر اور بازو اپنی جگہ سے نہیں ہل رہے تھے۔

اس کے ناک کان اور منہ سے جھاگ جاری ہوگئے تھے۔ ناگنی کے زہر سے کوئی بھلا بچ سکتا تھا۔ ناگنی عام طور پر اپنے شکار کے جسم میں اپنے زہر کا چوتھا حصہ داخل کیا کرتی تھی۔ مگر اس قاتل کے جسم میں اس نے اپنا سارا زہر داخل کردیا تھا۔ نوجوان بیٹھے بیٹھے چپو تھامے ہوئے مرگیا۔ پھر وہ اوندھے منہ کشتی میں گرگیا اس کا سارا جسم پگھلنے لگا۔ پھر وہ گاڑھے خون کا لوتھڑا بن کر رہ گیا۔ اور ہمیشہ کے لئے ختم ہوگیا۔

ناگنی نے سانپ سے انسانی شکل اختیار کرلی۔ نوجوان کی پگھلی ہوئی لاش کے قریب مغلیہ ہار اٹھا کر اسے غور سے دیکھا۔ ایسا چمکدار ہیرے والا ہار اس نے ابھی تک اپنی زندگی میں نہیں دیکھا تھا۔ ناگنی نے نوجوان کی لاش کو سمندر میں پھینک دیا اور کشتی کنارے پر لے آئی۔ شاہان چٹانوں کے پاس اس کا انتظار کررہا تھا۔ ناگنی نے مغلیہ ہار شاہان کو دے کر کہا۔ ”شاہان بھائی علی چچا کو نوجوان نے ہلاک کردیا تھا اور میں نے اسے ہلاک کردیا۔ یہ لو تمہاری امانت۔“ وہ دونوں سرنگ میں داخل ہوگئے۔ علی چچا کی لاش نکال کر سمندر کے کنارے ریت کھود کر دفن کردی۔ شاہان کو ان کی موت کا بے حد دکھ ہوا۔ علی چچا کی قبر پر شاہان نے بلند آواز سے عہد کیا۔ ”علی چچا میں تمہاری قبر کے سامنے قسم کھا کر یہ عہد کرتا ہوں کہ تمہاری یہ امانت جلاوطن مغل بادشاہ تک پہنچادوں گا۔“

ناگنی نے کہا۔ ”اب ہمیں یہاں سے رنگون شہر کی طرف کوچ کرنا چاہئے۔ میرا خیال ہے رنگون شہر یہاں سے سمندری سفر پر دو ہفتے کا ہے۔“ شاہان نے کہا۔

”یہ سفر ہمیں آج ہی شروع کردینا چاہئے یہاں ٹھہرنا اب بے کار ہے۔“

ناگنی کہنے لگی۔ ”اگر ہمیں رنگون کی طرف جاتا کوئی سمندری جہاز مل جائے تو اس طرح سے ہم رنگون شہر بہت جلد پہنچ جائیں گے۔“

”یہ تو ٹھیک ہے مگر اس جزیرے کی طرف کوئی جہاز نہیں آتا۔ یہ جزیرہ سمندر میں جہازوں کے راستے سے بہت دور واقع ہے۔“ ناگنی نے کچھ سوچ کر کہا۔

”کیا یہ بہتر نہیں شاہان بھائی کہ میں اڑ کر جاؤں اور سمندر کا ایک چکر لگا کر دیکھوں کہ کوئی جہاز آرہا ہے یا نہیں پھر ہم کشتی میں بیٹھ کر بجائے سمندر میں بھٹکنے کے سیدھا اسی کی طرف جائیں گے۔“

”اچھا خیال ہے۔ تم ابھی جا کر کسی ایسے جہاز کا پتہ چلاؤ اور میں اس جزیرے پر تمہارا انتظار کروں گا۔“

دن ابھی پوری طرح نہیں نکلا تھا۔ پو پھٹ رہی تھی آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے۔ بادلوں کے پیچھے سے دن کی روشنی چھن چھن کر جزیرے کے ساحل اور سمندر تک آرہی تھی۔ ناگنی نے پھنکار ماری اور جنگلی کبوتری بن گئی۔ اس نے غٹر غوں غٹر غوں کرکے شاہان کی طرف دیکھا اور پھر سمندر کے اوپر مغرب کی طرف اڑنا شروع کردیا۔

شاہان چٹانوں کی طرف آگیا۔ یہاں ایک کھوہ میں بیٹھ کر وہ ناگنی کی واپسی کا انتظار کرنے لگا۔ جہاں وہ بیٹھا تھا وہاں سے سمندر کا کنارہ دور دور تک نظر آرہا تھا۔ بارش کی وجہ سے سمندر پر دھند سی چھائی ہوئی تھی۔ کچھ دیر بعد بارش رک گئی۔ آسمان پر سیاہ بادل اسی طرح بھٹکتے پھر رہے تھے۔ سمندر کا کنارہ دور تک ویران تھا۔ جزیرے کی جانب سے گہری خاموشی تھی۔ شاہان سوچنے لگا کہ آدم خور اس جزیرے پر کہاں ہیں۔ ابھی تک اس نے اس جزیرے کا ایک بھی آدم خور نہ دیکھا تھا۔ ایک منٹ بعد شاہان کی خواہش پوری ہوگئی۔ اس نے ایک چھوٹی سی کشتی کو دیکھا کہ دور سمندری چٹانوں سے نکل آئی ہے اور سمندر کے کنارے کنارے شاہان کی طرف بڑھنے لگی۔ شاہان چٹان کی کھوہ میں چھپ کر بیٹھ گیا۔ کشتی میں چار پانچ آدم خور وحشی سوار تھے۔ جنہوں نے اپنے سانولے ننگے جسموں پر نیلے اور سرخ رنگ کی دھاریاں ڈال رکھی تھیں۔ کمر کے گرد چھوٹا سا کپڑا لپیٹا

ہوا تھا اور جنگلی بالوں میں طوطے کے پر لگے ہوئے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں کلہاڑیاں تھیں۔ وہ کشتی سے اچھلتے ہوئے کنارے پر آ گئے۔ شاہان چونک پڑا۔ کیوں کہ ان آدم خور وحشیوں نے ایک گوری چٹی سنہری بالوں والی ایک عورت کو پکڑ رکھا تھا اور اسے ریت پر گھسیٹتے ہوئے جنگل کی طرف لے جا رہے تھے۔

شاہان کو اچانک خیال آیا کہ ہو سکتا ہے یہ انگریز عورت بھی اس جہاز میں سفر کر رہی ہو۔ جس جہاز میں وہ سفر کر رہا تھا۔ اور پھر جہاز ڈوبنے پر یہ کسی تختے میں بیٹھ کر اس جزیرے پر آنے میں کامیاب ہوگئی ہو اور اب ان وحشیوں کے قبضے میں آ گئی۔ اس بدنصیب اور مظلوم عورت کو وحشی آدم خوروں سے بچانا چاہئے۔ ورنہ یہ اسے زندہ آگ میں بھون کر کھا جائیں گے۔ شاہان کے دل میں جیسے یہ خیال اپنے آپ آیا۔ اور وہ چٹان کی کھوہ سے نکل کر باہر آ گیا۔ اب جو اس نے دیکھا تو وہاں کوئی نہیں تھا۔

آدم خور جیسے بجلی کی سی تیزی کے ساتھ عورت کو لے کر جنگل میں غائب ہوگئے تھے۔ شاہان بھاگ کر جنگل میں داخل ہوگیا۔ یہ جنگل آدم خوروں کا گھر تھا۔ وہ اس تمام راستوں سے واقف تھے۔ یہاں ان کے لئے گم ہونا کوئی مشکل کام نہ تھا۔ جنگل تک آدم خوروں کے قدموں کے اور عورت کے نشان ریت پر صاف دکھائی دے رہے تھے۔ جنگل میں یہ نشان ختم ہوگئے۔ کیونکہ جنگل میں جنگلی گھاس اور خاردار جھاڑیاں تھیں۔ کوئی آواز بھی نہ آ رہی تھی۔ شاہان اندازے سے ایک طرف چل پڑا۔ جنگل زیادہ گھنا ہوتا جا رہا تھا۔ رات بھر کی بارش کی وجہ سے جنگل کی زمین دلدل بنی ہوئی تھی۔ مگر اس دلدل پر گھاس ہی گھاس تھی۔ جس کی وجہ سے کسی جگہ قدموں کا ایک بھی نشان نہیں تھا۔ پھر بھی شاہان آگے بڑھتا چلا گیا۔ درختوں کی شاخیں اور ان سے لپٹی ہوئی بیلیں شاہان کے راستے میں آ رہی تھیں۔ کئی جگہوں پر اس نے سبز اور سرخ رنگ کے سانپوں کو درخت کی شاخوں سے لٹکتے ہوئے دیکھا۔

شاہان ان کے قریب سے گزرتا چلا گیا۔ آدم خوروں کی کوئی آواز کسی طرف سے بھی نہیں آرہی تھی۔

اب جنگل اتنا گھنا آگیا کہ شاہان کو جھک کر ٹہنیوں اور جھاڑیوں کے درمیان سے ہو کر آگے نکلنا پڑا تھا۔ اگر شاہان میں غیر انسانی طاقت نہ ہوتی تو وہ تھک ہار کر بیٹھ جاتا۔ کیونکہ آگے راستہ بہت ہی دشوار گزار تھا۔ شاہان جھک کر چلتا چلا گیا۔ یہاں درختوں کا جھنڈ اتنا گہرا تھا کہ دن کے وقت بھی اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ آخر گنجان درخت بھی ختم ہوگئے۔ شاہان نے پہلی بار آدم خوروں کے ڈھول تاشوں اور ان کے ناچنے گانے کی آواز سنی۔ یہ آوازیں ایسی تھیں جیسے کوئی کسی کی موت پر بین کررہا ہو۔ ان آوازوں میں اس عورت کی آواز نہ تھی۔

شاہان کو شبہ ہوا کہ کہیں آدم خور اسے چٹ تو نہیں کر گئے۔ لیکن اتنی جلدی وہ اسے کھا نہیں سکتے تھے۔ شاہان نے درختوں میں سے سامنے ایک چھوٹا سا کھلا میدان دیکھا۔ اس تکونی جگہ میں دو طرف جھونپڑیاں تھیں اور ایک طرف درخت کے ساتھ انہوں نے اس لڑکی کو باندھ رکھا تھا۔ بے چاری کے منہ میں کپڑا ٹھونسا ہوا تھا۔ جس کی وجہ سے اس کی آواز نہیں نکل سکتی تھی۔ آدم خور اس کے اردگرد لکڑیاں چن رہے تھے تاکہ اسے بھون کر کھا جائیں۔ لڑکی کا برا حال ہورہا تھا۔ شاہان نے دور سے دیکھا وہ بے بسی کے ساتھ اپنا سر دائیں بائیں مار رہی تھی۔ اس کے ہاتھ درخت کے پیچھے بندھے ہوئے تھے۔ ذرا فاصلے پر آدم خور ڈانس کررہے تھے۔ تین چار آدم خور ڈھول بجا رہے تھے۔ ان کا سردار ایک تخت پر بیٹھا تھا۔ اس کے ہاتھ میں کلہاڑا تھا۔ آدم خور ڈانس کرتے کرتے لکڑیوں کے پاس جاتے اور ان پر کوئی شے چھڑک دیتے تھے۔ شاہان نے سوچا کہ اگر اس نے دیر کردی تو یہ آدم خور لکڑیوں کو آگ لگا دیں گے اور ایک بار لکڑیوں کو آگ لگ گئی تو ہوسکتا ہے کہ آگ ایک دم سے بھڑک اٹھے۔

پھر لڑکی کا بچنا مشکل ہوجائے گا۔ بہتر یہی ہے کہ جو کچھ کرنا ہے فوراً عمل کردیا جائے۔ شاہان نے منہ کے آگے ہاتھ رکھ کر زور سے چیخ ماری۔ تو جنگل میں ایک دم سناٹا چھا گیا۔ آدم خور ڈانس کرتے کرتے رک گئے۔

سردار کلہاڑا پکڑ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ شاہان درختوں سے نکل کر سردار کے پاس آیا۔ سردار نے جب ایک عام انسان کو اپنی طرف آتے دیکھا تو غصے سے کانپنے لگا۔ اس نے گرج کر کہا۔ ”اسے پکڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کردو۔“ سردار کا حکم پا کر آدم خور وحشی نیزے لہراتے ساہان کی طرف بڑھے۔ درخت کے ساتھ بندھی ہوئی لڑکی نے بھی تعجب سے شاہان کی طرف دیکھا کہ یہ کون دیوانہ ہے کہ اپنے آپ آدم خوروں کی خوراک بننے یہاں آگیا ہے۔

شاہان نے جیب سے ریوالور نکال کر ہوا میں فائر کیا۔ گولی کے دھماکے سے آدم خور ڈر کر کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔ سردار نے تاک کر نیزہ شاہان کی طرف پھینکا۔ سردار کا نشانہ بھی زبردست تھا۔ اس کا نشانہ کبھی خطا نہیں جاتا تھا۔ نیزہ سیدھا شاہان کی چھاتی پر آکر لگا تھا۔ لیکن یہ کیا ہوا۔ نیزہ شاہان کے سینے سے ٹکرا کر دور جا گرا۔

شاہان نے آدم خوروں کی زبان میں بلند آواز میں کہا۔ ”اگر کوئی آگے بڑھا تو میں اسے ہلاک کردوں گا۔“ شاہان کی یہ بھی ایک طاقت تھی کہ وہ دنیا کی ہر زبان سمجھ اور بول لیتا ہے۔ اور سانپوں کی زبان بھی سمجھ اور بول لیتا ہے۔

سردار نے جب دیکھا کہ وہ اس کی اپنی زبان میں بات کررہا ہے تو وہ تخت پر سے اتر کر شاہان کے سامنے آکر بولا۔ ”تم کون ہو؟“

”تمہیں ہماری زبان کیسے آگئی؟“

شاہان نے کہا۔ ”میں ساری زبانیں جانتا ہوں۔ میں تمہیں صرف یہ کہنے آیا ہوں کہ اس لڑکی کو میرے حوالے کردو۔“

سردار کو ایک عرصے بعد سفید لڑکی کا گوشت کھانے کو ملا تھا۔ وہ بھلا شاہان کے حوالے اسے کیسے کرسکتا تھا۔ اس نے ایک چال چلنے کا فیصلہ کیا۔ کیونکہ وہ شاہان کے ہاتھ میں ریوالور سے خوفزدہ تھا۔ اس نے

مسکرا کر کہا۔ ”تم ہمارے دوست ہو۔ ہماری زبان جو بولتا ہے وہ ہمارا دوست ہوتا ہے ہم اس لڑکی کو تمہارے حوالے کر دیتے ہیں۔ آؤ میرے ساتھ تخت پر بیٹھو۔“
آدم خور وحشی حیران تھے کہ ان کا سردار یہ کیا کر رہا ہے۔ شاہان سردار کے دھوکے میں آ گیا۔ وہ سردار کے ساتھ تخت پر آ کر بیٹھ گیا۔ سردار نے شاہان سے کہا۔ ”یہ کیا چیز ہے جس سے دھماکہ ہوتا ہے۔“ شاہان نے ریوالور سردار کی طرف بڑھا کر کہا۔ ”اس میں صرف دھماکہ ہی نہیں ہوتا بلکہ ایک گولی بھی نکلتی ہے۔ جو آدمی کے جسم میں گھس کر اسے مار ڈالتی ہے۔“ پھر اس نے بات پلٹ کر کہا۔ ”اس لڑکی کو آزاد کر دو۔“

سردار نے کہا۔ ”یہ شے مجھے دے دو۔ میں لڑکی کو آزاد کر دیتا ہوں۔“ شاہان نے سوچا کہ یہ جنگلی آدمی ہے۔ ریوالور چلانا کہاں جانتا ہوگا۔ اور پھر میں اسے دوبارہ بھی چھین سکتا ہوں۔ چلو اس طرح ہی کام نکال لیتے ہیں۔ بے چاری لڑکی کو تو آزاد ہو لینے دو۔ شاہان نے ریوالور سردار کے حوالے کر دیا۔ ”لو تم یہ لے لو اور لڑکی کو چھوڑنے کا حکم دے دو۔“

سردار ریوالور ہاتھ میں لیتے ہی اچھل کر پرے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ پھر اس نے اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا۔ وہ شاہان پر ٹوٹ پڑے۔ انہوں نے شاہان کو زمین پر گرا لیا۔ نیزوں اور کلہاڑوں سے اس پر یوں حملہ کر دیا۔ جیسے اس کا قیمہ کوٹ رہے ہوں۔ یہ رونگٹے کھڑے کر دینے والا منظر دیکھ کر لڑکی کی چیخ نکل گئی۔ سردار بڑے غرور سے تخت پر کھڑا مسکرا رہا تھا۔ سارے آدم خور شاہان کا قیمہ کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ سردار نے بلند آواز سے کہا۔ ”ہم اس لڑکی کا قیمہ کھائیں گے۔“ اور وہ قہقہہ مار کر وحشی طریقے سے ہنس دیا۔

”لیکن ادھر عجیب تماشہ ہو رہا تھا۔ ایک ایک کر کے آدم خور وحشی پیچھے ہٹنے لگے تھے۔ ان کے رنگ فق ہو گئے۔ آنکھیں دہشت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں ان کی ساری کلہاڑیاں اور نیزے ٹوٹ گئے تھے۔ مگر زمین پر پڑے ہوئے شاہان کے جسم میں ایک خراش تک نہ آئی تھی۔ وحشی ڈر گئے تھے کہ یہ کیسا انسان ہے کہ انہوں نے اپنی پوری طاقت سے اس پر کہاڑیاں برسائی تھیں۔ مگر وہ پھر بھی زندہ سلامت ہے۔ بلکہ الٹا ان کی کلہاڑیاں اور نیزے ٹوٹ گئے تھے۔ اس سنسنی خیز تبدیلی کو سردار نے بھی محسوس کر لیا تھا کہ وہ تخت پر کھڑا اپنے آدمیوں کو پیچھے ہٹتے اور پھر شاہان کو کپڑے جھاڑتا دیکھ رہا تھا۔ حیرانی سے اس کا منہ بھی کھلا تھا۔

شاہان کو ان لوگوں پر سخت طیش تھا۔ وہ تو شاہان کو ہلاک کر چکے تھے۔ یہ تو ان کی اپنی طاقت تھی کہ مر نہ سکا۔ اس کی نظر میں وہ سب قاتل تھے۔ اور سردار نے بھی اس کے ساتھ غداری کی تھی اور دھوکے سے اس کا ریوالور ہتھیا لیا تھا۔ اسے زمین پر سے صحیح سالم اٹھتے دیکھ کر وحشی چند قدم پیچھے ہٹ گئے۔ شاہان نے لپک کر ایک وحشی کو گردن سے پکڑا اور اپنی طرف کھینچا۔ اور پھر اسے ہوا میں اچھال دیا۔ وحشی اڑتا ہوا، اوپر درخت کی سب سے بلند ٹہنی تک گیا۔ اس کی چیخیں نکل رہی تھیں۔ اور وہ اسی طرح زمین پر آ کر اتنی زور سے گرا کہ اس کی ہڈیاں چور چور ہو گئیں۔

شاہان نے سردار کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”اب تمہیں میری طاقت کا اندازہ ہو گیا ہوگا۔“ پھر وہ اس درخت کی طرف گیا۔ جس کے ساتھ بندھی ہوئی لڑکی شاہان کی طرف منہ کھولے حیرانی سے تک رہی تھی۔ شاہان نے اس کے ہاتھ پاؤں کی رسیاں کھول دیں اور کہا۔ ”خدا کا شکر ادا کرو کہ اس نے تمہیں ان آدم خوروں سے بچا لیا۔“

لڑکی کے ہونٹ کانپ رہے تھے۔ آنکھوں میں خوشی کے آنسو تھے۔ اس نے خوشی اور حیرت سے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔ ”تم کون ہو؟“

شاہان نے کہا۔ ”میرے ساتھ ساتھ رہنا۔ تمہارے سوال کا جواب میں دے دوں گا۔“

سردار شاہان کی طاقت سے ڈر گیا تھا۔ اب شاہان نے چالاکی سے کام لیا۔ وہ سردار کے پاس جا کر اونچی آواز میں بولا۔ ”میں سمندر کا دیوتا ہوں۔ میں تم

لوگوں کا امتحان لینے آیا ہوں۔ میں اپنے بڑے دیوتا سے جا کر تمہاری شکایت کردوں گا کہ تم انسانوں کو مار کر کھا جاتے ہو۔ پھر وہ طوفان بن کر تمہارے جزیرے کو سمندر میں ڈبو دے گا۔“

سردار تو کانپ گیا۔ ایک دم سے دونوں ہاتھ اٹھا کر جھک گیا۔ ”ہمیں معاف کردو سمندری دیوتا۔ ہم سے بھول ہوگئی۔ ہمیں معاف کردو۔ ہمیں سمندری دیوتا کے غضب سے بچالو۔“ سردار کو دیکھ کر باقی سب وحشی بھی جھک گئے۔

لڑکی تو کبھی تعجب سے شاہان کا منہ دیکھتی اور کبھی وحشی سردار کو دیکھتی۔ لڑکی کو اب کچھ کچھ یقین ہونے لگا تھا کہ ”یہ تو جوان ضرور کوئی دیوتا ہے۔ کیونکہ اس کے اندر ایسی طاقت تھی جو کسی عام آدمی میں کبھی نہیں دیکھی تھی۔ اگر کوئی دیوتا نہیں تو پھر زبردست جادوگر ہے۔“ شاہان نے لڑکی کی طرف مسکرا کر دیکھا۔ اور جلدی سے سردار کے تخت پر پڑا ہوا ریوالور اٹھا کر ہاتھ میں پکڑ لیا۔ اس نے پھر چیمبر کھول کر دیکھا۔ اس میں ابھی چار گولیاں باقی تھیں۔ اس نے سردار کے سر پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور کہا۔ ”میں تمہارے لئے رحم کی درخواست کروں گا۔“ اور پھر اس نے اپنا ہاتھ ہٹا لیا۔ سردار گڑگڑاتا ہوا اٹھا اور ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوگیا۔ ”میرے لئے کیا حکم ہے؟“

شاہان نے کہا۔ ”فوراً ہمیں تخت پر بیٹھا کر سمندر کے کنارے پر چوکور چٹان کے پاس لے چلو۔“ سردار نے تالی بجائی۔ وحشی ایک دم سے تخت اٹھا کر لے آئے۔ شاہان نے لڑکی کو اپنے ساتھ تخت پر بیٹھا لیا۔ وحشی آدم خوروں نے تخت کندھوں پر اٹھا لیا اور لے کر سمندر کی طرف چلے۔ وہ تیز تیز قدموں سے چل رہے تھے۔ بہت جلد انہوں نے سمندر کے پاس جا کر چٹان کے سائے میں تخت رکھ دیا۔ شاہان نے کہا۔ ”ہمارے لئے کھانے پینے کا سامان لایا جائے۔“ سردار نے تالی بجائی۔ آدم خور چوہوں کی طرح جنگل میں گھس گئے۔ جب واپس آئے تو کسی نے ناریل کسی نے کیلوں کا گچھا اور کسی نے تربوز اٹھا رکھا تھا۔ دیکھتے دیکھتے شاہان اور لڑکی کے سامنے تخت پر پھلوں کا دسترخوان لگ گیا۔ ناریل کے سفید پیالوں میں میٹھا پانی لبالب بھرا ہوا تھا۔ لڑکی کو سخت بھوک اور پیاس لگی ہوئی تھی۔ شاہان نے اسے کہا کہ وہ جی بھر کر کھائے اس نے پیٹ بھر کر کھایا۔ شاہان نے بھی یوں ہی دکھانے کو دو ایک کیلے کھائے اور ناریل کا پانی پیا۔ اتنی دیر میں سردار کے ساتھ باقی سارے ساتھی آدم خور وحشی سر جھکائے کھڑے تھے۔

شاہان نے سردار سے کہا۔ ”ہم کل صبح اس جزیرے سے چلے جائیں گے۔ ہمارے لئے ایک بڑی سی کشتی کا بندوبست رکھا جائے۔ اب تم لوگ یہاں سے چلے جاؤ۔“ سردار نے سلام کیا اور اپنے آدمیوں کو لے کر الٹے پاؤں جنگل میں داخل ہوگیا۔ جب سارے آدم خور واپس جا چکے تو لڑکی نے شاہان کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ ”تمہارا نام کیا ہے اور تم کون ہو؟“ شاہان نے مسکرا کر کہا۔ ”تم نے ایک ہی وقت میں مجھ سے دو سوال پوچھ لئے۔ تمہارے پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ میرا نام شاہان ہے۔ دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ میں تمہاری طرح کا انسان ہوں۔“

لڑکی بولی۔ ”ایک انسان کے سر پر کلہاڑی ماری جائے۔ تو وہ مر جاتا ہے۔ اس کا سر دو ٹکڑے ہو جاتا ہے۔ مگر تمہارے ساتھ ایسا نہیں ہوا۔ اور تم کلہاڑیوں اور نیزوں کی بارش میں بھی زندہ رہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟“

شاہان نے کہا۔ ”اس کی وجہ تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گی۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ تمہیں زیادہ سمجھنے کی ضرورت بھی نہیں۔ میں نے اس چٹان پر بیٹھے تمہیں آدم خوروں کے چنگل میں دیکھا تھا اور تمہاری جان بچانے تمہارے پیچھے آ گیا۔ اور خدا کا شکر ہے کہ میں اپنے مقصد میں کامیاب ہوگیا۔“

لڑکی نے پوچھا۔ ”تم اس جزیرے پر کیسے آ گئے؟“

شاہان نے اپنے جہاز کی کلکتے سے روانگی اور پھر طوفان میں ڈوب جانے کی کہانی سنائی تو لڑکی نے اپنے سنہری بالوں کو پیچھے جھٹک کر کہا۔ ”میں بھی اسی جہاز میں سفر کر رہی تھی اکیلی۔ ہاں اکیلی۔ میرے ماں باپ

لندن میں ہیں۔ میں انڈیا اپنے انکل کے پاس آئی ہوئی تھی۔" اور چار ماہ رہ کر اپنے وطن واپس جا رہی تھی۔" پھر ٹھنڈی سانس بھر کر بولی۔ "اگر تم نہ ملتے تو میں اس دنیا میں زندہ نہ ہوتی۔"

شاہان دور سمندر کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اسے ناگنی کا انتظار تھا۔ لڑکی نے پوچھا۔ "تم نے اچھا کیا جو آدم خوروں کو کشتی تیار کرنے کا کہہ دیا۔ اب ہم کل اس کشتی میں سوار ہو کر اس آدم خور جزیرے سے نکل چلیں گے۔"

"ہاں ضرور۔" شاہان نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے لڑکی سے کہا۔ وہ لڑکی حیران تھی کہ یہ نوجوان آسمان کی طرف کیا دیکھ رہا ہے۔ آخر اس نے پوچھ ہی لیا۔ مگر شاہان اسے کیا بتاتا کہ وہ اپنی ساتھی ناگنی کا انتظار کر رہا ہے۔ جو کبوتر کی شکل میں اڑتی ہوئی ابھی آئے گی۔ اس نے لڑکی سے کہا۔ "تم نے اپنا نام تو بتایا نہیں۔"

لڑکی بولی۔ "میرا نام جولیا ہے لیکن تم آسمان کی طرف کیا دیکھ رہے ہو؟"

"میں بادلوں کی طرف دیکھ رہا ہوں کہ کل تک یہ چھٹ جائیں گے کہ نہیں۔"

"کیونکہ ہمیں خراب موسم میں سمندر کا سفر نہیں کرنا چاہئے۔" جولیا نے پھر کوئی سوال نہ کیا۔ شاہان نے اسے بتایا کہ وہ رات اسی چٹان کے اندر سوئیں گے اور صبح جزیرے سے کوچ کر جائیں گے۔

آدم خوروں نے کشتی تیار کر رکھی ہوگی۔ جولیا شاہان کو بڑی گہری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ کہنے لگی کہ "تم میں اتنی طاقت کہاں سے آ گئی شاہان۔" شاہان نے مسکرا کر کہا کہ کہہ تو دیا کہ میرے پاس جادو ہے۔ جولیا نے کہا۔ "پھر تم بہت بڑے جادوگر ہو، کیا تم مجھے میرے ماں باپ کے پاس لندن چھوڑ آؤ گے۔"

"ہاں کوشش کروں گا۔" شاہان بولا۔

جولیا اداس ہوگئی۔ "اگر تم نے مجھے راستے میں اکیلی چھوڑ دیا تو میں کیا کروں گی۔ میں تو پھر اپنے ماں باپ سے کبھی نہ مل سکوں گی۔" شاہان نے جولیا کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔ "فکر نہ کرو میں تمہیں راستے میں نہیں چھوڑوں گا۔ وعدہ کرتا ہوں کہ میں تمہیں تمہارے ماں باپ کے پاس پہنچا کر آؤں گا۔"

"تم کتنے اچھے ہو شاہان۔" جولیا بہت خوش ہوگئی۔ اسے احساس ہوا کہ وہ اب اکیلی نہیں ہے۔ شاہان ابھی تک آسمان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ناگنی کا دور دور تک کوئی نشان نظر نہیں آ رہا تھا۔ اب شاہان کو ناگنی کی فکر لگی کہ "کہیں وہ کسی حادثے کا شکار نہ ہوگئی ہو۔"

چلئے اب ذرا ناگنی کی بھی خبر لیتے ہیں کہ وہ کس حال میں ہے۔ ناگنی جس وقت کبوتر بن کر شاہان سے جدا ہوئی تو اس نے سمندر کے اوپر مغرب کی طرف اڑنا شروع کر دیا۔ ہلکی ہلکی بوندا باندی ابھی تک ہو رہی تھی۔ سمندر میں بہت آگے جا کر بڑی بڑی لہریں اٹھ رہی تھیں۔ ناگنی اڑتی چلی گئی۔ وہ بڑی ہوشیاری سے چاروں طرف سمندر میں دیکھ رہی تھی کہ شاید اسے کوئی بحری جہاز آتا جاتا نظر آ جائے۔ مگر سمندر دور دور تک خالی تھا۔ کہیں کوئی جہاز نہ تھا۔ اسے محسوس ہوا کہ یہ علاقہ سمندری تجارتی راستوں سے کافی ہٹ کر واقع ہے۔ ادھر تو کوئی طوفان کا مارا جہاز ہی آتا ہوگا۔ وہ اڑتی چلی گئی۔ جب وہ سمندر پر بہت آگے نکل آئی تو ایکا ایکی اس کی نگاہ سمندر میں دور سیاہ دھبے پر پڑی۔ ناگنی اس دھبے کی طرف بڑھنے لگی۔ قریب جا کر اس نے دیکھا کہ وہ ایک بحری جہاز ہے جس کے مٹیالے رنگ کے بادبان ہوا سے بھرے ہوئے ہیں۔ ناگنی جہاز کے اوپر پرواز کرنے لگی۔ اب اس کی نظر جہاز کے جھنڈے پر پڑی۔ جھنڈے پر انسانی کھوپڑی کا نشان بنا ہوا تھا۔ ناگنی ناامید ہوگئی۔ کیونکہ یہ نشان بحری ڈاکوؤں کا ہوتا تھا۔

ایک لمحے کے لئے ناگنی نے سوچا کہ اگر شاہان اس جہاز پر سوار ہو جائے تو کیا حرج ہے۔ اسے تو کوئی بحری ڈاکو نقصان نہیں پہنچا سکتا تھا۔ یہ سوچ کر ناگنی جہاز کے مستول پر اتر گئی۔ اتنی دیر میں کچھ ڈاکوؤں نے ایک کبوتر کو جہاز کے اونچے مستول پر بیٹھے دیکھ لیا تھا۔ انہوں نے کپتان کو خبر کی۔ کپتان بڑا حیران ہوا کہ سمندر میں کبوتر کہاں سے آ گیا۔ کیونکہ سمندری علاقوں میں نہیں

ہوتے تھے۔ ویسے بھی کھلے سمندر میں کوئی پرندہ دکھائی نہیں دیا کرتا تھا۔ بحری جہاز کے ڈاکوؤں کا سردار لنگڑا تھا اوراس کی ایک ٹانگ لکڑی کی تھی۔ وہ اپنی لکڑی کی ٹانگ ٹیکتا جہاز کے ڈیک پر آ گیا۔ اورغور سے مستول پر بیٹھے کبوتر کو دیکھنے لگا۔ اس نے غرا کر کہا۔ ''یہ کبوتر کہاں سے آ گیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی مسافر جہاز آس پاس موجود ہے۔ یہ کبوتر لازمی اسی جہاز کے کسی مسافر کا ہے۔ جواڑ گیا۔'' کپتان نے حکم دے دیا۔ ''توپوں میں گولے بھر دیئے جائیں۔'' سارے ڈاکو ہوشیار ہو گئے۔ پھر اس نے حکم دیا کہ ''کبوتر کو پکڑ لیا جائے۔''

ناگنی نے کپتان کا حکم سنا نہیں تھا۔ وہ بڑے آرام سے مستول پر بیٹھی سوچ رہی تھی کہ واپس جا کر شاہان کو خبر کرے۔ اوراس جہاز میں اتر کر کوئی ایسی چال چلے کہ جہاز کا رخ آدم خور جزیرے کی طرف موڑ دیا جائے۔ اس کی سمجھ میں کوئی ترکیب نہیں آ رہی تھی۔ آخر اس نے یہی فیصلہ کیا کہ شاہان کو جہاز تک لانے کے بجائے جہاز کا رخ جزیرے کی طرف موڑنے کی کوشش کی جائے۔ یہ سوچ کر ناگنی کبوتر کے روپ میں جہاز میں نیچے اتر آئی۔ ڈیک پر ڈاکو اسے پکڑنے کے لئے تیار کھڑے تھے۔ جونہی ناگنی ڈیک کے تختے پر اتری بحری ڈاکوؤں نے نعرہ لگاتے ہوئے اور شور مچاتے ہوئے ایک باریک جال اس کے اوپر پھینک دیا۔ ناگنی پھڑ پھڑائی۔ اس نے باہر نکلنے کی لاکھ کوشش کی مگر وہ جال میں بری طرح پھنس چکی تھی۔ کپتان نے جال میں ہاتھ ڈال کر ناگنی کو پکڑ کر اپنے ہاتھوں میں دبوچ لیا۔ وہ زور زور سے ہنس رہا تھا اور بڑا خوش تھا۔ جیسے اس نے شیر کو پکڑ لیا ہو۔ ''ہاہاہا یہ کبوتر میں نے پکڑا ہے۔ یہ میرا ہو گیا۔'' پھر اس نے کبوتر باورچی کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔ ''آج دوپہر مجھے اس کبوتر کا شوربہ ملنا چاہئے۔'' باورچی نے کبوتر کو اچھی طرح سے دبوچ لیا اور بولا۔ ''جو حکم سردار۔''

اور وہ کبوتر کے پر باندھ کر اسے اپنے ساتھ نیچے باورچی خانے میں لے گیا تاکہ دوپہر کے کھانے پر کپتان کو اس کا سوپ مل سکے۔ کیونکہ باورچی نے ذبح کرنے کے لئے چھری تیز کرنا شروع کر دی تھی۔ ناگنی نے اپنی کبوتر کی آنکھ سے جال کا جائزہ لیا۔ وہ ناگن بن کر ان میں سے نکل سکتی تھی۔ اسے بہت جلد ہی جال سے نکل جانا چاہئے۔ کیونکہ باورچی چھری تیز کر چکا تھا۔ اوراب کبوتر کو پکڑنے جال کی طرف بڑھنے ہی والا تھا۔ ناگنی نے گہرا سانس لیا۔ اور دوسرے ہی لمحے سبز رنگ کی ناگنی بن کر جال میں سے رینگ کر نکل گئی۔ اور باورچی خانے میں چاول کی بوریوں کے پیچھے جا کر چھپ گئی۔ باورچی کی اس کی طرف پیٹھ تھی۔ اس لئے ناگنی کو ناگن بن کر جال میں سے نکلتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ جب وہ چھری کی دھار دیکھتا ہوا جال کی طرف بڑھا تو کبوتر غائب تھا۔ وہ چونک پڑا۔ ''اوہ کبوتر کون لے گیا؟'' باورچی خانے میں کوئی بھی نہیں تھا۔ کیا کبوتر اڑ گیا ہے۔ مگر کیسے اڑ سکتا تھا۔ وہ تو جال میں تھا۔ باورچی نے جال کو دیکھا۔ وہ کسی جگہ سے بھی پھٹا ہوا نہ تھا۔ پھر کبوتر کیسے جال میں سے نکل گیا۔ باورچی نے کبوتر کو تلاش کیا۔ وہاں کوئی کبوتر ہوتا تو اسے نظر بھی آتا۔ اب وہ خوفزدہ ہو گیا کہ کپتان کو کیا جواب دے گا۔ وہ تو اس کی گردن مار دے گا۔ اس نے ڈرتے ڈرتے دوسرے ڈاکوؤں سے بات کی۔ انہوں نے قہقہہ لگا کر کہا۔ ''ضرور تم خود کبوتر کا سوپ پی گئے ہو۔''

''قسم لے لو میں نے کبوتر کو ہاتھ تک نہیں لگایا۔''

''پھر وہ کہاں چلا گیا؟''

''یہی تو میری سمجھ میں نہیں آتا۔ میرا خیال ہے کہ وہ روشن دان میں سے نکل کر اڑ گیا ہے۔ مگر یہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ جال میں سے وہ کیسے نکل گیا۔'' ہوتے ہوتے یہ بات کپتان کے کانوں تک بھی پہنچ گئی۔ اسے بڑا غصہ آیا کہ کم بخت باورچی اسی کے کبوتر کو خود کھا گیا۔ اس نے باورچی کو طلب کر لیا۔ بے چارہ باورچی کانپتا ہوا اس کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ اور ہاتھ جوڑ کر بولا۔

''جناب میرا کوئی قصور نہیں۔''

''تو پھر کبوتر کون لے گیا۔''

''میں بے گناہ ہوں سردار۔ میں نے کبوتر

شوربہ نہیں پیا۔" کپتان نے خود جا کر باورچی خانے کا جائزہ لیا۔ اور جال کو بڑے غور سے دیکھا۔ اس کے سارے پھندے ویسے کے ویسے تھے۔ کپتان بھی چکر کھا گیا کہ یہ چکر کیا ہے۔ پھر اس نے سر جھٹک کر کہا۔
تم نے بڑی غلطی کی ہے۔ ایک عرصے کے بعد مجھے کبوتر کا سوپ ملنے والا تھا۔ اچھا جاؤ۔ ہم تمہیں معاف کرتے ہیں۔" یہ سننا تھا کہ باورچی نے سلام کیا۔ اور خوشی خوشی باہر نکل گیا۔

ادھر ناگنی باورچی خانے میں بوریوں کے پیچھے کافی دیر تک چھپی رہی۔ وہ یہی سوچ رہی تھی کہ جہاز کو کس طریقے سے جزیرے کی طرف چلنے پر مجبور کیا جائے۔ اتنے میں اسے بھاری قدموں آواز سنائی دی، کوئی ڈاکو چاول کی بوریوں کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ناگنی رینگ کر دیوار کے ساتھ لگی بیٹھی تھی۔ وہ کسی کو کچھ بھی کہنا نہیں چاہتی تھی۔ اتنے میں کسی نے بوری اٹھائی تو ناگنی تیزی سے رینگ کر دوسری بوری کے پاس جانے لگی۔ ڈاکو نے اسے دیکھ لیا۔ "سانپ سانپ سانپ۔" سارے جہاز پر سانپ سانپ کی پکار مچ گئی۔ ہر کوئی اسے مارنے کو لپکا۔ ناگنی کی جان ایک بار پھر پھنس گئی۔ باورچی خانے کا دروازہ کھلا تھا۔ مگر وہاں ڈاکو تلواریں لئے کھڑے تھے۔ اس کے باہر نکلنے کا انتظار کر رہے تھے۔ وہ ذرا باہر نکلتی تو ڈاکوؤں کی تلواریں اس کے ٹکڑے کر دیتی۔ ناگنی نے سوچا کہ اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ وہ کسی طرح یہاں سے جان بچا کر نکل سکے۔ اس نے ایک ہلکی سی پھنکار ماری اور نیلے رنگ کی ننھی سی چڑیا بن کر پھر سے اڑ کر چھت کے ساتھ جا لگی۔ ڈاکوؤں نے ایک نیلی چڑیا کو اڑتے دیکھا تو یہ سمجھے کہ یہ چڑیا کسی جزیرے سے آ کر یہاں پھنسی ہوگی۔ انہوں نے باورچی خانے کا دروازہ کھول دیا۔ اور خود پرے ہٹ گئے تا کہ بیچاری چڑیا باہر نکل سکے۔

ناگنی پھر سے باہر اڑ گئی۔ ڈاکو تلوار لئے سانپ تلاش کرتے رہے اور وہ انہیں کہیں بھی نہ ملا۔ کپتان کو جب پتہ چلا کہ سانپ بھی نہیں مل رہا تو وہ سخت طیش میں آیا اور خود تلوار لے کر باورچی خانے میں آ گیا۔ مگر سانپ اسے بھی نظر نہ آیا۔ ناگنی نیلی چڑیا کے روپ میں جہاز کے مستول پر جا کر بیٹھ گئی۔ اور سوچنے لگی کہ اب کون سا راستہ اختیار کرے پھر وہ نیچے آئی۔ اس نے سوچا کہ کیوں نہ وہ خود کو ایک بحری ڈاکو بن کر جہاز کا رخ جزیرے کی طرف موڑ دے۔ اس میں خطرہ تھا کہ وہ پہچانی جا سکتی تھی۔ سارے ڈاکو ایک دوسرے کو جانتے تھے۔ وقت گزر رہا تھا شام ہوگئی۔ جہاز سمندر میں اپنے شکار کی تلاش میں آگے ہی آگے جا رہا تھا۔ ناگنی نیلی چڑیا کے بھیس میں جہاز کے ڈیک پر ایک طرف جنگلے پر بیٹھی تھی کہ کپتان نے دوربین سے ایک مسافر جہاز کو دیکھ لیا۔ اس نے قہقہہ لگا کر کہا۔ "شکار۔ شکار۔۔۔۔۔ شکار۔"

کوئی بدنصیب مسافر جہاز ان ڈاکوؤں کی زد میں آنے والا تھا۔ ڈاکو ادھر ادھر بھاگنے لگے۔ توپوں کا رخ مسافر جہاز کی طرف کر دیا۔ بحری ڈاکوؤں نے جہاز کا رخ مسافر جہاز کی طرف کر دیا۔ اور اس نے تیزی سے آگے بڑھنا شروع کر دیا۔ ناگنی جنگلے پر بیٹھے یہ سارا تماشہ دیکھ رہی تھی۔ اب وہاں ایک خونی ڈرامہ کھیلا جانے والا تھا۔ یہ ڈاکو مسافر جہاز پر حملہ کر کے مسافروں کو قتل کر دیتے تھے۔ اور ان کا سامان لوٹ کر ان کے جہاز کو آگ لگا دیتے تھے۔

بجلی کی چمک کی طرح ناگنی کے ذہن میں خیال آیا کیوں نہ بحری ڈاکوؤں کے جہاز پر قبضہ کر لیا جائے۔ جب بحری ڈاکو مسافر جہاز پر چھلانگ لگائیں گے تو اس جہاز پر قبضہ کر کے اس کا رخ جزیرے کی طرف موڑ دیا جائے یہ بڑی اچھی ترکیب تھی۔ مگر اس کے لئے بڑی ہوشیاری کی ضرورت تھی۔ جو ناگنی میں موجود تھیں۔ بدنصیب مسافر جہاز قریب آ رہا تھا۔ اس جہاز کے کپتان نے بھی بحری ڈاکوؤں کے جہاز کو دیکھ لیا تھا۔ اور جہاز کا رخ دوسری طرف کر دیا۔ اب دونوں جہازوں کی سمندر میں دوڑ شروع ہوگئی۔ بحری ڈاکوؤں کا جہاز ہلکا تھا۔ اس نے بڑی تیزی سے آگے بڑھتے ہوئے مسافر جہاز کو جا لیا۔ اور پہلا گولا داغا، گولہ جہاز کے مستول کو

چھوتا ہوا گزر گیا۔ بچارے مسافر جہاز پر بھلا کب توپیں لگی تھیں۔ بس وہ آگے آگے بھاگتا ہی رہا۔ مگر کب تک ڈاکو اس کے سر پر پہنچ گئے۔ ان کا جہاز مسافر جہاز کے ساتھ لگ کر چلنے لگا۔ بحری ڈاکو رسوں کو پکڑ کر تیار کھڑے تھے۔ جونہی مسافر جہاز قریب آیا۔ ڈاکو اس پر کود گئے۔ ان کے ساتھ ناگنی بھی مسافر جہاز پر اڑ کر چلی گئی۔ جہاز پر جاتے ہی دنیا کی سب سے زہریلی ناگن کی شکل اختیار کرلی۔ اور ڈیک پر آ گئی۔ مسافر بے چارے نیچے جا کر چھپ گئے تھے۔ ڈاکوؤں نے نیچے جانے والے راستے کو توڑنا شروع کردیا۔

کپتان اپنے جہاز پر کھڑا تلوار لہرا لہرا کر انہیں کہہ رہا تھا۔ ”آگ لگادو۔ آگ لگادو۔“ ڈاکوؤں نے مشعل جلا کر دروازے کو آگ لگانے کی کوشش شروع کردی۔ اس دوران میں ناگنی، ناگن کی شکل میں ان کے پاؤں میں آ گئی تھی۔ اس نے آتے ہی ایک کے بعد ایک اکٹھے سات ڈاکوؤں کو ڈس لیا۔ اس کا زہر اس قدر زبردست تھا کہ ڈستے ہی ڈاکو گر پڑے۔ اور ان کے جسم پھٹ گئے۔ ناگنی نے کتنے ہی ڈاکوؤں کو ہلاک کردیا۔ اب انہوں نے ناگن کو دیکھ لیا تھا۔ وہ تلوار لے کر اسے کاٹنے کو دوڑے۔ ناگنی نے ایک دم سے سانپ کا روپ چھوڑ دیا۔ اور شیرنی بن کر زور سے گرجی اور ڈاکوؤں پر لپک کر کسی کی گردن توڑ دی کسی کو پنجہ مار کر ہلاک کردیا۔ اور کسی کو منہ میں دبوچ کر سمندر میں پھینک دیا۔

کپتان نے جب دیکھا کہ ایک شیر ڈیک پر آ گیا ہے تو دنگ رہ گیا۔ پھر خیال آیا کہ شاید اس جہاز میں کسی سرکس کے لئے شیر بھی لے جایا جا رہا ہوگا۔ اس نے وہیں سے پستول کا فائر کیا۔ مگر شیرنی پر کوئی اثر نہ ہوا۔ اس نے دیکھتے ہی دیکھتے کتنے ہی ڈاکوؤں کو ہلاک کر ڈالا۔ باقی ڈاکوؤں نے سمندر میں چھلانگ لگادی۔ اب ناگنی پھر سے شیرنی کی جگہ نیلی چڑیا بن کر پھر سے دیک کے جنگلے پر جا بیٹھی۔

مسافر جہاز کا کپتان ایک سوراخ میں سے یہ سارا تماشہ دیکھ رہا تھا۔ اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آ رہا تھا کہ یہ شیرنی کہاں سے آ گئی۔ وہ یہ سمجھا کہ ہوسکتا ہے بحری ڈاکو اس شیرنی کو پکڑ کر کہیں لے جا رہے ہو۔ اور وہ آزاد ہوگئی ہو۔ اور اس نے انہی کو ہلاک کرنا شروع کردیا۔ ناگنی اڑ کر ڈاکوؤں کے جہاز پر آ گئی۔ وہاں کپتان پریشان کھڑا تھا اپنے ساتھیوں کو آوازیں دے رہا تھا۔ جو غوطے کھا رہے تھے۔ اور اس کے ساتھ تین ڈاکو اس کی حفاظت کررہے تھے۔ ناگن چڑیا کے روپ میں اس کے پاس آ گئی تھی۔ یہاں اس نے ایک بار پھر ناگن کی شکل اختیار کرلی۔ اور ڈیک پر رینگتی ہوئی کپتان کے پاس آ گئی۔ اسے معلوم تھا کہ کپتان کی لکڑی کی ٹانگ ہے اور کون سی لکڑی کی ٹانگ ہے۔ دوسرے ڈاکو سمندر میں غوطے کھاتے ہوئے اپنے ساتھیوں کو جھک کر دیکھ رہے تھے۔ ناگن نے تیزی سے بڑھ کر کپتان کی اصلی ٹانگ پر ڈس لیا۔ کپتان نے ایک چیخ ماری اور ڈیک پر بے جان پتھر کی طرح گر پڑا۔ اور دوسرے ڈاکوؤں کی طرف لپکی۔ ناگن نے ان میں سے پھر ایک کو ڈسا وہ بھی گرا۔ باقی دو ڈاکوؤں نے سمندر میں چھلانگ لگادیں۔ اب میدان خالی تھا۔

ناگنی ناگن کا روپ بدل کر پھر سے اپنی اصلی حالت میں آ گئی۔ اور لپک کر جہاز کا رخ بدل دیا۔ جہاز نے مسافر جہاز سے ہٹنا شروع کردیا۔ سمندری خاصی تیز چل رہی تھیں۔ بادلوں میں ہوا بھری ہوئی تھی۔ اور ڈاکوؤں کا جہاز دور ہو رہا تھا۔ سمندر میں غوطے کھاتے ڈاکوؤں نے جب دیکھا کہ ان کا کپتان انہیں بے یارومددگار چھوڑ کر واپس جا رہا ہے۔

تو انہوں نے شور مچانا شوع کردیا۔ مگر بہت سمندر میں خونخوار شارک مچھلیاں نمودار ہوئی۔ اور انہوں نے سمندر میں غوطے کھاتے تیرتے شور مچاتے ڈاکوؤں کی تکا بوٹی ایک کردی۔

مسافر جہاز کا کپتان بھی ڈیک پر آ گیا تھا۔ اس نے جب ڈاکوؤں کی تباہی دیکھی اور جہاز کو دور جاتا دیکھا تو بہت خوش ہوا۔ ناگنی اب انسانی شکل میں

اور جہاز کے ڈیک پر کھڑی اسے جنوب مشرق کی طرف جاتے دیکھ رہی تھی۔ جہاں آدم خور جزیرے پر شاہان اس کا انتظار کررہا تھا۔ اچانک ناگنی کو خیال آیا کہ کہیں جہاز کے نیچے کوئی ڈاکو بچا کچا نہ ہو۔ وہ تو پھر اس کے لئے مصیبت بن سکتا تھا۔ چل کر اس سے بھی نمٹ لینا چاہئے۔ ناگنی نیچے جانے والی سیڑھیاں اترنے لگی۔ شام ہورہی تھی زینے میں اندھیرا تھا۔ ناگنی زینہ اتر گئی۔ اور چی خانے میں روشنی تھی۔ شاید باورچی مشعل جلائے اوپر کی تباہی سے بے خبر شام کا کھانا پکا رہا تھا۔

ناگنی آہستہ آہستہ باورچی خانے کے پاس آگئی۔ دروازہ آدھا کھلا تھا۔ اندر سے باورچی کے دیگ میں کفگیر چلانے کی آوازیں آرہی تھیں۔ ناگنی نے باہر سے اسے آواز دی۔ کفگیر کی آواز رک گئی۔ باورچی میلے کپڑے سے ہاتھ صاف کرتا ہوا باہر نکل آیا۔ جونہی دروازے سے اس نے گردن باہر نکالی۔ ناگنی نے اس کی کھوپڑی میں ایک ایسا مکا مارا کہ وہ بے ہوش ہوکر گر پڑا۔ ناگنی جلدی سے اندر گئی۔ باورچی خانہ خالی تھا۔ اس نے ایک رسی لے کر باورچی کے ہاتھ پیر باندھ کر اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس دیا۔

اب اس نے دوسرے کیبن کی تلاشی لی کہ کہیں اور کوئی چھپا ہوا نہ ہو۔ ایک کیبن سے اسے لکڑی پر ہتھوڑا مارنے کی آواز آئی۔ ناگنی نے کیبن کے اندر جھانک کر دیکھا۔ ایک ہٹا کٹا ڈاکو صندوق بند کررہا تھا۔ ناگنی نے سوچا کہ وہ انسانی شکل میں اس بھینسے کا مقابلہ نہیں کرسکے گی۔ پھر وہ ناگن بن کر کیبن میں داخل ہوئی۔ جونہی وہ ڈاکو کے قریب گئی۔ اس نے ناگن کو دیکھ لیا اور تلوار نکال کر ناگنی پر دے ماری۔ یہ ناگنی کی خوش قسمتی تھی کہ تلوار اس سے ایک فٹ کے فاصلے پر جا گری۔ اور لکڑی کے فرش میں گڑ گئی اور ذرا تلوار ادھر پڑتی تو ناگنی کی موت یقینی تھی۔ ناگنی نے بڑی پھرتی سے پہلو بدلا اور اچھل کر ڈالو کے ہاتھ پر ڈس لیا۔ ڈاکو ہاتھ جھٹکنے لگا۔ مگر اسے زیادہ زندہ رہنے کی مہلت نہ مل سکی۔ تیسری بار ہاتھ جھٹکنے کے ساتھ ہی وہ بے جان ہوکر فرش پر گر پڑا اور اس کا جسم پھٹ گیا۔

ناگنی ناگن کا روپ چھوڑ کر پھر سے انسان کی شکل میں آگئی۔ پھر اس نے جہاز کا کونا کونا دیکھ لیا۔ جہاز میں اب اور کوئی ڈاکو نہ تھا۔ اس نے دونوں ڈاکوؤں کو ایک لکڑی کے تختے پر رکھ دیا۔ اور تختہ سمندر میں چھوڑ دیا۔ اب رات کی سیاہی سمندر میں پھیلنے لگی تھی۔ سورج کب کا غروب ہوچکا تھا۔ آسمان پر ابھی تک بادل چھائے ہوئے تھے۔ ان سمندروں میں ساون کی بڑی بڑی جھڑیاں لگتی تھیں۔ اور آسمان کئی کئی دنوں تک بادلوں سے چھپا رہتا تھا۔ طوفان بھی اس زمانے میں آتے تھے۔ سمندر ہر وقت بڑھا ہوا ہوتا تھا۔ ناگنی ان سمندروں میں کئی بار سفر کرچکی تھیں۔ وہ بادبانی جہاز چلانا بھی جانتی تھی۔ اس نے کپتان کے کیبن میں جاکر نقشہ دیکھا۔ اور جہاز کا رخ آدم خور جزیرے کی طرف کردیا۔ اور خود کیبن میں آکر لیٹ گئی۔ وہ سوچ رہی تھی۔ جب وہ خالی جہاز شاہان کے پاس لے کر جائے گی تو وہ کتنا خوش ہوگا۔ اتنا اسے معلوم تھا کہ وہاں سے آدم خوروں کا جزیرہ کافی دور ہے۔ اور جہاز دوسرے روز دوپہر کو کہیں جاکر وہاں پہنچے گا۔ لیکن وہ اس لئے مطمئن تھی کہ شاہان جزیرے پر اس کا انتظار کررہا ہوگا۔ لیکن ادھر معاملہ بگڑ گیا تھا۔

آدم خوروں کے سردار کا بھائی باغی ہوگیا تھا۔ اس نے لڑکی جولیا کو دوبارہ پکڑنے کا منصوبہ بنالیا۔ اور آدھی رات کو اپنے چند آدمیوں کو ساتھ لے کر اس چٹان پر حملہ کردیا۔ جس کے اندر شاہان اور جولیا نے پناہ لے رکھی تھی۔ شاہان پریشان ہوگیا کہ یہ کم بخت آدم خور کہاں سے آگئے۔ جولیا گھبرا گئی۔ بے چاری تھر تھر کانپ رہی تھی۔ شاہان نے اسے تسلی دی اور خود چٹان کے باہر آگیا اور گھات میں بیٹھ گیا۔ جونہی آدم خور آگے بڑھے اس نے فائرنگ شروع کردی۔ دیکھتے دیکھتے چار آدم خور خاک و خون میں تڑپنے لگے۔ باقی ڈر کر بھاگ گئے۔ پچھلی رات انہوں نے پھر حملہ کردیا۔ شاہان نے پھر گولیاں چلا کر دو آدم خور مار ڈالے۔ یوں ساری رات

اسی پریشانی میں گزر گئی۔ صبح ہوئی تو سردار کو اپنے بھائی کی غداری کا علم ہوا۔ وہ خود شاہان کے پاس آیا۔ اس نے ہاتھ باندھ کر معافی مانگی۔ اس کا بھائی جنگل میں مفرور ہو چکا تھا اور خطرہ تھا کہ وہ پھر سے رات کو حملہ کرنے آئے گا۔ شاہان کو صرف اور صرف جولیا کی فکر تھی۔ اس لئے وہ جتنی جلدی ہو سکے اس جزیرے سے نکل جانا چاہتا تھا۔ اس نے سردار سے کہا۔ ''کیا ہماری کشتی تیار ہے؟''

''ہاں حضور تیار ہے۔''

''اسے یہاں لے آؤ۔'' شاہان جولیا کو ساتھ لے کر جزیرے کی مشرقی ساحل کی طرف جانے کا خطرہ مول نہیں لینا چاہتا تھا۔ سردار ابھی تک شاہان کا پجاری بنا ہوا تھا۔ اس نے اسی وقت اپنے آدمیوں کو کشتی لانے کا حکم دے دیا۔ آدم خور تھوڑی ہی دیر میں کشتی لے کر آ گئے۔ یہ ایک بڑی کشتی تھی۔ اوپر بادبان لگا ہوا تھا۔ ایک چھوٹا سا کیبن سونے کے لئے نیچے بھی بنا ہوا تھا۔ آدھے کیبن میں کیلے اور ناریل بھرے ہوئے تھے۔ یہ سمندر میں دس پندرہ دنوں کے لئے خوراک کافی تھی۔ شاہان نے جولیا کو ساتھ لیا اور کشتی میں سوار ہو گیا اب وہ ناگنی کا انتظار نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ جولیا کی زندگی کو خطرہ تھا۔ اس نے سردار کو ہاتھ اٹھا کر خدا حافظ کہا اور کشتی کا لنگر اٹھا لیا۔ ہوا موافق چل رہی تھی۔

کشتی کنارے سے ہٹ کر کھلے سمندر کی طرف بڑھنے لگی۔ شاہان ان سمندروں کا سند باد تھا۔ اسے بہت اچھا اندازہ تھا کہ اس کی منزل کہاں اور کس طرف ہے۔ کشتی دور تک سمندر میں سفر کرتی رہی۔ جولیا نے پوچھا۔ ''کیا ہم ٹھیک راستے پر جا رہے ہیں شاہان۔''

''یہاں سے ملک برما کا ساحل زیادہ دور نہیں ہے۔ ہم دو تین روز میں برما پہنچ جائیں گے۔''

''کیا تمہارا برما جانا ضروری ہے۔'' جولیا نے پوچھا تو شاہان کہنے لگا۔ ''میں تمہیں پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ مجھے بادشاہ سلامت کی امانت انہیں رنگون شہر میں دینی ہے۔ اس کے بعد میں تمہیں لے کر لندن روانہ ہو جاؤں گا۔ یا اگر رنگون سے کوئی جہاز لندن جا رہا ہوا تو میں تمہیں اس جہاز میں سوار کرا دوں گا۔''

جولیا نے جلدی سے کہا۔ ''نہیں نہیں میں اکیلی سفر نہیں کروں گی۔''

''ٹھیک ہے۔ پھر میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔'' ان کی کشتی سمندر میں اپنے آپ ہی آگے بڑھتی جا رہی تھی۔

ادھر دوپہر کے وقت ناگنی کا جہاز آدم خور جزیرے کے ساحل پر چٹان سے ذرا فاصلے پر آن لگا۔ ناگنی نے لنگر سمندر میں ڈال دیا۔ خود کبوتر کا روپ بدل کر اڑ کر ساحل پر آ گئی۔ اور اسی چٹان کے پاس آ کر شاہان کو تلاش کرنے لگی۔ جہاں اس نے شاہان کو ٹھہرنے کے لئے کہا تھا۔ وہاں شاہان نہیں تھا۔ ناگنی نے سمندر کے ساحل کو شروع سے آخر تک چھان مارا۔ بحری جہاز کو آدم خوروں نے بھی دیکھ لیا تھا۔ سردار کو خبر دی گئی کہ ایک جہاز جزیرے کے پاس آ کر کھڑا ہوا ہے۔ سردار بڑا خوش ہوا۔ وہ یہی سمجھا کہ دیوتا اس پر مہربان ہو گئے ہیں۔ کیونکہ اس نے سمندر کے دیوتا کے حکم پر سفید عورت کو رہا کر دیا تھا۔

اب وہ جی بھر کر جہاز کو لوٹے گا۔ اور مسافروں کو بھون بھون کر کئی دنوں تک کھائے گا۔ کیا پتا کوئی سفید گوشت والا بھی انسان مل جائے۔ گوشت ان آدم خوروں کو سال میں اور کبھی دو سال میں ایک آدھ بار ہی ملا کرتا تھا۔ اس نے اپنے آدم خوروں کو حکم دے دیا کہ جہاز پر حملہ کر دیا جائے۔ سارے کے سارے آدم خور نیزے لہراتے کلکاریاں چلاتے جنگل سے نکل کر سمندر کنارے کھڑی کشتیوں میں آ کر بیٹھ گئے۔ اور جلدی جلدی جہاز کی طرف بڑھنے لگے۔ ناگنی کبوتر بن کر ان کے اوپر سے اڑتے ہوئے یہ سارا ڈرامہ تعجب سے دیکھ رہی تھی۔ حیران تھی کہ شاہان کہاں چلا گیا۔ آدم خوروں نے اپنی چھوٹی کشتیاں بحری جہاز کے ساتھ لگا دیں۔ اور

ایک کر اوپر چڑھ گئے۔ وہ چیخ رہے تھے چلا رہے تھے۔ نعرے لگا رہے تھے۔ وہ سارے جہاز میں گھوم گئے۔ انہیں وہاں کوئی انسان نہ ملا۔ بڑے حیران ہوئے کہ یہ کیسا جہاز ہے۔ کہ جس میں ایک بھی مسافر نہیں ہے۔ تو کیا یہ جہاز خالی ہے ار ہوا اسے اٹھا کر جزیرے پر لے آئی ہے۔

سردار نے ڈیک پر کھڑے ہو کر جہاز کے بادبان کو دیکھا اور کہا۔ ''یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جہاز کو لنگر ڈال کر کھڑا کیا گیا ہو۔

اور جہاز پر کوئی انسان بھی نہ ہو۔ آخر وہ انسان کہاں ہے؟ جس نے لنگر ڈالا تھا۔'' اس طرف کسی کا دھیان ہی نہیں گیا تھا۔ جہاز کی ایک بار پھر تلاشی لی گئی۔ ان جہاز میں کوئی انسان نہ ملا۔ جہاز بالکل خالی تھا۔ سردار نے حکم دیا۔ ''جہاز کو آگ لگا دی جائے۔''

اب ناگنی پریشان ہوئی کہ ایک ہی جہاز اس کے پاس تھا۔ جس پر سوار ہو کر وہ سمندر میں سفر بھی کر سکتی تھی۔ اور شاہان کو بھی تلاش کر سکتی تھی۔ اگر انہوں نے اسے بھی جلا ڈالا تو اسے اتنا اچھا جہاز کہاں ملے گا۔

آدم خور وحشیوں نے تیروں اور نیزوں کو آگ لگا کر جہاز میں پھینکنا شروع کر دیا اس زمانے میں جہاز اور پیندے بھی لکڑی کے ہوا کرتے تھے۔ جہاز کو آگ لگ گئی۔ دو ایک جگہوں سے جہاز کا پیندہ جل چکا تھا۔ ناگنی بڑی تیزی سے پانی میں غوطہ لگا کر جہاز کے اوپر آ گئی۔ وہاں جاتے ہی اس نے انسانی شکل اختیار کر لی۔ آدم خوروں نے جہاز کے ڈیک پر ایک انسان کو دیکھا تو انہوں نے شور مچانا شروع کر دیا۔

سردار نے ساحل پر کھڑے کھڑے ناگنی کو دیکھ لیا اس نے چیخ کر کہا۔ ''اسے زندہ پکڑ کر لاؤ۔'' آدم خوروں نے جہاز پر کمندیں پھینک کر جہاز پر چڑھنا شروع کر دیا۔

ناگنی نے لنگر اٹھا دیا۔ جہاز کے بادبان کھول دیئے۔ جہاز نے کھلے سمندر کی طرف چلنا شروع کر دیا۔

اس دوران میں چھ سات آدم خور جہاز کے ڈیک پر چڑھ آئے تھے۔ باقی کشتیاں لے کر جہاز کے ساتھ ساتھ نعرے لگاتے نیزے لہراتے جا رہے تھے۔ آدم خوروں نے ناگنی کو بادبانوں کے بڑے مستول کے پاس دیکھا تو اس پر نیزے پھینکے لیکن ناگنی پھر سے کبوتر بن کر جہاز کے مستول کے اوپر جا کر بیٹھ گئی۔

آدم خوروں نے جو ایک انسان کو اچانک غائب ہو کر کبوتر بنتے دیکھا تو خوف سے کانپنے لگے۔ وہ چیختے چلاتے سمندر میں کود گئے۔ اور اپنے ساتھیوں کی طرف ہاتھ ہلا ہلا کر شور مچانے لگے۔ ''بھوت بھوت بھوت جہاز پر بھوت ہے۔'' ویسے وحشی لوگ بہت کمزور دل کے ہوتے ہیں۔ بھوت چڑیلوں سے بہت خوف کھاتے ہیں۔ بھوت کا نام سن کر باقی آدم خور کشتیاں لے کر واپس جزیرے کی طرف دوڑے۔ ناگنی دوبارہ انسان کی شکل میں جہاز کے ڈیک پر آ گئی اور آدم خوروں کی طرف دیکھ کر ہاتھ ہلانے اور مسکرانے لگی۔ جزیرے سے کافی آگے نکل کر ناگنی نے بیچ سمندر میں جہاز کا لنگر ڈال دیا۔ وہ شاہان کو تلاش کئے بغیر جزیرے سے کیسے واپس جا سکتی تھی۔ اسے صرف ایک ہی خطرہ تھا کہ شاہان کہیں جزیرے کے کسی ایسے گڑھے میں نہ گر گیا ہو۔ جو یہ جنگلی لوگ شیر ہاتھی کو پکڑنے کے لئے بناتے ہیں۔ شاہان مر تو نہیں سکتا تھا مگر ایک کنویں جتنے گہرے گڑھے سے وہ بغیر کسی مدد کے باہر نہیں نکل سکتا تھا اس لئے جزیرے کے جنگل کی تلاش ضروری تھی۔ یہ کام ناگنی شام ہونے سے پہلے پہلے کرنا چاہتی تھی۔ کیونکہ اندھیرے میں وہ کچھ نہیں کر سکتی تھی۔

جہاز کو سمندر میں کھڑا کرنے کے بعد ناگنی نے کبوتر کا روپ بدلا اور ہوا میں اڑتی ہوئی جزیرے میں آ گئی۔ وہ چٹانوں کے پاس زمین پر اتر آئی۔ وہاں سے آدم خور جنگل میں جا چکے تھے۔ ان کی چھوٹی کشتیاں دور مغربی ساحل پر بندھی ہوئی تھیں۔ ناگنی انسانی شکل میں آ گئی۔ اس نے ساری چٹانوں کو ایک بار پھر دیکھا۔ اس

کے غاروں میں جا کر شاہان کو کافی آوازیں دیں۔ جب اسے یقین ہوگیا کہ شاہان یہاں نہیں ہے تو وہ جنگل میں داخل ہوگئی۔ اتنے گھنے جنگل اس نے جنوبی افریقہ میں دیکھے تھے۔ آگے گزرنے کا کوئی راستہ نہ تھا۔ پھر بھی وہ کسی نہ کسی طرح آگے بڑھتا چلا گیا۔ وہ گھاس اور جنگلی جھاڑیوں میں چھپی ہوئی زمین کو بڑے غور سے دیکھ رہی تھی کہ کہیں کوئی گڑھا تو کھدا ہوا نہیں ہے۔ اس نے ایک دو جگہوں پر شاہان کو آواز بھی دی۔ جنگل سنسان تھا۔ کوئی جواب نہ آیا۔

ناگنی جنگل میں آگے بڑھتی ہی چلی گئی۔ اب جنگل زیادہ بڑا ہوگیا تھا۔ درختوں کی شاخیں زمین کو چھو رہی تھی۔

اچانک ایک درخت پر سے بہت بڑا سانپ اچھل کر ناگنی کے اوپر آن گرا اور اس نے گرتے ہی ناگنی کی گردن پر ڈس لیا۔ ناگنی وہیں رک گئی۔ اس نے سانپ کی طرف دیکھا۔ یہ سبز رنگ کا بہت ہی زہریلا سانپ تھا اور اس کا کاٹا پانی ہی نہیں مانگتا تھا۔ ناگنی نے زور سے سانپ کو پاؤں کی ٹھوکر ماری اور کہا۔ ”تمہاری یہ جرأت“ اب جو سانپ نے ناگنی کی طرف دیکھا تو تھر تھر کانپنے لگا۔ اپنا سر زمین پر ڈال دیا۔ اور اپنا ماتھا ناگنی کے قدموں پر رگڑنا شروع کر دیا۔ وہ اپنی زبان میں بار بار ناگنی سے یہی کہہ رہا تھا۔ ”اے عظیم ناگنی دیوی۔ معاف کر دو۔ مجھ سے بھول ہوگئی۔ مجھے معاف کر دو۔ مجھ سے غلطی ہوگئی۔“

ناگنی نے کہا۔ ”تمہیں معلوم نہیں تھا کہ میں کون ہوں؟“

سانپ نے اپنا سر زمین پر پٹختے ہوئے کہا۔ ”عظیم ناگنی دیوی کہ میری بدقسمتی کہ میں دھوکا کھا گیا۔ نہیں تو دنیا کا کوئی سانپ یہ جرأت کر سکتا ہے کہ وہ ناگنی دیوی پر حملہ کرے۔ مجھے معاف کر دو۔ مجھے معاف کر دو۔“

ناگن نے کہا۔ ”معافی ہماری دنیا میں نہیں ہوتی۔ یہ تم بھی جانتے ہو۔ جب تم پر کوئی حملہ کرتا ہے۔ انسان یا جانور تو تم بھی اسے معاف نہیں کرتے۔ اس لئے تمہیں بھی معاف نہیں کیا جا سکتا۔“

”رحم۔ رحم۔ رحم۔ ناگنی دیوی۔ رحم۔“ سانپ گڑگڑانے لگا۔ مگر ناگنی نے سانپ کی طرف انگلی اٹھا دی تھی۔ اس کی انگلی کا اٹھنا تھا کہ سانپ کے تن بدن میں جیسے آگ لگ گئی۔ وہ زمین پر تڑپ تڑپ کر لوٹنے کھانے لگا۔ دیکھتے دیکھتے اس کے جسم کی کھال پھٹ گئی۔ اور وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بکھر گیا۔ اور ٹھنڈا ہوگیا۔ ناگنی اپنے مشن پر پھر آگے روانہ ہوئی۔ چلتے چلتے اس کا پاؤں ایک جگہ پھسلا اور وہ دھڑام سے ایک گہرے گڑھے میں گر پڑی۔ یہ گڑھا آدم خوروں نے شیر پکڑنے کے لئے بنایا تھا۔ اس کے اوپر بانس کی پتلی اور کمزور چھت ڈال کر اوپر گھاس بکھیر دی تھی۔ گڑھے میں گرتے ہی ناگنی کو سب سے پہلے شاہان کا خیال آیا کہ کہیں وہ بھی اسی گڑھے میں گرا پڑا ہو۔ اس نے آواز دی۔ ”شاہان شاہان“ پر وہاں اس کے سوا کوئی بھی نہ تھا۔

ناگنی کے لئے وہاں سے نکلنا کوئی مشکل کام نہ تھا۔ وہ پھر سے کبوتر بن کر اڑتے ہوئے گڑھے سے نکل آئی۔ اب اس نے خیال کیا کہ کیوں نہ کبوتر بن کر جنگل سے گزرے۔ مگر اس میں خطرہ تھا کہ کوئی درندہ اسے چیر پھاڑ کر کھا نہ جائیں۔

ویسے بھی وہ کبوتر بن کر جنگل کو اچھی طرح کھنگال سکتی تھی۔ ناگنی پھر سے انسان کی شکل میں آ گئی۔ اب جنگل اتنا گھنا نہیں رہا تھا کہ گزرنے کا راستہ بھی نہ ہو۔ اب وہ درختوں کے نیچے سے آسانی سے جا سکتی تھی۔

چلتے چلتے ناگنی تھک گئی۔ وہ ایک درخت کے نیچے ذرا سانس لینے کو بیٹھ گئی۔ پھر تھوڑی ہی دیر بعد نیند آ گئی۔ اس نے سوچا کہ اگر کچھ دیر آرام کر لے تو بہتر رہے گا۔ وہ درخت سے ٹیک لگا کر سو گئی۔ سوئے ہوئے جانے کتنی دیر گزر گئی تھی کہ ایکا ایکی یوں لگا جیسے کوئی اس کے قریب زور زور سے سانس لے رہا ہے۔ اور ناگنی کی آنکھ کھل گئی۔

(جاری)



# خونی مچھلیاں

محمد شعیب۔فیصل آباد

**ایک طویل عرصہ سے منجمد پانی میں اچانک ارتعاش پیدا ہوا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے پانی میں لہریں پیدا ہوئیں اور پانی آگے کو بڑھتے ہوئے ایک مخصوص دائرہ تک پھیل گیا اور اس کے بعد......**

دل ودماغ کوخوف وہراس کے شکنجے میں جکڑتے ہوئی عجیب وغریب دہشت ناک کہانی

**رات** کا جانے کون سا پہر تھا؟ ماحول میں ہر سو ...ا تھا لیکن وہ اس وقت بھی اپنے آفس میں اپنی ٹیبل ...مین سامنے بیٹھا ایک موٹی سی پرانی کتاب میں ...ے کیا تلاش کر رہا تھا۔ نظروں سے ایک ایک سطر کو ...ار کر اگلے صفحے پر جانے کے لئے اسے بمشکل دو منٹ ...رہے تھے۔ اس کے سامنے ہی صوفے پر بیٹھی عالیہ ...ٹاپ کو آن کئے ورلڈ اولڈ لائبریری کی ویب سائیٹ آن کئے ہوئے تھی۔ اس نے ایک نظر ایم اے توقیر کی جانب دیکھا تو اسے مبہوت اپنے کام میں محو پایا۔

”توبہ ہے! مجھے آئے ہوئے پانچ گھنٹے بیت چکے ہیں مگر مجال ہے جو کہ ان پرانی سی بھدی کتابوں سے اپنا چہرہ ایک پل کے لئے بھی ہٹایا ہو۔“ اس نے دل جلے لہجے میں زیر لب کہا اور جب نگاہ اپنے لیپ ٹاپ پر گئی تو وہ اور تپ گئی۔ گھورتے ہوئے لیپ ٹاپ کی

اسکرین کی طرف دیکھا۔

"اور تو اور مجھے بھی اسی کام میں لگا دیا۔۔ جانے کون سی کتاب ہے جو ڈھونڈ رہے ہیں؟"۔۔۔ اس نے منہ بسور کر اسکرول بار نیچے کرنا شروع کی اور ایک ہاتھ رانوں پر رکھ کر اونگھنا شروع کر دیا۔ غنودگی نے جیسے ہی پر پھیلائے تو ایک آواز سے وہ بری طرح چونکی اور تقریباً گرتے گرتے بچی تھی۔ یہ فون کے رنگ کی آواز تھی۔ اس نے سامنے دیکھا تو ایم اے توقیر کسی کا فون سن رہا تھا۔

"اُف۔۔!!" اس نے مٹھیاں بھینچتے ہوئے اپنے غصے کو ضبط کیا اگر اسے اپنا کام نہ ہوتا تو یقیناً وہ یہاں سے نو دو گیارہ ہو چکی ہوتی۔

"ٹھیک ہے۔۔ ہم صبح تک پہنچتے ہیں آپ کے پاس۔۔" یہ کہہ کر اس نے کریڈل پر ریسور رکھا اور وہ بھدی سی پرانی کتاب جو یقیناً عالیہ کے نزدیک ایسی ہی تھی، کو بند کیا۔ رولنگ چیئر کا رخ پچھلی سائیڈ پر کھڑکی کے ساتھ الماری کی طرف گھمایا، وہاں سے اپنی گلاسز اور ایک خالی شیشی اٹھائی اور واپس پلٹا کھا کر اٹھا۔

"عالیہ۔۔ تمہاری آفس سے کتنے دن کی چھٹیاں ہیں؟" اس نے وارڈروب کی طرف بڑھتے ہوئے پوچھا تھا۔

"سر چار دن کی۔۔" اس نے اکتائے ہوئے لہجے میں جواب دیا تھا۔ ایم اے توقیر نے پلٹ کر عالیہ کی طرف دیکھا اور پھر ہلکا سا مسکرا دیا۔ واپس وارڈ روب کی طرف رخ کیا اور اندر سے ویسا ہی جوڑا نکالا جو زیب تن کئے ہوئے تھا۔ یعنی سیاہ چست لباس جو سینے کے ابھاروں اور بازوؤں کے مسل کو ظاہر کرے۔

"تو پھر ٹھیک ہے، اپنا لیپ ٹاپ بند کرو اور تیار ہو جاؤ۔۔ آج کی مہم تمہارے ساتھ سر ہو گی۔" فقط اتنا کہا اور واش روم میں جا کر اپنا لباس تبدیل کیا۔ عالیہ توقیر کے اس جملے کو نہ سمجھ سکی اور الجھے الجھے لہجے میں کھڑی ہوئی۔ لیپ ٹاپ کو شٹ ڈاؤن کیا اور توقیر کے واپس آنے پر اس کی طرف رخ کیا۔

"کیا مطلب تھا سر آپ کا؟ میں سمجھی نہیں۔۔"

جسے وہ اپنا سر کہہ رہی تھی وہ بمشکل اس سے پانچ سال بڑا ہو گا۔ خوبرو، خوش شکل نوجوان سیاہ لبادے میں ہر ا... کی پسند تھا۔ چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ وہ ا... کی جانب دیکھنے لگا۔

"تم یہاں اسٹوری سننے آئی تھی ناں۔۔۔ اب میں سوچ رہا ہوں تمہیں اسٹوری سنانے کی بجائے اسٹوری دکھاؤں۔۔" وہ ابھی الجھی نگاہوں سے ت... کی طرف دیکھ رہی تھی۔ جبکہ اس نے ٹیبل کی طرف بڑھ کر کچھ فائلوں کو اٹھایا اور اسے عالیہ کو تھما دیا... دروازے کی جانب بڑھا

"مطلب؟" وہ وہیں ایستادہ تھی۔

"مطلب یہ کہ ہم شہر سے باہر ایک گاؤں سند... باد جا رہے ہیں۔ وہاں کے لوگوں کو کچھ پرابلم فیس کر... رہی ہے بس اسے ہی حل کرنا ہے" اب عالیہ سب... چکی تھی۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ ابھری اور... کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔ کمرہ مقفل کر دیا گیا تھا... ایک پرچھائی بند کمرے میں ظاہر ہوئی تھی۔ جو آناً فاناً میں تحلیل ہو گئی۔

سندل باد شہر سے باہر ایک پرسکون گاؤں ت... جس کے باسی پرسکون زندگی بسر کر رہے تھے۔ موسم کے موافق تھا۔ نہ گرمی نہ سردی۔ شور و غل سے دور... تک کوئی واسطہ نہیں۔ ہر فرد اپنی اپنی زندگی سے ... تھا۔ کسی کو کسی سے کوئی شکوہ شکایت نہ تھی۔ گاؤں... چودھری بھی اپنے گاؤں کا معاملہ بہت اچھے سنبھالے ہوئے تھا مگر کہتے ہیں ناں جہاں خوشیاں... وہاں غم لازمی ہوتے ہیں۔ اسی طرح اس گاؤں کی قسم... بھی ایک ہولناک دلدل سے جڑی ہوئی تھی۔ جس کا پانی سب کے لئے وبال جان تھا۔ گاؤں کے مغربی جانب جہاں ہر روز سورج گھنے جنگل میں اپنی کرن... آغوش میں سمیٹتا ہوا دنیا کے دوسرے کنارے طلوع... تھا۔ وہیں ایک گدلے پانی کا دلدل تھا۔ جس میں عجیب غریب مخلوق آباد تھی۔ جو نظر آنے میں ہو بہو مچھلیاں... طرح تھیں مگر خصلت میں کسی آدم خور درندے سے... تھیں۔ ایک بار کسی ذی روح کا خون چکھ لیتیں۔ اس...

ہم کو فنا کیے بغیر نہ چھوڑتیں۔ وہ شخص اگر دنیا کے دوسرے کنارے بھی جاکر پناہ لے لیتا تب بھی گدلے پانی کی مچھلیاں اسے آدبوچتیں۔ اسی خوف سے گاؤں کے چودھری نے جنگل کے اطراف ایک حفاظتی باڑ لگوادی اور ہر کسی کا وہاں داخلہ ممنوع قرار دے دیا مگر کہتے ہیں ناں موت ہمیشہ پیچھا کرتی ہے۔ جس کی موت جہاں لکھی ہوتی ہے، وہ اس جانب کھچا چلا جاتا ہے۔ یہی یہاں کے باسیوں کے ساتھ ہورہا تھا۔

جہان پچیس سالہ ایک خوش شکل نوجوان تھا۔ پچھلے برس ہی اس کا نکاح اپنی کزن سہانی سے ہوا۔ ان دونوں میاں بیوی کے علاوہ گھر میں جہان کا بوڑھا باپ اور بیوہ بھابھی اپنے دو بچوں رمشا اور عثمان سمیت رہتی تھی۔ جہان ایک ٹرک ڈرائیور تھا اور جو گاؤں کی لکڑیاں شہر لے جانے کا کام کرتا تھا اور اس کے لئے اس کا گزر روزانہ جنگل سے منسلک سڑک سے ہوتا۔ وہاں سے گزرتے ہوئے اس کے جسم میں عجیب سی سنسنی سرایت کرجاتی۔ گاؤں والوں کی باتیں اور چودھری کا حکم اس کی سماعت میں گونجتا۔

”خبردار! اگر کسی نے بھی اس باڑ کو پھلانگنے کی کوشش کی کیونکہ اس باڑ کے اس پار صرف موت ہے“ وہ اس وقت تقریباً پانچ سال کا تھا۔ اپنے باپ کے ساتھ وہ بھی باڑ لگانے میں شریک تھا جب چودھری نے یہ حکم نامہ جاری کیا تھا۔ وہ مبہم سے الفاظ آج بھی اس کی سماعت سے ٹکراتے تھے۔

”کیا بابو! کن فرسودہ باتوں کو لے کر بیٹھ گئے آپ۔۔ ان باتوں کو تو زمانہ بیت گیا اور آپ آج بھی اس واقعے کو سچ مان رہے ہیں۔۔“ ایک روز جنگل کے عین سامنے جہان کے ٹرک کا ٹائر پنکچر ہوگیا۔ اس کا ساتھی ڈرائیور بھی اس کے ساتھ پنکچر والا ٹائر تبدیل کرنے میں مدد کررہا تھا جب اس نے باڑ کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

”نہیں چھادے! یہ سب فرسودہ باتیں نہیں ہیں۔ سب حقیقت ہے۔ میں جب چار سال کا تھا جب گاؤں کے کئی لوگ اس جنگل میں موجود گدلے پانی کی مچھلیوں کا شکار ہوئے تھے۔“ جہان کو جیسے وحشت نے آگھیرا تھا۔ آنکھیں یک ٹک باڑ کو گھور رہی تھیں۔ ہاتھ بھی ہوا میں پل بھر کے لئے ساکت ہوگئے۔ اسے ایسا محسوس ہوا جیسے ابھی وہ مچھلیاں گدلے پانی سے نکل کر باہر آئیں گی اور باڑ کو عبور کرنے کے بعد اس کے جسم کی تکا بوٹی بنا ڈالیں گی۔ اس نے جھرجھری لیتے ہوئے اپنی نگاہیں باڑ سے ہٹا کر ٹائر کی طرف ٹکائیں۔

”اچھا بابو۔۔!! تو اس واقعے کو کتنے برس بیت گئے؟“ چھادے نے پوچھا

”تقریباً اکیس سال۔۔“ اندازہ لگاتے ہوئے دھیمے لہجے میں جواب دیا

”اس کا مطلب میرے جنم سے بھی پانچ سال پہلے کی بات ہے۔۔“ وہ کچھ سوچتے ہوئے دھیرے سے بولا تھا اور پھر استہزائیہ انداز میں گردن جھٹک دی۔

”ہاں تیرے جنم دن سے بھی۔۔ اور یہ تیرے ذہن میں آج اس جنگل کا خیال کیونکر آگیا؟“ اچھنبے لہجے میں یک دم اس نے استفسار کیا

”بس ویسے ہی صاحب۔۔!!“ اس نے بے نیازی سے شانے اچکائے اور پھر ٹائر تبدیل کرنے دینے کے بعد کپڑے جھاڑتے ہوئے دونوں کھڑے ہوئے اور واپس ڈرائیونگ سیٹ پر آبیٹھے۔ جہان نے ٹرک اسٹارٹ کیا تو چھادا برجستہ گویا ہوا۔

”ویسے صاحب! یہ جنگل بھی تو کتنا گھنا ہے اور پھر یہاں کی لکڑیاں کوئی کاٹتا بھی نہیں۔۔ کیوں ناں ہم اس جنگل کی بھی لکڑیاں کاٹ کر شہر لے جایا کریں۔۔ یوں ہماری آمدنی میں بھی اضافہ ہوجائے اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوگی۔“ وہ پرجوش انداز میں گویا ہوا۔ اس کے چہرے پر خوشی کی ایک لہر تھی جسے دیکھ کر جہان کے چہرے پر خوف کی ایک لہر امڈ آئی۔ وہ چھادے کی بات پر حیران و پریشان تھا جبکہ وہ اپنے جواب کا منتظر تھا۔

”بتائیے ناں بابو۔۔ کیسا ہے میرا آئیڈیا؟“ وہ ابرو اچکاتے ہوئے دوبارہ گویا ہوا۔

”بہت ہی بکواس آئیڈیا ہے تیرا اور تیرے ذہن

میں ایسا بے کار آئیڈیا آیا بھی کیسے؟ کیا تُو نہیں جانتا کہ وہاں۔۔'' اس سے پہلے کہ وہ اپنا جملہ مکمل کرتا چھادے نے مداخلت کی۔

''وہاں موت بستی ہے۔۔۔'' اس نے عجلت کے ساتھ کہا تو جہان نے ترچھی نگاہوں سے اس کے پورے وجود کو ٹٹولا۔

''یہی کہنا چاہتے تھے ناں آپ؟ لیکن بابو۔۔ہم اُس گدلے پانی کے پاس تھوڑی جائیں گے؟ ہم تو صرف جنگل کے کنارے کنارے سے درخت کی لکڑیاں کاٹیں گے۔'' وہ اپنی ضد پر اڑا رہا مگر جہان نہ مانا۔ ایک نظر باڑ کے اس پار ڈالی تو موت کو دندناتا ہوا پایا۔ جھرجھری لیتے ہوئے چھادے کو جھڑکا اور وہاں سے چل دیا۔

کچھ دن ایسے ہی گزر گئے۔ پھر ایک دن سندل باد میں خوب بارش ہوئی۔ زمین نے خوب سیر ہو کر پانی پیا لیکن جب پانی حد سے تجاوز کر گیا تو اس نے وہی پانی ابلنا شروع کر دیا۔ ہر جگہ پانی ہی پانی تھا۔ آنے جانے والوں کو مشکلات کا سامنا تھا لیکن قدرت کے کاموں میں بھلا کون عمل دخل کر سکتا تھا۔ سب سورج کی نرم گرم کرنوں کے منتظر تھے مگر سورج تھا کہ کسی نئی نویلی دلہن کی طرح اپنے آپ کو بادلوں کی اوٹ میں چھپائے ہوئے تھا۔ ایسے میں جہان کے گھر میں بھی فاقوں نے ڈیرے جمانا شروع کر دیئے۔ ہفتے بھر کی طوفانی بارش کے بعد لکڑیوں میں ایسی نمی سمائی کہ مہینہ بھر کی دھوپ کے بعد بھی نہ سوکھیں۔ ادھر سہانی کی طبیعت بھی کچھ ناساز گار رہنے لگی۔ پیسے دن بدن ختم ہونے لگے۔ تبھی اس کے ذہن میں چھادے کی بات گونجی۔

''ہم تو صرف جنگل کے کنارے کنارے سے درخت کی لکڑیاں کاٹیں گے'' وہ اسی وقت اٹھا اور چھادے کے ساتھ باڑ کے پاس جا پہنچا۔ چھادا انتہائی خوش تھا۔

''کیا ہم صحیح کر رہے ہیں؟'' جہان کی زبان پر لرزہ طاری تھا۔

''جی بالکل بابو جی۔۔ چلیے آپ۔۔ اندر جا کر لکڑیاں کاٹیں۔ میں باہر کھڑا ہو کر دیکھتا ہوں کوئی آ تو نہیں رہا۔'' چھادے کے کہنے پر اس نے لرزتے قدموں کو ا کی طرف بڑھایا اور دھیرے سے باڑ کو چھوا تو ایک سنسنی ا کے جسم میں دوڑ گئی۔ آنکھیں یک ٹک بس جنگل کے اند جھانک رہی تھیں۔ جہاں سے موت کسی بھی وقت ا آدبوچ سکتی تھی مگر اس نے اپنے خیالوں کو کچھ دیر کے ضبط کیا اور اندر داخل ہوا۔ چھادے نے آگے بڑھ کر کلہا پکڑا دیا تو جہان نے لکڑیاں کاٹنا شروع کر دیں۔

ادھر یہ لکڑیاں کاٹ رہا تھا۔ ادھر گدلے پانی م موجود مچھلیاں انسانی خوشبو محسوس کر چکی تھیں۔ پور گدلے پانی میں ہلچل مچ گئی۔ ساکت پانی یک دم جو مارنے لگا۔ پانی خود بخود ابلنا شروع ہو گیا۔ ایک جھٹکے کچھ پانی دلدل سے باہر آیا اور دھیرے سے زمین پ سانپ کی مانند رینگتے ہوئے آگے بڑھنے لگا۔ آسمان بھی یک دم تیور بدلنا شروع کر دیئے۔ بادلوں کا ایک جھنڈ سیدھا جنگل کی طرف بڑھنے لگا۔ روشنی دھیر دھیرے مدھم ہوتی چلی گئی جبکہ جہان اپنے کام مشغول رہا۔ پانی مسلسل بہتا جا رہا تھا۔

چھادا باڑ کے دوسری جانب کھڑا گاؤں راستے کی طرف دیکھ رہا تھا جو آج غیر معمولی طو سنسان تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے گرمیوں کی سخت دو اور ہر کوئی لو سے بچنے کی خاطر اپنے گھروں میں دبک بیٹھ گیا ہو۔ گدلا پانی جہان کے بالکل قریب پہنچ کر ا کے لئے ساکت ہوا اور کسی اژدھے کی مانند پھن پھیلا جہان کو تکنے لگا۔ اس کے گھورنے کی دیر تھی کہ آسمان مزید گہری ہو گئی۔ جہان نے اپنے ہاتھوں کو روک آسمان کی طرف دیکھا تو دل میں ایک وحشت نے لیا۔ دل نے کہا کہ ابھی واپس چلا جائے۔

مگر چھادے نے کام مکمل کرنے پر زور اب تک وہ ایک درخت کاٹ چکا تھا۔ دوسرا کاٹنا ش کیا تھا۔ سانسیں بری طرح اتھل پتھل ہو رہی تھ پانی دوبارہ جہان کی طرف بڑھنے لگا اور اس کے قد میں پھیل گیا۔ جہان اس بات سے بے خبر کہ موت کے سر پر پہنچ چکی ہے لکڑیاں کاٹنے میں مصروف رہا

یک دم آسمان پر زوروں سے بادل گرجا تو جہان بری طرح کانپ گیا جس بنا پر کلہاڑے کی ضرب صحیح جگہ پر نہ لگی اور اس کی انگلی میں درخت کی چھال بری طرح پھنس گئی۔ خون کی ایک فوار نکلی اور ایک قطرہ زمین پر جا گرا۔ چھادا جو کچھ دیر پہلے تک گاؤں کے راستے پر نظر جمائے ہوئے تھا۔ جہان کی انگلی سے خون نکلتا دیکھ کر مسکرایا۔ اس کے چہرے پر شیطانی ہنسی اٹھ آئی۔ نظریں قدموں میں گرے قطرے پر گئیں۔ جسے گدلے پانی نے اپنے اندر سمیٹ لیا اور پھر تیزی کے ساتھ واپس پلٹنے لگا۔ جہان بری طرح تڑپ رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے کسی نے اس کی انگلی کو بری طرح چیر دیا ہوا اور پھر ان زخموں پر نمک چھڑک دیا ہو۔ اس نے تڑپتے ہوئے چھادے کی طرف دیکھا تو یہ دیکھ کر پیچھے کی جانب لڑھک گیا کہ وہاں دور دور تک کوئی آدم زاد نہیں۔ وہ تن تنہا اس خراب موسم میں جنگل کے پاس کھڑا تھا۔ سانسیں اتھل پتھل ہونا شروع ہوگئیں۔ اس نے لرزتے لبوں کے ساتھ چھادے کا نام لیا مگر وہ تو جیسے ہوا میں تحلیل ہو چکا تھا۔ اس کے جسم میں بری طرح لرزہ طاری ہوا۔ اس نے اپنی انگلی کی طرف دیکھا تو خون ابھی تک بہہ رہا تھا۔ سرسری نگاہ پیچھے گدلے پانی کی طرف گئیں تو آنکھیں ساکت رہ گئیں۔ خون کا ایک قطرہ گدلے پانی کے سنگ بہتا ہوا نظر آیا۔ وہ لمحہ بھر کے لئے پتھرا سا گیا تھا۔

''ابا۔۔۔'' وہ چیخا اور جھٹ اٹھ کھڑا ہوا اور گرتا پڑتا واپس گاؤں پہنچا۔ گھر پہنچتے پر اس کا جسم پسینے میں بری طرح شرابور تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی نے پانی کے نل کھول دیئے ہوں۔ پسینہ ٹپ ٹپ گرتا جا رہا تھا۔

''کیا ہوا جہان؟ ایسے کیوں ہانپ رہے ہو؟ سب کچھ ٹھیک تو ہے ناں؟'' اس کی بھابھی نے جہان کو اس حال میں دیکھا تو فکرمندی کے ساتھ پوچھا مگر وہ تو کچھ بھی بتانے کی حالت میں نہ تھا۔ باہر دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے وہ بری طرح ہانپ رہا تھا

''باہر کیا؟ جہان؟'' اتنے میں وہاں سہانی بھی آ موجود ہوئی تھی۔ وہ بھی جہان کو دیکھ کر ہراساں رہ گئی اور اس کے وجود کو پکڑ کر جھنجوڑا۔

''وہ۔۔۔خون۔۔۔پانی۔۔۔مچھلیاں۔۔'' وہ ہکلاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ موت کا خوف اس کے سر پر رقص کر رہا تھا۔ سب اس کی ٹوٹی پھوٹی باتوں کو سمجھنے سے قاصر تھے۔

''جہان۔۔صحیح سے بتاؤ کیا ہوا ہے؟' سہانی نے اس کے رخسار کو اپنے ہاتھوں میں سینتے ہوئے پوچھا تھا۔ آنکھوں سے آنسو بہنے لگ گئے مگر وہ کچھ بھی کہے بغیر بے ہوش ہوگیا۔ سب پر جیسے سکتا طاری تھا۔ ہوش میں آنے کے بعد اس کی کچھ حالت سنبھلی تو اس نے آپ بیتی سنائی۔ سب کے سروں پر جیسے بم پھوڑا گیا تھا۔ آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

''تجھے کس نے کہا تھا کہ باڑ کے اس پار جانے کو۔۔۔'' ابا نے غصے میں کہا تھا۔ رات اپنے پر پھیلا چکی تھی مگر غم وخوف کی چادر نے اس خاندان کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوا تھا۔ جہان کا پورا جسم کسی پنڈولم کی مانند جنبش میں تھا۔ آنکھیں خوف کے آنسوؤں سے پُر تھیں۔ تبھی یکا یک تیز ہوا چلی اور گھر کی تمام چیزیں اتھل پتھل ہونے لگیں۔

''ابا۔۔۔مجھے بچالو۔۔۔وہ آگئیں۔۔۔وہ آگئیں۔۔۔'' وہ چیختا رہا۔ سب گھر والے فکرمند تھے۔ سہانی نے اسے سنبھالنے کی بھرپور کوشش کی۔ کمرے کا دروازہ اگرچہ مقفل تھا مگر تیز ہوا کے جھونکے اس بند دروازے کو بھی دھجیاں اڑانے کے لئے تیار تھے۔ سب دبک کر کونے میں بیٹھ گئے مگر وہ ہوا دروازے کو توڑ کر اندر داخل ہوگئی۔ گھٹا ٹوپ اندھیرا۔۔۔ آنکھیں کچھ بھی دیکھنے سے قاصر تھیں۔ سب ایک دوسرے کو آوازیں دیتے رہے مگر دکھائی کوئی نہ دیا۔ ادھر جہان کے تو ہوش ہی اڑ چکے تھے۔ ہر لمحہ روپ بدلتا سایہ اس کی طرف مسلسل بڑھ رہا تھا۔ آنکھیں کسی خونخوار بھیڑیے کی طرح سرخ اور ناخن کسی درندے کی مثل نوکیلے تھے۔ وہ مسلسل جہان کو ہی گھور رہا تھا۔ جبکہ وہ بری طرح سہم چکا تھا۔

''چھوڑ دو مجھے۔۔۔'' وہ اس کے سامنے منت سماجت کر رہا تھا مگر اس ہیولے کو بھلا کہاں ترس آنے والا تھا؟ اپنے نوکیلے ناخنوں کو اس کی جانب بڑھایا تو اس کی گردن میں ہی پیوست کردیئے۔ خون کا ایک فوارہ پھوٹا اور اس کے ہاتھ جہان کے خون میں رنگ گئے۔ درد سے وہ بری طرح کراہ اٹھا تھا۔ ایک انچ سے بھی لمبے ناخن اس درندے نے اس کی گردن میں ٹھونس دیئے تھے۔

اب وہ واپس باہر کی طرف چل دیا۔ اس کے جاتے ہی اس کے جسم میں عجیب کیفیت طاری ہوگئی۔ پورا جسم ایسے کانپ اٹھا جیسے بجلی کا ایک جھٹکا لگا ہو۔ وہ بے آب ماہی کی طرح زمین پر پڑا تھا اور جسم خود بخود باہر کی طرف کھچا چلا جا رہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی اسے رسیوں سے باندھ کر اپنی طرف کھینچ رہا ہو۔ اپنے دونوں ہاتھوں کو گردن پر رکھے وہ کسی شے کو ہٹانے کی مسلسل کوشش میں تھا۔ سانس بھی بری طرح چل رہا تھا۔ سہانی سمیت سب گھر والے جہان کی اس حالت کو دیکھ کر خوفزدہ تھے۔ آنکھوں سے اشک بہتے جا رہے تھے۔

''کوئی تو روکو جہان کو۔۔۔'' سہانی درد سے چلائی مگر کوئی آگے نہ بڑھا۔

''وہ گدلے پانی کی مچھلیاں اب اسے نہیں چھوڑیں گی۔۔۔'' ابا نے دردبھری آواز میں کہا تھا۔ سب کھڑے تماشہ دیکھتے رہے اور وہ جانوروں کی طرح زمین پر گھسٹتا ہوا جانے کہاں جا رہا تھا۔ سہانی سے یہ سب دیکھا نہ گیا اور آگے بڑھ کر جہان کے پاؤں پکڑ لئے۔ روتے ہوئے اس کا دماغ ماؤف ہوچکا تھا۔ اس کے ہاتھ لگاتے ہی وہ ہیولہ پلٹا اور اپنی دہکتی آنکھوں سے شکار کو روکے جانے پر طیش میں آگیا۔ اس نے ہاتھ بڑھاتے ہی اندھیرے کا وار کیا۔ سہانی کا جسم پیچھے دیوار سے جاٹکرایا اور جہان بری طرح گھسٹتا ہوا گدلے پانی کی طرف جا رہا تھا۔ گاؤں والے شور کی آواز سن کر باہر آئے تو اپنے دروازے سے ایک قدم بھی آگے نہ بڑھ سکے۔ سب سمجھ چکے تھے۔ سالوں بعد وہ باڑ ٹوٹ چکی تھی۔ گدلے پانی کی مچھلیاں اپنا شکار ڈھونڈ چکی تھیں۔ آسمان پر زوردار بادل گرجتے جا رہے تھے جو ماحول کی وحشت کو مزید ہوا دے رہے تھے۔ سہانی ایک بار پھر آگے بڑھی اور جس کے پاس مدد کے لئے جاتی، وہ اپنا در بند کردیتا۔ کوئی بھی اپنی جان گنوانے کے حق میں نہ تھا۔ وہ اکیلی اپنے شوہر کے پیچھے بھاگتی ہوئی اس جنگل کے پاس جا پہنچی۔ جہاں باڑ ٹوٹ چکی تھی۔

''جہان۔۔۔'' وہ چلائی۔ جہان بری طرح ہانپ رہا تھا۔ خون میں لت پت جسم بری طرح تڑپ رہا تھا۔ کسی بچے کی طرح وہ اپنی ٹانگیں زوروں سے زمین پر مارے جا رہا تھا۔ سامنے گدلے پانی کی مچھلیاں اپنا شکار پانے پر انتہائی خوش تھیں۔ پانی خود بخود جوش کھا رہا تھا۔ پانی کے بلبلے نکل نکل کر ہوا میں شامل ہو رہے تھے۔ سہانی نے آگے بڑھنا چاہا تو ان مچھلیوں کے خدوخال دیکھ کر گنگ رہ گئی۔ آنکھیں یک ٹک سامنے دیکھتی رہیں۔ سانسوں کے چلنے میں بھی شبہ تھا۔ گدلے پانی سے ایک مچھلی نے ہوا میں جست لگائی تو اس کا ہولناک وجود سہانی کے سامنے آیا۔ رات کی سیاہی سے بھی زیادہ سیاہ جسم، کانٹوں سے بھی تیز دانت جو دور سے ہی دیکھے جاسکتے تھے۔ آنکھیں انگارہ برسا رہی تھیں۔ جسامت دو گز۔ موٹائی کسی بوہڑ کے پرانے درخت کی مثل۔ یکے بعد دیگرے اس جیسی کئی مچھلیاں پانی سے باہر آئیں۔ جہان اس گدلے پانی کے اب بالکل پاس تڑپ رہا تھا۔ موت اور زندگی کا محاذ جاری تھا۔ سہانی کے پاؤں خود بخود زمین میں دھنسنا شروع ہوگئے۔ وہ آگے بڑھ کر اپنے شوہر کو بچانا چاہتی تھی مگر اس کے پیٹ میں درد کی ایک لہر اٹھی اور وہ زمین کی طرف جھکتی چلی گئی۔ آنکھیں آنسو بہا بہا کر سرخ ہوچکی تھیں۔

''خدا کے لئے کوئی تو بچاؤ۔۔۔ جہان کو۔۔۔'' آواز بھی پھٹی پھٹی اب نکل رہی تھی۔ آنکھوں میں غنودگی نے ڈیرہ جمایا مگر اس سے پہلے کہ وہ آنکھیں بند کرتی۔ اس نے سامنے دیکھا تو وحشت کا سا منظر اس کا منتظر تھا۔ وہ آدم خور مچھلیاں جہان کے جسم پر ایسے ٹوٹیں جیسے کوئی سالوں کا بھوکا شیر شکار پر جھپٹتا ہے۔ ایک ایک بوٹی اس

کے جسم سے نوچ ڈالی۔ خون پورے گدلے پانی کی سطح پر تیرنے لگا۔ یہ دیکھ کر وہ اسی وقت بے ہوش ہوگئی۔

جب ہوش آیا تو خود کو گھر میں پایا۔ وہ جہان کا نام چلاتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی مگر تب تک بہت دیر ہو چکی تھی۔ گدلے پانی کی مچھلیاں نہ صرف اسے مار چکی تھیں بلکہ اس کا نام و نشان تک مٹا چکی تھیں۔ خون گدلے پانی میں جذب ہوگیا۔ گوشت پوست مچھلیاں کھا گئیں اور ہڈیاں مٹی ہوگئیں۔ کوئی اس کا آخری دیدار بھی نہ کر سکا۔ سہانی کی حالت غیر ہوتی جارہی تھی۔ تب اس کا ہاتھ اپنی پیشانی پر گیا جہاں سے خون رس رہا تھا۔

"خ خون۔۔۔!!" خوف کے مارے اس کی آنکھیں باہر کو آگئیں۔ وہ گدلا پانی اس کے خون کا ذائقہ بھی چکھ چکا تھا۔ اس کا پورا جسم اب پہلے سے بھی بری طرح کانپ رہا تھا۔

"بھابھی۔۔۔ یہ خون۔۔۔" سب کا دھیان اپنی طرف مبذول کروایا تو سب اس سے پیچھے ہٹنا شروع ہوگئے۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اپنے ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی جو خون میں سرخ ہو چکے تھے۔

"اب وہ مچھلیاں مجھے بھی نہیں چھوڑیں گی۔۔۔ مجھے بھی مار ڈالیں گی۔۔۔ جیسے میرے جہان کو مار ڈالا۔۔۔" وہ بین کرتے ہوئے کہہ رہی تھی مگر ماحول کو تو جیسے سانپ سونگھ چکا تھا۔ سب کے لبوں پر مہر لگ چکی تھی۔

"اس باڑ کو جس نے بھی توڑا، اس نے اچھا نہیں کیا۔ موت کا یہ سلسلہ ایک بار پھر شروع ہو چکا ہے۔" چوہدری کے ملازم نے دھیرے سے چوہدری کو کہا تھا۔

"ایسا نہیں ہوگا اب۔۔۔ موت کا ہر سلسلہ اب ختم ہونے کو ہے۔ اب گدلے پانی کی مچھلیاں کسی انسان کو اپنا شکار نہیں بناسکیں گی۔۔۔" ایک خوبرو نوجوان نے چوہدری کے عین سامنے بائیک کو بریک لگاتے ہوئے کہا تھا۔ اس کے پیچھے ایک لڑکی بیٹھی تھی جو دیکھنے میں ہی سیکرٹری معلوم ہورہی تھی مگر لڑکا تو جیسے ہر آنکھ کو اپنی طرف کھینچ رہا تھا۔ سرخ و سفید رنگت پر سیاہ لبادہ قیامت ڈھا رہا تھا۔

''کون ہوتم؟ اور تمہیں گدلے پانی کی مچھلیوں کے بارے میں کیسے معلوم؟'' وہ اب بائیک سے اتر چکا تھا۔ چوہدری نے حیرانی سے استفسار کیا تھا۔

''مجھے یہ سب کیسے معلوم ہوا؟ اسے چھوڑیئے بس اتنا جان لیجیے۔

ظلمت کے اندھیروں میں

امن کا ایک سفیر

کہتے ہیں لوگ مجھ کو

ایم اے توقیر۔۔۔!!!''

یہ کہتے ہی اس نے سہانی کی طرف دیکھا۔ جو ہراساں اپنی موت کی منتظر تھی۔ آنکھیں بھی اشک بہانا اب بھول چکی تھیں۔

''دیکھو سہانی۔۔ تمہیں ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں آگیا ہوں ناں۔۔۔ اب تمہارا کوئی بال بھی بیکا نہیں کرسکتا۔۔۔ یہ وعدہ ہے میرا۔'' اس کے کہنے پر سہانی نے کھوئے کھوئے انداز میں نظریں گھمائیں۔ وہاں موجود ہر شخص ان دونوں کو مشکوک نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

''مجھے بس جنگل کا راستہ بتائیں۔۔۔'' وہ چوہدری کی طرف بڑھا تو اس نے اپنے بائیں جانب اشارہ کیا جہاں سورج اپنی آرام گاہ کی طرف گامزن تھا۔ گھنا سیاہ جنگل اس کی آرام گاہ تھا۔ عالیہ کو اپنے ساتھ لیا اور سیدھا اس جنگل کی طرف چل دیا۔

''سر اگر برا نہ منائیں تو ایک بات پوچھوں۔۔؟'' عالیہ نے ایم اے توقیر کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلنے کی کوشش کی مگر وہ اتنا تیز تھا کہ اسے تقریباً بھاگنا پڑ رہا تھا۔

''ہاں۔۔'' سنجیدہ لہجے نے جواب دیا تھا

''یہ گاؤں والے تو آپ کو پہچانتے بھی نہیں تو آپ کو فون کس نے کیا تھا؟'' عالیہ کے سوال پوچھتے ہی اس کے قدم رک گئے۔ ایک گہری نگاہ عالیہ پر ڈالی تو اسے ایسا لگا جیسے اس نے کچھ غلط کہہ دیا ہو۔ پورے جسم میں ایک لرزہ طاری ہوگیا مگر جواب دینے کی بجائے وہ آگے بڑھ گیا۔ عالیہ کی بھی جان میں جان آئی اور شانے اچکاتے ہوئے آگے بڑھی۔

دونوں باڑ کے پاس جا پہنچے۔ جہاں کچھ فاصلے پر ایک دلدل دکھائی دے رہا تھا۔

''تو یہ ہے گدلا پانی۔۔۔ اس میں رہتی ہیں وہ آدم خور مچھلیاں۔۔۔'' ایم اے توقیر نے گھورتے ہوئے دھیمے لہجے میں کہا اور آگے بڑھا۔ اس نے اپنی پاکٹ سے عینک نکال کر لگائی اور بغور گدلے پانی کا جائزہ لیا۔

''امپاسیبل۔۔۔'' اس نے حیرانگی سے کہا۔ عالیہ بھی اس حیرانی کا سبب پوچھے بغیر نہ رہ سکی۔

''یہ تو عام گدلے پانی کا دلدل ہے۔ کہیں بھی آدم خور مچھلیاں نظر نہیں آرہیں مجھے۔۔۔'' اس نے عینک تبدیل کی شاید وہ بہتر نتائج دیکھا سکے مگر بے سود۔

''آپ کو کیسے معلوم سر؟'' اس نے حیرت سے پوچھا۔

''یہ گلاسز دیکھ رہی ہو تم۔۔۔ سات دیواروں کے پیچھے چھپی ان دیکھی مخلوق کو بھی آئینے کی طرح سامنے لا کر کھڑا کر دیتی ہے یہ۔۔'' عینک اتار کر دوبارہ پاکٹ میں رکھا اور ارد گرد چیزوں کا جائزہ لیا مگر اسے کوئی قابل اعتراض یا مشکوک شے نظر نہ آئی۔ عالیہ بھی محو حیرت سے اس کی نقل و حمل کو نوٹ کر رہی تھی۔

''میرے خیال سے ہم غلط جگہ آگئے ہیں۔ ہمیں واپس جا کر سہانی سے پوچھنا چاہیے کہ اسے کہاں نظر آئی تھیں وہ مچھلیاں؟'' عالیہ کی بات کی تائید کی گئی۔ دونوں واپس گاؤں آئے تو وہاں قہرام مچا ہوا تھا جہان اور سہانی کے گھر سے بین کی آوازیں مسلسل بلند ہورہی تھیں۔ جواز جانا تو معلوم ہوا کہ وہ مچھلیاں سہانی بھی جہان کی طرح اپنے ساتھ لے گئیں۔ یہ سن کر تو اس کو دھچکا لگا۔ عالیہ کی سانسیں بھی ساکت رہ گئیں۔ راستہ پوچھنے پر اسی جنگل کی طرف اشارہ کیا گیا۔

توقیر اس راستے کی طرف بھاگا تو عالیہ بھی پیچھے ہولی۔ جب دونوں وہاں پہنچے تو وہاں کا منظر پہلی بار سے جدا تھا۔ گھٹا ٹوپ اندھیرا پورے جنگل کو لپیٹے ہوئے تھا۔ ہواؤں کا رقص جاری تھا۔ سہانی زمین پر کسی سانپ کی طرح رینگتی جا رہی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس۔

گلے کو رسی سے باندھ کر کوئی گھسیٹ رہا ہو۔ گلے سے مسلسل خون بہتا جا رہا تھا۔ آنکھوں کے اشک زمین بوس ہو رہے تھے۔

"سہانی۔۔۔" ایم اے توقیر عقاب کی تیزی کے ساتھ آگے بڑھا اور سہانی کو روکنا چاہا مگر وہ اس کے ہاتھوں سے مسلسل نکلتی جا رہی تھی۔ وہ اپنی پوری طاقت کے ساتھ اسے روکنے کی کوشش کر رہا تھا مگر اُس ان دیکھی مخلوق کی طاقت اس سے کہیں زیادہ تھی۔ وہ گھٹنوں کے بل بیٹھ کر اپنے پاؤں کو زمین میں گاڑ چکا تھا تاکہ سہانی کو آگے بڑھنے سے روکا جاسکے مگر سب بے سود رہا۔ وہ خود بھی اب سہانی کے ساتھ آگے گھسیٹا جا رہا تھا جبکہ سہانی روتے ہوئے اپنی زندگی کے لئے چلا رہی تھی۔

"سر۔۔۔!!" یک دم عالیہ چیخی۔ ایم اے توقیر نے پلٹ کر دیکھا تو عالیہ نے اپنے لرزتے ہوئے وجود سے سامنے کی طرف اشارہ کیا۔ اُس نے دھیرے سے گردن گھمائی تو اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ سانسیں بھی پل بھر کے لئے تھم گئیں۔ گدلا پانی جوش مار رہا تھا اور آدم خور مچھلیاں اپنا شکار دیکھ کر بے تابی سے غوطے لگا رہی تھیں۔ اس کے ہاتھوں کی گرفت ڈھیلی ہوتی محسوس ہوئی تو سہانی کا وجود پھسلتا چلا گیا۔ جلد ہی اس نے اپنے اعصاب پر قابو پایا اور سہانی کو پاؤں سے پکڑ کر کھینچا۔

"چھوڑ دو اسے۔۔۔" توقیر نے کرخت آواز میں کہا مگر ماحول ویسا ہی وحشت ناک تھا۔ اس نے پلٹ کر عالیہ سے مدد چاہی مگر وہ وہاں نہیں تھی۔ شاید ڈر کر کھسک گئی تھی۔

"تمہیں کچھ نہیں ہوگا۔۔۔ میں تمہیں کچھ نہیں ہونے دونگا" یہ کہتے ہی اس نے تقریباً گھسیٹتے ہوئے ساتھ ہی پڑی رسی کو کھینچا جس کا ایک سرا پہلے ہی کسی درخت کے ساتھ بندھا ہوا تھا۔ دوسرا اس نے بڑی مشکل سے سہانی کے پاؤں سے باندھا۔ وہ اب ہاتھ جھاڑتا ہوا کھڑا ہوا۔ سہانی کے پاؤں سے رسی مسلسل پھسلتی جا رہی تھی۔ گدلے پانی کی مچھلیاں سہانی کو ہوا میں ایستادہ دیکھ کر بے تاب ہو رہی تھیں۔ ان کا غصہ ان کا مسلسل بڑھتا جا رہا تھا۔ ان میں سے ایک نے توقیر پر نگاہ دوڑائی جو مسلسل انہیں ہی گھور رہا تھا۔

"چلے جاؤ۔۔ ورنہ تم بھی مرو گے۔۔۔" وہ مچھلیاں ایک ساتھ پکار اٹھیں۔ سماعت شکن آواز فضا میں گونجی تو اسے اپنے کانوں کے پردے پھٹتے معلوم ہوئے۔

"جاؤں گا میں نہیں۔۔۔ بلکہ تم۔۔" یہ کہتے ہی اس نے جست لگا کر ایک مچھلی پر وار کرنا چاہا مگر یہ دیکھ کر اس کے حواس کھو گئے کہ وہ مچھلی کو مارنا تو در کنار چھو بھی نہ سکا اور اس کا ہاتھ مچھلی کے جسم سے آر پار چلا گیا۔ آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ ایک بھدا سا قہقہہ فضا میں گونجا۔

"تم مجھے مارو گے۔۔۔ تو مارو۔۔۔" تمام مچھلیاں اب گدلے پانی کی سطح پر آ چکی تھیں۔ منظر انتہائی وحشت ناک تھا۔ سہانی کو موت سے غشی نہ آ رہی ہوتی تو یہ منظر دیکھ کر ضرور بے ہوش ہو جاتی۔

"اے ے ے۔۔۔!!" وہ ایک بار پھر پوری طاقت کے ساتھ پلٹا تھا مگر نتیجہ نہ بدلا۔ وہ پہلے سے بھی زیادہ بری طرح چونکا تھا۔ وہ ہوا تھی یا پھر ایک چھل۔ آنکھیں جو دیکھ رہی تھیں کیا وہ سب سچ تھا؟ کیا وہ مخلوق ہی تھی یا پھر آنکھوں کا ایک سراب۔ اس نے پلٹ کر سہانی کی طرف دیکھا جو کرب سے چلا رہی تھی اور رسی مسلسل پھسل رہی تھی۔

"نہیں۔۔۔ یہ نہ ہی چھل ہے اور نہ ہی سراب۔ حقیقت ہے مگر حقیقت نہیں۔" وہ اتنا تو سمجھ ہی چکا تھا۔ اس لئے اپنا انداز بدلا۔

"کیا ہوا ایم اے توقیر۔۔ اب کیا کرو گے تم؟ اب دیکھنا تمہاری آنکھوں کے سامنے کیسے ہم اس لڑکی کے جسم سے بوٹی بوٹی الگ کر دیں گے۔۔" سہانی پر گرفت اس مخلوق کی بڑھ گئی۔ اس کی دردناک چیخیں اُس کی سماعت میں گونجی تو وہ کانپ اٹھا۔

"نہیں۔۔۔" یہ کہتے ہی اس نے حقارت آمیز نگاہوں سے ان مچھلیوں کی طرف دیکھا اور ہاتھ میں

پہنی انگوٹھی کو چوما۔ایک پراسرار روشنی نگ سے پھوٹی۔ اب اس نے نگ کا رخ گدلے پانی کی طرف کیا۔گدلا پانی دھیرے دھیرے سکڑنا شروع ہوگیا۔جیسے روشنی اسے اپنے اندر جذب کررہی ہو۔

''میں تمہیں جلا کر راکھ نہیں کرسکتا تو کیا ہوا۔ تمہیں انگوٹھی میں قید تو کرسکتا ہوں۔تم ایک عکس ہو اور اس کا اندازہ مجھے بخوبی ہے۔اس لئے عکس کو عکس میں ہی قید کیا جاسکتا ہے۔'' اس بار اُس کے چہرے پر ایک الگ مسکراہٹ تھی۔ ہوا کے تیز جھونکے اس کے کام میں مخل ہورہے تھے مگر وہ ڈٹا رہا۔مچھلیوں کی چیخیں گونجیں اور دھیرے دھیرے سب غائب ہوتی دیکھائی دیں۔

''تم ہمیں تو مٹا سکتے ہو توقیر۔۔۔مگر اپنا مقصد کبھی نہیں پا سکتے۔۔۔وہ تمہیں کبھی نہیں ملے گا۔۔۔'' یہ جملے گونجے اور ساتھ ہی سب کچھ غائب ہوگیا۔یہ سنتے ہی توقیر زمین پر گرتا چلا گیا۔آنکھیں ساکت رہ گئیں۔ وہ جیت چکا تھا مگر حالت شکست خوردہ شخص کی طرح تھی۔ ہاتھ بے جان سے زمین پر آگئے۔عالیہ دوڑتی ہوئی آئی اور سہانی کو آزاد کروایا۔گاؤں والے وہاں آئے اور شکریہ ادا کرکے سہانی کو اپنے ساتھ لے گئے۔ سب کے جانے کے بعد عالیہ نے توقیر کی جانب دیکھا تو اس کی حالت غیر تھی۔اس نے کبھی توقیر کو ایسی حالت میں نہیں دیکھا تھا۔آنکھیں زمین کی طرف جھکی ہوئی جیسے کسی شے کو ڈھونڈ رہی ہوں۔

''سر۔۔۔!! آر یو اوکے؟'' اس نے جھجکتے ہوئے توقیر کے شانوں کو چھوا مگر وہ کچھ نہ بولا۔آنکھوں سے ایک آنسو لڑھک گیا جو عالیہ کی نگاہوں سے چھپ نہ سکا۔اس کے دل میں توقیر کے لئے ہمدردی اور فکر کے جذبات بیک وقت ابھرے تھے۔

''یہ مچھلیاں کیا کہہ رہی تھیں؟ کس مقصد کی بات کررہی تھیں؟ کیا نہیں ملے گا آپ کو؟'' اس نے الجھے الجھے لہجے میں استفسار کیا تھا مگر وہ ابھی تک سنبھلا نہیں تھا۔ایسا لگ رہا تھا جیسے سب کچھ ہاتھوں سے نکلتا جارہا ہو مگر اسے تو اپنی ہمت باندھے رکھنی تھی۔اپنے مقصد کو پورا کرنا تھا۔بس اسی لئے بوجھل دل کے ساتھ اٹھا تو قدموں سے جیسے جان ہی نکل گئی۔وہ لڑکھڑایا تو عالیہ نے آگے بڑھ کر سہارا دیا۔جن بھوت سے اکیلے لڑنے والا آج قسمت کے آگے بے بس دیکھائی دے رہا تھا۔ عالیہ پوری طرح گنگ تھی۔اس کی عقل کسی بھی نتیجے پر پہنچنے سے قاصر تھی۔وہ چپ چاپ آفس آگئے۔تب ایک بار پھر عالیہ نے اس بارے میں استفسار کیا تو توقیر نے ایک گہری سانس لی اور پانی کا ایک گھونٹ پینے کے بعد گلاس زوردار آواز کے ساتھ ٹیبل پر رکھ دیا۔

''یہ سب اُس کی وجہ سے ہے۔۔جس کی وجہ سے میں ایم اے توقیر بنا۔جس نے مجھ سے میرا سب کچھ چھین لیا۔میرے اپنے، میری خوشیاں، میرے خواب۔۔۔سب کچھ۔۔۔'' اس کے الفاظ میں نفرت کے انگارے شامل تھے۔وہ کسی ان دیکھے وجود کو اپنی نفرت کا نشانہ بنائے ہوئے تھا۔خوابیدہ لہجہ بری طرح ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھا۔مژگان پر چمکتے موتی اپنا کرب بیان کرنے کے لئے مچل رہے تھے۔

''کون؟'' عالیہ بری طرح الجھ چکی تھی

''یُوجی۔۔۔!!!'' خاموشی کو چیرتی ہوئی ایک باریک سی آواز پورے آفس میں گونجنے لگی۔وہ خود بھی اپنے لفظ کو کئی ثانیے سنتا رہا تھا۔

''یُوجی؟'' وہ پہلے سے زیادہ الجھی ہوئی دیکھائی دی۔

''اب جب آدھی حقیقت سامنے آہی چکی ہے تو تمہیں پوری حقیقت جاننے کا حق ہے لیکن عالیہ ابھی میں بات کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔۔مجھے آرام چاہیے۔۔۔پلیز ڈونٹ مائینڈ۔۔'' آنکھیں دھیرے دھیرے بند ہوتی جارہی تھیں۔۔سیاہ خاموشی کا لبادہ اوڑھے گزرا وقت ایک بار پھر بند آنکھوں میں لہرایا تھا۔عالیہ نے اثبات میں سر ہلادیا اور دھیمے قدموں کے ساتھ آفس سے باہر نکل آئی۔





# بدروح

بتول فاطمہ۔کراچی

بیک وقت نوجوان دوستوں کی آواز گونجی۔ اے دوسری دنیا کی روحوں اگر تم میں ہمت ہے تو فوراً سے پیشتر سامنے آئو اور اپنی موجودگی کا احساس دلائو ورنہ سوچ لو کہ......

ایک بدروح کی تہلکہ مچاتی اپنی نوعیت کی خوفناک......حیرت ناک......خونی روداد

**دسمبر** کا مہینہ تھا، سخت سردی پڑ رہی تھی، رات کے بارہ بج رہے تھے، آبادی سے ہٹ کر ایک ویران اور سنسان علاقے میں وہ ایک خالی میدان تھا۔ کرسٹی ایملی ٹینا جارج اور میکس ایسے موسم سے لطف اندوز ہونے کے لئے لکڑیوں میں آگ جلائے آگ کے اردگرد بیٹھے خوش گپیاں کررہے تھے۔ میکس کی ٹینا اور جارج کی ایملی گرل فرینڈ تھی جبکہ کرسٹی کا کوئی بوائے فرینڈ نہیں تھا۔ آسمان پر گہرے بادل چھائے ہوئے تھے ایسا لگتا تھا کہ کسی بھی وقت بارش شروع ہوجائے گی لیکن ان میں سے کسی کو بھی موسم کی کوئی پرواہ نہیں تھی۔

میکس نے اپنے پاس سے سگریٹ کا پیکٹ نکالا اور ہوا میں لہراتے ہوئے بولا ”دوستوں سگریٹ کون کون پینا چاہے گا؟ گھر میں تو مام اور ڈیڈ اسموکنگ کرنے نہیں دیتے یہ اچھا موقع ہے تو پھر کیا خیال ہے؟“

"تو بھلا سگریٹ بھی کوئی پینے کی چیز ہے، میرے پاس اس سے زیادہ اچھی چیز ہے" جارج نے مسکراتے ہوئے کہا اور اپنے پاس سے ایک کارٹن نکالا۔ اس میں بیئر کے کین تھے وہ سب بیئر دیکھ کر خوش ہوگئے اور خوشی خوشی بیئر پینے لگے۔

تھوڑی دیر میں میکس کہنے لگا "چلو دوستو سب باری باری ایک دوسرے کو ڈراؤنی کہانیاں سناتے ہیں۔"

"ہاں یہ ٹھیک ہے" جارج نے بھی اس کی بات کی تائید کی پھر وہ سب باری باری ڈراؤنی کہانیاں سنانے لگے۔

کچھ دیر بعد ٹینا جماہی لیتے ہوئے بولی "چلو دوستو میرے خیال سے آج رات کے لئے اتنا ہی کافی ہے مجھے اب نیند آنے لگی ہے میں تو اب اپنے بستر پر لیٹ کر سونا چاہتی ہوں"

"ہاں میرے خیال میں اب ہمیں گھر چلنا چاہئے" ایملی نے بھی تائیدی انداز میں سر ہلایا۔

"ارے ایسے نہیں ابھی تو پارٹی کا مزہ آنے لگا تھا بلکہ اصل مزہ تو اب آئے گا چلو سب مل کر کسی روح کو بلاتے ہیں کیوں کیا خیال ہے؟" کرسٹی نے پوچھا۔

"ہوں آئیڈیا تو برا نہیں ہے میں نے انٹرنیٹ پر سچ مچ کی روحوں کی تصویریں دیکھی تھیں سچ میں مجھے تو بڑا ڈر لگا۔" ٹینا نے جواب دیا۔

"لو بھلا اس میں ڈرنے کی کیا بات ہے ایسی تصویریں تو میں نے بھی نیٹ پر دیکھی ہیں مجھے تو ڈر نہیں لگا" ایملی لاپرواہی سے کہنے لگی۔

اچانک ہی جارج کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں وہ بے حد خوفزدہ دکھائی دے رہا تھا "ایملی وہ تمہارے پیچھے کیا ہے؟" اس نے ہکلاتے ہوئے کہا تو ایملی نے چیخ مار کر اپنے پیچھے دیکھا وہاں کوئی نہیں تھا جارج زور زور سے قہقہے لگانے لگا "دیکھا ڈر گئیں ناں بڑی ہیروئن بن رہی تھیں"

"مجھے تو ڈر نہیں لگا جارج! بدتمیز انسان تمہیں تو میں چھوڑوں گی نہیں" وہ جارج کو مارنے اس کے پیچھے دوڑی جارج آگے آگے بھاگا باقی سب کا ہنس ہنس کر برا حال تھا تھوڑی دیر میں جارج اور ایملی ایک دوسرے کے گلے میں بانہیں ڈالے ہنستے ہوئے واپس آگئے "چلو دوستو کیوں ناں پھر کھیل شروع کیا جائے" کرسٹی نے پوچھا۔

"ہاں میرے خیال میں کیوں نا ہم کسی روح کو بلائیں۔" ٹینا نے جواب دیا۔

"ہاں یہ خیال اچھا ہے بڑا مزہ آئے گا" میکس نے اس کی بات کی تائید کی۔

پھر وہ سب ایک گول دائرے کی صورت میں بیٹھ گئے "اے دوسری دنیا کی روحوں اگر تم میں ہمت ہے تو سامنے آؤ" جارج نے بلند آواز سے کہا۔

"روحوں نہیں بلکہ بدروحوں اگر تم میں ہمت ہے تو سامنے آؤ اپنی موجودگی کا احساس دلاؤ" میکس نے ہنستے ہوئے کہا۔

"ہاں اگر اتنی ہمت ہے تو ذرا مقابلہ کرکے دکھاؤ" کرسٹی بھی ہنسنے لگی یہ لوگ کچھ دیر تک اسی طرح کسی بدروح کو بلانے کی کوشش کرتے رہے لیکن کچھ بھی نہیں ہوا۔

"چلو دوستو اب میں بہت تھک گئی ہوں مجھ سے یہ کھیل اور نہیں ہوگا" ٹینا نے تھکے تھکے انداز میں کہا اور وہ سب اپنی اپنی جگہوں پر کھڑے ہوگئے اس کے بعد ان سب نے مل کر آگ بجھائی اور گاڑی میں بیٹھ کر اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہوگئے۔

☆......☆......☆

کیٹی کا کالج میں نیا ایڈمیشن ہوا تھا کالج میں اس کا یہ پہلا سال تھا وہ بہت خوش تھی کیونکہ وہ اسکول سے نکل کر کالج میں آگئی تھی کیٹی نے اپنے سنہری بالوں کو ایک جھٹکا دیا اور کلاس روم میں داخل ہوئی کلاس شروع ہونے میں ابھی پانچ منٹ باقی تھے۔ اندر تین لڑکیاں اور دو لڑکے آپس میں خوش گپیوں میں مصروف تھے کیٹی کچھ جھجکتے ہوئے آگے بڑھی اور بولی "کیا یہ سیٹ خالی ہے؟"

"ظاہر ہے خالی ہے یا تمہارے خیال میں اس پر کوئی بدروح بیٹھی ہے؟" جارج نے مذاق اڑانے والے انداز میں ہنستے ہوئے کہا۔

"جارج! کیا بدتمیزی ہے؟" ایملی نے اسے کہنی مارتے ہوئے کہا کیٹی شرمندہ سی نظر آنے لگی باقی سب بھی اس کی طرف متوجہ ہوگئے "ہیلو! تم نیو ایڈمیشن ہو کیا؟" ایملی نے مسکراتے ہوئے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھایا۔

"جی ہاں! میرا نام کیٹی ہے میرا اس کالج میں نیا ایڈمیشن ہوا ہے" کیٹی نے مسکراتے ہوئے بتایا۔

"میرا نام ایملی ہے اور یہ میرا بوائے فرینڈ جارج ہے یہ سب میرے دوست ہیں یہ ٹینا اور اس کا بوائے فرینڈ میکس ہے اور یہ کرسٹی ہے۔ ایملی نے خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے باقی سب کا تعارف کروایا۔

"یار کرسٹی! تمہارا بوائے فرینڈ نظر نہیں آرہا؟" کیٹی نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"میرا کوئی بوائے فرینڈ نہیں ہے" کرسٹی نے شرماتے ہوئے بتایا "کیا سچ میں؟ میرا بھی کوئی بوائے فرینڈ نہیں ہے یعنی ہم دونوں ہی خالی ہاتھ ہیں"

"بھلا تم جیسی چڑیل کو اپنی گرل فرینڈ بنائے گا بھی کون؟" میکس نے آگے بڑھ کر کرسٹی کی پونی ٹیل کھینچی میکس اور جارج دونوں ہنسنے لگے جبکہ ٹینا اور ایملی انہیں گھورنے لگیں "دفع کرو ان دونوں کو، کیا تم ہمارے گروپ میں شامل ہونا چاہو گی؟" ٹینا نے دوستانہ لہجے میں پوچھا "ہاں کیوں نہیں؟" کیٹی نے جوشیلے انداز میں کہا۔

کرسٹی ایملی اور ٹینا مسکرانے لگیں "کہیں اس بے چاری کو بھی اپنی طرح بدروح نہ بنا دینا" میکس نے ہنستے ہوئے کہا جبکہ ٹینا اسے مارنے کو دوڑی تو باقی سب ہنسنے لگے۔

☆......☆......☆

اگلے دن کالج میں لنچ بریک کے دوران یہ سب کالج کے بڑے کیفے ٹیریا میں اکٹھے ہوگئے کیٹی ان سب کے درمیان بیٹھی آہستہ آہستہ کولڈ ڈرنک کے سپ لے رہی تھی کہ اچانک ہی جارج نے جوشیلے انداز میں کہنا شروع کیا "دوستو کیا خیال ہے کیوں ناں کسی قبرستان کی سیر کو چلا جائے؟"

"کیا؟ کیا کہا؟ کہاں کی سیر کو چلا جائے؟" کیٹی نے جارج کی طرف ایسے دیکھا جیسے اسے اس کی ذہنی حالت پر شبہ ہو "قبرستان کی سیر کو بھلا وہ بھی کوئی جگہ ہے سیر کرنے کی؟" کیٹی کو لگا کہ شاید وہ مذاق کر رہا ہے۔

"نہیں سچ میں دوستو میں بالکل سنجیدہ ہوں ہم سب مل کر قبرستان کی سیر پر چلتے ہیں" جارج نے اسی جوش و خروش سے کہا "وہاں چل کر قبروں کے ساتھ کھڑے ہو کر تصویریں کھنچوائیں گے ہوسکتا ہے کسی روح کی تصویر کیمرے میں آجائے"۔

"میں تو جارج کے ساتھ ہوں" کرسٹی نے پراسرار انداز میں مسکراتے ہوئے کہا کیٹی کو لگا وہ سب کو ڈرانے کی کوشش کر رہی ہے۔ "ہاں اب یہ ہوئی ناں کچھ انجوائے منٹ والی بات" چلو سب چھٹی والے دن یہ پروگرام سیٹ کر لیتے ہیں، ہم سب وہاں رات کے وقت جائیں گے دن میں نہیں۔ دن کے ٹائم میں وہ مزہ نہیں آئے گا جو رات کے وقت آئے گا ویسے بھی کیمرے کی اپنی لائٹ ہوتی ہے اس میں ہماری تصویریں خوب روشن آئیں گی" میکس نے بھی فوراً ان دونوں کی ہاں میں ہاں ملائی۔

"ٹینا اور ایملی بھی خوش نظر آنے لگیں۔" میں تو انجلینا جولی والا پوز بناؤں گی" ٹینا نے خوشی سے چہکتے ہوئے کہا "اور میں جولیا رابرٹس والا" ایملی نے بھی مزے لیتے ہوئے کہا "لیکن ہم لوگ سیر کرنے کے لئے کہیں اور بھی تو جا سکتے ہیں" کیٹی نے پریشان لہجے میں کہا۔

"کہیں تمہیں ڈر تو نہیں لگ رہا، شاید تم ڈر رہی ہو اگر ایسی بات ہے تو ہم خود ہی چلے جائیں گے" کرسٹی نے کیٹی کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

کیٹی نے دل میں سوچا کہ اس طرح تو وہ سب واقعی اسے ڈرپوک ہی سمجھیں گے لہٰذا چارو ناچار اس نے اپنی رضامندی ظاہر کردی۔

☆......☆......☆

وہ ہفتے کا دن تھا اماوس کی رات تھی قبرستان کے باہر بہت گہرا اندھیرا تھا ان سب نے ہاتھ میں ٹارچز پکڑ رکھی تھیں قبرستان کا گیٹ بند تھا اس پر تالا پڑا ہوا تھا جارج اور میکس نے گھوم پھر کر قبرستان کے باہر سے جائزہ لیا کہ

شاید اندر جانے کا کوئی اور راستہ بھی ہو لیکن کچھ حاصل نہ ہوا ''چلو چھوڑو بھی یہ ہم کن فضول چکروں میں پڑ گئے اندر جانے کا تو کوئی راستہ بھی نہیں ہے'' کیٹی نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔

''تم تو بس اسی طرح ڈرتی رہنا ڈرپوک چوہیا کہیں کی'' میکس نے منہ بسورتے ہوئے کہا ''آخر تم لوگ کیوں ہر وقت اس بے چاری کے پیچھے پڑے رہتے ہو؟'' ٹینا نے میکس کو مکا دکھایا تو وہ ڈھٹائی سے ہنسنے لگا جبکہ کیٹی کچھ شرمندہ سی نظر آنے لگی۔

''ارے اتنی جلدی ہار مت مانو دوستو کیا تم نے دیکھا نہیں کہ اس قبرستان کی دیواریں کتنی چھوٹی ہیں اگر ہم چاہیں تو دیوار پھلانگ کر بھی اندر جا سکتے ہیں'' جارج نے جوشیلے انداز میں کہا تو سب نے چونک کر اس کی طرف دیکھا پھر غور کیا تو ان سب کو بھی لگا کہ اس قبرستان کی دیوار کو پھلانگنا کوئی مشکل نہیں ہوگا۔

''تو چلو دوستو پھر دیر کس بات کی ہے اندر کود جاتے ہیں'' میکس نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

سب سے پہلے جارج دیوار پر چڑھا وہ اب دیوار کی منڈیر پر چڑھ چکا تھا پھر وہ منڈیر کا سہارا لیتے ہوئے اندر کود گیا اس کے بعد میکس آگے بڑھا اور دیوار کی منڈیر پر چڑھ گیا پھر وہ بھی اندر کود گیا۔

''ایملی میری مدد کرو مجھے یہاں سے باہر نکالو یہ مجھے مار ڈالے گی۔ میکس تم کہاں ہو؟ اندر سے جارج کی خوفزدہ انداز میں چیخنے کی آواز آئی ''جارج کیا ہوا تمہیں؟'' ایملی نے گھبراتے ہوئے کہا۔

کرسٹی اور ٹینا کے چہروں پر خوف سے ہوائیاں اڑ رہی تھیں جبکہ کیٹی خوف سے تھر تھر کانپ رہی تھی کہ تب ہی اندر سے جارج اور میکس کے زور زور سے ہنسنے کی آوازیں آنے لگیں وہ چاروں چونک پڑیں ''دیکھا کیسا الو بنایا'' اندر سے جارج کی آواز آئی۔

''کیا؟ جارج یہ تمہاری حرکت تھی بدتمیز انسان، میں ابھی اندر آ کر تمہارا دماغ درست کرتی ہوں'' ایملی غصے میں بڑبڑاتی ہوئی دیوار پھلانگ کر اندر کود گئی۔

اسے دیکھتے ہی جارج آگے بڑھا اور اسے بانہوں میں بھر لیا ''آپ آئے بہار آئی'' وہ ڈھٹائی سے کہنے لگا ''پرے ہٹو بدتمیز'' ایملی نے جھنجلاتے ہوئے اپنے آپ کو اس سے چھڑایا۔ جارج ہنستا ہوا پیچھے ہٹ گیا اس کے بعد ٹینا دیوار پھلانگ کر اندر کود گئی اب صرف کرسٹی اور کیٹی ہی باہر رہ گئی تھیں ''چلو اب تم بھی اندر کود جاؤ'' کرسٹی نے کیٹی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تو کیٹی ڈرتے ڈرتے دیوار پر چڑھنے لگی ''احتیاط سے کہیں گر نہ جانا'' کرسٹی نے اسے ٹوکا اور پھر خود بھی اندر کود گئی۔ اب یہ سب قبرستان کے اندر موجود تھے۔ سب اپنے اردگرد دیکھنے لگے وہاں چاروں طرف قبریں ہی قبریں تھیں کیٹی نہایت خوفزدہ لگ رہی تھی

''دوستو پلیز! میری بات سنو کیا یہ سب کرنا ضروری ہے؟ مجھے یہ سب کچھ ٹھیک نہیں لگ رہا'' اس نے خوفزدہ نظروں سے قبروں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''یار کیا مصیبت ہے؟ اگر تمہیں اتنا ہی ڈر لگ رہا تھا تو ہمارے ساتھ آئی ہی کیوں؟'' میکس نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

''میکس تم اب سچ میں مار کھاؤ گے مجھ سے۔'' ٹینا کڑے تیوروں کے ساتھ اس کی طرف پلٹی ''چلو کیٹی گھبراؤ مت ہم سب تمہارے ساتھ ہیں اور آخر کو ہم تعداد میں چھ ہیں کچھ نہیں ہوگا'' ٹینا نے کیٹی کو تسلی دی۔

''چلو سب مل کر کوئی بہت پرانی قبر ڈھونڈتے ہیں'' جارج نے مشورہ دیا۔ ''ہاں یہ ٹھیک رہے گا'' میکس نے بھی اس کی تائید کی۔

یہ سب ہاتھوں میں ٹارچیں پکڑے کوئی بہت پرانی قبر ڈھونڈنے لگے ''یہاں تو بہت ڈھیر ساری قبریں ہیں کسی بھی قبر کے پاس کھڑے ہو کر تصویر کھنچوا لیتے ہیں۔'' ایملی نے اپنے بالوں کو سیٹ کرتے ہوئے کہا۔

ایملی ٹینا اور کرسٹی بہت زیادہ تیار ہو کر وہاں آئی تھیں انہوں نے فل میک اپ کیا ہوا تھا اور بال بھی بنا رکھے تھے جبکہ کیٹی کسی بھی قسم کا میک اپ کرنے پر تیار نہیں تھی ان تینوں نے زبردستی بڑی مشکل سے اسے فیس پاؤڈر بلش آن اور لپ اسٹک لگائی تھی۔

''ہم سب الگ الگ قبروں کے پاس کھڑے ہوکر تصویر کھنچوائیں گے'' ٹینا نے کہا۔

''ہاں یہ واقعی بہت اچھا خیال ہے ہوسکتا ہے کہ اس طرح کسی نہ کسی روح کی تصویر کیمرے میں آ ہی جائے'' کرسٹی نے بھی اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

وہ سب رُک رُک کر ہر قبر کے کتبہ پر مرنے والے کی پیدائش اور مرنے کے سال کو دیکھتے جارہے تھے آخر کار یہ لوگ ایک قبر کے پاس رُک گئے ''ہو! سن 1895ء'' جارج نے ایک لمبی سانس خارج کی ''پھر کیا خیال ہے ایملی کافی پرانی قبر ہے؟'' اس نے ایملی کو مخاطب کیا ''ہاں ٹھیک ہے میرے خیال سے یہ والی صحیح رہے گی'' ایملی کیٹ واک کرتی ہوئی قبر کے برابر میں آ کھڑی ہوئی اور پوز بنانے لگی جارج خوشی خوشی اس کی تصویریں اتارنے لگا جب ایملی تصویریں کھنچوا چکی تو کرسٹی آگے آئی اور کہنے لگی ''چلو بوائز اب میری باری ہے لیکن میرے لیے کوئی اور قبر ڈھونڈو اس سے بھی زیادہ پرانی''

''او کے! نو پرابلم'' جارج نے ہنستے ہوئے کہا۔

وہ سب ایک بار پھر آگے چل پڑے جلد ہی انہیں ایک قبر مل گئی ''سن 1799ء واہ! کیا بات ہے'' جارج نے ہلکی سیٹی بجائی، کرسٹی بھی ایملی کی طرح پوز بنا کر کھڑی ہوگئی اور تصویریں بنوانے لگی جب وہ اپنی تصویریں بنوا چکی تو ٹینا نے میکس سے کہا ''وہ اس کے لئے کوئی قبر ڈھونڈ لے جس کے پاس کھڑے ہوکر وہ تصویر کھنچوا سکے۔''

میکس نے جلد ہی ایک قبر ڈھونڈ نکالی ٹینا، کرسٹی اور ایملی کی طرح نئے نئے پوز دینے لگی، اسے دیکھ کر یوں لگ رہا تھا کہ جیسے وہ کوئی عام لڑکی نہیں بلکہ کوئی مشہور ماڈل ہوں اور فوٹو سیشن کی تیاری کرکے آئی ہوں جب وہ اپنی تصویریں بنوا چکی تو کیٹی سے مخاطب ہوکر کہنے لگی۔ ''چلو کیٹی اب تم بھی اپنی تصویریں بنوالو اس پنک کلر کے اسکرٹ اور وائٹ ٹاپ میں تم ویسے بھی کافی کیوٹ لگ رہی ہو۔''

''کیا تم لڑکیاں ہی اپنی تصویریں بنوائے جارہی ہو ہمیں بھی تو موقع دو آخر ہماری باری کب آئے گی؟'' جارج نے منہ بناتے ہوئے کہا ''ہاں یہ ٹھیک کہہ رہا ہے اب پہلے ہمیں موقع دیا جائے'' میکس نے بھی اس کا ساتھ دیا۔

''یار آخر تم لڑکوں کو بے چاری کیٹی سے کیا پرابلم ہے؟'' ٹینا نے برا مناتے ہوئے کہا ''جارج میری تصویریں لیتے وقت تو تم نے ایسا کچھ نہیں کہا تھا'' ایملی بھی ان لوگوں کے بیچ میں بولی۔

''پلیز! جھگڑو مت، میں اپنی تصویر بعد میں بنوالوں گی تم لوگوں کو میری وجہ سے آپس میں لڑنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے ویسے بھی میں تو تصویریں بنوانا نہیں چاہتی تھی لیکن بس تم لوگوں کے اصرار پر یہاں آ گئی'' کیٹی نے ان لوگوں کے موڈ آف ہوتے دیکھے تو منع کرنے لگی۔

ٹینا نے ایک گہری سانس خارج کی اور پھر بولی ''ٹھیک ہے جیسی تمہاری مرضی، لیکن ایک بات تو ہے کہ تم دونوں ہمیشہ بے چاری کیٹی کو پریشان کرتے رہتے ہو'' ایملی نے خفگی سے کہا پھر میکس اور جارج اپنے لیے قبر ڈھونڈنے لگے ''میں اس کے پاس کھڑے ہوکر تصویر کھنچواؤں گا'' میکس نے ایک پرانی سی قبر کی طرف اشارہ کیا ''نہیں یہ والی قبر میری ہے اس کے پاس میں کھڑے ہوکر تصویر کھنچواؤں گا'' جارج نے اسے پیچھے ہٹاتے ہوئے کہا ''ایسا کرو تم دونوں ایک ہی قبر کے پاس کھڑے ہوکر اپنی تصویریں بنوالو'' کرسٹی نے مشورہ دیا۔

جارج اور میکس دونوں کو ہی یہ آئیڈیا پسند آیا وہ دونوں عجیب عجیب شکلیں بنا کر تصویریں کھنچوانے لگے اس کے بعد ایملی کہنے لگی ''چلو اب کیٹی کے لئے بھی کوئی قبر ڈھونڈو، وہ بے چاری کب سے ایک طرف کھڑی تم دونوں کی فضول حرکتیں دیکھ رہی ہے''

''ٹھیک ہے اب ان محترمہ کے لئے بھی کوئی قبر دیکھ لیتے ہیں'' جارج منہ بناتے ہوئے بولا۔

وہ سب ایک بار پھر آگے چل پڑے میکس اور جارج لڑکیوں کے آگے آگے چل رہے تھے اچانک ہی ان کی نظر ایک تازہ کھدی ہوئی قبر پر پڑی کرسٹی، ایملی اور ٹینا پریشان نظروں سے اس تازہ کھدی ہوئی قبر کو دیکھنے لگیں جبکہ کیٹی کے چہرے کا رنگ اڑ گیا البتہ لڑکوں پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا وہ ابھی بھی اسی طرح مطمئن نظر

آ رہے تھے ''لڑکیوں! ذرا یہاں تو دیکھو بھلا اس قبر کو کھود کر کس نے چھوڑ دیا؟'' جارج ہنستے ہوئے بولا۔

''ہاں پتہ نہیں یہ کس پاگل کا کارنامہ ہے ایسا کرو کیٹی کہ تم اس قبر کے اندر کھڑی ہو جاؤ بلکہ لیٹ جاؤ'' میکس نے بھی پورے جوش وخروش سے کہا جبکہ کیٹی کو اپنی تضحیک ہی لگی ''یہ کیا بدتمیزی ہے یہ قبر تم دونوں میں سے کس نے کھودی؟'' کیٹی غصے سے حلق کے بل چیخی اس کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے وہ خفگی سے جارج اور میکس کی طرف دیکھ رہی تھی شاید وہ یہ سمجھ رہی تھی کہ یہ قبر جارج اور میکس میں سے ہی کسی نے کھودی ہے جبکہ دوسری طرف میکس اور جارج اس کے اس طرح غصہ کرنے اور رونے سے کچھ پریشان نظر آنے لگے تھے ''کیا کہہ رہی ہو؟ بھلا ہم کیوں یہ قبر کھودیں گے؟'' میکس کیٹی سے مخاطب ہوا ''ہاں بھلا تم ہم پر کیوں الزام لگا رہی ہو؟ جارج نے بھی کیٹی کی طرف دیکھا۔

''ہوسکتا ہے کہ یہ کام تمہارا اپنا ہی ہو؟'' اپنی اس بے عزتی پر کیٹی کا دل چاہا کہ وہ خوب روئے، جبکہ کرسٹی ایملی اور ٹینا لڑکوں کو برا بھلا کہنے لگیں۔

کیٹی روتی ہوئی وہاں سے چلی گئی اس نے قبرستان کی دیوار پھلانگی اور باہر کود گئی۔ اندر یہ لوگ آپس میں بحث کر رہے تھے ''میکس یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے'' ٹینا غصے سے بولی۔

''ہاں یہ بالکل درست کہہ رہی ہے تمہیں اس بے چاری پر الزام لگاتے ہوئے ذرا بھی شرم نہیں آئی جارج'' ایملی کا موڈ بھی خراب ہو گیا تھا یہ لوگ بکتے جھکتے ایک دوسرے کو الزام دیتے قبرستان کی دیوار پھلانگ کر باہر آ گئے اور اپنے اپنے گھروں کو چل دیئے، کیٹی سمیت ان سب کے موڈ آف ہو چکے تھے۔

☆......☆......☆

جارج نے فوٹو اسٹوڈیو جا کر تصویریں بننے کے لئے دیدی تھیں اس واقعے کو پیش آئے ایک ہفتہ ہو چکا تھا آج جمعہ کی رات تھی میکس اور جارج نے کیٹی سے اپنے غلط رویئے کی معافی مانگ لی تھی اور ساتھ ہی اسے اس بات کا یقین بھی دلایا تھا کہ انہوں نے وہ قبر نہیں کھودی تھی۔

کیٹی نے انہیں معاف کر دیا ''دراصل غلطی میری بھی ہے میں بھی کچھ زیادہ ہی ڈر گئی تھی'' کیٹی نے شرمندہ ہوتے ہوئے کہا۔

ان سب میں آپس میں ایک بار پھر دوستی ہو گئی تھی

آج رات جارج اور ایملی ڈیٹ پر جا رہے تھے ان دونوں کا ارادہ ڈانس کلب جا کر مزے سے پارٹی کرنے کا تھا ایملی ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی اپنے لمبے بالوں میں برش کر رہی تھی تھوڑی دیر میں جارج اسے لینے کے لئے آنے ہی والا تھا وہ ابھی آئینے میں اپنے آپ کو دیکھ ہی رہی تھی کہ یکدم دروازے پر بیل ہوئی۔ ایملی کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی ''لگتا ہے جارج آ گیا'' اس نے دل میں سوچا اور پھر بھاگتی ہوئی گئی اور دروازہ کھول دیا۔

سامنے جارج کھڑا مسکرا رہا تھا ''کیسی ہو سوئٹ ہارٹ؟ بہت پیاری لگ رہی ہو'' اس نے شوخی سے کہا۔

ایملی نے ایک ادا سے اپنے بال پیچھے جھٹکے ''آج رات تو میں تمہیں قتل کر کے چھوڑوں گی'' اس کے ساتھ ہی وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

جارج نے اپنی گاڑی کا دروازہ کھولا اور ایملی کو فرنٹ سیٹ پر بیٹھا دیا اور خود ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر گاڑی اسٹارٹ کر دی، تھوڑی دیر میں وہ دونوں ڈانس کلب پہنچ گئے وہ اندر داخل ہوئے اور ڈانس کرنے لگے ایملی ایک بہترین ڈانسر تھی وہ اتنا زبردست ڈانس کرتی تھی کہ دیکھنے والے دنگ رہ جاتے تھے اس رات بھی اس نے جارج کے ساتھ مل کر خوب رقص کیا۔ پھر جب وہ دونوں تھک چکے تو کاؤنٹر پر آ کر اپنے لیے ڈرنکس کا آرڈر کرنے لگے اس کے بعد جارج نے گاڑی میں ایملی کو اس کے گھر چھوڑا اور اپنے گھر واپس جانے لگا۔

کہ اچانک ہی اسے کچھ خیال آیا اور اس نے اپنی گاڑی کا رخ فوٹو اسٹوڈیو کی طرف کر دیا۔ ''بھلا بتاؤ ایک ہفتہ ہو گیا اور میں نے ابھی تک اسٹوڈیو سے تصویریں نہیں لیں'' وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑایا۔ فوٹو

اسٹوڈیو پہنچ کر اس نے تصویریں لیں کاؤنٹر پر موجود آدمی نے ایک براؤن رنگ کے لفافے میں تصویریں رکھ کر اسے دیدیں پھر وہ اپنے گھر چلا آیا۔ رات کا کھانا تو وہ پہلے ہی کھا چکا تھا وہ سیدھا اپنے کمرے میں گھسا تصویروں والا لفافہ لاپرواہی سے بیڈ پر پھینکا اور پھر نہانے کے ارادے سے باتھ روم میں گھس گیا۔ بیس منٹ بعد وہ باہر نکلا تو لیے سے بال خشک کرتے ہوئے وہ بیڈ کے نزدیک آ گیا تولیہ اس نے بیڈ پر پھینکا اور تصویروں والا لفافہ اٹھالیا اس نے لفافہ بیڈ پر الٹ دیا۔

تصویروں پر نظر پڑتے ہی وہ بری طرح ششدر رہ گیا "بھلا یہ کیسے ہوگیا؟" جارج منہ ہی منہ میں بڑبڑایا وہ ان تصویروں پر غور کر ہی رہا تھا کہ اچانک ہی کسی نے پیچھے سے اس کے گلے میں تولیہ ڈال کر اس کا دم گھونٹنا شروع کردیا، جارج مزاحمت کی کوشش کرنے لگا لیکن بے سود، اس کے حلق سے عجیب سی آوازیں نکلنے لگیں اس کا دم گھٹ رہا تھا، دہشت اور خوف سے اس کی آنکھیں باہر ابلی پڑ رہی تھیں۔

پھر تھوڑی ہی دیر میں اس کا وجود ساکت ہوگیا وہ مر چکا تھا۔

☆......☆......☆

اگلے دن صبح کے وقت ایملی میکس ٹینا کرسٹی اور کیٹی قبرستان میں کھڑے تھے۔ ایملی کا رو رو کر برا حال تھا وہاں پر کالج سے جارج کے اور دوست بھی آئے ہوئے تھے جارج کے والدین شدت غم سے نڈھال تھے دراصل وہاں موجود سارے لوگ ہی غمگین نظر آرہے تھے ان سب کو جارج کے مرنے کا دکھ اس لیے بھی زیادہ تھا کہ اسے قتل کیا گیا تھا اس کے پاس زمین پر ایک خالی براؤن رنگ کا لفافہ بھی پڑا تھا پولیس کی سمجھ سے باہر تھا کہ اسے کس نے اور کیسے اتنی بے رحمی سے قتل کردیا تھا؟

ایملی نے جارج کے والدین کو باری باری گلے لگا کر ان سے افسوس کا اظہار کیا باقی سب بھی جارج کے گھر والوں سے افسوس کررہے تھے جارج کی تدفین کے بعد ایملی اپنے گھر چلی گئی البتہ میکس ٹینا کرسٹی اور کیٹی کو لے کر ایک کافی شاپ میں آ گیا۔ "چلو دوستو ایک ایک کپ گرم گرم کافی پی لیتے ہیں بہت ٹھنڈ ہو رہی ہے ایسا کرتا ہوں کافی کے ساتھ کچھ اسنیکس بھی منگوا لیتا ہوں مجھے پورا یقین ہے کہ تم لوگوں نے صبح ناشتے میں بہت کم کھایا ہوگا" میکس نے ان سب کا دھیان بٹانے کے لئے کہا، کسی نے کوئی جواب نہیں دیا، میکس نے خود ہی سب کے لئے کافی اور اسنیکس آرڈر کردیئے، تھوڑی دیر میں ویٹر نے ان کی چیزیں ٹیبل پر سجادیں۔ وہ سب خاموشی سے کھانے لگے البتہ کیٹی نے کھانے کی کسی چیز کو ہاتھ تک نہیں لگایا۔

میکس کے اصرار پر اس نے کافی کے چند گھونٹ لے لیے، کیٹی کی آنکھوں میں بار بار آنسو آرہے تھے جنہیں وہ سب سے چھپانے کی کوشش کررہی تھی لیکن وہ سارے اس کی اس کیفیت سے واقف تھے۔

☆......☆......☆

اس رات ایملی گھر پر اکیلی تھی اس کے مام اور ڈیڈ کسی دوست کی پارٹی میں گئے تھے جارج کے قتل کے بعد سے ایملی بہت اداس اداس رہنے لگی تھی اس کے مام اور ڈیڈ اس کی دلجوئی کی ہر ممکن کوشش کررہے تھے اس کا کھانا پینا بہت کم ہوگیا تھا وہ بہت کمزور دکھائی دینے لگی تھی۔ اپنے مام اور ڈیڈ کے جانے کے بعد ایملی بہت دیر تک گھر میں یونہی ادھر ادھر پھرتی رہی پھر جب وہ تھک چکی تو کچن میں آ گئی اس نے کچن میں رکھے فریج سے سینڈوچز بنانے کا سامان نکالا اپنے لیے دو سینڈوچز تیار کرنے لگی وہ سینڈوچز کی پلیٹ اٹھائے ڈائننگ روم میں آ گئی اور سینڈوچز کھانے لگی۔

اچانک ہی اسے ایسا لگا کہ جیسے گھر میں کوئی ہے کسی کی موجودگی کے خیال سے وہ کچھ خوفزدہ ہوگئی اتنے میں اسے اوپر کسی کے قدموں کی آواز سنائی دی وہ بری طرح گھبرا گئی اور سینڈوچز بیچ میں ہی چھوڑ کر کھڑی ہوگئی اس نے کچن میں سے چھری اٹھائی اور آہستہ آہستہ سیڑھیاں چڑھنے لگی اوپر پہنچ کر اس نے ہر جگہ دیکھا لیکن وہاں کوئی نہیں تھا ایملی نے دل ہی دل میں اسے اپنا وہم قرار دیا اور سکون کی سانس لی پھر وہ سیڑھیاں اتر کر نیچے آئی اور جلدی جلدی اپنے سینڈوچز ختم کرنے لگی پھر وہ اوپر اپنے کمرے

میں آئی اور سونے کی تیاری کرنے لگی اس نے اپنے دانت برش کیے اور باتھ روم سے باہر نکل آئی، پھر بالوں کا برش اٹھایا اور اپنے بال سلجھانے لگی جب وہ بال برش کر چکی تو اس نے برش واپس ڈریسنگ ٹیبل پر رکھ دیا۔

اچانک ہی وہ چونک پڑی ڈریسنگ ٹیبل پر ایک موٹا سا براؤن لفافہ رکھا ہوا تھا اس نے ہاتھ بڑھا کر لفافہ اٹھایا ''ارے یہ کیا ہے؟'' ایملی منہ ہی منہ میں بڑبڑائی اور لفافہ کھول لیا اندر موجود تصویروں کو دیکھ کر وہ بری طرح خوفزدہ ہوگئی کہ اچانک اسے اپنے پیچھے کسی کی موجودگی کا احساس ہوا اس نے پلٹ کر دیکھا تو اس کی چیخ نکل گئی۔

☆......☆......☆

اگلی صبح میکس نے ٹینا، کرسٹی اور کیٹی کو اپنے ساتھ لیا اور قبرستان پہنچ گیا، کل رات کسی نے ایملی کا گلا گھونٹ کر اسے قتل کردیا تھا اس کے پاس سے بھی اتنے ہی سائز کا براؤن رنگ کا ایک لفافہ ملا تھا جیسا کہ جارج کی لاش کے نزدیک سے برآمد ہوا تھا۔ وہ چاروں اس وقت بالکل خاموش بیٹھے تھے، کسی کو کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ کیا کہیں، پولیس نے اچھی طرح سے ایملی کے گھر کی تلاشی لی تھی لیکن ایسا کوئی ثبوت حاصل نہیں ہوا تھا جس سے ایملی کے قاتل تک پہنچا جاسکے وہ سب کالے کپڑوں میں ملبوس قبرستان میں داخل ہوگئے۔ عجیب سوگوار ماحول میں ایملی کی آخری رسومات ادا کردی گئیں۔ میکس نے تینوں لڑکیوں کو اپنی کار میں بیٹھایا اور انہیں اپنے ساتھ اپنے گھر لے آیا وہ تینوں بے حد رنجیدہ نظر آرہی تھیں گھر کا دروازہ میکس کے چھوٹے بھائی نے کھولا وہ ان سب کو ساتھ لیے لونگ روم میں آگیا ''میں جانتا ہوں کہ تم لوگوں نے آج پھر ناشتہ نہیں کیا ہوگا، میں تم تینوں کے کھانے کے لئے کچھ لے کر آتا ہوں'' میکس یہ کہہ کر اپنی جگہ سے اٹھ گیا اور وہ تینوں اسے پیچھے سے روکتی ہی رہ گئیں۔

تھوڑی دیر میں میکس کافی اور سینڈوچز کی ٹرے اٹھا لایا اس نے وہ ٹرے میز پر رکھی اور ان تینوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ ''کم آن گرلز! پلیز تھوڑا سا کھالو''

''میرا کچھ بھی کھانے کا دل نہیں ہے'' ٹینا نے غم سے نڈھال لہجے میں کہا۔

''پلیز تھوڑا سا کھالو پلیز میری خاطر دیکھو میں نے کتنی محبت سے بنایا ہے۔'' وہ لوگ مجبوراً کھانے لگیں۔

☆......☆......☆

ایملی کو مرے ہوئے چار دن ہوگئے تھے لیکن ابھی تک پولیس کو کوئی سراغ نہیں مل سکا تھا رات کا وقت تھا سخت سردی ہو رہی تھی تیز ہوا کے جھکڑ چل رہے تھے۔ میکس کافی شاپ سے گھر واپس جا رہا تھا وہ جب بھی اداس ہوتا تھا تو کافی شاپ میں کافی پینے چلا آتا تھا۔ یہ کافی شاپ اسے بہت پسند تھی اسے کافی شاپ سے بے حد لگاؤ تھا شاید اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس کافی شاپ میں وہ اپنی گرل فرینڈ ٹینا کے ساتھ آتا رہتا تھا۔

چلتے چلتے اچانک ہی اسے ایسا لگا کہ کوئی اس کے پیچھے آرہا ہے اس نے مڑ کر پیچھے دیکھا لیکن وہاں کوئی نہیں تھا وہ پھر سے آگے چلنے لگا نجانے کیوں سارے راستے اسے ایسا ہی محسوس ہوتا رہا کہ کوئی اس کے پیچھے چل رہا ہے۔ گھر پہنچ کر اس نے اپنی جیکٹ اتاری اور اپنی مام کو آواز دی ''مام پلیز کھانا لگائیے مجھے بہت بھوک لگ رہی ہے۔'' اس کی مام مسز براؤن اس کی آواز پر کچن سے باہر نکل آئیں۔ ''کہاں چلے گئے تھے بیٹا، باہر تو اتنی تیز ہوا چل رہی ہے'' مسز براؤن نے پرشفقت لہجے میں پوچھا وہ جانتی تھیں کہ میکس اپنے دوستوں کی پراسرار اموات سے کتنا پریشان ہے۔

میکس نے آگے بڑھ کر اپنی مام کو گلے لگالیا ''مام! آپ پلیز میری وجہ سے پریشان نہ ہوں میں بالکل ٹھیک ہوں''

''میں تمہارے ڈیڈ اور بھائی کو بلا کر لاتی ہوں ان دونوں نے بھی تمہارے انتظار میں ابھی تک کھانا نہیں کھایا ہے'' پھر وہ سب ایک ساتھ ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھ کر کھانا کھانے لگے جب وہ سب کھانا کھا چکے تو سونے کے لئے اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے۔

میکس بھی اپنے کمرے میں چلا آیا۔ اس نے

الماری میں سے اپنا نائٹ سوٹ نکالا اور باتھ روم کی طرف بڑھ گیا جب وہ واپس آیا تو یہ دیکھ کر چونک گیا کہ اس کے بیڈ پر ایک براؤن رنگ کا لفافہ پڑا ہوا ہے۔ ''ابھی تو یہ یہاں نہیں تھا ضرور یہ ڈیوڈ (میکس کا چھوٹا بھائی) کی حرکت ہوگی بہت ہی شرارتی ہوگیا ہے یہ عجیب بے ہودہ مذاق ہے'' میکس نے غصے سے منہ ہی منہ میں بڑبڑاتے ہوئے کہا اس نے آگے بڑھ کر وہ لفافہ اٹھایا اور اسے اپنے بیڈ پر خالی کردیا اس لفافے میں سے جو تصویریں نکلی تھیں انہیں دیکھ کر میکس حواس باختہ ہوگیا، اچانک ہی اسے اپنے پیچھے کسی کی موجودگی کا احساس ہوا اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور بس دیکھتا ہی رہ گیا وہ کچھ بھی نہ بول سکا۔

☆......☆......☆

میکس کی اس اچانک موت نے سب کو جہاں مزید غمزدہ کردیا تھا وہیں بری طرح دہلا کر بھی رکھ دیا تھا۔ میکس کو گلا گھونٹ کر مار دیا گیا تھا۔ اس کے پاس سے بھی ویسا ہی ایک براؤن رنگ کا لفافہ برآمد ہوا تھا۔ ہمیشہ کی طرح اس بار بھی پولیس کے ہاتھ کچھ نہیں لگا تھا۔ ٹینا، کرسٹی اور کیٹی قبرستان میں کھڑی تھیں میکس کا تابوت قبر میں اتارا جارہا تھا ٹینا دھاڑیں مار مار کر رو رہی تھی۔ کیٹی اور کرسٹی اسے سنبھال رہی تھیں۔ کیٹی اور کرسٹی کی آنکھوں سے بھی آنسو بہہ رہے تھے۔ میکس کی ماں مسز براؤن پر سکتہ طاری تھا۔ وہ بس خاموشی سے خلا میں گھور رہی تھیں اور ٹینا جیسے صدمے سے پاگل ہو رہی تھی کرسٹی اور کیٹی اسے بمشکل سنبھالتی ہوئی قبرستان سے باہر نکل آئیں انہوں نے اسے گاڑی میں بٹھایا اور اس کے گھر تک چھوڑ دیا۔ ٹینا کی ماں نے اسے نیند کی گولی کھلا کر سلا دیا۔

جب ٹینا سو کر اٹھی تو اچانک اس کے ذہن میں ایک خیال آیا اسے اچھی طرح یاد تھا کہ میکس جارج ایملی کرسٹی اور خود اس نے کسی بدروح کو بلایا تھا یہ خیال ذہن میں آتے ہی وہ بری طرح خوفزدہ ہوگئی۔

''کہیں ایسا تو نہیں کہ اس کے سارے دوستوں کو کسی بدروح نے قتل کیا تھا'' ٹینا نے سوچا کہ وہ یہ بات اپنے گھر والوں کو نہیں بتائے گی ورنہ وہ اسے بیوقوف سمجھیں گے اس نے اپنا موبائل فون اٹھایا اور کیٹی کا موبائل نمبر ڈائل کرنے لگی۔

کیٹی نے پہلی ہی رنگ پر اپنا فون اٹھالیا ''ہیلو کیٹی! مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے'' ٹینا نے فون پر کہا۔

''ہاں کرو ٹینا تمہاری طبیعت کیسی ہے؟ تم ٹھیک تو ہو؟'' کیٹی نے پریشان کن لہجے میں پوچھا۔ ''یہ سب مت پوچھو تم بس فوراً کافی شاپ پہنچو میں نے تمہیں کچھ ضروری بات بتانی ہے'' ٹینا نے جواب دیا۔

''کیا بات بتانی ہے؟'' کیٹی کو تشویش ہوئی۔

''کیٹی میں جان گئی ہوں کہ ہمارے دوستوں کو کس نے قتل کیا ہے؟ مجھے پتہ چل گیا ہے سب پتہ چل گیا ہے'' ٹینا نے اسی لہجے میں جواب دیا۔

''ٹھیک ہے، ٹھیک ہے میں پہنچتی ہوں، تم پریشان مت ہو'' یہ کہہ کر کیٹی نے فون بند کردیا وہ کافی شاپ کے لئے نکلنے لگی تو اس کے ذہن میں خیال آیا کہ کرسٹی کو بھی فون کرکے کافی شاپ میں بلالے ''پتہ نہیں بے چاری ٹینا اسے کیا بات بتانا چاہتی ہے'' اس خیال کے ذہن میں آتے ہی اس نے کرسٹی کے موبائل پر فون کیا کرسٹی نے فون اٹھایا پھر بولی ''ہیلو کون بول رہا ہے؟''

''میں ہوں کیٹی کرسٹی تم میری بات غور سے سنو، ٹینا نے ابھی ابھی مجھے فون کرکے کافی شاپ میں بلایا ہے پتہ نہیں کہہ رہی تھی کہ فوراً پہنچو مجھے تمہیں کچھ ضروری بات بتانی ہے''

''ضروری بات؟'' کرسٹی نے چونک کر پوچھا۔

''وہ کہہ رہی تھی کہ وہ جان گئی ہے کہ ہمارے دوستوں کو کس نے قتل کیا ہے'' کیٹی نے جواب دیا۔

''کس نے قتل کیا ہے؟'' دوسری طرف کرسٹی کا لہجہ کچھ عجیب سا ہوگیا ''یہ تو مجھے بھی نہیں پتہ اس نے فون پر کچھ بتایا ہی نہیں''

''ایسا کرو کہ تم بھی کافی شاپ پہنچ جاؤ ہم دونوں اکٹھے مل کر ہی اس سے بات کریں گے'' کیٹی نے جواب دیا۔ پھر ان دونوں نے فون بند کردیا کیٹی نے اپنا اوورکوٹ پہنا اور کافی شاپ کی طرف روانہ ہوگئی دوسری طرف ٹینا

اپنے گھر سے باہر نکلی اور خاموشی سے کسی کو کچھ بتائے بغیر کافی شاپ کی طرف روانہ ہوگئی۔ وہ چلتے چلتے کافی شاپ کے نزدیک پہنچ گئی اس نے دیکھا کہ کیٹی کافی شاپ کے باہر ہی کھڑی ہے اس نے ٹینا کو دیکھ کر ہاتھ ہلایا، ٹینا نے سڑک کے دائیں بائیں دیکھا اور پھر تیزی سے آگے بڑھی، جلدی میں وہ یہ بھی نہ دیکھ سکی کہ بائیں طرف سے ایک کار بڑی تیزی سے اس کی طرف آرہی ہے کیٹی نے جو یہ دیکھا تو اسے ہاتھ سے رکنے کا اشارہ کرنے لگی لیکن ٹینا تو بس بھاگتی چلی جارہی تھی کیٹی اسے روکتی ہی رہ گئی مگر بائیں طرف سے آنے والی کار نے ٹینا کو کچل کر رکھ دیا۔

کیٹی کے منہ سے چیخ نکل گئی، اچانک ہی اس کار کا دروازہ کھلا اور اس میں سے کرسٹی باہر نکلی وہ سخت پریشان لگ رہی تھی۔ کیٹی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی وہاں پر بہت لوگ جمع ہوگئے بہت سے لوگوں نے یہ حادثہ اپنی آنکھوں کے سامنے ہوتے دیکھا تھا تھوڑی ہی دیر میں پولیس بھی وہاں پہنچ گئی کرسٹی کو گرفتار کرلیا گیا۔ اگلے دن باقی سب کی طرح ٹینا کی بھی آخری رسومات ادا کردی گئیں۔ ٹینا کے گھر والوں کا رو رو کر برا حال تھا۔ کیٹی کی آنکھوں سے بھی آنسو بہہ رہے تھے کیٹی نے پولیس کو بتایا کہ ''ٹینا نے فون پر اس سے کہا تھا کہ وہ جان گئی ہے کہ یہ سارے قتل کس نے کیے ہیں وہ اس سے کافی شاپ میں مل کر کوئی بات بتانا چاہتی تھی لیکن اس سے پہلے ہی یہ حادثہ پیش آگیا۔

کافی شاپ کے پاس موجود لوگوں نے گواہی دی تھی کہ غلطی ٹینا کی ہی تھی وہ جلد بازی میں کار کے سامنے آگئی تھی، خود کیٹی نے بھی پولیس سے یہی کہا تھا لہٰذا کرسٹی کو چھوڑ دیا گیا۔

☆......☆......☆

اس واقعے کے تین دن بعد رات نو بجے کے قریب کیٹی کو کرسٹی کا فون آیا ''ہیلو! کیٹی میں کرسٹی بات کررہی ہوں میری دادی کسی ضروری کام سے دوسرے شہر گئی ہیں میں اس وقت گھر پر اکیلی ہوں تمہیں تو پتہ ہے کہ میں صرف اپنی دادی کے پاس رہتی ہوں کیونکہ میرے پیرنٹس کا میرے بچپن میں ہی انتقال ہوگیا تھا میں گھر پر اکیلی ہی رہ لیتی لیکن ابھی تھوڑی دیر پہلے جب میں شام کی واک پر گئی تو واپسی پر میں نے دیکھا کہ میرے گھر کے دروازے کے باہر ایک پرچہ تہہ کیا ہوا رکھا ہے میں نے اسے کھول کر پڑھا تو اس میں لکھا تھا ''اب تمہاری باری ہے'' اس لیے میں چاہتی ہوں کہ آج رات میں تمہارے گھر پر گزار لوں۔''

''یہ تم کیا کہہ رہی ہو کرسٹی یہ بات تو ہمیں فوری طور پر پولیس کو بتانی چاہئے'' کیٹی نے پریشان اور خوفزدہ لہجے میں کہا۔

''نہیں آج رات نہیں ہم کل صبح پولیس کو بتادیں گے'' کرسٹی نے دھیمے لہجے میں کہا۔

''کہیں تم پاگل تو نہیں ہوگئی ہو کرسٹی تمہاری جان کو خطرہ ہے اور تم کہہ رہی ہو کہ کل صبح بتادیں گے'' کیٹی حیرت سے بولی۔

''اگر تم نے مجھے آج رات اپنے گھر میں ٹھہرانا ہے تو بتاؤ ورنہ میں کسی اور دوست کے گھر رہ لوں گی۔'' کرسٹی نے کھردرے لہجے میں کہا۔

''نہیں نہیں! میرا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا تم بے شک میرے گھر آجاؤ اتفاق سے آج رات میرے ڈیڈ بھی گھر پر نہیں ہیں وہ بزنس کے سلسلے میں دوسرے شہر گئے ہیں تم آؤ گی تو مجھے اچھا لگے گا'' کیٹی نے فوراً ہی جواب دیا کہ کہیں کرسٹی ناراض نہ ہوجائے پھر ان دونوں نے فون بند کردیا۔

تھوڑی دیر کے بعد کیٹی کے گھر کے دروازے پر دستک ہوئی تو کیٹی نے فوراً ہی دروازہ کھول دیا باہر کرسٹی کھڑی تھی کیٹی اسے دیکھ کر مسکرائی تو کرسٹی خالی خالی نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔ ''ارے باہر کیوں کھڑی ہو اندر آؤ ناں'' کیٹی نے اسے اندر آنے کا راستہ دیتے ہوئے کہا۔

کرسٹی اندر گھر میں داخل ہوگئی کیٹی کھانا لگانے لگی تو کرسٹی نے یہ کہہ کر منع کردیا کہ وہ گھر سے کھانا کھا کر آئی ہے پھر تھوڑی دیر میں وہ دونوں سونے کے لئے لیٹ گئیں۔

رات کے ڈھائی بجے کا عمل ہوگا کہ کیٹی کی آنکھ کھل گئی اس نے اپنے اردگرد دیکھا پھر چونک پڑی۔

کرسٹی اپنے بستر پر موجود نہیں تھی وہ اٹھ کر بیٹھ گئی چند لمحوں کے بعد کرسٹی باتھ روم سے باہر نکلی ''تم باتھ روم میں تھیں میں تو ڈر ہی گئی تھی کہ پتہ نہیں تم کہاں چلی گئیں'' کرسٹی ہلکا سا مسکرائی۔

اچانک ہی کیٹی کی نظر سامنے ڈریسنگ ٹیبل پر پڑی وہاں ایک براؤن رنگ کا لفافہ رکھا ہوا تھا، کیٹی بری طرح خوفزدہ دکھائی دینے لگی ''یہ، یہ کہاں سے آیا؟'' کیٹی نے خوف سے ہکلاتے ہوئے پوچھا۔

''مجھے کیا پتہ شاید تمہارا ہو'' کرسٹی نے عجیب سے لہجے میں جواب دیا۔

''نہیں یہ میرا ہرگز نہیں ہے ہمارے سونے سے پہلے یہ یہاں موجود نہیں تھا'' کیٹی پر خوف سے لرزہ طاری تھا۔

''چلو دیکھتے ہیں کہ اس میں کیا ہے؟'' کرسٹی نے کہا اور ڈریسنگ ٹیبل کی طرف بڑھی۔

''نہیں کرسٹی! پلیز رُک جاؤ مجھے ڈر لگ رہا ہے اس لفافے کو مت کھولو ہم دونوں بے موت مارے جائیں گے۔'' کیٹی نے خوف سے کانپتے ہوئے کہا، کرسٹی نے وہ لفافہ اٹھایا اور اسے ڈریسنگ ٹیبل پر الٹ دیا، لفافے کے اندر سے کچھ تصویریں برآمد ہوئیں جنہیں دیکھ کر کرسٹی پر دہشت طاری ہوگئی وہ ساری تصویریں اس کی اپنی خود کی اور اپنے دوستوں کی تھیں جو انہوں نے قبرستان میں کھنچوائی تھیں۔

ان تصویروں میں ایک بات کامن تھی کہ ہر تصویر میں ان سب کے پیچھے کیٹی کھڑی تھی۔

کرسٹی کے جسم میں خوف سے چیونٹیاں سی رینگنے لگیں اس نے ڈرتے ڈرتے پیچھے مڑکر دیکھا کیٹی اس کے سامنے کھڑی تھی۔ اس کے لبوں پر شیطانی مسکراہٹ رقص کررہی تھی۔ ''تت تت تم کون ہو؟'' کرسٹی نے خوف سے ہکلاتے ہوئے کہا۔

''میں ایک بدروح، یاد ہے اس رات جب تم نے اور تمہارے دوستوں نے مجھے بلایا تھا لو میں آگئی'' کیٹی نے ایک مکروہ قہقہہ لگایا۔

میں نے اپنی زندگی میں تین لڑکیوں کو قتل کیا تھا، جانتی ہو کیوں؟ ان بے چاریوں کا قصور صرف یہ تھا کہ وہ میرے بوائے فرینڈ پر قبضہ جمانا چاہتی تھیں اس لیے میں نے انہیں قتل کردیا، عدالت نے مجھے عمر قید کی سزا سنادی لیکن میں نے جیل میں خود کو پھانسی دے کر ختم کرلیا لیکن اب میں واپس آگئی ہوں بچ سکتی ہو تو بچ کر دکھاؤ'' کیٹی نے پراسرار لہجے میں کہا۔

کرسٹی چیخ مار کر دروازے کی طرف بھاگی وہ چیختی چلاتی گھر سے باہر نکل آئی لیکن کیٹی بھی اس کے پیچھے باہر آگئی اس نے آگے بڑھ کر کرسٹی کا گلا دبوچ لیا۔ کرسٹی نے خود کو چھڑانے کی بہت کوشش کی لیکن کیٹی کی گرفت اتنی سخت اور مضبوط تھی کہ وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب نہیں ہوسکی۔ کرسٹی مر چکی تھی۔

اگلے دن صبح پولیس کو ایک خالی مکان کے سامنے سے کرسٹی کی لاش ملی۔ کرسٹی کی دادی بہت بری طرح رو رہی تھیں پولیس نے تحقیقات کیں تو پتہ چلا کہ یہ مکان مسٹر جونز نامی ایک شخص کا تھا اس کی بیٹی کیٹی نے تین لڑکیوں کو قتل کیا تھا جس کے جرم میں اسے عمر قید کی سزا ہوگئی تھی لیکن اس نے جیل میں خود کو پھانسی لگا کر ختم کرلیا۔ پولیس نے کالج سے کیٹی کا ایڈمیشن فارم حاصل کیا جس میں اسی کیٹی کی تصویر لگی تھی جس نے ان تینوں لڑکیوں کو قتل کیا تھا اور مکان کا ایڈریس بھی وہی تھا جس کے سامنے سے کرسٹی کی لاش ملی تھی۔

کیٹی کی موت کے بعد اس کے ڈیڈ دوسرے ملک چلے گئے تھے اور یہ مکان تب سے خالی پڑا تھا۔ پھر بھلا یہ کیسے ممکن تھا کہ کیٹی نے دوسری دنیا سے آکر ان سب کو قتل کیا ہو۔

پولیس کو کرسٹی کے پاس سے ایک ویسا ہی براؤن رنگ کا لفافہ ملا تھا۔ اس میں موجود تصویریں دیکھ کر پولیس اچنبھے میں پڑگئی تھی یہ ایک ایسا معمہ تھا جسے پولیس کبھی حل نہ کرسکی۔



# قاتونی

تیسرا حصہ

عمران قریشی۔کوئٹہ

رات کے گھٹا ٹوپ اندھیرے اور حیرت انگیز تحیر انگیز وحشت ناک، دہشت ناک اور خوفناک وادی میں اٹکھیلیاں کرتی اور ساتھ ہی دہشت پھیلاتی عجیب و غریب ناقابل یقین و ناقابل برداشت دل پر سکتہ طاری کرتی رائٹر کے زور قلم کی انوکھی و انھونی کہانی

خراماں خراماں......دل ودماغ کوخوف وہراس کے شکنجے میں جکڑتی......شاہکار کہانی

**نشانہ** غلط ثابت نہیں ہوا۔کیونکہ فوراً اسے دونی کے چیخنے چلانے کی آواز سنائی دی۔ دونی کے ساتھ صرف اندازے کے مطابق لڑنا ممکن نہیں تھا۔اس لئے نینی نے کمرے کی تمام چیزوں کو درہم برہم کرنا شروع کردیا۔مقصد صرف شورشرابہ کرنا تھا۔تاکہ ہوٹل والے اس کے کمرے کا رخ کریں۔اس نے سائیڈ ٹیبل کو اٹھا کر شیشے کی کھڑکی پر دے مارا۔ٹی وی کو زمین پر دھکیل دیا۔دونی نے اسے اپنی گرفت میں لینے کی کوشش کی۔لیکن نینی آپے سے باہر ہوتا چلا جارہا تھا۔اس نے الٹے ہاتھ کی کہنی دونی کی پسلیوں پر دے ماری۔دونی تکلیف کی شدت کو برداشت نہ کرتے ہوئے دوہرا ہوگیا۔کمرے کے دروازے کے باہر قدموں کی چاپ سنائی دی۔پھر کسی نے بڑبڑاتے ہوئے دروازہ کھٹکھٹانا شروع کیا۔نینی نے موقع غنیمت جانتے ہوئے آگے بڑھ کر دروازے کی چٹخنی نیچے گرادی۔دروازہ جھٹکے کے ساتھ کھل گیا۔دونی نے دوبارہ نینی کو اپنی گرفت میں لینے کی کوشش کی۔لیکن چیخ کی آواز کے ساتھ کمرے کی بتی روشن ہوگئی۔دونی نگاہوں کے سامنے سے اوجھل ہوگیا۔

وہ ہوٹل کا منیجر تھا۔جو شاید حیرت بھری نگاہوں سے کمرے کی حالت زار کو دیکھ رہا تھا۔نینی نے اس سے مخاطب ہوکر کہا۔

’’نقصان کی فکرمت کرنا۔میں ازالہ دینے کے لئے تیار ہوں۔تم ساتھ والے کمرے سے میری ساتھی لڑکی کو بلالاؤ۔‘‘منیجر کے کمرے سے باہر جانے کی آواز سنائی دی۔پھر ساتھ والے کمرے پر دستک دی گئی۔چند لمحے کے بعد وہ جھنجلائے ہوئے انداز میں دوبارہ کمرے میں داخل ہوا۔اور بولا۔

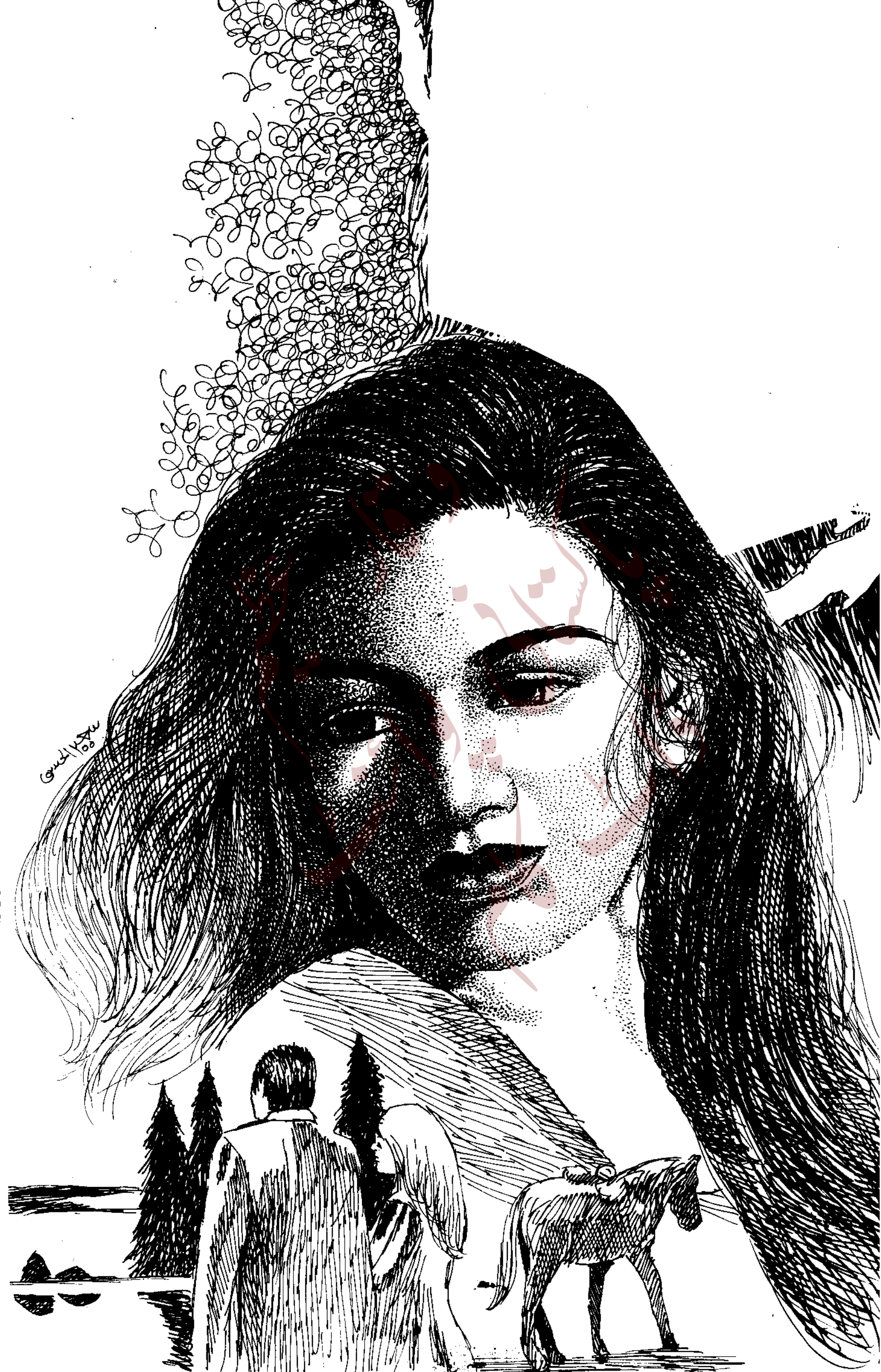
’’وہاں تالا لگا ہوا ہے۔تمہاری ساتھی لڑکی کمرے میں موجود نہیں ہے۔لیکن تم نے کمرے کی حالت کیا بنارکھی ہے۔‘‘نینی بولا۔

’’مجھ پر قاتلانہ حملہ ہوا ہے۔وہ تو خیریت رہی کہ میری آنکھ عین وقت پر کھل گئی۔ورنہ مجھے مرنے سے کوئی بچا نہیں سکتا تھا۔‘‘منیجر کی تمسخرانہ آواز سنائی دی۔

’’تمہارے کمرے کا دروازہ اندر سے لاک تھا اور تمہارے علاوہ کمرے میں کوئی بھی موجود نہیں تھا۔قاتلانہ حملے کیسے ہوسکتا ہے؟‘‘

نینی مسکراتے ہوئے بولا۔

’’قاتلانہ حملے کے لئے قاتل دروازے کا انتخاب نہیں کرتا ہے بلکہ کھڑکی سے اندر آنے کی کوشش



کرتا ہے۔ یقیناً کمرے کی کھڑکی کا شیشہ چکنا چور ہوگا۔'' منیجر نے اثبات میں سر ہلایا اور سامان کا تخمینہ لگانے کے بعد نینی کو سوزو کے کمرے میں شفٹ کردیا۔ وہ پولیس میں رپورٹ لکھوانا چاہتا تھا۔ لیکن نینی نے انکار کردیا۔ وہ سوزو کی آمد کا منتظر تھا۔ جو افریقہ روانگی کی تیاریوں کے لئے باہر گئی تھی۔

صبح ناشتے کے دوران نینی نے سوزو کو وونی کے حملے کے متعلق بتایا اور ساتھ والے کمرے کے سامان کی وہ فہرست اس کے ہاتھوں میں تھما دی۔ جس کی ادائیگی انہیں کرنی تھی۔ سوزو نے تاسف بھری نگاہوں کے ساتھ اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''مجھے افسوس ہے کہ ایسا صرف میری وجہ سے ہوا ہے۔ اگر میرا منکا تمہارے پاس ہوتا۔ تب وونی ایسا کبھی نہیں کرسکتا تھا۔'' نینی نے افسردہ لہجے میں جواب دیا۔

''اس میں تمہارا قصور نہیں ہے۔ الجھتے ہوئے حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے میں گزشتہ رات اتنا پریشان ہوگیا تھا کہ کمرے کی بتی روشن کرنا بھول گیا۔ اگر کمرے میں روشنی ہوتی تب وہ اندر داخل ہوکر مجھے پریشان نہیں کرسکتا تھا۔'' سوزو نے منکا باہر نکالا۔ اور اسے نینی کے ہاتھوں میں تھماتے ہوئے بولی۔

''اسے حلق سے نیچے اتار لو۔ میرے خیال میں مجھے وادی تاتونیا تک کے سفر کے دوران دوبارہ اس کی ضرورت نہیں پڑے گی۔''

نینی نے منکے کو نگل لیا۔ اس کی بینائی واپس آ گئی۔ سوزو مسکراتے ہوئے بولی۔

''فرینکلن شہر سے کوئی بھی پرواز براہ راست افریقہ نہیں جاتی۔ ہمیں وہاں تک جانے کے لئے قریبی شہر ڈین مور تک کا سفر کرنا ہوگا۔ وہاں سے نیروبی کے لئے فلائٹ مل جائے گی۔ سامان ہمارے پاس ہے نہیں۔ میں ہوٹل کا بل ادا کرتی ہوں۔ تم نہا دھو کر فریش ہونے کے بعد نیچے چلے آؤ۔ ڈین مور کی فلائٹ بارہ بجے روانہ ہوگی۔ ہم انتظار گاہ میں بیٹھ کر وقت گزار سکتے ہیں۔''

نینی اٹھ کر کمرے میں چلا آیا۔ سوزو نے بلوں کی ادائیگی کی اور دونوں ہوٹل سے باہر نکل کر ٹیکسی میں بیٹھ کر ایئرپورٹ کی طرف روانہ ہوگئے۔ ڈین مور جانے والی فلائٹ میں مسافروں کی تعداد زیادہ نہیں تھی۔ پورے بارہ بجے جہاز نے اڑان بھری اور دوپہر کے ڈیڑھ بجے انہیں ڈین مور کے مختصر شہر میں اتار دیا۔ چھوٹے سے اس شہر کی آبادی کچھ زیادہ نہیں تھی۔ پرسکون اور پرفضا مقام تھا۔ جس جہاز میں ان کی نیروبی تک کی بکنگ تھی۔ اس نے اگلے دن روانہ ہونا تھا۔ اس لئے انہیں ایک دن ڈین مور شہر میں ہی گزارنا تھا۔ ایئرپورٹ کے باہر مسٹر اینڈ مسز ہیڈلے ہاتھ میں سفید چارٹ تھامے کھڑے تھے۔ چارٹ پر تحریر تھا۔ ''کمرہ کرائے کے لئے خالی ہے۔ ریٹ مناسب اور گھر جیسے ماحول کے علاوہ کھانے پینے کی سہولت بھی دستیاب ہے۔'' نینی نے سوزو کی طرف استفہامیہ نگاہوں کے ساتھ دیکھا۔

سوزو بولی۔ ''میرے خیال میں مضائقہ نہیں ہے۔ ایک دن کی ہی بات ہے۔ ہوٹل نا سہی۔ گھر ہی سہی......'' دونوں مسٹر اینڈ مسز ہیڈلے کی طرف چل دیئے۔ نینی نے مختصر بات چیت کے دوران کرایہ اور گھر کے حدود اربع کے متعلق دریافت کیا۔ پھر ٹیکسی میں بیٹھ کر ان دونوں میاں بیوی کے دو کمروں پر مشتمل گھر میں چلے آئے۔ گھر کے باہر سرسبز باغیچہ بنا ہوا تھا۔ جس میں چند بطخیں مٹرگشت کرتی پھر رہی تھیں۔ باغیچے کے سامنے لکڑی کا برآمدہ بنا ہوا تھا اور اس کے آگے دو عدد رہائشی کمرے تھے۔ پچھلے حصے میں مختصر صحن تھا۔ سہ پہر کا وقت ہونے والا تھا۔ دونوں نے نہانے دھونے کے بعد ساتھ والے کمرے کا رخ کیا۔ جہاں چھوٹی سی میز پر کھانا لگا ہوا تھا۔ کھانے کے دوران مسٹر اینڈ مسز ہیڈلے نے انہیں بتایا۔ ''کہ گھر میں ان کے علاوہ اور کوئی نہیں رہتا۔ بچے بڑے ہونے کے بعد قریبی شہروں میں آباد ہوگئے ہیں اور ان سے ملاقات کرسمس کے دنوں میں بعض اوقات ہو جاتی ہے۔ دونوں میاں بیوی کا گزارا پنشن کی

مختصر رقم سے کم وبیش ہو ہی جاتا تھا۔ کمرہ کرائے پر دینے کی وجہ یہ تھی کہ آج کی رات مسز ہیڈلے کا جنم دن تھا۔ اور مسز ہیڈلے اسے تحفے میں فر والا قیمتی کوٹ دینا چاہتے تھے۔ وہ دونوں اکیلے ہونے کے باوجود بھی مطمئن اور خوش وخرم زندگی گزار رہے تھے۔

کھانا ختم کرنے کے بعد نینی اور سوزو گھر سے باہر نکل آئے۔ شہر کا بازار گھر کے قریب ہی واقع تھا۔ یہاں شہر کی نسبت کچھ زیادہ چہل پہل تھی۔ انہوں نے بازار کے درمیان میں واقع بیکری میں گھس کر سالگرہ کے کیک کا آرڈر دیا۔ جس پر مسز ہیڈلے تحریر کیا جانا تھا۔ انہوں نے مسٹر ہیڈلے کے گھر کا ایڈریس لکھوایا۔ اور بیکری سے باہر آگئے۔ بیکری کے ساتھ ہی جنرل اسٹور بنا ہوا تھا۔ نینی نے وہاں سے چند ٹارچیں اور ایک ایسی ٹوپی خریدی۔ جس کے سر پر ٹارچ نصب تھی۔ ایسی ٹوپی کان کنی کے لئے استعمال کی جاتی تھی۔ اسٹور سے باہر نکلتے ہوئے سوزو نے سرگوشی کے عالم میں نینی سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

''ہمارا تعاقب کیا جارہا ہے۔'' نینی نے ہڑبڑا کر پیچھے کی طرف دیکھنے کی کوشش کی۔ لیکن سوزو نے اسے سختی کے ساتھ منع کردیا۔ پھر سپاٹ لہجے میں بولی۔

''وہ پانچ افراد ہیں۔ میں انہیں بہ خوبی دیکھ سکتی ہوں۔ لیکن مجھے یہ سمجھ نہیں آرہی کہ ہمارا تعاقب کیوں کررہے ہیں؟''

''اس شہر میں ہمیں جاننے والا کوئی نہیں ہے۔'' نینی بولا۔

یہ سب دونی کی کارستانی ہے۔ منکے کی موجودگی میں وہ مجھے نقصان پہنچانے سے قاصر ہے۔ اس لئے اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آیا ہے۔''

سوزو نے پوچھا۔ ''کیا یہ اس کے ہرکارے ہیں؟''

''دنہیں......'' نینی نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''اس نے شہر کے غنڈوں کو رقم وغیرہ کا لالچ دے کر ہمارے پیچھے لگایا ہے۔ مقصد صرف یہ ہے کہ مجھے وادی تاتونیا پہنچنے سے قبل ختم کردیا جائے۔'' سوزو نے نینی کا

بازو تھاما۔ اور قریبی کیفے میں گھستی چلی گئی۔ دروازے میں داخل ہونے سے قبل اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ گرے رنگ کا ہیٹ پہنے ہوئے ایک آدمی تیر کی مانند ان دونوں کی طرف لپکا۔ اس کے پیچھے چند افراد بھی تھے۔ سوزو نے سامنے سے آتے ہوئے ویٹر سے تحکمانہ لہجے میں پوچھا۔

''کافی ہاؤس کے پچھلی طرف سے باہر جانے کا راستہ کس طرف ہے؟ ہمیں وہاں تک لے چلو۔'' ویٹر بولا۔

''آپ کیوں پوچھ رہی ہیں؟''

اس دفعہ نینی نے اسے سرد لہجے میں جواب دیا۔

''ہمارا تعلق خفیہ پولیس سے ہے۔ فوراً وہاں لے چلو۔ ورنہ تمہارے حق میں بہتر نہیں ہوگا۔'' ویٹر چابی بھرے کھلونے کی مانند کاؤنٹر کے ساتھ بنی ہوئی گیلری کی طرف چل دیا۔ سوزو اور نینی اس کے پیچھے تھے۔ اس اثناء میں گرے ہیٹ والا آدمی اپنے کارندوں کے آگے چلتا ہوا کافی ہاؤس کے دروازے تک چلا آیا۔ لیکن ان کے کیفے ہاؤس میں قدم رکھنے سے قبل ہی نینی اور سوزو نگاہوں سے اوجھل ہوگئے۔ راہداری آگے جا کر مختصر دروازے کے پاس ختم ہوگئی۔ دروازے کو کنڈی لگی ہوئی تھی۔ ویٹر نے کنڈی کو کھولا اور دونوں عجلت کے عالم میں کیفے کی عمارت سے باہر نکل آئے۔ ویٹر نے دروازے کو بند کرکے دوبارہ کنڈی لگادی۔

چند لمحے سوچتے رہنے کے بعد نینی نے کیفے کے دروازے کو باہر کی طرف سے بھی کنڈی لگادی۔ پھر گلی کے آخری سرے پر دکھائی دینے والے بازار کی طرف بھاگ کھڑا ہوا۔ یہاں ٹیکسیوں کی بہتات تھی۔ انہوں نے ٹیکسی پکڑی۔ اور اسے مسٹر اینڈ مسز ہیڈلے کے گھر کا پتہ بتانے کے بعد اندر بیٹھ گئے۔ ٹیکسی چلنے سے قبل نینی نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ لیکن وہاں تعاقب کرنے والے موجود نہیں تھے۔ ٹیکسی نے مختصر وقت کے دوران انہیں مسٹر اینڈ مسز ہیڈلے کے گھر پہنچادیا۔ وہ دونوں

گھر میں موجود نہیں تھے۔ یقیناً فر والے کوٹ کی خریداری کے لئے باہر گئے تھے۔ لیکن دروازے کو تالا نہیں لگایا گیا تھا۔ نینی اور سوزو دروازہ کھول کر رہائشی کمرے میں چلے آئے۔

شام کے چھ بجنے والے تھے اور رات ہونے میں ابھی کافی وقت پڑا تھا۔ نینی نے رہائشی کمرے میں رکھے ہوئے ٹی وی کو آن کیا اور اس کے سامنے بیٹھ کر خبریں سننے لگا۔ سوزو چند لمحے ٹی وی کے سامنے بت بنی بیٹھی رہی۔ پھر بولی۔

’’میں باہر جا کر ان لوگوں کا پتا لگانے کی کوشش کرتی ہوں۔ جنہوں نے ہمارا تعاقب کرنے کی کوشش کی تھی۔‘‘ نینی نے اثبات میں سر ہلایا۔ اور وہ سانپ کا روپ دھارنے کے بعد کمرے سے باہر نکل گئی۔ کچھ دیر بعد ٹی وی کی نشریات کو روک کر بریکنگ نیوز نشر کی جانے لگی۔ اناؤنسر کہہ رہی تھی۔

’’ناظرین وحضرات...... بریکنگ نیوز ملاحظہ فرمائیں۔ چند لمحوں کے دوران آپ کو اسکرین پر دو ایسے اشخاص کی تصاویر دکھائی جانے والی ہیں۔ جن کا تعلق دہشت گرد مافیا ہے۔ انہیں دیکھتے ہی گولی مار دینے کے احکامات جاری کردیئے گئے ہیں۔ اگر آپ کو یہ دو اشخاص کہیں بھی دکھائی دیں تو برائے مہربانی ان فون نمبرز پر مطلع کیجئے۔‘‘ اسکرین پر لمحہ بھر کے لئے تاریکی ہوئی۔ اس کے بعد جو تصویریں واضح ہوئیں۔ انہیں دیکھ کر نینی کرسی سے نیچے گرتے گرتے بچا۔ وہ اس کی اور سوزو کی تصویریں تھیں۔ جن کے نیچے رابطہ نمبرز تحریر تھے۔

سوزو کی تصویر ہاتھ سے تیار کردہ تھی۔ لیکن نینی کی تصویر واضح تھی۔ اسے یہ جاننے میں قطعی دشواری نہیں ہوئی کہ یہ سب شرارت دونی کی تھی۔ دروازے کی گھنٹی بجنے لگی۔ نینی نے ٹی وی کو آف کیا اور دروازے کی طرف چلا آیا۔ دروازہ کھولنے پر اس نے مسٹر اینڈ مسز ہیڈلے کو ہاتھوں میں شاپنگ بیگ تھامے کھڑے ہوئے دیکھا۔ ان کے پیچھے بیکری کا نمائندہ ہاتھوں میں کیک کا ڈبہ پکڑے ہوئے کھڑا تھا۔ مسٹر ہیڈلے اس سے پوچھ رہے تھے۔

’’کیک کس نے بھجوایا ہے۔‘‘ نینی نے مسکراتے ہوئے آگے بڑھ کر کہا۔

’’یہ ہماری طرف سے مسز ہیڈلے کی سالگرہ کا تحفہ ہے۔ آپ دونوں اسے قبول کیجئے۔‘‘ مسز اینڈ مسز ہیڈلے نے ممنونانہ نگاہوں سے نینی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

’’اس کی ضرورت نہیں تھی۔ تم نے بلاوجہ تکلف کیا۔ ہم تمہارے خلوص کے شکر گزار ہیں اور تمہاری محبت کو سراہتے ہوئے تمہیں اور تمہاری ساتھی کو رات کے کھانے پر مدعو کرتے ہیں۔‘‘ نینی نے سر اثبات میں ہلایا اور دونوں کے ہمراہ کمرے میں چلا آیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ جب بوڑھے میاں بیوی کو ٹی وی کی بریکنگ نیوز کے متعلق پتا چلے گا۔ تب ان کا ردعمل کیا ہوگا؟ انہیں وقتی طور پر ٹی وی سے دور رکھنا ضروری تھا۔ مسز ہیڈلے کچن میں چلی گئیں۔ اور رات کے کھانے کا اہتمام کرنے میں مصروف ہوگئیں۔ نینی اور مسز ہیڈلے صوفے پر بیٹھ گئے۔ نینی نے بات بڑھانے کے لئے پوچھا۔

’’ٹاؤن سے باہر جانے کے راستوں میں سے ایسا کون سا راستہ ہمارے لئے مناسب رہے گا جس میں تنہائی کے لمحات زیادہ ہوں۔‘‘ بوڑھا معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے بولا۔

’’میں جانتا ہوں کہ تم دونوں کو تنہائی کی اشد ضرورت ہے۔ میں تمہاری عمروں کو مدنظر رکھتے ہوئے اسے معیوب نہیں سمجھتا۔‘‘ پھر وہ سرد آہ بھرتے ہوئے بولا۔ ’’شاید جوانی کے دنوں میں کچھ ایسا میں نے بھی کیا تھا۔ اور کچھ نہیں تو گزرے ہوئے دنوں کی یاد ہی تازہ ہوگئی۔ ویسے میرے خیال کے مطابق تمہارے لئے جہاز کا سفر مناسب رہے گا۔‘‘ نینی نے انکار میں سر ہلایا۔ اور دوبارہ پوچھا۔

’’وہاں بے شک تنہائی میسر آسکتی ہے۔ لیکن پیار کے وہ لمحات دستیاب نہیں ہوسکتے۔ جن کے لئے

کسی حد تک جگہ کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔'' بوڑھا کھلکھلا کر ہنس پڑا۔ پھر طنزیہ لہجے میں بولا۔

''ڈین مور شہر سے کنٹینرز نیروبی کی طرف سفر کرتے ہیں۔ میرے خیال میں ان میں جگہ تمہاری توقع کے مطابق مل سکتی ہے۔ ٹرین کا مختصر سفر روڈینی شہر تک کا ہے۔ تمہیں ٹرین کے علیحدہ کمپارٹمنٹ میں بھی وہ لمحات میسر آسکتے ہیں جن کے تم طلب گار ہو۔ لیکن مجھے سمجھ نہیں آرہی کہ یہ لمحات تو تمہیں ہمارے گھر میں بھی دستیاب ہوسکتے ہیں۔ تم انہیں سفر کے دوران تلاش کرنے پر کیوں بضد ہو۔''

نینی نے جواب دیا۔ ''یہاں رکنا ہمارے پروگرام میں شامل نہیں تھا۔ ہماری منزل نیروبی ہے۔ لیکن فرینگٹن نامی شہر سے براہ راست پرواز نیروبی نہیں جاتی تھی۔ اس لئے مجبوراً ہمیں یہاں رکنا پڑا۔ کیا ٹرین کے علاوہ بائی روڈ نیروبی کی طرف سفر کیا جاسکتا ہے؟''

بوڑھے نے چند لمحے سوچتے رہنے کے بعد جواب دیا۔

''کنٹینرز اس طرف سفر کرتے ہیں۔ لیکن کوئی باقاعدہ ذریعہ ڈین مور میں پایا نہیں جاتا۔ فاصلہ بہت زیادہ ہے۔ تم دونوں کے لئے جہاز سب سے بہتر رہے گا۔''

دروازے کی گھنٹی بج اٹھی۔ بوڑھے ہیڈلے نے صوفے سے اٹھتے ہوئے بیرونی دروازے کا رخ کیا۔ اور تھوڑی دیر بعد سوزو کے ہمراہ کمرے میں داخل ہوا۔ سوزو کے چہرے پر سنجیدگی کے تاثرات ثبت تھے۔ اور وہ کسی حد تک پریشان بھی دکھائی دیتی تھی۔ اس نے نینی کو اپنے پیچھے کمرے میں آنے کے لئے کہا۔ اور جواب سنے بغیر ملحقہ کمرے میں چلی گئی۔ بوڑھا طنزیہ لہجے میں بولا۔

''مجھے تمہاری ساتھی لڑکی کا موڈ ٹھیک نہیں لگتا۔ کوشش کرو کہ تنہائی کے لمحات کے متعلق سوچنا چھوڑ دو۔'' نینی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''اس کا موڈ ٹھیک کرنا مجھے بخوبی آتا ہے۔ تمہیں اس کے متعلق فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ اٹھ کر سوزو والے کمرے میں چلا آیا۔ وہ اس کی منتظر تھی۔ اسے دیکھتے ہی بولی۔

''ہم بری طرح پھنس چکے ہیں۔ ہمارا پیچھا کرنے والے افراد کا تعلق مجرمانہ گروہ سے نہیں تھا۔ بلکہ وہ پولیس کے اہلکار تھے۔ دونی نے انہیں تگڑی رقم دے کر ہمارا پیچھا کرنے کے لئے کہا تھا۔''

نینی نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اسے بتایا۔

''کچھ دیر قبل ان دونوں کی تصویریں ٹی وی پر دکھائی گئی ہیں اور عوام کو مطلع کیا گیا ہے کہ وہ دونوں ہشت گرد ہیں۔ انہیں جلد از جلد گرفتار کرنے میں پولیس کی مدد کی جائے۔''

سوزو نے پوچھا۔ ''کیا مسٹر اینڈ مسز ہیڈلے کو حالات کے متعلق کچھ پتا ہے۔'' نینی نے جواب دیا۔

''نہیں...... لیکن اگر انہوں نے خبریں سننے کی کوشش کی۔ تب انہیں جلد ہی سب کچھ معلوم ہوجائے گا۔''

سوزو بولی۔ ''میں ٹی وی کے اینٹینا میں گڑبڑ کرکے ابھی واپس آتی ہوں۔ انہیں ہم پر لگائے گئے الزام کے متعلق معلوم نہیں ہونا چاہئے۔'' پھر اس نے سانپ کا روپ دھار لیا۔ اور کھڑکی کے راستے کمرے سے باہر نکل گئی۔ پانچ منٹ کے بعد جب وہ دوبارہ کمرے میں داخل ہوئی۔ تب اس کے چہرے پر ذو معنی مسکراہٹ رقص کررہی تھی۔ نینی کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

''میں نے اینٹینا کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیا ہے۔ لیکن آج کی رات یہاں گزار کر صبح ہمیں یہاں سے دور جانا ہوگا۔'' دروازے پر دستک ہوئی۔ نینی نے آگے بڑھ کر دروازے کو کھولا۔ مسٹر ہیڈلے پریشان چہرہ لئے سامنے کھڑے تھے۔ نینی کو دیکھتے ہی بولے۔

''مکان کے باہر پولیس موجود ہے۔ انہوں نے مکان کو گھیرے میں لے رکھا ہے۔ اور وہ تم دونوں کی گرفتاری کے متمنی ہیں۔ یہ کیا معاملہ ہے؟''

نینی نے پریشان نگاہوں کے ساتھ سوزو کی طرف دیکھا۔ پھر ہچکچاتے ہوئے انداز میں بولا۔

''انہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ وہ کسی اور کی تلاش میں سرگرداں یہاں چلے آئے ہیں۔''

مسٹر ہیڈلے بولے۔ ''میں کسی کام سے مکان سے باہر نکلا۔ تو انہوں نے مجھے گھیر لیا۔ ان کے ہاتھ میں تم دونوں کی تصویریں پکڑی ہوئی تھیں۔ انہوں نے مجھ سے تمہارے متعلق دریافت کیا۔ تب میں انہیں یہاں لے آیا۔'' سوزو نے آگے بڑھتے ہوئے مسٹر ہیڈلے سے کہا۔

''ٹھیک ہے انہیں کچھ غلط فہمی ہوئی ہے۔ ہم اسے دور کردیں گے۔ آپ ہمیں چند لمحے تنہائی میں بات چیت کرنے کا موقع دیجئے۔'' مسٹر ہیڈلے نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا ہی تھا کہ سوزو نے دھماکے کے ساتھ دروازہ بند کرکے اسے کنڈی لگادی۔ پھر نینی کی طرف مڑتے ہوئے بولی۔

''میری بات کو غور سے سنو۔ میں ایک بھیس بدلنے والی ناگن ہونے کے ناطے تمہارا روپ دھارن کرنے کی اہلیت رکھتی ہوں۔ اگر اس روپ کے دوران میں اپنی گرفتاری پیش کردوں تو وہ مجھے پولیس اسٹیشن لے جائیں گے۔ اس دوران تمہارا یہاں سے فرار ہونا ناممکن نہیں ہوگا۔ پولیس اسٹیشن پہنچنے کے بعد میں ناگن کا روپ بدلتے ہوئے وہاں سے باہر نکل آؤں گی۔ اینٹینا توڑنے کے دوران میں نے چھت پر پانی کی قد آدم ٹینکی دیکھی تھی۔ اس میں پانی کی مقدار کم ہے۔ میری گرفتاری دینے کے بعد تم اس ٹینکی میں چھپ جانا۔ مکان کے پچھلے حصے میں بنے ہوئے صحن میں لکڑی کی سیڑھی دیوار کے ساتھ لگی ہوئی ہے۔ تم باآسانی اس کے ذریعے چھت تک لے جاسکتے ہو۔ حالات کے موافق ہونے کے بعد تم جہاں بھی جاؤ گے۔ اپنے منکے کی بدولت میں تمہیں تلاش کرلوں گی۔''

بات مکمل کرنے کے بعد سوزو نے زمین پر لوٹنا شروع کردیا۔ اور اگلے ہی سیکنڈ میں نینی کے سامنے اس کا ہمشکل کھڑا تھا۔ وہ حیرت انگیز طور پر اسی لباس میں ملبوس تھا۔ جیسا لباس نینی زیب تن کئے ہوئے تھا۔ نینی حیرت بھری نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا کہ اچانک ہی اس کے منہ سے سوزو کی آواز نکلی۔ نہایت مضحکہ خیز منظر تھا۔ جسم نینی کا اور آواز سوزو کی...... وہ کہہ رہی تھی۔

''میں باہر جارہی ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ میرے ہمراہ مسز اینڈ مسز ہیڈلے بھی باہر کا رخ کریں گے۔ تمہارے لئے اتنا ہی موقع کافی ہونا چاہئے۔ پچھلے حصے میں بنے ہوئے صحن کا راستہ کچن کے پاس سے جاتا ہے۔ ہوشیاری سے کام کرنا۔ کہیں کچھ گڑبڑ نہ کردینا۔'' سوزو نے بات مکمل کرنے کے بعد دروازہ کھولا۔ اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

نینی نے اس کے باہر جانے کے بعد دو تین منٹ انتظار کیا۔ پھر وہ بھی دروازہ کھول کر کمرے سے باہر نکل آیا۔ کمرے سے دوسرا ملحقہ کمرہ خالی پڑا تھا۔ حسب توقع دونوں میاں بیوی نینی کے ساتھ گھر سے باہر چلے گئے تھے۔ نینی نے سوزو کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے کچن کا رخ کیا۔ اس کے ساتھ مختصر گیلری بنی ہوئی تھی۔ جس کا دروازہ پچھلے صحن میں کھلتا تھا۔ اس نے دروازہ کھولا۔ تو اپنے آپ کو مختصر صحن کے درمیان میں کھڑے ہوئے پایا۔ دیوار کے ساتھ لکڑی کی سیڑھی کھڑی تھی۔ وہ سیڑھی پر چڑھ کر باآسانی چھت پر پہنچ گیا۔ چھت کے ایک جانب ٹوٹا ہوا اینٹینا پڑا تھا اور دوسری طرف بھورے رنگ کی ٹینکی رکھی ہوئی تھی۔

چھت پر سے گلی کا منظر صاف دکھائی دیتا تھا۔ چند درخت درمیان میں حائل تھے۔ جو پردہ پوشی کا باعث بن رہے تھے۔ اس کے باوجود بھی چھت پر پہنچنے کے فوراً بعد نینی سینے کے بل زمین پر لیٹتے ہوئے ٹینکی کی طرف بڑھنے لگا۔ ٹینکی کے پاس پہنچنے کے بعد اس نے اپنے جسم کو اوپر کیا۔ اور ٹینکی کا ڈھکنا کھول کر اندر کا جائزہ لیا۔ ٹینکی آدھی سے کچھ کم بھری ہوئی تھی۔ وہ باآسانی اس میں اتر گیا۔ یخ بستہ پانی نے اس کے جسم کے رونگٹے کھڑے کردیئے۔ لیکن اسے اس ٹھنڈک کو برداشت کرنا تھا۔ اس لئے خاموشی کے ساتھ ٹینکی کے

رمیان میں کھڑا ہو گیا۔ پندرہ منٹ کے بعد اسے ھت پر قدموں کی آواز سنائی دی۔

وہ پولیس کے اہلکار تھے۔ اور ان کی تعداد دو ھی۔ انہوں نے چھت کا معائنہ کیا۔ ٹوٹے ہوئے ٹینا کو چند لمحے دیکھتے رہنے کے بعد انہوں نے ٹینکی کا ائزہ لیا۔ لیکن ڈھکنے کو کھولنے کی کوشش نہیں کی۔ نینی م سادھے خاموشی کے ساتھ اپنی جگہ کھڑا رہا۔ پھر وہ ونوں نیچے چلے گئے۔ نینی لگ بھگ آدھا گھنٹہ ٹینکی کے اندر کھڑا رہا۔ پھر باہر نکل آیا۔ مکان کے روازے کے سامنے ایک سپاہی کھڑا تھا۔ باقی واپس الے جا چکے تھے۔ اس نے احتیاط کے ساتھ چھت کو بور کیا۔ اور کھڑی کی سیڑھیاں اتر کر مکان کے پچھلے صے میں چلا آیا۔ صحن میں کوئی نہیں تھا۔ اس نے مکان کی پچھلی دیوار کو پھلانگا اور گھر سے باہر نکل کر سامنے لگے ہوئے پیڑ کے پیچھے چھپ گیا۔

رات کے آٹھ بجنے والے تھے۔ اور اندھیرا پھیل چکا تھا۔ منکا اس کے حلق میں تھا۔ اس لئے اسے ونی کی جانب سے حملے کی توقع نہیں تھی۔ لیکن وہ ونی کی چال کی بدولت ڈین مور شہر میں پھنس کر رہ گیا ھا۔ اب تک شاید شہر سے باہر نکلنے والے تمام استوں کی ناکہ بندی کر کے انہیں بند کر دیا گیا ہوگا ر شہر کا بچہ بچہ ان دونوں کی تلاش میں سرگرداں ہو چکا ھا۔ وہ جتنی جلدی تاتونیا پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اتنی ی دیر ہوتی چلی جا رہی تھی۔

بہر حال سڑک تقریباً سنسان پڑی تھی۔ اکا دکا بچے سڑک پر مٹر گشت کرتے دکھائی دے رہے تھے۔ یکن اسے ان کی پرواہ نہیں تھی۔ اس کے دائیں جانب وجود راستہ بازار کی طرف جاتا تھا۔ جبکہ بائیں طرف کا استہ رہائشی علاقے کے اندر کی طرف جاتا تھا۔ اس نے ئیں طرف والے راستے کا انتخاب کیا۔ اور آگے کی رف بڑھنے لگا۔ اس کے دماغ میں کچھ خاص لائحہ عمل رتب نہیں تھا۔ وہ شہر میں کسی کو جانتا نہیں تھا۔ اور سر چھپانے کے لئے اسے فوری طور پر جگہ دستیاب تھی۔

اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کہاں جائے؟ شہر سے باہر کسی ویرانے میں...... لیکن ناکہ بندی کی بدولت وہ شہر سے باہر نکلنے سے قاصر تھا۔ اچانک اس کی نگاہ ایک ایسے مکان پر پڑی۔ جس کے دروازے پر تختی لگی ہوئی تھی۔

"مکان برائے فروخت۔" قدرت نے خود ہی اس کے لئے رہائش کا انتظام کر دیا تھا۔ نینی مکان کے سامنے لگی ہوئی پودوں کی باڑھ کو عبور کیا اور دروازے کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ دروازہ لاک تھا۔ سیدھے ہاتھ کی طرف اسے دو کمروں کی کھڑکیاں دکھائی دیں۔ اس نے کھڑکیوں کو کھولنے کی کوشش کی۔ وہ بھی اندر سے بند تھیں۔ نینی نے محتاط نگاہوں کے ساتھ ارد گرد نگاہ دوڑائی۔ زمین سے پتھر اٹھایا۔ اور شیشے پر دے مارا۔ شیشہ چھناکے کے ساتھ چکنا چور ہو گیا۔ نینی نے ہاتھ اندر ڈال کر کھڑکی کو کھولا۔ اور چھلانگ لگا کر کمرے میں داخل ہو گیا۔ کمرہ ہر قسم کے سامان سے مستثنیٰ تھا۔ اس نے زمین کا ایک کونا صاف کیا۔ اور وہاں بیٹھ گیا۔

دوسری طرف سوزو نے گھر سے باہر نکلنے کے بعد بیرونی دروازے کا رخ کیا۔ وہاں شیرف نیلسن ہاتھوں میں ہتھکڑی لئے کھڑا تھا۔ اس نے فوراً نینی کا روپ دھارن کئے ہوئے سوزو کے ہاتھوں میں ہتھکڑی پہنا دی۔ پھر اس سے اس کی ساتھی لڑکی کے متعلق دریافت کرنے لگا۔ سوزو نے انکار میں گردن ہلا کر لاعلمی کا اظہار کیا۔ تب شیرف نے برہمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے اہلکاروں کو حکم دیا کہ وہ مکان کے اندر داخل ہو کر تلاشی لیں۔ لڑکی ضرور مکان کے اندر ہی پوشیدہ ہوگی۔ اہلکار مکان میں داخل ہو گئے۔ اور لڑکی کو تلاش کرنے لگے۔ مسٹر اینڈ مسز ہیڈلے حیرت بھری نگاہوں سے انہیں تلاشی لیتا ہوا دیکھ رہے تھے۔ شیرف نے ان دونوں سے پوچھا۔

"کیا اس کی ساتھی لڑکی اس کے ہمراہ یہاں مقیم تھی؟" مسٹر ہیڈلے نے اثبات میں سر ہلایا۔ شیرف نے دوبارہ پوچھا۔

"یہ دونوں کب سے یہاں رہائش پذیر ہیں۔"

مسٹر ہیڈلے نے جواب دیا۔ "آج دوپہر سے...... یہ فرینکلن کی فلائٹ سے ڈین مور آئے تھے اور ہماری ملاقات ایئرپورٹ پر ہوئی تھی۔"

شیرف بولا۔ "آپ کو یقین ہے کہ اس کی ساتھی لڑکی مکان کے اندر کہیں چھپی ہوئی ہے۔" مسٹر ہیڈلے نے دوبارہ اثبات میں سر ہلایا۔ اور بولے۔

"جب میں انہیں آپ کے متعلق بتانے کے لئے کمرے کی طرف گیا تھا۔ تب وہ وہیں موجود تھی۔ میری کچھ بات چیت اس کے ساتھ بھی ہوئی تھی۔" پولیس کے اہلکار نمودار ہوئے۔ ان کے چہروں پر ناکامی کے تاثرات تھے۔ قریب آنے پر وہ بولے۔

"لڑکی گھر میں نہیں ہے۔ ہم نے گھر کا کونا کونا چھان مارا ہے؟" شیرف نے مسٹر ہیڈلے سے پوچھا۔

"کیا ان دو کمروں کے علاوہ اور کمرے بھی ہیں۔ میرے کہنے کا مقصد ہے۔ زمین کے نیچے یا پھر چھت پر......" مسٹر ہیڈلے نے انکار میں سر ہلادیا۔

ایک اہلکار بولا۔ "مکان کے پچھلے صحن میں دیوار کے ساتھ سیڑھی لگی ہوئی ہے۔ لڑکی چھت پر چھپ سکتی ہے۔" شیرف بولا۔

"تو پھر اسے چھت پر تلاش کرو۔ وہ وہیں ہوگی۔" مسٹر ہیڈلے نے پوچھا۔

"جناب ان دونوں کا جرم کیا ہے؟ جس کی بدولت انہیں گرفتار کیا جارہا ہے۔" شیرف نے طنزیہ لہجے میں اسے بتایا۔ "وہ دونوں دہشت گرد ہیں۔ جن کی گرفتاری کے احکامات جاری کردیئے گئے ہیں اور شہر کی تمام پولیس ان کی تلاش میں سرگرداں ہے۔" مسٹر ہیڈلے نے حیرت بھری نگاہوں سے شیرف کی طرف دیکھا۔ لیکن کہا کچھ نہیں۔ تھوڑی دیر بعد دونوں اہلکار چھت کا معائنہ کرنے کے بعد واپس آگئے۔ انہوں نے اپنی ناکامی کا اظہار کیا۔ تب شیرف نے غصیلی نگاہوں سے نینی کا روپ دھارن کئے ہوئے سوزو کی طرف دیکھا۔ اور سرد لہجے میں بولا۔

"تم سے لڑکی کے متعلق بات چیت پولیس اسٹ جا کر ہوگی۔ مجھے یقین ہے کہ تم بغیر زور زبردستی سب کچھ بتادو گے۔" پھر وہ سوزو کے ہمراہ گھر سے نکل آیا۔ باہر پولیس ڈپارٹمنٹ کی چند گاڑیاں کھ تھیں۔ شیرف نے ایک اہلکار کو مکان کے درواز پہرہ دینے کی ہدایت دی۔ اور خود سوزو کے ساتھ گا میں بیٹھ کر پولیس ڈپارٹمنٹ چلا آیا۔ وہاں پہنچتے کے اس نے اپنے اسسٹنٹ کو حکم دیا کہ سوزو کو لاک اپ بند کردیا جائے۔ وہ جلد از جلد اپنی تحقیق کو مکمل کر کے بعد فائل اوپر بھجوادینا چاہتا ہے۔ اس کے اسسٹ نے سوزو کو لاک اپ میں بند کردیا۔ اور خود شیرف مزید ہدایت لینے کے لئے اس کے کمرے میں چلا سوزو نے ان دونوں کی بات چیت کو نہایت غور و فکر ساتھ سنا تھا۔ اور جو نتیجہ اخذ کیا تھا۔ وہ کچھ یوں تھ دونوں کی گرفتاری میں ڈین مور شہر کی گورنمنٹ مل تھی۔ یعنی دونی نے چھوٹے سے اس شہر کی گورنمنٹ آسانی اپنے قابو میں کرلیا تھا۔ بات کسی حد خطرناک تھی۔ لیکن ابھی دیر نہیں ہوئی تھی۔ حکومت افراد کچھ زیادہ فعال دکھائی نہیں دے رہے تھے۔

ادھر لاک اپ میں سوزو نے زمین پر لوٹنا ش کیا اور سانپ کی صورت اختیار کرنے کے بعد اپ سے باہر نکل آئی۔ سامنے ہی شیرف کا کمرہ لیکن وہ خالی پڑا تھا۔ کمرے سے منسلک باتھ ر لائٹ جل رہی تھی۔ سوزو نے ٹوائلٹ کا رخ ک دروازے کے نیچے بنی ہوئی درز میں سے داخل ٹوائلٹ میں گھس گئی۔ شیرف کموڈ پر بیٹھا سگریٹ تھا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ کوئی باتھ میں بھی داخل ہوسکتا ہے۔ سوزو نے اس کی الٹی ٹا پنڈلی پر دانت گاڑھ دیئے۔ اسے ہلکی سی چبھن کا ا ہوا۔ اور سگریٹ اس کے ہاتھوں سے چھوٹ کر گر گیا۔ اس نے چونکتے ہوئے نیچے کی طرف د اس کے سامنے سیاہ رنگ کا ایک سانپ کنڈلی م بیٹھا تھا۔ اور اس کی نگاہیں شیرف کے ڈھیلے

ئے جسم پر مرتکز تھیں۔

شیرف کی آنکھوں میں خوف و ہراس کے ثرات ابھرے۔ اس نے ہڑ بڑا کر اٹھنے کی کوشش کی۔ ن کامیاب نہیں ہوسکا۔ اور کموڈ کے اوپر ہی ڈھیر گیا۔ اس کے منہ سے سبز جھاگ نکل کر کپڑوں کو ھونے لگا۔ چند منٹوں کے دوران ہی اس نے دم توڑ ۔ کچھ دیر اس کی لاش کو دیکھتے رہنے کے بعد سوزو نے ارخ تبدیل کیا۔ اور دروازے کے نیچے سے باہر نکل ر شیرف کے کمرے میں آ گئی۔ اس نے قالین پر لوٹنا روع کیا۔ اب کی دفعہ اس نے جو روپ دھارا۔ وہ ر دیا پھر نینی کا نہیں تھا بلکہ شیرف نیلسن کا تھا۔ جو اپنے ل لباس میں ملبوس تھا۔ روپ دھارنے کے بعد وہ رے سے باہر نکل آئی۔ اس نے لاک اپ کے وازے کا لاک کھولا اور دروازے کو چوپٹ کھول کر ں کے ساتھ بنے ہوئے کمرے کی طرف چل دی۔ ہاں اس کا اسسٹنٹ بیٹھا اخبار پڑھ رہا تھا۔ اس نے رف کی آواز میں مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

"گاڑی باہر نکالو۔ مجھے شہر کے راؤنڈ پر باہر جانا ہے۔" اسسٹنٹ نے اثبات میں سر ہلایا۔ اور کمرے باہر نکل گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ شیرف کے اسسٹنٹ ے ہمراہ جیپ میں بیٹھی اسے راستے کے متعلق بتا رہی ں۔ اور یہ وہ راستہ تھا۔ جو اسے منکے کی خوشبو سے گاہی دے رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ مسٹر ہیڈلے کے ھر تک چلے آئے۔ وہاں پولیس کا اہلکار متعین تھا۔ اس ے شیرف کی جیپ کو دیکھتے ہی سیلوٹ مارا۔ سوزو نے رف کے اسسٹنٹ کو مکان کے پچھلے حصے کی طرف اڑی لے جانے کے لئے کہا۔ اس نے گاڑی کو موڑ دیا ر ساتھ والی گلی سے ہوتا ہوا پچھلی طرف چلا آیا۔ وہاں یب ہی ایک ایسا گھر واقع تھا۔ جس کے دروازے پر مکان برائے فروخت" کا بورڈ لگا ہوا تھا۔ سوزو نے رف کے اسسٹنٹ کو باہر مستعد کھڑے ہونے کی ایت اور خود جیپ سے نیچے اتر کر مکان کے گرد لگی ی باڑھ کے اندر چلی گئی۔

منکے کی خوشبو مکان کی ٹوٹی ہوئی کھڑکی سے باہر آرہی تھی۔ اس نے کھڑکی کے پاس پہنچ کر جیپ کی طرف دیکھا۔ ان کے درمیان میں چند درخت حائل تھے۔ اور جیپ ان کے پیچھے پوشیدہ تھی۔ سوزو نے روپ تبدیل کیا۔ اور ٹوٹی ہوئی کھڑکی کو کھول کر کمرے میں چلی آئی۔ نینی کمرے کے فرش پر بے خبر سویا ہوا تھا۔ اس نے اسے جھنجھوڑ کر اٹھایا۔ وہ ہڑ بڑ کر اٹھ بیٹھا اور خالی خالی نگاہوں سے سوزو کی طرف دیکھنے لگا۔ سوزو نے اسے مختصر الفاظ میں حالات سے آگاہ کیا۔ نینی کے چہرے پر حیرت بھرے تاثرات ابھرے۔ لیکن سوزو ان سے بے پروا اسے اپنے اگلے لائحہ عمل کے متعلق بتانے میں مصروف رہی۔ بات ختم کرنے کے بعد اس نے دوبارہ شیرف کا روپ دھارا۔ اور نینی کے ہمراہ مکان سے باہر نکل آئی۔ اس نے نینی کو باڑھ کے پاس کھڑے رہنے کے لئے کہا۔ اور خود جیپ کی طرف چل دی۔ شیرف کا اسسٹنٹ جیپ کے پاس مستعد کھڑا تھا۔ سوزو نے اسے مسٹر ہیڈلے کے گھر کی نگرانی پر معمور کیا اور خود نینی کے ساتھ جیپ میں بیٹھ کر پولیس ڈپارٹمنٹ کی عمارت میں چلی آئی۔ رات کے بارہ بجنے والے تھے۔ اور ڈپارٹمنٹ کی عمارت سنسان پڑی تھی۔ اس نے نینی کو شیرف کی کرسی پر بیٹھنے کے لئے کہا۔ اور خود بھی میز کی دوسری جانب رکھی ہوئی کرسی پر بیٹھ گئی۔

نینی پریشان لہجے میں بولا۔"ہمارا یہاں زیادہ دیر رہنا خطرے سے خالی نہیں ہوگا۔ اگر پولیس کا کوئی اہلکار یہاں آ گیا۔ تو بات بگڑ بھی سکتی ہے۔"

سوزو مسکراتے ہوئے بولی۔

"تمہارے سامنے اس وقت شہر کا شیرف براجمان ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے تمہیں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔"

نینی بولا۔"یہ تمہاری خام خیالی ہے۔ ہماری تلاش میں ڈین مور شہر کی تمام انتظامیہ سرگرم عمل ہے۔ اگر انہیں اس بات کا رتی برابر بھی شک پڑ گیا کہ شہر کا شیرف ان کے حکم کی خلاف ورزی کرنے میں ملوث ہے

تو وہ شیرف کو بھی معطل کرنے سے دریغ نہیں کریں گے۔ میری بات مانو اور یہاں سے فوراً باہر نکلنے کی کوشش کرو۔'' سوزو انکار میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔

''میں تمہارے خیالات سے انحراف کرتی ہوں۔ مجھے حکومت کے سرکردہ افراد کی شکل وصورت سے آگاہی نہیں ہے۔ ورنہ میں ان کا روپ دھارن کرکے تمہیں وی آئی پی پروٹوکول کے ساتھ افریقہ لے جاتی۔ لیکن اب میرے خیال میں ہمیں پولیس ڈپارٹمنٹ کی عمارت میں ہی رات گزارنی چاہئے۔ صبح دس بجے کی فلائٹ سے افریقہ روانہ ہونے میں ہمیں کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی۔'' نینی نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔

''دونی ہمارے خلاف محاذ پر ڈٹ چکا ہے۔ وہ کسی بھی وقت کچھ بھی کرسکتا ہے۔ اس نے فارغ وقت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے تم شہر کی کسی بڑی ہستی کا روپ دھارنے کی کوشش کرو۔ تاکہ صبح باآسانی یہاں سے افریقہ کی پرواز کو حاصل کرسکیں۔''

''ٹھیک ہے۔'' سوزو بولی۔ ''تم کمرے میں آرام کرو۔ میں کسی تگڑی آسامی کو ڈھونڈنے کی کوشش میں باہر نکلتی ہوں۔'' نینی نے اثبات میں سر ہلایا اور سوزو نے زمین پر لوٹتے ہوئے سانپ کی صورت اختیار کی۔ اور اس کمرے سے باہر نکل گئی۔

دوسری صبح چھ بجے کے قریب پولیس ڈپارٹمنٹ کی عمارت کے سامنے کرنل تھامس کی شیورلیٹ کار رکی۔ اس کے ہمراہ آگے اور پیچھے دو جیپوں میں سیکورٹی اہلکار بھی تھے۔ کرنل تھامس کی شکل بلڈوگ سے ملتی جلتی تھی۔ اس کے چہرے کی کھال لٹک کر گردن تک چلی آئی تھی۔ آنکھیں چھوٹی چھوٹی اور ہونٹ خون کی مانند سرخ اور بھدے تھے۔ وہ چہرے مہرے سے سخت گیر اور سنگدل انسان دکھائی دیتا تھا۔ اس نے سیکورٹی اہلکاروں کو باہر کھڑے رہنے کے لئے کہا۔ اور خود عمارت کے اندر چلا آیا۔ نینی اس کا منتظر تھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے کرنل تھامس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''بہت اعلیٰ بہروپ ہے۔ میرے خیال میں جس کا ہے وہ اب دنیا میں نہیں ہوگا۔'' کرنل تھامس کے منہ سے سوزو کی آواز نمودار ہوئی۔

''بے شک ایسا ہی ہے۔ لیکن ہمیں اب دیر نہیں کرنی چاہئے۔ دس بجے فلائٹ روانہ ہوگی۔ یہ وقت ایئرپورٹ کے ڈیپارچر لاؤنج میں گزاریں گے۔'' نینی نے اثبات میں سر ہلایا۔ اور سوزو کے ہمراہ عمارت سے باہر نکل آیا۔ سیکورٹی اہلکاروں نے حیرت بھری نگاہوں سے نینی کی طرف دیکھا۔ لیکن کہا کچھ نہیں۔ سمندری سفر کے بعد سے اب تک نینی کو کپڑے تبدیل کرنے کا موقع نہ مل سکا تھا۔ اس کی داڑھی بھی کافی حد تک بڑھ گئی تھی۔ وقت کی کمی کی بدولت اس نے اس پر توجہ دینا مناسب نہ جانا۔ اور شیورلیٹ میں بیٹھ کر سوزو کے ہمراہ ایئرپورٹ چلا آیا۔ صبح کے ساتھ بجنے والے تھے۔ انہوں نے ایئرپورٹ کے لاؤنج میں بیٹھ کر ناشتہ کیا۔ وہاں باتھ روم کی سہولت موجود تھی۔ نینی نے ایئرپورٹ کے اسٹور سے ریزر اور کریم خریدی۔ پھر شیو بنانے کے بعد نہانے لگا۔ اس اثناء میں سوزو نے اس کے لئے لباس کا بندوبست کردیا۔ نہا دھو کر صاف کپڑے پہننے کے بعد جب نینی باتھ روم سے باہر آیا۔ تب نو بج رہے تھے۔ سوزو نے نینی کی طرف تحسین بھری نگاہوں کے ساتھ دیکھا۔ اور بولی۔

''تمہاری شخصیت قابل قدر ہے۔ میرے خیال میں تاتونی باشندوں کو حسن کی دولت بانٹتے ہوئے قدرت نے نہایت فراخدلی کا ثبوت دیا ہوگا۔ تبھی تو سیزان ایک تاتونی لڑکی کی خاطر مجھے چھوڑ کر چلا گیا۔''

''سیزان تمہارے ناگ کا نام ہے؟'' نینی نے پوچھا۔

''ہاں...... میرا ناگ تمہاری طرح وجیہہ اور خوب صورت تھا۔ اس کا قد چھ فٹ لمبا تھا۔ اور سینہ کشادہ تھا۔'' بات کرتے ہوئے سوزو کی آنکھوں میں ستارے جھلملانے لگے۔ وہ یونانی دیومالائی ہیرو کی طرح پرستش کرنے کے قابل تھا۔ ناگ پوری دیوتا کی عبادت

مشغول زیادہ تر ناگنوں کی نگاہوں کا مرکز ہوتا تھا۔ اس ی باتیں سن کر نینی کو یہ جاننے میں دشواری پیش نہیں الی کہ وہ اپنے ناگ سے بے انتہا محبت کرتی تھی۔'' وہ وچنے لگا کہ کیا تلسی بھی اس سے اتنی ہی محبت کرتی ی۔ لیکن وہ تو اسے سیزان کی طرح چھوڑ کر تاتو تنیا چلی ئی تھی۔ اگر اسے محبت ہوتی تو کیا وہ ایسا کرتی۔ اس وال کا جواب نینی کے پاس نہیں تھا۔

دس بجے فلائٹ روانہ ہوئی۔ سوزو نے روپ ھلا۔ اور نینی کے ساتھ جہاز میں سوار ہوگئی۔ بارہ بجے کے قریب انہیں جہاز نے افریقہ کے شہر ڈونگا بونگا میں اتار دیا۔ یہاں کے فائیو اسٹار ہوٹل میں ان دونوں کی نک موجود تھی۔ ایئر پورٹ کے باہر ہوٹل کی کار کھڑی ی۔ وہ گاڑی میں بیٹھ کر ہوٹل میں چلے آئے۔ ڈیڑھ جے ان دونوں نے مختصر کھانا کھایا۔ اور ٹیکسی میں بیٹھ کر رینڈا میل سروس کے آفس میں جا پہنچے۔ ریسپشنسٹ پر یٹھی ہوئی لڑکی نے ان دونوں سے آنے کی وجہ ریافت کی۔ تب نینی نے لڑکی سے روزی کے متعلق وچھا۔ لڑکی نے انہیں بتایا کہ ''روزی ایک ہفتہ قبل کری چھوڑ کر جا چکی ہے۔''

نینی نے روزی کی رہائش گاہ کے متعلق دریافت یا۔ تب لڑکی نے کمپیوٹر پر درج معلومات کو دیکھنے کے د انہیں شہر کے مضافات میں واقع رہائشی فلیٹوں کا ریس دے دیا۔ دونوں نے دوبارہ ٹیکسی پکڑی اور ضافات میں واقع فلیٹ تک چلے آئے۔ لیکن یہاں ی ان دونوں کو ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ فلیٹ کو چھوڑ جا چکی تھی۔ مالک فلیٹ سے نینی نے فلیٹ کی چابی اور فلیٹ کی تلاشی لینی شروع کی۔ لیکن وہاں سوائے نڈا میل سروس کے چند کاغذاتوں اور روزی کی کچھ ویروں کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں تھا۔ تھک ہار کر ہ واپس ہوٹل میں آگئے۔ شام کے سائے ڈھلنے ے تھے۔ ماحول میں حبس بہت زیادہ تھا۔ رات کا کھانا وں نے ہوٹل کے لاؤنج میں کھایا۔ اور کمرے میں ۔ کمرے کا ایئر کنڈیشن آن تھا۔ نینی کے دماغ پر غنودگی طاری ہونے لگی۔ سوزو نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔ پھر بولی۔

''تم آرام کرو۔ میں کچھ کام کر کے واپس آتی ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ صبح تک تمہیں کچھ بہتر معلومات بہم پہنچاؤں۔''

''تم کیا کرنے والی ہو سوزو......؟'' نینی نے پریشان لہجے میں پوچھا۔

''میں افریقہ کے کسی بڑے آفیسر کا بھیس بدل کر وادی تاتو تنیا کے متعلق معلومات حاصل کرنے کی کوشش کروں گی۔ اوپری سطح پر اس پراسرار وادی کے متعلق کچھ نہ کچھ تحقیق تو ضرور ہوئی ہوگی۔ اس تحقیق کی رپورٹ ہمارے لئے کارآمد ثابت ہوسکتی ہے۔ منکا تمہارے پاس ہی رہے گا۔ رات کا وقت ہے۔ اندھیروں کی طاقت تمہیں نقصان بھی پہنچا سکتی ہے۔''

نینی نے ممنونانہ نگاہوں سے سوزو کی طرف دیکھا۔ سوزو نے بات ختم کرتے ہی زمین پر لوٹنا شروع کر دیا۔ اور سانپ کی صورت اختیار کرنے کے بعد کمرے کے دروازے کے نیچے سے ہوتی ہوئی باہر نکل گئی۔ نینی نے طویل سانس لیتے ہوئے بستر پر لیٹ کر آنکھیں موند لیں۔ وہ تلسی کی یادوں میں گم ہونے لگا۔ اسے پانی پتا کے ریسٹ ہاؤس کا وہ کمرہ یاد آیا۔ جو تلسی کے وجود کی خوشبو سے اب بھی مہک رہا تھا۔ ریسٹ ہاؤس سے کچھ اوپر بنی ہوئی وہ چھتری جہاں ان دونوں کا زیادہ وقت گزرتا تھا۔ پھر اس کا اچانک سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر چلے جانا۔ کیا محبت کا انجام ایسا ہی ہوتا ہے۔ یا پھر یہ محبت کی ابتداء تھی اور اسے وادی میں بلانے کا ایک بہانہ تھا۔ یا پھر ایک خود غرضانہ اور مفاد پرستانہ رویہ تھا۔ اسے اکسانے کے لئے محبت کا چارہ ڈالا گیا تھا۔ اس کے باپ کی چھینی ہوئی حکومت حاصل کرنے کی آرزو تھی۔ لیکن تلسی کیا چاہتی تھی۔ لاتو با کی بیٹی بننے سے چھٹکارا۔ یا پھر اپنے سسر کی آرزو کی تکمیل...... ان سب باتوں کے درمیان نینی کے وجود کی حیثیت صرف لڑنے والے

اس مرغ سے کم نہیں تھی۔ جسے اس کا مالک اپنے مفاد کے لئے استعمال کرتا ہے۔ اس نے بے چینی کے ساتھ کروٹ بدلتے ہوئے آنکھیں سختی کے ساتھ بھینچ لیں۔اور خیالات کو منتشر کرنے کی کوششیں کرنے لگا۔

خیالات درہم برہم ہوکر دوبارہ یکجا ہونے لگے۔اب کی دفعہ ان خیالات نے ایک ایسی صورت اختیار کی۔ جس کی کوئی شکل و صورت نہیں تھی۔ وہ صرف ایک محسوس کئے جانے والا پری پیکر تھا۔لطیف خوشبو سے مزین...... دل میں اتر جانے والی آواز کی صورت میں جسم و جان پر قابض ہونے والا دلفریب وجود......اس کی دلربا شخصیت کے متعلق سوچتے سوچتے نینی کے دماغ پر خمار چھانے لگا۔آنکھوں کے پپوٹے بھاری ہونے لگے اور کمرہ اس کے ہلکے خراٹوں سے گونجنے لگا۔نہ جانے وہ کتنی دیر سویا اسے کچھ پتہ نہیں چلا۔اس کی آنکھیں سوزو کے مخاطب کرنے پر کھلیں۔ وہ نیلے رنگ کی فائل ہاتھوں میں تھامے سامنے کھڑی تھی۔اس کے چہرے پر ذومعنی مسکراہٹ رقص کررہی تھی۔ نینی کو جاگتے ہوئے دیکھ کر وہ معذرت بھرے لہجے میں بولی۔

’’تمہیں بے وقت جگانے پر معذرت چاہتی ہوں۔لیکن وقت کی کمی کی بدولت میں مجبور ہوں۔اس فائل میں تاتونیا کے متعلق کچھ معلومات ہیں۔‘‘اس نے ہاتھوں میں پکڑی ہوئی فائل نینی کے ہاتھ میں منتقل کردی۔ پھر بولی۔’’تم اس کا مطالعہ کرو۔میں فریش ہوکر ابھی واپس آتی ہوں۔‘‘ وہ کمرے سے منسلک باتھ روم میں چلی گئی۔ نینی نے فائل کھولی اور مطالعہ شروع کیا۔فائل کے سرورق پر کرنل جیوگا کا نام اور عہدہ تحریر تھا۔نینی نے صفحہ پلٹا۔وہاں لکھا تھا۔

’’وادی تاتونیا کا نام حکومت افریقہ کے سرکردہ افراد کے لئے ایک معمہ بن کر ابھرنے لگا ہے۔اس وادی کی افادیت یا پھر نقصان شہر افریقہ پر کبھی بھی اثر انداز نہیں ہونے پایا۔آج سے قبل اس کا وجود شکوک و شبہات پر مختصر تھا۔اس کے نام کے علاوہ اس کی حیثیت کے متعلق کوئی بھی انسان واقفیت نہیں رکھتا۔سوائے میرے...... مجھے یہ اعزاز حاصل ہے کہ میں چند دن تاتونی افراد کی مہمان نوازی کا شرف حاصل کرچکا ہوں۔یہ بھی ایک اتفاق کے علاوہ مزید کچھ نہیں ہے۔ ایک مشن کے دوران جب میں نے اپنے طیارے سے رات کے وقت پیراشوٹ باندھ کر نیچے چھلانگ لگائی۔ تب اچانک ہی تیز ہواؤں نے میرے پیراشوٹ کا محاصرہ کرلیا۔ان طوفانی ہواؤں نے مجھے اپنی منزل سے دور کردیا۔میرا پیراشوٹ طوفانی ہواؤں کے رحم و کرم پر آگے پیچھے ڈولنے لگا۔ مجھے نہیں معلوم کہ میں سمت کا تعین کیسے کرپاتا۔میں اسے جس سمت لے جانا چاہتا تھا۔وہ اس سے مخالف سمت کی طرف جاتا تھا۔ سب کچھ درہم برہم ہوکر رہ گیا۔اب میں صرف اپنی جان بچانے کی کوشش کررہا تھا۔ پیراشوٹ میری دسترس سے باہر تھا۔ نیچے گھپ اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ کچھ بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔تھک ہار کر میں نے پیراشوٹ کی رسیوں کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔اور پیراشوٹ بے لگام گھوڑے کی طرح اپنی من مانی کرنے لگا۔وہ کتنی دیر ہوا میں اڑتا رہا۔میں اندازہ نہیں لگا پایا۔ پھر اس نے مجھے پہاڑی چٹان کے اوپر پٹخ دیا۔میں وہاں سے لڑھکتا ہوا نیچے وادی کے درمیان جاگرا۔میرے جسم پر لاتعداد چوٹیں آئیں۔جسم درد کی شدت سے جھنجھنا اٹھا۔اور میں بے ہوش ہوگیا۔

ہوش میں آنے پر میں نے اپنے اردگرد لوگوں کے جم غفیر کو کھڑے پایا۔ان کی آنکھوں میں حیرت استعجاب کی پرچھائیاں رقص کررہی تھیں۔ جیسے میرا وجود سونے کی دھات کا بن گیا ہو۔یا پھر میرے سر پر سینگ نکل آئے ہوں۔یہ تاتونی تھے۔جن کے متعلق افریقہ میں پراسرار قسم کی چہ میگوئیاں سنی جارہی تھیں۔میں نے ان کے چہروں کا جائزہ لینا شروع کیا۔ان میں کوئی بھی غیر معمولی بات دکھائی نہیں دی۔ عام انسان تھے۔ سوائے اس کے کہ ان کی انگلیوں کے ناخن سونے کی مانند سنہرے تھے۔اور قد غیر معمولی طور پر لمبے تھے۔

علاوہ ازیں وہ صرف عام تاتونی تھے۔ ہجوم میں عورتوں کی تعداد زیادہ تھی۔ ان میں سے ایک تاتونی نے آگے بڑھ کر مجھ سے تاتونیا آنے کی وجہ دریافت کی۔

تب میں نے گزشتہ رات گزرنے والے واقعات سے انہیں آگاہ کردیا۔ اس تاتونی نے مجھ سے پوچھا کہ کیا میں وادی تک پاؤں پر چل کر جاسکتا ہوں۔ میں نے اپنے جسم کا جائزہ لیا۔ چوٹیں اس قابل تھیں کہ میں باآسانی قریبی وادی تک سفر کرسکتا۔ میں اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اور پیراشوٹ کی رسیوں سے اپنے آپ کو آزاد کرنے لگا۔ اس آدمی نے مجھے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ اور وادی کی طرف چل دیا۔ میں نے اردگرد کا جائزہ لینا شروع کیا۔ چاروں طرف فلک بوس پہاڑ دکھائی دیئے۔ یہ پہاڑ حیرت انگیز طور پر سیدھی اور چکنی دیوار کی طرح سپاٹ تھے۔ یہی وجہ اس وادی کو عام دنیا کی نگاہوں سے پوشیدہ رکھنے کا سبب بنتی تھی۔ پہاڑی چٹانوں سے نیچے اترنے کے بعد تاحد نگاہ سبزیوں اور گندم کے کھیتوں کا لامتناہی سلسلہ شروع ہوگیا۔ کھیتوں میں عورتیں کام کررہی تھیں۔ لیکن مردوں کا نام ونشان نہیں تھا۔ جیسے جیسے ہم آگے بڑھنے لگے۔ ویسے ویسے لکڑی کے گھروں کا آغاز ہونے لگا۔ اور پھر ہم انہیں عبور کرکے وادی کے بازار میں داخل ہوگئے۔''

سوزو باتھ روم کا دروازہ کھول کر باہر نکل آئی۔ نینی کا تسلسل ٹوٹ گیا۔ اس نے چونک کر سوزو کی طرف دیکھا۔ وہ آسمان سے اتری ہوئی اپسرا کی طرح خوب صورت دکھائی دے رہی تھی۔ اس کے سیاہ ریشمی بال کمر سے نیچے تک لٹک رہے تھے۔ مختصر اور باریک کپڑوں میں جسم کے نشیب وفراز صاف دکھائی دیتے تھے۔ مختصر لمحے کے لئے نینی پلکیں جھپکنا بھول گیا۔ اور مبہوت ہوکر ٹکٹکی باندھے اسے دیکھنے لگا۔ سوزو نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''فائل پڑھ لی۔'' نینی نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔

''نہیں...... تمہیں فائل کہاں سے ملی......؟''

''افریقہ کے پرائیویٹ اور سیکرٹ سیکشن سے...... کرنل جیوگا کا روپ دھارنا میرے لئے مشکل نہیں تھا۔ اس لئے فائل تک باآسانی پہنچ گئی۔ تم فائل کا مطالعہ کرو۔ پھر اس پر بات چیت کریں گے۔'' نینی نے دوبارہ مطالعہ شروع کردیا۔ لکھا تھا۔

وادی تاتونیا کا بازار نہایت مختصر لیکن کاروبار زندگی کے سامان سے مزین صاف ستھرا اور جدید تھا۔ حیرت انگیز بات یہ تھی کہ یہاں کاروبار عورتوں کے سلیقہ شعار ہاتھوں میں پرورش پاتا تھا۔ رسم ورواج مختلف تھے۔ سفید عقاب کی پرستش کرتے تھے۔ جسے وہ شنگریلا کے نام سے منسوب کرتے تھے۔ ایک نہایت دلچسپ اور حیرت انگیز بات جو چند دنوں کے قیام کے دوران سامنے آئی۔

یہاں ہر معتبر گھرانے کی حفاظت پر متعین ایک روح تھی۔ اور دلچسپ بات یہ تھی کہ وہ روح خواجہ سرا کی صنف پر مشتمل ہوتی تھی۔ تاتونی عورتیں آٹھ سے زائد شادیاں کرسکتی تھیں۔ لیکن مردوں کو اس کی اجازت نہیں تھی۔ شاہ رخ کے شملے میں متعین افراد کو اس کی کم وبیش اجازت تھی۔ میری محدود سوچ کے مطابق اس کی وجہ عورتوں کی کثرت تھی۔ تاتونی مردوں کو تعداد میں کم ہونے کی وجہ سے ایک ہی شادی تک محدود کردیا گیا تھا۔

یہاں تمام معاشی معاملات کا اختیار تاتونی شاہ رخ کو حاصل تھا۔ وہ ہر گھر کے معاشی حالات پر نگاہ رکھتا تھا۔ اور آمدن میں سے آخری ایک حصہ اپنے شملے کے لئے مختص کرتا تھا۔ جو وادی کے ترقیاتی کاموں پر استعمال کیا جاتا تھا۔ وادی میں قتل کی سزا بھی مختلف تھی۔ قاتل کو مقتول کے گھر میں تمام زندگی کام کاج کرتے ہوئے گزارنی ہوتی تھی۔ یعنی عمر قید کی سزا زندگی کے آخری لمحوں تک نوکر کی حیثیت میں کاٹنی ہوتی تھی۔ اور پولیس سیکشن کو ڈوگی کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ مجھے گھوڑا گاڑی میں بیٹھا کر تاتونی شاہ رخ کے سامنے پیش کیا گیا۔ ساٹھ سے اوپر کے پیٹے میں قدم رکھنے والا شاہ رخ شکل وصورت کے اعتبار سے نہایت رعب دار اور

جہاندیدہ تاتونی دکھائی دیا۔ اس کے ساتھ عیتا بدھ یعنی اس کا دست راست کرسی پر براجمان تھا۔

شاہ رخ نے مجھ سے آنے کی وجہ دریافت کی۔ میں نے اسے بتایا کہ گزشتہ رات چلنے والی طوفانی ہواؤں کی بدولت میرا پیراشوٹ راستہ بھٹک کر وادی کی سرزمین پر آ گرا۔ شاہ رخ نے مجھے زخم بھر جانے تک کے لئے وادی میں رہنے کی اجازت دے دی۔ میں نے تین دن تاتونیا میں گزارے۔ ان تین دنوں کے دوران میں نے وادی میں رہنے والوں کے رہن سہن کا جائزہ لیا۔ وہاں اسپتال تھے۔ اسکول تھے۔ اس کے باوجود تاتونی عوام زیادہ ترقی یافتہ نہیں تھے۔ وہ بیرونی دنیا کے مرہون منت تھے۔ کام کی نیت سے یا پھر پڑھنے سیکھنے کے لئے باہر جاتے تھے۔ وہاں سے حاصل کردہ پیسہ وادی کے ترقیاتی کاموں پر صرف ہوتا تھا۔ سڑکیں پکی اور کشادہ تھیں۔ بجلی پن چکیوں کی مرہون منت تھی۔ پانی چشموں کی بہتات سے با آسانی میسر آتا تھا۔ وہ گوشت خور نہیں تھے۔ سبزی کاشت کرتے تھے۔ اور عموماً سبزی اور دالیں ہی کھاتے تھے۔ اس لحاظ سے وادی میں پالتو جانوروں کی بہتات تھی۔ میرے دریافت کرنے پر ایک تاتونی نے مجھے بتایا کہ چونکہ ہم جانوروں کو نہیں کھاتے۔ اس لئے چند سال قبل ان کی افزائش نسل میں خاطر خواہ اضافہ ہوا۔ ان کی کثرت تعداد شدید مشکلات کا سبب بننے لگی۔

تب وادی کی حکومت نے انہیں شندوں کے دیس بھجوانے کا آغاز کیا۔ یہاں یہ بتاتا چلوں کہ شندو تاتونی زبان میں غیر قانونی کو کہا جاتا ہے۔ اس تاتونی کے کہنے کے مطابق اب جانوروں کا کاروبار وسیع پیمانے کی صورت اختیار کر چکا ہے۔ میرے اندازے کے مطابق دشوار گزار پہاڑیوں کو عبور کرنا ممکن نہیں ہے۔ لیکن کوئی بھی آسان ترین راستہ وادی کے اطراف میں کہیں موجود ہے۔ جہاں سے تاتونی با آسانی باہر آ جا سکتے ہیں۔ شاید اسی راستے کے ذریعے جانوروں کو باہر لے جایا جاتا تھا۔ وادی کے دورے کے دوران میں نے اولڈ ہاؤس کی مناسبت سے ایک ایسی عمارت بھی دیکھی۔ جسے تاتونی انگشتری کے نام سے پکارتے تھے۔ یہاں بوڑھے اور ناکارہ وجودوں کی دیکھ بھال کی جاتی تھی۔ اور یہ افواہ عام تھی کہ تاتونی سبزی خور ہونے کے باوجود بھی ان بوڑھے بیمار وجودوں کا گوشت نہایت رغبت کے ساتھ کھاتے تھے۔ شاید ان کے مرنے کے بعد..... لیکن ان کی زندگی میں بھی وہ ان کی قدر اتنی زیادہ نہیں کرتے دکھائی دیتے تھے۔

انگشتری کی عمارت کی حالت سے اس بات کا اندازہ باخوبی لگایا جاسکتا تھا۔ تین دن بعد تاتونیوں نے میری آنکھوں پر پٹی باندھی اور طویل مسافت طے کرنے کے بعد جب انہوں نے پٹی کھولی تو میں نے اپنے آپ کو افریقہ کے گھنے جنگلوں کے درمیان کھڑے پایا۔ یہاں درختوں کی بہتات تھی۔ اس لئے میں جگہ کو پہچان نہیں پایا۔ درختوں سے نکلنے کے بعد ہم ایک ایسے افریقی قبیلے تک پہنچنے میں کامیاب ہوئے۔ جہاں گھوڑوں کی بہتات تھی۔ قبیلے کا نام باٹالی قبیلہ تھا۔ اور وہ شکل وصورت، رہن سہن کے لحاظ سے تہذیب یافتہ دکھائی دیتے تھے۔ ان گھوڑوں کے ذریعے مجھے افریقہ کے قریبی شہر تک پہنچا دیا گیا۔

افریقہ پہنچنے کے بعد میں نے چند ایسے افراد دیکھے۔ جن کے ناخن سنہرے تھے۔ میں ان کے ذریعے وادی کے داخلی راستوں کے متعلق آگاہی حاصل کرسکتا تھا۔ لیکن میں نے ایسا صرف اس لئے نہیں کیا کہ ان کا وجود افریقہ کی حکومت کے لئے نقصان دہ نہیں تھا۔ وہ سب افریقیوں کے حق میں تھے۔ اس کے علاوہ افریقہ کی سرزمین پر بہت سے پراسرار اور خودمختار قبائل ایسے آباد تھے۔ جن کے متعلق حکومت کو آگاہی حاصل نہیں تھی۔ لیکن چونکہ وہ بے ضرر تھے۔ اس لئے ان کے خلاف قدم اٹھانے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ اس لئے میں نے سنہرے ناختوں والے ان افراد کو فراموش کردیا۔" ان الفاظ کے ساتھ ہی فائل کا اختتام ہوا۔ نینی نے فائل ایک طرف رکھ دی۔ اور سامنے بیٹھی ہوئی سوزد کی طرف

دیکھتے ہوئے کہا۔

"اس فائل میں کچھ خاص معلومات موجود نہیں ہیں۔ لیکن ہمارے آگے بڑھنے کے لئے راستے کی نشاندہی ضرور ہے۔ تاتونیا جانے کے لئے راستہ باتالی قبیلے کے اردگرد پایا جاتا ہے۔ وہ اسی راستے کے ذریعے پالتو جانوروں کو وادی سے باہر بھجواتے ہوں گے۔ یقیناً باتالی قبیلے کے گرد ان کے نمائندے رہائش پذیر ہوں گے۔ ہوسکتا ہے کہ باڑے کی عمارت بھی ہو۔ یہی نمائندے ان جانوروں کو آگے افریقہ کی سرزمین پر منتقل کردیتے ہوں گے۔ ہمیں ایسے ہی کسی نمائندے کو تلاش کرنا ہوگا۔ جس کے ہاتھ کی انگلیاں سنہرے ناخنوں پر مشتمل ہوں۔ یہ کچھ مشکل نہیں ہوگا۔ تم آسانی ایسا کرسکتی ہو۔" سوزو بولی۔

"مجھے سنہرے ناخنوں کی بابت کچھ الجھن محسوس ہورہی ہے۔ تمہاری انگلیوں کے ناخن بھی سنہرے ہیں۔ ان کی وجہ کیا ہے؟" نینی بولا۔

"مجھے معلوم نہیں۔ لیکن تاتونی عوام کے ناخن سنہرے ہوتے ہیں۔ اور یہی ان کی شناخت کا ذریعہ بنتے ہیں۔ عورتیں ناخن پالش لگا کر انہیں عام انسانوں کی نگاہوں سے پوشیدہ رکھ سکتی ہیں۔ شاید اس وجہ سے زیادہ تر عورتیں افریقہ میں کام کررہی ہیں۔" سوزو نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ میں سمجھ گئی ہوں کہ مجھے باتالی قبیلے کے قریب واقع کسی ایسے باڑے کو تلاش کرنا ہے۔ جس کے مالک کی انگلیوں کے ناخن سنہرے رنگ کے ہوں۔ ابھی رات کا کچھ حصہ باقی ہے۔ میں صبح تمہیں اس کے متعلق کچھ بتاؤں گی۔ تم آرام کرو۔" سوزو نے دوبارہ سانپ کا روپ دھارا۔ اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

سوزو کی واپسی صبح دس بجے ہوئی۔ اس کے چہرے پر جوش کے تاثرات تھے۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی وہ بولی۔ "باتالی قبیلے کی سرحد سے کچھ آگے گوگوناتی قبیلے کے قریب بہت بڑا باڑہ بنا ہوا ہے۔ اس کی کرتا دھرتا ایک تیس سے پینتیس سالہ خوب صورت اور صحت مند عورت ہے۔ اس کا نام سونی ہے۔ باڑے میں چالیس کے قریب عورتیں کام کرتی ہیں۔ ان سب عورتوں اور لڑکیوں کے ناخن سنہرے ہیں۔ جنہیں وہ عام انسان سے چھپانے کے لئے ناخن پالش اور دستانوں کا استعمال کرتی ہیں۔ لیکن ایک سانپ کی نگاہوں سے انہیں پوشیدہ رکھنا ممکن نہیں۔ باڑے کی کاروباری اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے وادی تاتونیا میں باڑے کی حیثیت بے حد نمایاں ہے۔ چالیس کے قریب لڑکیاں باڑے میں کام کررہی ہیں۔ اس کے علاوہ بھی تیس سے چالیس کے درمیان لڑکیاں مختلف بیرونی امور کی انجام دہی میں مصروف ہیں۔ اس کاروباری پس منظر کے لحاظ سے سونی کا وجود نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ میرے منصوبے کے مطابق میں گوگو قبیلے میں داخل ہوتے ہی سونی کا روپ دھارن کرلوں گی۔ اس کا روپ حاصل کرتے ہی ہم دونوں با آسانی وادی تاتونیا میں داخل ہوجائیں گے۔ اور یہ کچھ زیادہ مشکل نہیں ہوگا۔" نینی نے اثبات میں سر ہلایا۔ پھر کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

"یہ سب تو ٹھیک ہے لیکن صبح سے ایک بات میرے دماغ میں کھٹک رہی ہے۔ میں اپنے جڑواں بھائی کا سایہ ہوں۔ یعنی اس کا ہمشکل ہوں۔ میرا مرحوم بھائی تاتونی شاہ رخ کے لڑکے کے طور پر جانا جاتا ہے۔ اگر میں اس کی شکل وصورت کے ساتھ وادی میں داخل ہوا۔ تب وادی میں موجود نینا بدھ اور لاتوبا کے گرگے مجھے باہر ہی ختم کرنے کی کوشش کریں گے۔ اس لئے مجھے اپنے حلیے میں حتیٰ الوسع تبدیلی پیدا کرنی چاہئے۔"

سوزو بولی۔ "یہ کوئی اتنا بڑا مسئلہ نہیں ہے۔ یہاں قریب ہی فلم اسٹوڈیو کی عمارت بنی ہوئی ہے۔ اس کے اردگرد میک اپ کرنے والے کسی ورکر کا آفس بھی ضرور ہونا چاہئے۔ اگر میں فلم کے پروڈیوسر کا روپ دھار کر میک اپ مین کو تمہارا میک اپ کرنے کے لئے کہوں۔ تو وہ یقیناً ایسا کرے گا۔" نینی بولا۔

"لیکن یہ میک اپ کتنے دنوں کے لئے میرا

ساتھ دے گا۔ آخر کار میعاد پوری ہوجانے کے بعد اتر جائے گا۔"

"واقعی تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ میک اپ کی مدت مخصوص اور محدود ہوتی ہے۔ جبکہ ہمیں مشن کی مدت کے متعلق کچھ معلوم نہیں۔" ننی بولا۔

"آنکھوں کے رنگ کو لینس لگا کر تبدیل کیا جاسکتا ہے۔ فرنچ کٹ داڑھی رکھ کر چہرے کے خدو خال میں بھی تبدیلی پیدا کی جاسکتی ہے۔ لیکن اس کے لئے کچھ وقت درکار ہوگا۔ میں آج ہی سے کوششیں شروع کردیتا ہوں۔"

سوزو نے اثبات میں سر ہلایا۔ اور بولی۔ "تم حلیہ بدلنے کی کوشش کرو۔ میں ابھی واپس آتی ہوں۔" اس نے عجلت کے عالم میں سانپ کا روپ دھارا اور کمرے سے باہر نکل گئی۔ چند لمحے حیران و پریشان کھڑے رہنے کے بعد ننی نے کاندھے اچکائے۔ اور دروازہ کھول کر ہوٹل سے نیچے چلا آیا۔ ہوٹل سے چند قدم کے فاصلے پر بازار واقع تھا۔ بازار جدید اور کافی بڑا تھا۔ اس نے وہاں سے ہیٹ اور آنکھوں کا رنگ تبدیل کرنے کے لینز خریدے۔ رہی داڑھی بڑھانے کی بات تو اس کے لئے کچھ وقت درکار تھا۔ اس نے دل میں تہیہ کرلیا کہ وہ کچھ عرصے تک شیو نہیں کرے گا تاکہ مونچھیں اور داڑھی نمایاں ہوجائیں۔ کمرے میں واپس آکر اس نے دروازہ بند کیا۔ اور بستر پر لیٹ گیا۔ اس کے خیالوں کا مرکز دونی تھا۔ وہ مکمل طور پر خاموش ہوگیا تھا۔ کہیں یہ خاموشی کسی بڑے طوفان کا پیش خیمہ تو نہیں ثابت ہونے والی تھی۔ وہ منکے کی بدولت بھی خاموش ہو کر بیٹھ سکتا تھا۔ لیکن ڈین مور شہر میں اس کی سازشی تدابیر نے انہیں پریشان کرکے رکھ دیا تھا۔ یہاں ایسا نہیں ہوا تھا۔ شاید وہ افریقہ کی حکومت کے افراد کو خریدنے میں ناکام ہوگیا تھا۔

نہ جانے سوزو کہاں چلی گئی تھی۔ وہ ابھی تک واپس نہیں آئی تھی۔ اس نے دوبارہ منکا لینے کی بات نہیں کی تھی۔ لیکن کب تک یہ منکا اس کے پاس رہ سکتا تھا۔ آخر کار تو اسے واپس لوٹانا ہی تھا۔ پھر وہی اندھیری دنیا ہوتی۔ مخصوص ڈگر پر چلتی ہوئی زندگی ہوتی۔ محتاجی اور بے زاری ہوتی۔ اس زندگی کے متعلق سوچتے ہی ننی کو ہول آنے لگا۔ اور اس نے ہڑبڑا کر آنکھیں بند کرلیں۔

وادی تاتونیا کے شاہ رخ کے شملے کے ایک کمرے میں اس کے علاوہ ڈوگی سیکشن کا سربراہ سامبا بیٹھا تھا۔ ان دونوں کے چہروں پر فکر انگیز تاثرات نمایاں تھے۔ شاہ رخ کہہ رہا تھا۔

"وادی کی حفاظت پر متعین طاقت دونی کی طاقتیں سابقہ شاہ رخ کے سونے کے منقش سکے اس کے آگے ناکام ہوکر رہ گئی ہیں۔ دونی نے مختلف حربے شاہ رخ کے لڑکے پر استعمال کرنے کی کوشش کی۔ لیکن کامیاب نہیں ہوسکا۔ وہ متواتر آگے بڑھتا چلا آرہا ہے۔ اسے زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ ہم تک پہنچنے میں...... قانونی حفاظتی سرکل بھی یقیناً اسے روکنے سے ناکام ہوجائے گا۔"

ڈوگی سیکشن کا سربراہ سامبا لمبے قد اور چوڑے سینے کا مالک ایک ادھیڑ عمر دوغلی شخصیت کا تاتونی تھا۔ جس کی دونوں آنکھوں کا رنگ مختلف تھا۔ بائیں آنکھ نیلے رنگ کی اور دائیں براؤن تھی۔ وہ سر سے مکمل طور پر گنجا تھا۔ لیکن ٹھوڑی پر مختصر داڑھی اگی ہوئی تھی۔ نیتابدھ شاہ رخ کے خاموش ہونے پر وہ بولا۔

"وہ اگر اکیلا ہوتا۔ تب یہاں تک نہ پہنچ سکتا۔ اس کے ساتھ بھیس بدلنے والی ناگن موجود ہے۔ وہ اس کا مکمل ساتھ دے رہی ہے۔ اگر اس کا کانٹا درمیان میں سے نکل جائے۔ تب شاہ رخ کے لڑکے کے لئے دوگز کا راستہ طے کرنا بھی دوبھر ہوجائے گا۔" نیتابدھ شاہ رخ بولا۔

"دونی کے کہنے کے مطابق شاہ رخ کے سونے کے منقش سکے کی بدولت اس کی تمام مخفی طاقتیں ختم ہوکر رہ گئی ہیں۔ لیکن اس کے باوجود بھی وہ شاہ رخ کے لڑکے پر بھاری پڑ رہا تھا۔ اور اس نے اسے سمندر میں کودنے کے لئے مجبور کردیا تھا۔ لیکن بھیس بدلنے والی

ناگن نے اسے نہ صرف مرنے سے بچالیا۔ بلکہ اپنا منکا اسے دینے کے بعد بینائی سے بھی ہمکنار کردیا۔"

ساما بولا۔"اس منکے میں کوئی ایسی بات پوشیدہ ہے۔ جس کی بدولت دونی اس کے قریب نہیں جاسکتا۔ اس کی مخفی طاقتیں سابقہ شاہ رخ کے منقش سکے کی بدولت ختم ہوگئی تھیں۔ اور رہی سہی کسر منکے نے پوری کردی۔ اس لئے دونی کا وجود تقریباً ناکارہ ہوکر رہ گیا۔" نیتا بدھ شاہ رخ بولا۔

"میرے پاس ایک ایسا ذریعہ موجود ہے۔ جس کی بدولت میں شاہ رخ کے لڑکے سے منکا حاصل کرسکتا ہوں۔ ایک دفعہ منکا اس سے چھن گیا تب نہ صرف اس کی بینائی واپس چلی جائے گی بلکہ وہ دوبارہ دونی کے رحم وکرم پر بھی آجائے گا۔"

ساما بولا۔"دونی کے رحم وکرم پر تو وہ پہلے بھی نہیں تھا۔ دونی اس وقت بھی ناکام ہی تھا۔ وہ روشنیوں سے گھبراتا تھا۔ اور روشنیوں کو حاصل کرنا کسی بھی انسان کے لئے مشکل نہیں ہے۔ ہاں اگر بھیس بدلنے والی ناگن کا وجود درمیان میں سے نکل جائے تو اسے باآسانی ختم کیا جاسکتا ہے۔" نیتا بدھ شاہ رخ بولا۔

"تو ٹھیک ہے۔ میں ایسا ہی کرتا ہوں۔ یوں سمجھو کہ وہ ناگن میرے قبضے میں ہے۔ میں کسی بھی وقت اس کا قلع قمع کرسکتا ہوں۔" ساما نے استفہامیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"مجھے وہ وجہ بتاؤ۔ جس کی بدولت تم اتنی خود اعتمادی کے ساتھ اسے ختم کردینے کی بات کررہے ہو۔" نیتا شاہ رخ نے اثبات میں سر ہلایا۔ اور اس کے کان میں اپنا اگلا لائحہ عمل بتانے لگا۔ ساما کے چہرے پر حیرت کے تاثرات ابھرنے لگے۔ بات ختم ہونے کے بعد وہ پرجوش لہجے میں بولا۔

"بہت اعلیٰ لائحہ عمل ہے۔ تم اس پر ابھی سے عملدرآمد شروع کردو۔ ناگن کے درمیان سے نکل جانے کے بعد جب سابقہ شاہ رخ کے لڑکے کی بینائی ختم ہوجائے گی۔ تب اسے وادی تاتونیا میں آگے آنے دینا۔ میں خود اسے سنبھال لوں گا۔" نیتا بدھ شاہ رخ بولا۔

"لیکن اسے اتنی چھوٹ دینے کی بھلا کیا ضرورت ہے ہم اس کا خاتمہ وادی سے باہر بھی کرسکتے ہیں۔" ساما نے تلخ لہجے میں جواب دیا۔

"جو کہ تم ابھی تک نہیں کرسکے۔ معاف کرنا تمہاری حکومت یا پھر حفاظتی سرکل کسی بھی کام کا نہیں ہے۔ مجھے اگر وادی سے باہر جانے کی اجازت ہوتی۔ تو میں کب کا ایسا کرچکا ہوتا۔ لیکن کچھ ایسی مجبوریاں یہاں موجود ہیں۔ جن کی وجہ سے ایسا ممکن نہیں۔ اس لئے جو کچھ میں کہہ رہا ہوں۔ ویسا ہی کرنے کی کوشش کرو۔ وادی تاتونیا میں داخل ہونے کے بعد وہ میری نگاہوں سے پوشیدہ نہیں رہ پائے گا۔ اس کی مقبول ترین صورت ہی اس کی سب سے بڑی دشمن بن کررہ جائے گی۔" نیتا بدھ شاہ رخ نے اثبات میں سر ہلایا۔ اور ساما اٹھ کر کمرے سے باہر نکل آیا۔

سوزو کی واپسی دو گھنٹے کے بعد ہوئی۔ اس کا چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا۔ ہاتھوں کی انگلیاں شدت جذبات کی بدولت بھنچی ہوئی تھیں۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی اس نے خوشی سے مغلوب لہجے میں نینی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"میرا ناگ واپس آگیا ہے۔ مجھے یقین نہیں ہورہا۔ لیکن وہ واقعی واپس آگیا ہے۔" نینی نے حیرت بھری نگاہوں کے ساتھ سوزو کی طرف دیکھا۔ لیکن کہا کچھ نہیں۔ وہ دوبارہ بولی۔

"تمہیں بھی میری طرح یقین نہیں آرہا ہے نا......لیکن یہ حقیقت ہے کہ وہ اپنی غلطی پر شرمندہ ہونے کے بعد واپس چلا آیا ہے۔ اوہ نینی آج میں بہت خوش ہوں۔ ہم ایک دو دن بعد ناگ پوری دیوتا کی پوجا کے لئے سانپوں کی وادی میں جانے والے ہیں۔ میں وہاں تمہارے حق میں پرارتھنا کروں گی۔" نینی کے چہرے پر پریشانی رقص کرنے لگی۔ سوزو کے واپس جانے کا مطلب منکے کی واپسی تھا۔ اور منکے کے چلے جانے کا

بدولت اندھیروں کی دنیا دوبارہ اس کا مقدر بن جاتی۔ منزل کے اتنے قریب آجانے کے بعد وہ اس دوری کو برداشت نہیں کرسکتا تھا۔ لیکن سوزو سے بے وفائی کرنا بھی اس کے اختیار میں نہیں تھا۔ وہ پیچ و تاب کھا کر رہ گیا۔ سوزو نے اس کی دلی کیفیت کا اندازہ چہرے سے لگالیا۔ اور افسوس بھرے لہجے میں بولا۔

''میں ایسا نہیں چاہتی۔ لیکن سیزان کی شرط یہی ہے کہ میں جلد از جلد منکا واپس لے کر سانپوں کی وادی کی طرف روانہ ہوجاؤں۔ مجھے معلوم ہے کہ ایسا کرنے سے تمہیں بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ لیکن میں مجبور ہوں۔ منکے کے بغیر سانپ ادھورا ہوتا ہے۔ اور ناگ پوری دیوتا کی عبادت بھی منکے کے بغیر ممکن نہیں۔''

نینی نے جواب دیا۔ ''تمہیں میرے لئے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ تمہارا ناگ واپس آگیا ہے۔ دیر مت کرو۔ اور فوراً اس کے ساتھ سانپوں کی وادی میں چلی جاؤ۔ رہی میری بات...... تو اندھیروں بھری دنیا میرے اور تلسی کے درمیان حائل نہیں ہوسکتی۔ مجھے اسے حاصل کرنے کے لئے بہر حال تاتونیا جانا ہے۔'' سوزو نے آگے بڑھتے ہوئے اس کے دونوں ہاتھوں کو تھام کر خوشی بھرے لہجے میں کہا۔

''کیا تم سیزان سے ملنا پسند کروگے۔ وہ بھی ایسا چاہتا ہے۔'' نینی نے اثبات میں سر ہلایا۔ اور دونوں اٹھ کر ہوٹل سے باہر نکل آئے۔ سوزو نے ٹیکسی پکڑی۔ اور شہر سے باہر واقع پارک کی طرف روانہ ہوگئے۔ تقریباً آدھے گھنٹے کی ڈرائیونگ کے بعد ٹیکسی سرسبز پہاڑوں کے درمیان واقع خوب صورت جنگل نما پارک کے درمیان پہنچ کر رک گئی۔ نینی نے ٹیکسی ڈرائیور کو رقم دے کر فارغ کیا۔ اور دونوں پارک کے اندر چلے آئے۔ پارک کے درمیان میں سے قدرتی چشمہ جنگل کے اندر کی طرف جاتا تھا۔ چشمے کے قریب چند لکڑی کے ہٹ بنے ہوئے تھے۔ یہ فیملی ہٹ ایک ہوٹل کی ملکیت تھے۔ چشمے کے قریب میز اور کرسیاں رکھی ہوئی تھیں۔ ان میں سے ایک پر سوزو کا ناگ انسانی صورت میں بیٹھا تھا۔

نینی نے تنقیدی نگاہوں کے ساتھ اس کے سراپے کا جائزہ لیا۔ وہ اونچے لمبے قد کا مالک تھا۔ بال کاندھے تک لمبے تھے۔ چہرے کے نقوش دبلے پتلے تھے۔ اور آنکھوں کا رنگ بھورا تھا۔ سوزو اور نینی کو اپنی طرف آتے دیکھ کر وہ کرسی چھوڑ کر کھڑا ہوگیا۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ رقص کررہی تھی۔ نہ جانے نینی کو کیوں ایسا محسوس ہوا کہ اس کی مسکراہٹ استقبالیہ نہیں تھی۔ بلکہ طنزیہ اور حقارت سے بھرپور تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر نینی کے ساتھ مصافحہ کیا۔'' پھر سوزو کو کمر کے پاس سے تھامتے ہوئے محبت بھرے لہجے میں بولا۔

''میری بیوی کو بحفاظت یہاں تک پہنچانے کا شکریہ۔ مجھے اپنی گزشتہ حماقت پر شرمندگی کا احساس ہے۔ لیکن میں اب بھی اپنی بیوی سے ٹوٹ کر محبت کرتا ہوں۔'' اس نے سوزو کے گال پر بوسہ دیا۔ پھر دوبارہ نینی کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

''سوزو نے مجھے تمہاری تاتونی حیثیت کے متعلق بتایا ہے۔ اور میں چاہتا تھا کہ تمہاری کسی نہ کسی حد تک مدد ضرور کروں۔ لیکن ناگ پوری دیوتا کی سالانہ عبادت کا دن قریب آتا چلا جارہا ہے۔ یہ عبادت ہم دونوں کے کمزور ہوتے ہوئے ازدواجی رشتے کی مضبوطی کے لئے نہایت اہم ہے۔ اس عبادت میں شرکت کے لئے ہم دونوں کو آج رات تین بجے یہاں سے روانہ ہونا ہے۔ اس لئے تم ہم دونوں کی طرف سے معذرت قبول کرلو۔'' نینی نے مسکراتے ہوئے پرخلوص لہجے میں جواب دیا۔

''تم مجھے شرمندہ کررہے ہو۔ میں تم دونوں کی محبت کو تمام زندگی فراموش نہیں کرپاؤں گا۔ رہی مدد کی بات۔ تو جتنی سوزو نے اب تک کی ہے۔ وہ میرے لئے کافی ہے۔ مزید کی مجھے ضرورت نہیں ہے۔'' سیزان نے عقیدت مندانہ انداز میں اپنا ہاتھ نینی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''میں تمہاری دل سے قدر کرتا ہوں۔ اور مجھے خوشی محسوس ہوگی۔ اگر تم مجھے میرے نام سے پکارو۔

میرا نام سیزان ہے۔'' نینی نے بے اختیار اس کے سرد ہاتھوں کو اپنے ہاتھ میں تھام لیا۔ سیزان سرگوشیانی لہجے میں بولا۔

''تاتونیا کے متعلق سوچنا چھوڑ دو۔ وہ خطرناک حد تک بے وفا اور خودغرض لوگوں کی وادی ہے۔ میری حماقت تمہارے سامنے ہے۔ میں ایک تاتونی لڑکی کی محبت میں گرفتار ہوکر تاتونیا وادی میں بھٹکتا رہا۔'' نینی نے پوچھا۔

''وہ لڑکی کہاں ہے؟ اور تم اسے چھوڑ کر واپس کیوں چلے آئے۔'' سیزان نے سرد آہ بھرتے ہوئے جواب دیا۔

''اس نے افریقہ کی حد تک میرا ساتھ دیا۔ لیکن تاتونیا میں داخل ہوتے ہی آنکھیں پھیر لیں۔ اس کے گھر والوں نے ہمارے رشتے کے متعلق دریافت کیا۔ تب بھی اس نے کوراسا جواب دے کر انہیں ٹال دیا۔ وہ مجھے صرف اپنا اچھا اور مخلص دوست سمجھتی تھی۔ میں کافی عرصے تک اس کے پیچھے کتے کی طرح دم ہلاتا گھومتا رہا۔ لیکن اس نے مجھے توجہ کے قابل نہیں جانا۔ تب مجھے اپنی خوب صورت اور باوفا بیوی کی یاد آئی۔ اور میں سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر واپس چلا آیا۔ میں تمہیں بھی مشورہ دوں گا کہ تلسی کو بھلا کر واپس چلے جاؤ۔ تمہارے حق میں یہی بہتر ہوگا۔ ورنہ میری طرح تلسی تمہیں بھی دھتکار دے گی۔'' نینی مسکراتے ہوئے بولا۔

''مجھے اس کی محبت پر اعتبار ہے۔ وہ ایسا کبھی نہیں کرے گی۔ اس نے مجھے اپنانے کے لئے اپنے وجود اور عزت کو میرے حوالے کردیا۔ اس سے بڑھ کر بھلا اور کیا بات ہوسکتی ہے۔'' سیزان طنزیہ لہجے میں بولا۔

''اسے محبت نہیں بلکہ خودغرض کہنا مناسب ہوگا۔ وہ اپنے سسر کی عزت اور حکومت بچانے کے لئے تمہیں چارے کے طور پر استعمال کررہی ہے۔ یا پھر اسے تمہاری شکل وصورت میں اپنے مرحوم شوہر کی صورت دکھائی دیتی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا۔ تب وہ تمہیں منہ لگانا بھی گوارا نہیں کرتی۔'' نینی کو اپنے سر پر پہاڑ ٹوٹتا ہوا محسوس ہوا۔ وہ سچ کہہ رہا تھا۔ تلسی اور اس کی محبت اس کے مرحوم بھائی کی شکل کی مرہون منت تھی۔ اگر نینی کی شکل اس کے بھائی سے مختلف ہوتی۔ تب وہ کبھی بھی اس کے ساتھ راہ ورسم بڑھانے کی کوشش نہیں کرتی۔ نینی نے تلخ لہجے میں جواب دیا۔

''جو بھی ہے۔ اور جیسا بھی ہے۔ لیکن وہ اب میری بیوی ہے۔ وہ میرے مرحوم بھائی ربی کی محبوبہ رہ چکی ہے۔ لیکن ان کی شادی نہیں ہونے پائی تھی۔ وہ کہانی ربی کی موت کے ساتھ ختم ہوکر رہ گئی۔ لیکن اب میں اور تلسی کی کہانی کو حقیقت بنا کررہوں گا۔ چاہے اس کے لئے مجھے اپنی جان کی بازی کیوں نہ لگانی پڑے۔'' سیزان نے کاندھے اچکائے۔ اور نینی کچھ دیر ان دونوں کے ہمراہ بیٹھے رہنے کے بعد واپس ہوٹل چلا آیا۔

منکے کے چھن جانے کے بعد نینی کو دوبارہ اندھیروں سے سمجھوتہ کرنا تھا۔ لیکن جب سے تلسی اس کی زندگی میں آئی تھی۔ اسے اندھیروں کی زیادہ پرواہ نہیں تھی۔ سوائے اس کے کہ اندھیروں کی طاقت دونی اس پر حملہ آور ہوسکتی تھی۔ اس کے ایسا کرنے سے قبل نینی کو وادی تاتونیا کے قریب پہنچ جانا چاہئے تھا۔ یعنی اس کے پاس وقت نہایت کم تھا۔ ہوٹل پہنچنے کے بعد نینی نے اپنا سامان سمیٹا۔ ٹارچیں اور سر پر پہننے والی ٹوپی بیگ میں رکھی۔ بالوں کو کیپ میں چھپایا۔ آنکھوں کا رنگ لینز لگا کر تبدیل کیا۔ اور ریسپشنسٹ پر چلا آیا۔ ہوٹل کے کمرے کی پے منٹ کرنے کے بعد اس نے ٹیکسی پکڑی۔ اور اسے ایئرپورٹ کی طرف چلنے کے لئے کہا۔ وہ مزید وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے منکے کی موجودگی کے دوران زیادہ سے زیادہ سفر طے کرلینا چاہتا تھا۔ ڈونگابونگا شہر سے چوبیس گھنٹے کہیں بھی جانے کے لئے فلائٹ دستیاب ہوجاتی تھی۔ اسے افریقہ سے قریبی شہر بوغانا جانا تھا۔

حسب معمول فلائٹ مل گئی۔ آدھے گھنٹے کے مختصر سفر کے بعد شام پانچ بجے کے قریب وہ بوغانا پہنچ

گیا۔ یہاں سے اسے کرائے کی جیپ لے کر آگے کا مزید سفر طے کرنا تھا۔ دو گھنٹے کا یہ سفر نہایت بے چینی کے عالم میں گزرا۔ اسے ہر لمحے یہی دھڑکا لگا رہا کہ ابھی سوزو نمودار ہوگی۔ اور اسے منکا واپس کرنے کے لئے کہے گی۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اور وہ آبا سانی افریقہ کے جنگل کی سرحد پر پہنچ گیا۔ سرحدی قبیلے بورو میں چند گائیڈ نما قبائلی ایسے موجود تھے۔ جو رقم لے کر جنگل کے اندر سفر کے لئے ہمہ وقت تیار تھے۔ شام کے پانچ بج رہے تھے۔ اس وقت جنگل کے اندر جانا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ تاہم معاوضے کی زیادتی نے انہیں لمحہ بہ لمحہ موم کرنا شروع کر دیا۔ اور چند لمحوں کی دماغ سوزی کے بعد وہ ننی کو گوگو قبیلے تک لے جانے کے لئے رضامند ہوگئے۔ وہ تعداد میں دو تھے۔ اور ان کے ہاتھوں میں کسی جانور کی چربی سے لتھڑی ہوئی مشعلیں پکڑی ہوئی تھیں۔ ان میں سے ایک ننی کے آگے چلنے لگا۔ جبکہ دوسرا پیچھے تھا۔ افریقہ کے جنگلوں میں جانوروں کی بہتات تھی۔ کتنی دفعہ وہ تینوں چلتے چلتے جنگلی ہاتھیوں کے علاقے میں داخل ہوگئے۔ لیکن پھر آگے چلتے ہوئے قبائلی گائیڈ نے راستہ تبدیل کیا۔ اور ہاتھیوں کے علاقے سے ہٹ کر آگے سفر کا آغاز کیا۔ ایک جگہ جنگلی شیروں کا کنبہ درختوں کے جھنڈ کے نیچے استراحت کی غرض سے بیٹھا تھا۔ ان کے پیٹ بھرے ہوئے تھے۔ اس لئے وہ نقصان پہنچانے کے موڈ میں نہیں تھے۔

وہ تینوں ان کے قریب سے ہو کر آگے نکلتے چلے آگئے۔ چار گھنٹے کے طویل اور صبر آزما تھکا دینے والے سفر کے بعد آخر کار وہ تینوں گوگو قبیلے تک پہنچنے میں کامیاب ہوگئے۔ ننی نے گائیڈوں کو معاوضہ دے کر فارغ کیا۔ اور قبیلے کی حدود میں داخل ہوگیا۔ وسیع رقبے پر پھیلا ہوا گوگو قبیلہ تقریباً چالیس گھروں پر مشتمل تھا۔ ان میں زیادہ تر گھر گھاس پھونس پر مشتمل تھے۔ لیکن چند گھر ایسے بھی تھے۔ جو نہایت قیمتی لکڑی سے بنے ہوئے تھے۔ وہ انہیں عبور کرتا ہوا قبیلے کی آخری حدود کے پاس واقع سونی کے باڑے تک چلا آیا۔ باڑے کے ساتھ منسلک سونی کا لکڑی کے تختوں پر مشتمل طویل و عریض گھر تھا۔ جو ضروریات زندگی کی سہولتوں سے مزین آرام دہ اور جدید تھا۔ سوزو کے کہنے کے عین مطابق سونی صحت مند جسم اور سیاہ آنکھوں والی خوب صورت دوشیزہ تھی۔ اس کی عمر پچیس کے لگ بھگ تھی۔ ننی کو دیکھنے کے بعد اس نے حیرت بھرے لہجے میں رات کے اس پہر آنے کی وجہ دریافت کی۔ ننی نے چند لمحے خاموش رہنے کے بعد کہا۔

''میں تاتونی ہوں، میرے ہاتھوں کے سنہرے ناخن اس بات کے گواہ ہیں۔ مجھے بچپن ہی میں وادی سے بے دخل کر دیا گیا تھا۔ اب واپس جانا چاہتا ہوں۔ لیکن راستے کے متعلق معلوم نہیں۔ کچھ عرصے کی تحقیق کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ تم مجھے وہاں لے جا سکتی ہو۔ اس لئے میں یہاں چلا آیا۔''

سونی نے حیرت بھری نگاہوں کے ساتھ ننی کے سراپے کا جائزہ لیا۔ پھر سپاٹ لہجے میں بولی۔

''تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ جس وادی کا تم نام لے رہے ہو۔ میں اس کے متعلق نہیں جانتی۔'' ننی طویل سانس لیتے ہوئے بولا۔

''میرے پاس وقت کم ہے۔ اس لئے میں مختصر اور جامع بات کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ تم بھی ایسا ہی کرو گی۔ ہاتھوں کے سنہرے ناخن تمہارے سامنے ہیں۔ اور اگر میں آنکھوں پر لگے ہوئے لینس سر پر پہنی ہوئی ٹوپی اتار دوں۔ تب شاید تم مجھے باآسانی پہچان لو گی۔'' بات کرنے کے دوران ہی ننی نے دونوں لینس احتیاط کے ساتھ اتار دیئے۔ پھر ٹوپی اتار کر بال بھی کھول دیئے۔ سونی کی آنکھیں حیرت کے مارے تقریباً پھٹنے لگیں۔ وہ چند لمحے محویت کے عالم میں ننی کو دیکھتی رہی۔ پھر چلاتے ہوئے بولی۔

''تم ربی ہو۔'' پھر پریشان لہجے میں بولی۔ ''لیکن ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔ وہ تو مر چکا ہے۔ سچ بتاؤ کہ تم کون ہو؟'' اس دفعہ ننی مسکراتے ہوئے بولا۔

''میرا نام حسنین ہے۔ میں ربی کا سایہ ہوں۔ مجھے بچپن ہی میں شندوں کے دیس بھجوادیا گیا تھا اور تعلیم وتربیت پر شاہ رخ کے سائے کو مقرر کردیا گیا تھا۔ اب چونکہ ربی مرچکا ہے۔ اور شاہ رخ کو میری ضرورت ہے۔ اس لئے مجھے تاتونیا بلایا جارہا ہے۔ تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ میرے والد کی حکومت کا تختہ الٹ چکا ہے۔ اور نیتا بدھ کی حکومت ایسا نہیں چاہتی کہ میں اپنے باپ کی مدد کرنے کے لئے وادی تاتونیا میں داخل ہونے پاؤں۔ اس لئے اس کے کارندے جس میں سرفہرست اندھیروں کی طاقت دونی ہے۔ مجھے روکنے کے لئے مصروف عمل ہے۔ میں ان سے بچتا ہوا یہاں تک آپہنچا ہوں۔ لیکن آگے جانے کے متعلق مجھے کچھ سجھائی نہیں دے رہا۔''

سونی بولی۔ ''تمہاری شکل ہو بہو ربی کی طرح کی ہے۔ رتی برابر بھی فرق نہیں پایا جاتا اور جیسا تم کہہ رہے ہو۔ اگر وہ حقیقت ہے تو میں تمہاری مدد کرنے کے لئے تیار ہوں۔ تمہارے باپ شاہ رخ کے مجھ پر بہت احسانات ہیں۔ تم نادانستگی میں صحیح جگہ چلے آئے ہو۔ اب سب کچھ مجھ پر چھوڑ دو۔ میں سب کچھ سنبھال لوں گی۔'' نینی نے اطمینان کا سانس لیا۔ اور بولا۔

''سونی میری آنکھوں کی بینائی ایک ناگن کے منکے کی مرہون منت ہے۔ اور وہ ناگن اپنا منکا واپس لینے کے لئے کسی بھی وقت آنے والی ہے۔ منکے کے چلے جانے کے بعد میری بینائی بھی چلی جائے گی۔ ایسی صورت میں مجھے کسی مضبوط سہارے کی ضرورت پڑے گی۔ میں تم سے درخواست کرتا ہوں کہ مشکل کے اس موقع پر میرا ساتھ دینا۔'' سونی ممنونانہ لہجے میں بولی۔

''مجھے شرمندہ نہ کرو۔ میں تمہیں بتا چکی ہوں کہ تمہارے باپ کے مجھ پر بہت احسانات ہیں۔ اگر میں یہ کہوں کہ جانوروں کا یہ باڑا تمہارے باپ کی ملکیت ہے تو بے جا نہیں ہوگا۔ تمہاری آنکھوں کے متعلق جان کر مجھے افسوس ہوا۔ کیا تم پیدائشی اندھے ہو۔'' نینی نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔

''نہیں...... ایک حادثے کی بدولت میری آنکھوں کی روشنی چلی گئی۔ سوزو نامی ناگن کا منکا کارآمد ثابت ہوا۔ لیکن صرف وقتی طور پر...... منکے کو اگلنے کے بعد اندھیرا واپس محاصرہ کرلے گا۔'' سونی نے ترحم بھری نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ پھر دلاسہ دینے والے لہجے میں بولی۔

''تم فکر نہ کرو۔ ایسی بہت سی ناگنیں اور روحیں تاتونیا میں ہیں۔ جو تمہاری بینائی واپس لانے کے لئے مددگار ثابت ہوسکتی ہیں۔ میں وہاں پہنچتے ہی سب سے پہلے تمہاری بینائی واپس لانے کے لئے کوشش کروں گی۔ اب تم آرام کرو۔ رات زیادہ ہوگئی ہے اور تم لمبے سفر کی بدولت تھکے ہوئے بھی ہو۔ ہم اگلی رات کو تاتونیا کی طرف سفر کا آغاز کریں گے۔'' نینی نے اثبات میں سر ہلایا۔ اور سونی کے ہمراہ رہائشی کمرے میں آگیا۔ کمرہ ہرقسم کی سہولیات سے مزین تھا۔

سونی نے چند لمحوں کے دوران اس کے لئے کھانے کا بندوبست کیا اور کھانا کھانے کے بعد وہ سونے کے لئے لیٹ گیا۔ جسم تھکن سے ٹوٹ رہا تھا۔ لیکن پھر بھی نینداس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔

سوزو کی آمد رات کو دو بجے قریب ہوئی۔ اس کا چہرہ خوشی کی روشنی سے منور تھا۔ لیکن دل نینی کے لئے افسردہ تھا۔ وہ نینی سے منکا واپس نہیں لینا چاہتی تھی۔ لیکن ناگ پوری دیوتا کی عبادت کے لئے منکے کا ہونا ضروری تھا۔ منکے کے بغیر سانپ کی کوئی بھی حیثیت نہیں ہوتی۔ یہ بھی بہت تھا کہ اس نے اتنے عرصے کے لئے منکا نینی کی تحویل میں رہنے دیا تھا۔ ورنہ یہ بھی ناممکن بات تھی۔ نینی نے مسکراتے ہوئے اس کا استقبال کیا۔ اور منکے کو اگلنے کے بعد اس کے حوالے کردیا۔ اس کے چاروں طرف اندھیرا پھیلنا شروع ہوگیا۔ سوزو بے اختیار نینی کے دونوں ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں تھام لیا اور نہایت دلگرفتہ لہجے میں بولی۔

''یقین جانو کہ میں ایسا نہیں چاہتی ہوں۔ تم سے منکا واپس لینا میری مجبوری ہے۔ سیزان بضد ہے کہ وہ

جلد از جلد تاگوں کی وادی میں جاکر ناگ پوری دیوتا کی عبادت میں شرکت کرکے اپنے گناہوں کی معافی طلب کرنا چاہتا ہے۔ اور منکے کے بغیر ایسا ممکن نہیں۔" نینی کے چہرے پر اداسی ڈیرہ ڈالنے لگی۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی مسکراتے ہوئے بولا۔

"تمہیں میری جانب سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میری زندگی کی رنگینیاں تلسی کے وجود سے وابستہ ہیں۔ اور تلسی تک پہنچنے کے لئے اندھیرے مجھے روک نہیں سکتے۔ میں ہمیشہ تمہارا ممنون رہوں گا۔ تم نے یہاں تک پہنچنے میں میری بہت مدد کی۔"

سوزو نے رقت بھرے لہجے میں کہا۔ "خدا تمہیں تمہارے مقصد میں کامیاب کرے۔ مجھے جب بھی موقع ملا۔ میں تمہاری خیریت دریافت کرنے تمہارے پاس ضرور آؤں گی۔ اب مجھے اجازت دو۔ سیزان میرا منتظر ہوگا۔" کمرے میں سرسراہٹ کی آواز گونجی۔ پھر خاموشی طاری ہوگئی۔ وہ سانپ بن کر واپس چلی گئی تھی۔ نینی افسردہ لہجے میں دوبارہ بستر پر لیٹ گیا۔

دوسری رات کو تقریباً دو بجے کے قریب انہوں نے سفر کا آغاز کیا۔ موسم معتدل اور خشک تھا۔ اور راستہ ہموار تھا۔ مکان سے باہر نکلتے ہی نینی نے سر پر پہنی ہوئی ٹوپی کی ٹارچ کو روشن کردیا۔ اور سونی کا ہاتھ تھامے آگے بڑھنے لگا۔ قبیلے کے گرد کتوں کے بھونکنے کی آوازیں سنائی دیں۔ لیکن دور ہوتے ہی خاموشی طاری ہوگئی۔ آدھے گھنٹے کے سفر کے بعد جنگل کا اختتام ہوگیا۔ اور پتھریلے راستے کا آغاز ہوا۔ وہ کسی بھی دشواری کے بغیر آگے بڑھتے چلے گئے۔ پھر کچھ دیر بعد طویل وعریض پہاڑ کے دامن میں پہنچ کر رک گئے۔ سونی نے اوپر چڑھنے کی کوشش نہیں کی۔ انہیں وہاں کھڑے ہوئے دو منٹ سے زیادہ کا عرصہ نہیں ہوا تھا کہ ایک مردانہ آواز سنائی دی۔

"سونی یہ تم ہو؟ تمہارے ساتھ کون ہے؟"

نینی کی اندھیری نگاہوں میں وقتی طور پر گلابی رنگ پھیلے یہ اس بات کی نشاندہی تھی کہ اس کے چہرے پر ٹارچ کی روشنی ڈالی گئی ہے۔ پھر دوبارہ اندھیرا طاری ہوگیا۔

"ہاں اور یو...... یہ میں ہی ہوں۔ اور یہ میرا ساتھی نینی ہے۔ تم اسے ربی کا سایہ کہہ سکتے ہو۔ اسے بحفاظت وادی پہنچانا ہے۔"

"تم پاگل تو نہیں ہوگئی سونی..... ربی کو مرے ہوئے ایک عرصہ بیت گیا ہے۔ وہ زندہ کیسے ہوسکتا ہے۔"

سونی بولی۔ "یہ ربی نہیں ہے بلکہ اس کا سایہ ہے۔ یعنی اس کا جڑواں بھائی۔ باقی کی باتیں بعد میں کریں گے۔ ابھی تو اسے محفوظ طریقے سے وادی تک پہنچانا ضروری ہے۔" وہ پریشان لہجے میں بولا۔

"یہ ممکن نہیں۔ نیتا بدھ نے حکومت سنبھالنے کے بعد تاتونیا کے داخلی اور خارجی راستوں پر متعین حفاظتی سرکل کو اتنا سخت کردیا ہے کہ کوئی بھی غیر تاتونی اب وادی میں داخل نہیں ہوسکتا۔"

سونی زہریلے لہجے میں بولی۔ "یہ غیر تاتونی نہیں ہے۔ اس کے ہاتھوں کے سنہرے ناخن اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ یہ تاتونی ہے۔ اگر پھر بھی تمہیں یقین نہ آئے تو اس کے چہرے کا بغور جائزہ لے لو۔ تمہیں یقین آجائے گا۔" بات کے اختتام پر اس نے نینی کے سر پر پہنی ہوئی ٹوپی اتاردی۔ اور یو کی حیرت

## معجزہ

ایک نرس کا منگیتر بڑی حسرت سے۔

"جان کاش مجھے کوئی حادثہ پیش آتا میں تمہارے وارڈ میں ایڈمٹ ہوتا، تم میری خدمت کرتی میں اور جلدی ٹھیک ہوجاتا۔"

نرس: "جان تمہیں میرے پاس کوئی حادثہ نہیں بلکہ کوئی معجزہ ہی لاسکتا ہے......"

"کیونکہ میری ڈیوٹی "ڈیلیوری وارڈ" میں ہوتی ہے۔"

(شبنم مجید۔اوکاڑہ)

میں ڈوبی ہوئی آواز سنائی دی۔

''اوہ شنگریلا......اس کی شکل تو ہو بہو ربی سے ملتی جلتی ہے۔ اگر تم سچ کہہ رہی ہو۔ تو اس کی جان کے علاوہ تمہاری جان کو بھی خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔ اور میں شنگریلا کی قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ مجھے تمہاری جان سب سے زیادہ عزیز ہے۔'' سونی مسرت بھرے لہجے میں بولی۔

''مجھے یقین ہے کہ تم میرے گزشتہ چاروں شوہروں سے زیادہ قابل اعتماد اور وفادار شوہر ثابت ہوگے۔ اگر ایسا نہ بھی ہوتا۔ تو بھی مجھے تم سے ایسی ہی امیدیں وابستہ ہوتیں۔ کیونکہ میرے منگیتر ہونے کے علاوہ بھی تم ایک اچھے اور رحم دل تاتونی ہو۔''

''تو پھر ٹھیک ہے۔ تم دونوں کو رات تین بجے تک یہاں قریبی غار میں میرا انتظار کرنا ہوگا۔ میرا چھوٹا بھائی ٹرک کے ہمراہ کسی پہر بھی واپس آنے والا ہے۔ وہ سبزیوں کی کھیپ کو افریقہ پہنچنے کا کام کرتا ہے۔ تم دونوں اس ٹرک میں چھپ کر باآسانی وادی تک جا سکتے ہو۔''

''ٹھیک ہے تم ہمیں غار تک پہنچا دو۔ ہم انتظار کر لیتے ہیں۔'' اوریو نے انہیں اپنے پیچھے آنے کے لئے کہا۔ اور سونی نینی کا ہاتھ تھامے اوپر پہاڑ کی طرف چل دی۔ پندرہ منٹ کی چڑھائی کے بعد وہ جس غار نما کمرے میں داخل ہوئے۔ وہ اوریو کا وقتی آفس تھا۔ جہاں کرسی اور میز کے علاوہ لوہے کی الماری بھی پڑی ہوئی تھی۔ زمین بھربھری اور نرم تھی۔ میز پر مٹی کے تیل سے جلنے والا لیمپ رکھا ہوا تھا۔ جس کی زرد روشنی سے غار کا ماحول روشن تھا۔ اوریو نے انہیں کرسی پر بیٹھنے کے لئے کہا۔ اور خود الماری کو کھول کر اس میں کچھ تلاش کرنے لگا۔ سونی نے چند لمحے اسے دیکھتے رہنے کے بعد پوچھا۔

''تم کیا تلاش کر رہے ہو۔ یہ وقت کسی بھی قسم کے تکلفات میں پڑنے کا نہیں ہے۔'' اوریو نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''بات تکلفات کے علاوہ کی ہے۔'' وادی تاتونیا میں داخل ہونے کے بعد نینی کی سیاسی شخصیت کو تاتونی عوام کی نگاہوں سے پوشیدہ رکھنا نہایت ضروری ہے۔ اس کے لئے میرے پاس ایک حل موجود ہے۔'' اس نے الماری کے پٹ بند کر دیئے۔ اور میز کی طرف چلا آیا۔ اس کے ہاتھوں میں ٹین کا ڈبہ پکڑا ہوا تھا۔ سونی نے اس کی طرف تفہیمی نگاہوں سے دیکھا۔ تب اس نے بتایا۔

''یہ سفیدے کا ڈبہ ہے۔ تم جانتی ہو کہ تاتونی عوام میں آج کل چہرے پر سفیدہ لگانے کا رواج عام ہوتا جا رہا ہے۔ وہ چہرے کو سفید کرنے کے بعد ہونٹوں کو خون کی مانند سرخ کر کے شنگریلا دیوتا کی پیروی کرتے ہیں۔ اگر ایسی ہی سفیدی سے نینی کے چہرے کو سفید اور ہونٹوں کو سرخ کر دیا جائے۔ تو میرے خیال میں تاتونیا کا شاہ رخ بھی اسے پہچان نہیں پائے گا۔ چاہے وہ اس کا باپ ہی کیوں نہ ہو۔'' سونی نے تعریفی نگاہوں سے اوریو کی طرف دیکھتے ہوئے اس کی حاضر دماغی کی داد دی۔ اور اوریو نے ڈبے کو کھول کر سفیدی نینی کے چہرے پر لگانی شروع کر دی۔ پھر لپ اسٹک کے ذریعے اس کے ہونٹوں کو بھی سرخ کر دیا۔ چہرے کی اس مرمت نے اس کا حلیہ یکسر تبدیل کر کے رکھ دیا۔ اب قریب سے دیکھنے پر بھی نینی کو پہچان لینا ممکن نہیں تھا۔ سونی نے تنقیدی نگاہوں کے ساتھ نینی کے سراپے کا متعدد بار جائزہ لیا۔ پھر مطمئن انداز میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔

''اب ٹھیک ہے۔ یہ مکمل طور پر بدل گیا ہے۔ تم کوشش کرو کہ تمہارا بھائی وقت سے پہلے ٹرک یہاں لے آئے۔ تاکہ وقت کی کچھ بچت ہو سکے۔''

''وہ تین بجے سے پہلے یہاں نہیں آ سکتا۔ میرا اس کے ساتھ رابطہ نہیں ہے۔ اب میں باہر جا کر حالات کا جائزہ لیتا ہوں۔ تم دونوں یہیں میرا انتظار کرو۔'' اوریو اٹھ کر غار سے باہر نکل گیا۔ نینی اور سونی بے صبری کے ساتھ ٹرک کی آمد کا انتظار کرنے لگے۔

رات نہایت تیزی کے ساتھ اپنا سفر طے کرنے لگی۔ ہر آنے والے لمحے کے ساتھ نینی اور سونی کی بے چینی میں اضافہ ہوتا چلا جا رہا تھا۔ اس بے چینی کا

خاتمہ ٹرک کی گڑگڑاہٹ کی آواز کے بعد ہوا۔ قدموں کی چاپ سنائی دی۔ اور چند لمحوں کے بعد دہانے میں سے اوریو اندر داخل ہوا۔ اس کے ساتھ دو ماتحت اہلکار تھے۔ اوریو نے نینی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انہیں حکم دیا۔

''اسے گرفتار کرلو۔ اس کی حیثیت ایک سائے سے زیادہ کی نہیں ہے۔ اس کا وجود تو کافی عرصہ قبل ختم ہوکررہ گیا تھا۔ اب سائے کو بھی ختم ہوجانا چاہئے۔'' پھر اس نے سونی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''رہی میری بیوی کی بات...... تو اس کی مجھے فکر نہیں ہے۔ پانی میں رہ کر مگرمچھوں سے بھلا کیا بیر لینا۔ نیتابدھ اور اس کی حکومت کی ہمدردیاں سمیٹنے میں ہی مجھے فائدہ حاصل ہوسکتا ہے۔ مجھے پورا یقین ہے کہ نینی کی گرفتاری کے صلے میں وہ انعام واکرام کے علاوہ تمہیں بھی میری گود میں ڈل دیں گے۔ اسے کہتے ہیں ایک تیر سے دو نشانے...... گرفتار کرلو اسے......''

دونوں اہلکاروں نے آگے بڑھ کر نینی کو بازوؤں کے پاس سے تھامنے کی کوشش کی۔ ایسا کرنے کی بدولت وہ دونوں سونی اور اوریو کے آگے آگئے۔ نینی اپنے حواس خمسہ پر مکمل توجہ دیئے ہوئے تھا۔ وہ دونوں اہلکاروں کی آواز کا تعین ہوتے ہوئے اندازہ لگانے میں مصروف تھا کہ کب اہلکاروں کے قدموں کی آواز اوریو کے بولنے کی آواز کا احاطہ کرتی ہے۔ جیسے ہی اسے اندازہ ہوا کہ دونوں آوازیں یکجا ہوکر مل گئیں۔ تب اس نے نہایت پھرتی کے ساتھ سیدھے ہاتھ کا مکا پہلے اہلکار کے سر پر رسید کردیا۔ وہ کٹے ہوئے شہتیر کی مانند زمین پر ڈھیر ہوگیا۔ دوسرے نے اس کے جسم کے ساتھ لپٹنے کی کوشش کی۔ نینی نے اسے دونوں ہاتھوں پر اٹھا کر گیند کی طرح لوہے کی الماری کی طرف اچھال دیا۔ اس کا جسم الماری کے ساتھ پوری طاقت کے ساتھ ٹکرایا۔ اور زمین بوس ہوگیا۔ اوریو حیرت بھری نگاہوں سے اپنے اہلکاروں کی درگت بنتی ہوئی دیکھ رہا تھا۔

سونی نے اس کی توجہ مخالف جانب دیکھ کر کمال پھرتی کے ساتھ سائیڈ ہولسٹر میں سے جھانکتے ہوئے ریوالور پر ہاتھ ڈال دیا۔ اور بپھری ہوئی شیرنی کی طرح غراتے ہوئے بولی۔

''مجھے خودغرض اور منافق لوگ بالکل بھی پسند نہیں ہیں۔ میرا اور اپنا رشتہ آج سے ختم سمجھو۔ اگر مجھے بھنک بھی پڑجاتی کہ تم ایسی کمینگی بھری حرکت کے مرتکب ہوسکتے ہو۔ تو میں کبھی بھی تم سے شادی کی حامی نہیں بھرتی۔''

نینی پہلی دفعہ گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے بولا۔

''غار کے باہر اس کے اور ساتھی بھی موجود ہوں گے۔ اس سے ان کے متعلق دریافت کرو۔''

''وہاں ٹرک کے علاوہ اور کوئی موجود نہیں۔'' اوریو نے مایوسی بھرے لہجے میں بتایا۔ سونی نے اسے باہر کی طرف دھکیلتے ہوئے سرد لہجے میں کہا۔

''اب تم ہی ہم دونوں کو ڈوگی سرکل سے باہر نکال کر تاتونیا لے کر جاؤ گے۔ اور اگر تم نے انکار کی کوشش کی تو میری بات کان کھول کر سن لو۔ میں گولی چلانے میں قطعی دریغ نہیں کروں گی۔ تمہارے وجود کی حیثیت میری نگاہوں میں ایک عام تاتونی سے زیادہ نہیں رہی ہے۔'' اوریو نے کوئی جواب نہیں دیا۔ سونی نے اسے بازوؤں کے پاس سے تھاما اور دھکیلتے ہوئے غار سے باہر نکل آئی۔ نینی دونوں کے پیچھے تھا۔

غار کے باہر سالخوردہ حالت پر مبنی ٹرک کھڑا تھا۔ اس کا انجن نہایت جاندار اور مضبوط تھا۔ پچھلا کھلا ہوا حصہ سبزیوں کے خالی کریٹوں اور جھاڑ جھنکار سے بھرا ہوا تھا۔ نینی نے پچھلے حصے میں داخل ہونے کے بعد مختصر حصے کو صاف کیا اور کریٹوں کو آگے رکھ کر چھپ کر بیٹھ گیا۔ سونی اوریو کے ساتھ اگلے حصے میں ریوالور کو ہاتھوں میں تھامے بیٹھ گئی۔ ٹرک کے انجن نے غراتے ہوئے جھرجھری لی۔ اور طوفانی انداز میں کچی سڑک پر بھاگنے لگا۔ وہاں جابجا تاتونی ڈوگی مورچہ بند بیٹھے تھے۔ لیکن اوریو کی موجودگی ان کے لئے تسلی بخش تھی۔

وہ سب اوریو کے بھائی کے ٹرک کی کاروباری

حیثیت سے واقف تھے۔ اس لئے انہوں نے ٹرک کو روکنے کی کوشش نہیں کی اور ٹرک کچی پکی سڑک پر طوفانی انداز میں بھاگتا ہوا وادی تاتونیا کے داخلی راستے کی طرف سفر کرنے لگا۔ تقریباً آدھے گھنٹے کے سفر کے بعد ٹرک ایک پہاڑی درے میں داخل ہوگیا۔ یہ پہاڑی درہ گھومتے ہوئے پہاڑوں کے اندر کی طرف سفر کرتا تھا۔ اور یہاں کی زمین حیرت انگیز طور پر ہموار تھی۔ کچھ آگے جانے کے بعد درے کے پرپیچ راستے کا یکلخت اختتام ہوگیا۔ ایک بڑی اور چٹیل دیوار نے راستے کو مکمل طور پر بند کردیا۔ اوریو نے تین دفعہ مخصوص انداز میں ٹرک کا ہارن بجایا۔ تو چٹیل دیوار ایک طرف کھسکنے لگی۔ سامنے ایک بڑی اور کشادہ غار کا دہانہ نمودار ہوا۔ غار کی دیواروں کے ساتھ مشعلیں روشن تھیں اور وہاں تاتونی ڈوگی ہاتھوں میں رائفلیں تھامے لائن میں کھڑے تھے۔

ٹرک میں بیٹھے ہوئے اوریو پر نظر پڑتے ہی انہوں نے رائفلوں کے دہانے نیچے کرنے کے بعد اسے آگے جانے کے لئے راستہ دے دیا۔ غار کے دہانے سے آگے کی پکی سڑک بل کھاتی ہوئی دور جاتی دکھائی دی۔ مشعلوں کی روشنی سے ماحول جگمگا رہا تھا۔ اس کے ٹرک کو آگے کی طرف سفر کرنے میں دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ چونکہ تاتونی ڈوگی اوریو کی حیثیت اور رتبے سے واقفیت رکھتے تھے۔ اس لحاظ سے انہیں سونی اور اوریو کی جذباتی وابستگی سے بھی واقفیت حاصل تھی۔ وہ جانتے تھے کہ کچھ ہی عرصے میں دونوں رشتہ ازدواج میں بندھنے والے تھے۔ اس لئے انہوں نے ٹرک میں سونی کی موجودگی کو معنی خیز نگاہوں سے دیکھا۔ اور یہ ان کی غلطی تھی کہ انہوں نے ان دونوں کے علاوہ تیسرے تاتونی کی موجودگی کو بھی یکسر فراموش کردیا۔ جس کی آمد کے متعلق تاتونیا وادی کے شاہ رخ نے انہیں چند دن قبل آگاہ کیا تھا اور وادی میں ایمرجنسی نافذ کرکے ہر خاص و عام پر نگاہ رکھنے کا حکم صادر کردیا تھا۔

غار کے اندر کا یہ سفر آدھے گھنٹے تک جاری رہا۔ پھر غار کا دوسرا دہانہ نمودار ہوا۔ یہاں تاتونی ڈوگیوں کی تعداد پہلے دہانے سے کچھ زیادہ تھی۔ انہوں نے اوریو کے کاغذات چیک کیے۔ سونی سے مختصر بات چیت کی۔ اور ٹرک کے کاغذات دیکھنے کے بعد دہانے کے راستے کو کھول دیا۔ ٹرک وادی تاتونیا میں داخل ہوگیا۔

بہرکیف یہاں سرسبز درختوں کی بہتات تھی۔ ہریالی کے سلسلے کو دیکھنا ممکن نہیں تھا۔ لیکن ہوا میں رچی ہوئی تازگی اور ٹھنڈک سے محسوس ضرور کیا جاسکتا تھا۔ سردی کا احساس بڑھنے لگا۔ آسمان صاف تھا۔ اور نامکمل چاند کسی بہترین مصور کی نامکمل تصویر کی مانند آسمان پر چمکتا دکھائی دے رہا تھا۔ دہانے سے آگے تارکول کی پکی سڑک گھومتی ہوئی پہاڑی سے نیچے جارہی تھی۔

نینی کے محسوس کرنے کی حس اپنے جوبن پر تھی۔ دور کہیں جنگلی الو چلایا۔ اوریو نے ٹرک کو آخری گیئر میں ڈالنے کے بعد رفتار کو تیز کردیا۔ ہوا میں رچی ہوئی نمی اس بات کی نشاندہی کررہی تھی کہ وہاں قریب وسیع و عریض جھیل تھی۔ پھر ٹرک جھیل کے کنارے کے ساتھ سفر کرنے لگا۔ مینڈکوں کے ٹرانے کی آواز کے علاوہ ماہی خور پرندے کی آواز بھی سنائی دے رہی تھی۔ شڑاپ کی آواز کے ساتھ کوئی جانور جھیل کے اندر کودا۔ نینی کو یہ جاننے میں دشواری محسوس نہیں ہوئی کہ وہ مگرمچھ کی گھبراہٹ کے عالم میں جگہ تبدیل کرنے کی آواز تھی۔ شاید ٹرک کے شور سے گھبرا کر اس نے جھیل میں چھلانگ لگائی تھی۔ اس کے بعد ماحول ٹرک کی زوردار بریک کی آواز سے گونجا۔ اگلے حصے کے دروازے کے کھلنے کی آواز سنائی دی۔ پھر قدموں کی آہٹیں پیدا ہوئیں۔ اس کے فوراً بعد ریوالور کا زبردست دھماکہ ہوا۔ کوئی انسان گلا پھاڑ کر چلایا۔

نینی اس آواز کو بخوبی جانتا تھا۔ وہ آواز اوریو کی تھی۔ ایک دفعہ پھر کسی بھاری وجود کے پانی میں گرنے کی آواز سے ماحول گونجا۔ اور قدموں کی آواز ٹرک کی طرف آتی ہوئی سنائی دی۔ یہ سونی کے قدموں کی آواز تھی۔ ٹرک کے قریب آکر وہ رک گئی۔ پھر نینی سے مخاطب ہوتے ہوئے بولی۔

''آگے آجاؤ۔ جگہ خالی ہوگئی ہے۔'' نینی اپنی جگہ سے اٹھا اور ٹرک سے نیچے اترنے کے بعد اس کی دیوار کو ٹٹولتے ہوئے ڈرائیونگ سیٹ کے ساتھ والی سیٹ پر آکر بیٹھا۔ ڈرائیونگ سیٹ سونی نے سنبھال لی۔ اس نے اگنیشن میں چابی گھمائی اور ٹرک کو اسٹارٹ کرنے کے بعد ایکسیلیٹر پر پاؤں رکھ دیا۔ ٹرک آگے بڑھنے لگا۔ نینی نے پوچھا۔

''تم نے اسے ختم کردیا۔''

سونی سپاٹ لہجے میں بولی۔ ''بے وفائی کی سزا اس سے کم نہیں ہونی چاہئے۔ ویسے تمہاری پوشیدگی کے لئے بھی اسے ختم کرنا ضروری تھا۔ ورنہ تمہارے تاتونیا میں داخل ہونے کی خبر صبح ہونے سے قبل وادی میں پھیل جاتی۔''

''کیا تمہیں اس کے مرنے کا افسوس نہیں ہے کچھ بھی ہو۔ وہ تمہارا ہونے والا شوہر تھا۔''

سونے مسکراتے ہوئے بولی۔ ''پہلا نہیں تھا بلکہ پانچواں تھا۔ اگر نہ ہوسکا تو کوئی بات نہیں۔ کوئی اور ہوجائے گا۔'' نینی نے حیرت بھرے لہجے میں پوچھا۔

''کیا پہلے چار زندہ ہیں؟''

''دو کی موت واقع ہوچکی ہے۔ اور باقی دو کو میں نے طلاق دے دی۔ طلاق یافتہ شوہروں میں سے ایک تاتونیا میں رہائش پذیر ہے اور دوسرا گوکو قبیلے میں واقع میرے فارم ہاؤس میں کام کرتا ہے؟''

نینی نے پوچھا۔ ''مجھے عورتوں کو آٹھ شادیاں کرنے کی اجازت دینے کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی۔ اس کے پیچھے کچھ نہ کچھ مقصد تو ضرور پوشیدہ ہوگا۔''

''بے شک......'' سونی بولی۔ ''تقریباً دس سال قبل تک وادی کی آبادی نہ ہونے کے برابر تھی۔ اس لئے عورتوں کو شاہ رخ کی مرض کو ملحوظ نظر رکھتے ہوئے آٹھ شادیوں کی اجازت دے دی گئی تاکہ آبادی کو زیادہ سے زیادہ بڑھایا جاسکے۔ اور آج وادی تاتونیا کی آبادی ڈیڑھ لاکھ سے تجاوز کرگئی ہے۔''

نینی بولا۔ ''تاتونیا میں داخل ہونا کچھ مشکل ثابت نہیں ہوا۔ لیکن ڈیڑھ لاکھ عوام کی نظروں سے پوشیدہ رہ کر نیتابدھ کی حکومت کو ختم کرنا ضرور مشکل ثابت ہوگا۔ یقین جانو کہ میرا حوصلہ بحال ہے۔ لیکن مجھے وقتی طور پر رہائش کے لئے ایسی جگہ درکار ہے۔ جہاں میں تاتونیوں کی نگاہوں سے پوشیدہ رہ کر اپنے مشن کی تکمیل کے لئے مزید کام کرسکوں۔''

''میرے گھر میں تمہارا رہنا ممکن نہیں ہے۔ اور یو کے قتل کے بعد اب میرا وجود بھی وادی تاتونیا والوں کی نگاہوں میں مشکوک ہوچکا ہے۔ وادی میں میرے بہت سے عزیز رشتے دار موجود ہیں۔ لیکن وہاں جانا بھی ٹھیک نہیں ہوگا۔ میرے مختصر باڑے اور چھوٹے پیمانے کے فارم ہاؤس وادی سے باہر بنے ہوئے ہیں۔ لیکن وہاں ضروریات زندگی کا سامان نہ ہونے کے برابر پایا جاتا ہے۔ مجھے سمجھ نہیں آرہی کہ تمہیں کہاں چھپانے کی کوشش کروں۔'' سونی کی بات ابھی ختم بھی نہیں ہونے پائی تھی کہ ٹرک کے ماحول میں ہوا کا جھونکا رقص کرنے لگا۔ پھر نسوانی سرگوشی بھری آواز سنائی دی۔

''کوکینہ سونی۔ اگر دخل در معقولات کی اجازت ہو تو ہم آپ کی کچھ نہ کچھ مدد کی کوشش کرسکتے ہیں۔''

سونی بولی۔ ''ہاں کیوں نہیں...... میرے خیال میں تم اپنی بھرپور صلاحیتوں کی بدولت حالات سے آگاہی رکھتی ہوگی۔ تو مجھے بتاؤ کہ میں اپنے اس محسن کو وادی کے باغیوں کی نگاہوں سے چھپانے کے لئے ایسی کون سی جگہ پر چھپاؤں۔ جہاں سے بہ آسانی میرا عزیز دوست مشن کی تکمیل کے لئے باہر آجاسکے۔''

ٹرک کے ماحول میں دوبارہ زنانہ آواز گونجی۔

''اور یہ آواز پہلے والی آواز سے مختلف تھی۔ یعنی ٹرک میں دو زنانہ وجود سونی کے علاوہ موجود تھے۔

''کوکوربی کے لئے تاتونیا میں انگشتری سے زیادہ بہتر جگہ مزید نہیں ہوسکتی۔ یہ وہ واحد جگہ ہے۔ جہاں کی تلاشی لینے کو بھی نظر انداز کردیا جاتا ہے۔'' سونی کی مسرت بھری آواز سنائی دی۔

(جاری ہے)

# پکھی واس

مہر پرویز احمد دولو۔میاں چنوں

سامنے والے کی آواز سنائی دی۔ رانا صاحب آج آپ کے سامنے جو شخص گریہ زاری کررھا تھا وہ کون تھا اور آپ اس کو حقارت کی نگاہ سے دیکھ رہے تھے جبکہ آپ نے کبھی بھی کسی کی بات ٹالی نہیں، کیا مسئلہ تھا؟

حقیقت سے چشم پوشی انسان کو ہلکان ہی نہیں نشان عبرت بنا دیتی ہے، کہانی پڑھ کر دیکھیں

**شدید** بخار کی وجہ سے ایک قدم بھی چلنا محال ہوگیا تھا، بازار کے موڑ پر واقع میڈیکل اسٹور سے بخار اور سر درد کی دوائی خریدنے کا ارادہ کیا۔ میڈیکل اسٹور کے کاؤنٹر پر پہنچا ہی تھا کہ وہاں پر موجود مالک نے ''معاف کرو بابا'' کا رٹا رٹایا جملہ کہا مگر وہ تو بخار کی شدت سے آگ کی طرح تپ رہا تھا، پتہ نہیں کتنی مشکل سے چل کر اسٹور تک پہنچا تھا۔ اسٹور کی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے جونہی کاؤنٹر پر سہارا لینے کے لئے ہاتھ رکھا تو کاؤنٹر پر موجود سیرپ کی بوتلیں اور گولیوں کے ڈبے اس کے ساتھ ہی زمین پر آ گرے۔

بوتلیں اس کے اوپر گری تھیں اور گرتے ہی فرش پر ٹکڑوں میں تبدیل ہوگئیں، شربت نے اس کے پھٹے پرانے کپڑے رنگین کردیئے، سرخ، سبز، گلابی اور لال رنگ کی وجہ سے قوس قزح بن گئی تھی۔ شیشے کے ٹکڑوں نے اس کے جسم کو بلیڈوں کی طرح چیر کر رکھ دیا تھا جس وجہ سے خون بہنے لگا تھا۔ بخار سے پہلے ہی برا حال تھا رہی سہی کسر زخموں نے پوری کردی۔ اس پر غشی طاری ہوگئی، سانس رک رک کر چلنے لگی، آنکھیں پتھرا گئیں، اعضاء میں سکت نہ رہی، مدہوشی کی کیفیت طاری ہوگئی۔

خون مین تربتر خاوند کو دیکھ کر گھر والی کے ہوش اڑ گئے، آہ وبکا، چیخ وپکار کرنے لگی، رنگ سرسوں کے پھولوں کی طرح پیلا ہوگیا، پاگلوں کی طرح ادھر ادھر بھاگنے لگی۔ میڈیکل اسٹور کے مالک کا غصے کے مارے برا حال تھا، وہ تو اس بھکاری کو پیسے لے کر بھی دوا دینے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا، یہ ایک نفرت زدہ غلیظ انسان تھا۔ بو کے بھبکے اس کے جسم اور لباس سے اٹھ رہے تھے اس نے تعفن اور گھن کی وجہ سے ناک پر رومال رکھ لیا تھا اسے وہ تو خیرات بھی دور سے دو چار روپے پھینک کر دینا چاہتا تھا لیکن یہاں تو معاملہ سارے کا سارا الٹ ہوگیا ادویات کی بوتلیں ٹوٹ کر ضائع ہوچکی تھیں، قیمتی سیرپ مٹی میں مل کر مٹی ہوچکے تھے ایک ایک گولی دس روپے سے لے کر سو روپے تک تھی جو سیرپ اور خاک میں مل کر بیکار ہوچکی تھی۔

یہ گاہک نہیں ایک مصیبت بن کر اس پر نازل ہوا تھا جس نے لمحوں میں ہزاروں کا نقصان کردیا تھا، اس سے بھی زیادہ دکھ پریشانی اور تکلیف کی بات یہ تھی کہ وہ اس سے نقصان پورا نہیں کرسکتا تھا۔ ایک بھیک مانگنے والے ''پکھی واس'' کے پاس تھا ہی کیا، جو وہ اس سے لے کر اپنا نقصان پورا کرتا۔

بھیک مانگ کر پیٹ بھرنے والے سے نقصان کا ازالہ ناممکن تھا۔ اسٹور کے مالک کو رہ رہ کر اس پر غصہ آرہا



تھا اور پھر اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، اس بیمار زخموں سے چور بھکاری پر لاتوں گھونسوں اور مکوں کی تابڑتوڑ بارش کردی۔

☆......☆......☆

"اللہ دے ناں تے روٹی دے دیو، اللہ تہاڈا بھلا کرے، اللہ تہاڈے بچیاں دی عمر دراز کرے، سویر دی بھکھی آں"

آواز کے ساتھ ہی دروازے پر ٹھک ٹھک ہونے لگی، پردے کو تھوڑا سا سرکا کر سر اندر کیا اور ایک بار پھر گریہ زاری کے ساتھ دعائیں دینے لگی۔

"باجی! اللہ دے ناں تے بچیاں دا صدقہ روٹی دے دیو، بڑی بھکھی آں"

دعائیں دیتے دیتے دروازے سے صحن میں داخل ہوگئی، چلتے چلتے وہاں پہنچ گئی جہاں رقیہ بچوں کو کھانا کھلا رہی تھی، جو ابھی اسکول سے لوٹے تھے، جبکہ ساتھ والی چارپائی پر اس کا دیور ناصر بیٹھا کھانا کھا رہا تھا، ساری رات کھیتوں کو پانی لگاتا رہا، صبح جانوروں کے لئے چارہ کاٹا، ڈنگروں کو ڈالنے کے بعد پھر انہیں پانی پلایا، دھوپ سے چھاؤں میں باندھا، ابھی کچھ دیر پہلے گھر آیا تھا، اگرچہ تھکن سے چور تھا لیکن اس نے فیصلہ کیا کہ "کھانا کھا کر چند گھڑی کے لئے آرام کروں گا۔"

ابھی اس نے کھانا شروع ہی کیا تھا کہ دروازے پر صدائیں بلند ہونے لگیں، اور مانگنے والی نے دروازے پر انتظار کرنے کی بجائے گھر کے اندر داخل ہوکر مانگنا زیادہ بہتر سمجھا۔

اسی لئے اب وہ چارپائی کے ساتھ کھڑی ہوکر کھانے کو ٹکر ٹکر حسرت سے دیکھنے لگی، اس کے دیکھنے کے انداز سے لگتا تھا کہ وہ شدید بھوکی تھی اور آج تک کسی نے کھانا تو کیا جی بھر کر دیکھنے بھی نہیں دیا تھا، اس خواہش کو وہ آج جی بھر کر کھانا دیکھ کر پورا کرنا چاہتی تھی۔

"باجی ایک گلاس ٹھنڈا پانی پلا دو" جب کوئی اور بات اسے نہ سوجھی تو یہ فرمائش کر ڈالی۔

"اب اس کو کون سمجھاتا کہ"

"بی بھکارن! تم جیسے بھکاریوں کو کون منہ لگاتا ہے، منہ سنبھال کر سوال کیا کرو، تم جیسے مانگنے والوں کو تو خیرات دینے کا احسان کرنے والے پکے اور سچے خدائی خدمتگار بھی دور سے خیرات پھینکتے ہیں کہ کہیں تمہارے جسم کی بدبو پر پلنے والے جراثیم ان کو نہ لگ جائیں اور کہاں تو ہے کہ مطالبے پہ مطالبہ کئے جا رہی ہے"

اگر اس بھکارن کی شکل وصورت کو غور سے دیکھا جاتا تو اہل خانہ والے سوال اس کے منہ پر جچتے تھے، وہ مانگنے والی کم اور کسی کھاتے پیتے گھرانے والی، شوخ اداؤں کی مالکہ، ماں باپ کی لاڈلی اور حسن کی دیوی زیادہ دکھائی دیتی تھی، کیچڑ میں کھلا کنول کا پھول تھی، حسن کا منہ بولتا ثبوت، چاند کا ٹکڑا، پھولوں کی مہکار، کلیوں کی نازکی اور کوئل کی آواز جیسی شیرینی گفتار کی شاہکار نظر آتی تھی۔

اس کے حسن کے چاند کو بھوک، افلاس، ناقص صفائی ستھرائی اور مہینوں نہ نہانے کی وجہ سے گرہن لگا ہوا تھا جس کی تاریکی نے اس کی زندگی کی ہر سوچ فکر اور شکل وشبہات کو تاریک کر رکھا تھا، اگر کچھ دیر سکھ کی چادر کی چھاؤں تلے آرام کر لیتی تو کسی نگری کی شہزادی لگتی، مگر مفلسی نے اس کا سب کچھ تہس نہس کر کے رکھ دیا تھا۔

دیور، بھابی محویت سے اسے دیکھے جا رہے تھے، ناصر تو اس کی ذات میں کچھ زیادہ ہی کھو گیا تھا، بار بار اپنی سوچ کو جھٹلا رہا تھا "یہ مانگنے والی خانہ بدوش بھکھی واس نہیں" بلکہ کسی قریبی رشتے دار کی بیٹی ہے اور کسی ضروری کام سے ہمارے گھر آئی ہے۔

وہ کبھی اس کے کاندھے پر لٹکائی زنبیل کو دیکھتا، کبھی گوری گوری کلائیوں کو دیکھتا، جو میل کی وجہ سے بے رونق ہو چکی تھیں، کبھی اس کے چہرے کا طواف کرنے لگتا۔ کھانا کب کا بھول کر محویت کا شکار ہو چکا تھا۔ سالن ٹھنڈا ہو چکا تھا، بھابی کے ہنکارا بھرنے پر ہوش کی دنیا میں واپس آیا۔

کھانے کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہی اسے بھی دعوت دے ڈالی، جسے بغیر پس وپیش اس نے قبول کر لیا اور ٹھنڈے کھانے پر ٹوٹ پڑی۔

وہ کھانا کھا رہی تھی جبکہ ناصر اس دوران سوال پہ

سوال کیے جا رہا تھا۔

"آپ کے گاؤں کے شمال کی جانب اسکول کے ساتھ میدان میں ہماری "پکھیاں" ہیں۔ کچھ دن ابھی ادھر ہی رہیں گے، آپ کے گاؤں کے ہر گھر سے خیرات لے لینے کے بعد اگلے گاؤں جائیں گے پھر آپ کے گاؤں کب آنا ہو، کچھ پتہ نہیں۔

ہماری تمام "پکھیوں" کی خواتین بھیک مانگتی ہیں، مرد حضرات چرس، بھنگ، شراب اور ہیروئن کے نشئی ہیں سارا دن نشے میں دھت پڑے رہتے ہیں ان کے نشے کے انتظام کا ذمہ خواتین پر ہے، اس لئے ہر صورت ہمیں بھیک مانگنی پڑتی ہے اگر بھیک مانگ کر پیسے کھانا اور آٹا وغیرہ نہ لے جائیں تو مارتے پیٹتے ہیں ہمیں تو پیسے کم لے جانے پر بھی مار پڑتی ہے، پیسے کے حصول کے لئے ہمیں بہت پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں، ہماری کتنی ہی خواتین عزت کا زیور بیچ کر پیسے لے جاتی ہیں۔

ہم پکھیوں میں رہنے والی خواتین کا بھی بہت جی چاہتا ہے کہ ہمارا اپنا گھر ہو، جہاں آزادی اور اپنی مرضی سے زندگی گزاریں، بچے ہوں، کمانے والا شوہر ہو، گھر داری میں مشغول رہیں، خواہشات کی تسکین کے لئے کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلانا پڑے، مگر کیا کریں ہمارے مرد شاید پیدائشی عزت کی اہمیت اور قدر و قیمت سے نابلد ہیں، لوگ بیٹوں کی پیدائش پر خوشیاں مناتے ہیں ہمارے مرد بیٹیوں کی پیدائش پر خوش ہوتے ہیں بیٹیاں رحمت کم اور کمائی کا ذریعہ زیادہ ہوتی ہیں، بیٹیوں کے جوان ہوتے ہی ان کی آمدنی کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔

"ناجائز آمدنی استعمال کرنے والوں کو اسی جہاں میں ذلیل وخوار ہونا پڑتا ہے ایک کے بدلے ستر دیتے ہیں اور پھر بھی جان نہیں چھوٹتی، مگر وقتی سکون آتے ہی سب کچھ بھول جاتا ہے، نہ قبر کا عذاب یاد آتا ہے اور نہ ہی دنیا میں لوگوں کے لئے باعث عبرت بننا یاد رہتا ہے۔"

ناجائز کمائی سے مستقبل کی تعمیر شدہ عمارت میں جب آرام کرنے کا وقت آتا ہے تو دھڑام سے زمین بوس ہو جاتی ہے سالوں کی ناجائز کمائی لمحوں میں مٹی کے ڈھیر میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

ہمارے مرد کام کاج کرنے کی بجائے خواتین کی عزت کے بدلے ملنے والے روپوں پر عیاشی کرتے ہیں صبح کا سورج طلوع ہوتے ہی "پکھیوں" کی خواتین ٹولیوں کی صورت میں نکلتی ہیں سارا دن گاؤں کے ہر گھر کے دروازے پر صدا لگاتی ہیں، کتنے ہی نادیدے جن کو دیکھنے سے ڈر لگتا ہے، جب دل پشوری کرتے ہیں تو روپوں کے عوض ان کی تسکین کا اہتمام کرنا پڑتا ہے، نظروں کے تیروں سے زخمی ہو کر شام گئے روپے، آٹا، بچا کھچا کھانا، باسی سالن لے کر پکھیوں میں واپس لوٹتی ہیں، روٹی کے ٹکڑوں پر بچے ٹوٹ پڑتے ہیں جبکہ دن بھر کی کمائی مرد حضرات یوں چھین لیتے ہیں جیسے چیل بچے سے روٹی کا ٹکڑا، جب وہ نوٹوں کو گنتے ہیں تو ہم اس دوران خوف سے کانپتی رہتی ہیں، ان کے ہدف کے مطابق ہیں بھی یا نہیں اگر کم ہوں تو گالم گلوچ کے ساتھ تھپڑ بھی کھانے پڑتے ہیں۔

شروع میں تو یہ سب کچھ عجیب لگتا ہے مگر بعد میں ہم عادی ہو جاتی ہیں ہمارا مقصد شام کو روپے لے کر جانا ہوتا ہے، سارا دن کیا کرتی ہیں، یہ روپے کیسے کماتی ہیں، اس بات سے ہمارے مردوں کو کوئی غرض نہیں ہوتی؟ سارا دن طرح طرح کے لوگوں سے واسطہ رہتا ہے، اخلاقیات میں کچھ لوگ خدا ترس، انسانیت کے علمبردار تو ہمارے مردوں سے بھی گئے گزرے ہوتے ہیں، بھیک کے بدلے نفسانی خواہشات کی تسکین کا مطالبہ کرنے لگتے ہیں۔ لیکن سارا دن بھیک مانگنے کا اتنا فائدہ ضرور ہوتا ہے، بچا کھچا کھانا پیٹ بھر کر کھانے کو مل جاتا ہے اور لوگوں کی لالچی روح تک کو زخمی کرنے والی نگاہوں اور خواہشات کے بدلے پیسے مل جاتے ہیں، جو ہمیں شام کو مار کھانے سے بچاتے ہیں۔ اس کے علاوہ دن کو مردوں کی بک بک سننے سے نجات مل جاتی ہے۔

خواتین کی شادیاں مردوں کی مرضی سے ہوتی ہیں، ہماری خواہشات، جذبات اور احساسات کو مدنظر نہیں رکھا جاتا، مرد حضرات اپنا مفاد سامنے رکھ کر ہماری

قسمت کا فیصلہ کرتے ہیں اگر ہم ”پکھی واسوں“ کی کوئی خوبصورت لڑکی کسی زمیندار گھرانے کے من چلے نوجوان کو پسند آجائے تو گھر والوں کی چاندی ہوجاتی ہے، منہ مانگے دام لے کر اسے بیچ دیا جاتا ہے، خواتین اور خوبرو لڑکیاں گھر والوں کے لئے پیسے بنانے والی مشینیں ہیں زیادہ کماؤ لڑکی کو سرآنکھوں پر بٹھایا جاتا ہے۔

وہ بولنے پر آئی تو کتنے ہی انکشافات کرتی چلی گئی، جس تواتر سے بول رہی تھی اس سے زیادہ تیزی سے آنکھوں کا ساون بھادو برس کر اس کے کپڑے گیلے کررہا تھا۔

”دل کے سارے پھپھولے کھول کھول کر بیان کئے۔“

”بھیک مانگنے والی خواتین کو روزی کے لئے اتنے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں، دیور بھابی سن کر ششدر رہ گئے تھے۔“

ہوش وخرد سے بیگانہ ناصر بے بسی کی بپتا سن کر بڑی مشکل سے اپنے آنسوؤں کو جذب کئے بیٹھا تھا اس کے زخمی دل سے بیتے ارمانوں کے کھونے ناصر کو ریزہ ریزہ بکھیر دیا تھا ہمدردی کا جوار بھاٹا اندر بھرنے لگا مگر وہ کر ہی کیا سکتا تھا کہاں ایک بھکارن اور کہاں خاندانی وقار کا علمبردار چوہدری ناصر۔

☆......☆......☆

ناصر اس وقت میٹرک میں پڑھ رہا تھا، جب اس کے والدین عدم کو سدھار گئے تھے، میٹرک پاس کرنے کے بعد ماں باپ کا لاڈلا ان کے ساتھ ہی رخصت ہوچکا تھا سپنے دھوئیں کے بادلوں کی طرح چھٹ گئے اب وہ اپنے بڑے بھائی چوہدری صادق کا مرہون منت تھا، جو ایک سرکاری ادارے میں بہت بڑا آفیسر تھا۔

چھوٹے بھائی کو پڑھا لکھا کر اپنے جیسا آفیسر بنانے کی بجائے جانوروں کی خدمت پر مامور کردیا صبح سے شام تک کھیتوں میں کام کرنا فصلوں کو پانی دینا، کھاد ڈالنا، جانوروں کو چارہ ڈالنا، شام کو بھینسوں کو دوہ کر دودھ گھر پہنچانا، رات کو جانوروں کی حفاظت کے لئے ڈیرے پر سونا، یہ تھا اس کی زندگی کا مقصد۔

اس ذمہ داری کو ناصر بڑی سنجیدگی اور چابکدستی سے نبھا رہا تھا۔

بڑے بھائی کو جب بھی پیسوں کی ضرورت ہوتی، مرضی سے کوئی جانور فروخت کردیتا، تیار فصل گندم اور کپاس کو اپنی نگرانی میں بیوپاریوں کو بیچتا یا منڈی بھیج دیتا، ناصر کی ضروریات بہت محدود تھیں کھانا پینا اور پہننا۔

یہ ضروریات بروقت پوری ہورہی تھیں اس سے زیادہ کے بارے میں اس نے کبھی سوچا تھا اور نہ ہی کچھ مانگا تھا۔

چوہدری صادق کا گھریلو نظام بڑے اچھے طریقے سے چل رہا تھا دونوں بھائی اپنی اپنی ڈگر پر رواں دواں تھے اور مطمئن تھے، شکوے شکایت سے کوسوں دور، اپنی دنیا میں مست تھے، چوہدری صادق ناصر کی کارکردگی سے مطمئن تھا، جبکہ ناصر کبھرو نوجوان تھا اور بہت سے ارمانوں کے میلے دل کے گلشن میں لگا رکھے تھے مگر اس کے من میں کسی نے جھانکنے کی کوشش نہیں کی تھی، اس کا گھر بسانے کے بارے میں کسی کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا اور نہ ہی اس بارے میں سوچنے کی ہمت گوارا کی گئی تھی۔

چوہدری صادق ناصر کی شادی کرکے ایک طرف تو اخراجات نہیں بڑھانا چاہتا تھا اور دوسری طرف اس کی خدمات سے ہاتھ نہیں دھونا چاہتا تھا۔ کئی دفعہ دوست احباب نے ناصر کو کہا کہ بھائی کو بولو تمہاری شادی کا انتظام کرے۔

مگر وہ جواب دیتا۔ ”میں بھائی کو اپنی زبان سے شادی کے بارے میں کہتا ہوا اچھا نہیں لگتا بھائی جب مناسب سمجھے گا خود یہ فرض ادا کرے گا۔ یقیناً وہ میرے بارے میں بہتر فیصلہ کرے گا۔“ دوسری طرف رشتے داروں اور جاننے والوں نے چوہدری صادق کی توجہ اس جانب مبذول کروائی تو وہ ٹال گیا۔

ناصر کون سا بوڑھا ہورہا ہے نوجوان ہے، آزادی سے زندگی کی رعنائیوں سے لطف اندوز ہورہا ہے، شادی کے بعد اس کو یہ مواقع نہیں ملیں گے، اس لئے ابھی زندگی کی خوشیوں سے جھولیاں بھر لے پھر شادی کے بارے میں سوچیں گے، اور جب تنہائی میں

غور کرتا تو بہت سی سوچیں اسے ٹوک دیتیں۔

''اگر اس کی شادی ہوگئی تو بیوی کے اشاروں پر ناچے گا، تمہارے کام سے جائے گا، گھربار، ڈھور ڈنگروں سے زمین سے حصہ مانگے گا، اگر اپنا حصہ لے کر الگ ہوگیا تو تمہارے کھیتوں کو پانی، ڈنگروں کو چارہ کون ڈالے گا، تم نوکری کروگے یا گھربار اور جائیداد کے امور سنبھالوگے''

ایسی کتنی ہی سوچیں اس کو دانا بزرگوں کی طرح سمجھائیں دوسری طرف ناصر رات کو سوتے ہوئے کتنے ہی سپنے دیکھتا ''کاش میرا بھی الگ خوبصورت گھر ہوتا، بیوی بچے ہوتے، مرضی سے کام پر جاتا، شام ڈھلے تھکا ہارا جب لوٹتا تو بیوی بچوں کو دروازے پر منتظر پاتا، رات کو تھکن دور کرنے کے لئے گرم دودھ پلانے کے بعد بیوی پاؤں دباتی، فرمائشیں اور مطالبے کئے جاتے''

شادی کے سپنوں کو حقیقت کا رنگ دینے کے لئے ساری رات تانے بانے بنتا رہتا۔

بھائی کی بے حسی دیکھ کر کبھی تو اس کے جی میں آتا کہ بغاوت کرکے اپنے مطالبات منوائے اور الگ دنیا بسا کر زندوں میں شامل ہو۔

''اگر بغاوت کا بھی کوئی نتیجہ نہ نکلا تو پھر کہاں جاؤ گے، بھائی تو مجھے اپنے گھر میں نہیں رہنے دے گا، دھکے دے کر نکال دے گا، اس سوچ پر ہول کا ناگ اسے ڈسنے لگتا۔''

بھائی کی وجہ سے معاشرے میں جو تھوڑا بہت مقام تھا اسے ناراض کرکے وہ مقام کھونا نہیں چاہتا تھا۔

یہاں سے نکل کر تو سانسوں کا رابطہ بحال رکھنا مشکل ہوجاتا، کیسے شادی ہوتی اور بیوی کو لے کر کہاں جاتا، آگے تو اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔

مسائل کی چوٹی کو بھائی کی مدد کے بغیر سر کرنا ممکن نہ تھا اس لیے یہ سہارا کھونے کا وہ تصور بھی نہیں کرسکتا تھا۔

ہر طرف ناکامیوں کے منہ چڑانے پر صبر کی اینٹ خواہشات کی مدفن پر رکھ کر ان کو ابدی نیند سلادیتا۔

☆......☆......☆

اس پکھی واس حسینہ ''بھاگاں'' نے ناصر کے من کے تالاب میں تلاطم پیدا کردیا تھا وہ ذات کی تو ''پکھی واس'' تھی مگر چاند کا ٹکڑا، الہڑ مٹیار، بھرپور جوانی، نشیلی آنکھیں ناگ کی طرح بل کھاتی زلفیں، آنکھوں کے کٹورے ڈبونے کو پر تول رہے تھے، من موہنی صورت، ہزاروں دلوں کی دھڑکن، جو بھی دیکھتا بار بار دیکھنے پر مجبور ہوجاتا۔

بہت سی قاتل نگاہوں کا شکار ہوکر زخمی ہوچکی تھی، مگر اس کے حسن کا چاند اسی آب وتاب کے ساتھ چودھویں رات کی طرح چمک رہا تھا۔

رلادینے والی داستان سنا کر اپنے من کا بوجھ تو ہلکا کرلیا تھا، مگر سننے والوں کو دکھوں کے پاتال میں اتار دیا تھا۔

مجبوری کے دلدل میں پھنسی تھی مگر پیسے کی لالچی نہیں لگتی تھی، انا کا پہاڑ تھی بے بسی کے جنگل میں برہنہ لالچ کے بچھے کانٹوں پر ننگے پاؤں چل رہی تھی، پاؤں سے لے کر روح تک کو زخمی کرلیا تھا، مگر عزت پر آنچ نہیں آنے دی تھی، آج بھی معطر پھولوں کی طرح پاک صاف پاکیزہ مہک نے ناصر کے من کو بھی معطر کردیا تھا۔

اپنے جذبات، احساسات اور خواہشات کو کسی کی خاطر قربان کررہی تھی دردر کی ٹھوکریں کھا کر باپ اور بھائی کے لئے خوشیاں اور سکون خرید رہی تھی۔

لالچی لوگوں نے بیٹی اور بہن کے مرتبے پر فائز کرنے کی بجائے روپے کمانے کا ذریعہ بنالیا تھا، کسی کی خوشیوں کی خاطر اس کا جسم روئی کے گالوں کی طرح ریزوں کی صورت میں بکھر رہا تھا مگر انسانیت کے ٹھیکیداروں کو اپنی ہوس کی تکمیل کی فکر تھی۔

پیسے کے حصول کے لئے اسے کن آزمائشوں سے گزرنا پڑتا تھا کسی کو کچھ پرواہ نہ تھی مجبوری کے جنگل میں ننگے پاؤں حرص وہوس کے کانٹوں پر چل چل کر لہولہان ہوکر پیسے کما رہی تھی مگر صد افسوس اس کمائی کو اپنی ذات پر خرچ کرنا اس کے نصیب میں نہ تھا وہ تو کسی کے اشاروں پر ناچنے والی کٹھ پتلی تھی۔

جب ناصر پر یہ انکشاف ہوا کہ وہ بکنے والا مال تھیں تو اس نے ہمت باندھی روپوں کے عوض اس

""پکھی"، میں دکھ کی بھٹی میں جلنے والی حسینہ کے دکھ بانٹنے کا عزم کیا۔

مقصد کو منزل تک پہنچانے کے لئے کھیتوں سے جلدی کام کرتا اور ""پکھیوں"" کے اردگرد چکر لگاتا، پکھیوں میں موجود مردوں سے سلام دعا شروع کی جو بڑھتے بڑھتے دوستی میں بدل گئی۔

ایک دن تگ ودو کے بعد بھاگاں کے باپ اور بھائی سے راہ ورسم بڑھانے میں کامیاب ہوگیا سلام دعا کو گہری دوستی اور قربت میں بدلنے کے لئے ان کے لئے نشے پانی کا اہتمام کرنے لگا، اس عنایت پر وہ ناصر کے گن گانے لگے، اب تو پکھی میں شام ڈھلے اس کا انتظار کیا جاتا، ناصر اور بھاگاں کی پکھی میں ملاقاتیں اور قول وقرار ہونے لگے، فاصلے اور وقت سمٹنے لگے، دلوں کی دھڑکن محسوس کی جانے لگی، محبت کا دریا ساون بھادو کے موسم کی طرح کناروں سے باہر آنے لگا، کتنی ہی خواہشات کی خشک اور بنجر سرزمین سیراب ہونے لگی۔

فاصلے ختم ہونے کی دیر تھی کی محبت کی نورانی روشنی نے ""پکھیوں"" کا ماحول بقعہ نور بنا دیا تھا، اب تو ملے بغیر دن سے رات اور رات سے دن نہ ہوتا۔

میرے باپ اور بھائی تمہارے بہت ممنون ہیں ہر وقت تمہارے گن گاتے رہتے ہیں، لیکن تم کب تک ان کو نشہ آور اشیاء خرید کر دیتے رہو گے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اب ہم ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم بن چکے ہیں، اب فاصلوں کو نزدیکیوں میں بدلنے کا ایک ہی حل ہے ڈھور ڈنگر وغیرہ بیچ کر اکٹھے پیسوں کا انتظام کرو، جتنے پیسے مانگتے ہیں دے کر مجھے خرید لو۔

اس پکھی میں کب تک ذلیل ہوتے رہو گے، بے شک تمہاری آنے پر کسی کو اعتراض نہیں، مگر آپ ایک زمیندار گھرانے کے فرد ہو کر روزانہ یہاں آتے ہوئے اچھے نہیں لگتے، یہ سب آپ کی شایان شان نہیں آپ جب زمین پر مٹی کے ڈھیلوں پر بیٹھتے ہیں تو مجھے بہت دکھ ہوتا ہے صرف میری خاطر اس بدبو والے ماحول میں گھنٹوں گزارتے ہیں، میں بھی بھیک مانگ کر تنگ آ چکی ہوں، میں اس گھڑی کی شدت سے منتظر ہوں جب!

""ہم تم ہوں گی بادل ہوگا۔۔۔ رقص میں سارا جنگل ہوگا""

وہ گھڑیاں کب آئیں گی جب اس پکھی سے پرسکون گھر میں منتقل ہوں گی؟ آپ کی بانہوں میں بانہیں ڈال کر چھاتی پر سر رکھ کر سکون سے سوسکوں گی۔

بھاگاں نے تفصیل سے ناصر کو تمام صورتحال سمجھائی۔

بات ناصر کی سمجھ میں آگئی، ایک دن دل کڑا کر اس نے بھائی سے بات کرنے کا فیصلہ کرلیا ""میں بھاگاں سے شادی کرنا چاہتا ہوں، وہ پکھی میں رہتی ہے، مگر بہت خوبصورت ہے اچھے اخلاق کی مالک ہے، اس کا من چاند کی طرح روشن ہے، سلیقہ شعار اور عقلمند ہے، مجبور ہو کر بھیک مانگتی ہے یہ مکروہ دھندہ گھر والوں کی وجہ سے اپنا رکھا ہے ورنہ وہ تو شہزادیوں کی طرح محل کی باسی لگتی ہے۔ ہم دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں زندگی کا سفر اکٹھے طے کرنے کا فیصلہ کیا ہے، ہم دونوں راضی ہیں اپنے گھر والوں کو شکایت کا موقع نہیں دیں گے۔ اچھے برے کے خود ذمہ دار ہوں گے۔""

ناصر جونہی حرف مدعا زبان پر لایا تو گویا گھر میں بھونچال آ گیا، لفظ نہیں بم پھٹے تھے، جنہوں نے گھر کے ماحول، باسیوں اور در و دیوار کو تہہ و بالا کر دیا۔

شادی کی بات سنتے ہی چوہدری صادق کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔

غیرت، عزت، حرمت، بھرم، معاشرتی شان وشوکت، جھوٹی جاہ وحشم، اور برادری میں اونچی سفید بے داغ پگ کا جن بوتل سے باہر آ گیا، بھائی کے منہ میں جو آیا سب کہہ دیا اور اسی پر بس نہ کیا بلکہ تھپڑ مار کر چہرہ سرخ کر دیا۔

""تمہاری یہ جرأت کہ چوہدری صادق برادری کے معزز ترین شخص اور بہت بڑے سرکاری آفیسر کے بھائی ہو کر ایک بھیک مانگنے والی، روٹی کے ٹکڑے کے بدلے عزت کو بیچنے والی سے شادی کے خواہاں ہو، اگر تم میرے مرنے کے بعد بھی ایسا سوچتے تو میری روح تڑپ

تڑپ کر ہلکان ہوجاتی، تم زندگی میں برادری اور معاشرے کے سامنے نیچا دکھانا چاہتے ہو، میری عزت اور غیرت والی پگ کو "پکھی" کی مٹی میں روندنا چاہتے ہو۔

اتنا بڑا فیصلہ کرنے کی ہمت تم نے کیسے کی، جن پیسوں کے عوض "پکھی واس بھکارن" کو خریدنا چاہتے ہو تو پیسے کہاں سے لوگے۔

یہ گھر بار، جائیداد، جانور، عزت اور شہرت میری تنخواہ اور عہدے کی پیداوار ہے۔ یہ سب کچھ مجھے خیرات میں نہیں ملا میرا احسان سمجھو تم کو گھر میں رکھا ہوا ہے تمہاری ہر جائز ناجائز خواہش پوری ہورہی ہے، اگر تم تھوڑا بہت کھیتوں میں کام کرتے ہو یا جانوروں کی دیکھ بھال کر لیتے ہو تو کون سا مجھ پر احسان کررہے ہو، میں کتنے عرصے سے تمہارے اخراجات برداشت کر رہا ہوں، میں نے کبھی احسان جتایا ہے تم میرے جانور بیچ کر شادی رچانا چاہتے ہو، کیا خوب فیصلہ کیا ہے شادی کی بہت جلدی ہے تمہاری کون سی عمر نکلی جارہی ہے، جو شادی کے لئے پریشان ہورہے ہو۔

اگر زیادہ جلدی ہے تو پہلے کچھ کماؤ، اس سے اپنی خواہشات کی تسکین کرو میری جائیداد پر مت نظر رکھو، اپنی کمائی سے چونچلے پورے کرو۔

اس حقیقت کا عقدہ آج تک ناصر پر نہیں کھلا تھا کہ "گھر، جائیداد اور جانور سب اس کے بھائی کا اثاثہ ہیں وہ تو بغیر تنخواہ اس کا ملازم ہے اس کی مزدوری صرف دو وقت کی روٹی ہے"

اس وضاحت نے اس کے ہوش اڑادیئے، لیکن بھاگاں کی محبت کے سامنے یہ سب کچھ ہیچ ہوگیا اور پھر اس نے گھر کو ہمیشہ کے لئے چھوڑنے کا فیصلہ کرلیا۔

☆......☆......☆

آج من کی آگ کو بجھانے اور رستے زخموں پر پھاہے رکھنے کے لئے بھاگاں کے در کا سوالی بن گیا۔ دل کے دکھوں کے تمام کیواڑ اس کے سامنے کھول دیئے۔

"بھاگاں! اب میرا تیرے بغیر جینا محال ہے، میں مانتا ہوں تجھے پانا اتنا آسان بھی نہیں کیونکہ تیرے باپ اور بھائی کو دینے کے لئے میرے پاس کچھ نہیں، گھر بار، جائیداد سب میرے بھائی کی ملکیت ہے، میری دن رات کی خدمات کے عوض صرف دو وقت کی روٹی ملتی ہے، میں اس گھر میں ملازم کی حیثیت رکھتا ہوں، مالک کی نہیں۔

رشتے کی ڈور کے لئے جس دھاگے کی ضرورت ہے وہ میرے پاس نہیں۔

تیرے رشتے کے لئے جب بھائی سے بات کی تو وہ بھڑ گیا۔

"میرا شمار برادری کے معززین میں ہوتا ہے ایک اہم سرکاری عہدے پر فائز ہوں، ایک بھکاری "پکھی واس" سے شادی کرکے برادری میں میرا نام اور عزت روندنا چاہتے ہو؟"

"میرے ارادے کے مستقل اور عزم کو دیکھتے ہوئے مجھے گھر سے ذلیل کرکے نکال دیا ہے اب میرا تیرے سوا اس جہاں میں کوئی نہیں، اس گھر کے بغیر تو رہ سکتا ہوں مگر تمہارے بغیر جینا ممکن نہیں، اب میری قسمت اور زندگی کا فیصلہ تم نے کرنا ہے، کیا مجھ تہی دامن کو اپنی محبت کے دامن میں چھپا سکتی ہو، وعدہ کرتا ہوں خود تو وقت کی کڑی دھوپ میں جل جاؤں گا مگر تم کو حوادث کی آگ میں نہیں جلنے دوں گا، تم سے محبت کرنے کا حق ادا کروں گا، میں "پکھی واس" بننے کے لئے تیار ہوں۔ اپنی محبت کو داغدار نہیں کرنا چاہتا، تمہارے اعتماد کے محل کو مضبوط ارادوں کی بنیادوں پر استوار کروں گا، تمہارے ساتھ جیوں گا اور تمہارے ساتھ مروں گا، امتحان کی جس چکی میں پیس کر یقین کرنا چاہتی ہو میں حاضر ہوں اف نہیں کروں گا۔

میری صرف ایک التجا ہے مجھے بے وفا نہ کہنا، تمہاری محبت کو پانے کے لئے قربانی کی صلیب پر لٹکنے کیلئے تیار ہوں، تم مل گئیں تو سمجھو زمانے بھر کی خوشیاں مل گئیں۔

میری لمبی چوڑی تقریر ختم ہونے کی دیر تھی بھاگاں میرے قدموں میں گر کر زار وقطار رونے لگی ہاتھ جوڑ کر یوں عرض گزار ہوئی۔

"ناصر! تم خاندانی آدمی ہو معاشرے میں تمہارا مقام ہے، میری خاطر زمانے کی نظروں میں کیوں خوار ہونا چاہتے ہو۔ تم محلوں میں رہنے والے، ہم پھٹے پرانے پیوند لگے پرانے کپڑوں کی چادر کی بنی پکھی کے اندر مٹی کے ڈھیلوں کے اوپر سونے والے، میں تم کو زندگی کے پرخار راہوں پر ہم سفر بنا کر زخمی نہیں کرنا چاہتی، ہم تو ننگے پاؤں چل چل کر پتھروں کی طرح پتھر بن چکے ہیں، گرمی سردی کی کچھ پرواہ نہیں، ننگے پاؤں کے نیچے کانٹا، پتھر، مٹی، گوبر، کیچڑ، کوڑا کرکٹ آئے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، چلیں گے تبھی زندگی کا سفر کٹے گا، ہمیں تو سانسوں کا قرض چکانا ہے، جسم کے اندر گردش کرتی خون کی بوندوں کی قیمت ادا کرنی ہے، جو ہمارے بت نما جسموں کی بقا کی علامت ہیں۔ ہمیں تو زندگی کی سزا ملی ہے تم کیوں اس میں ملوث ہو کر بغیر جرم کے سزا پاؤ، یہ تو محبت کی توہین ہوگی جو زمیندار سے تم کو بھکاری بناؤں، اتنی کڑی سزا مت دو کہ میں خود اپنی نگاہوں میں گر جاؤں۔"

"میں نالی کا کیڑا ہوں، نالی ہی میری رہائش گاہ ہے، میں اتنی خود غرض نہیں کہ تم کو بھی اسی بدبودار ماحول میں رہنے کے لئے مجبور کروں، تمہارے جیسے کی خوشیاں چھین کر اپنے دکھ بدلے میں تم کو دوں۔"

پندونصائح کا ایک پلندہ پڑھ کر بھاگاں نے ناصر کو سنایا۔

"ناصر تو کب کا اس کی محبت کا بے دام غلام بن چکا تھا، اپنا سب کچھ اس کے حصول کے لئے قربان کرنے پر تلا ہوا تھا، اس لئے کوئی بھی نصیحت اور دلیل اسے اپنا ارادہ تبدیل کرنے پر مجبور نہ کرسکیں۔ اور ناصر تمام خاندانی رسومات کی زنجیروں کو توڑ کر ایک دن بھاگاں کی پکھی میں مستقل رہائش پذیر ہوگیا۔

"بھاگاں اور ناصر اس شرط پر میاں بیوی کے بندھن میں منسلک ہوئے کہ دونوں بھیک مانگیں گے دن بھر کی کمائی بھاگاں کے بھائی اور باپ کے حوالے کردیا کریں گے۔

اتنی آسان شرط کی اسے امید نہیں تھی، وہ تو پہاڑوں سے دودھ کی نہر نکالنے کی شرط بھی تسلیم کرلیتا، یہ تو شرط ہی بہت آسان اور قابل عمل تھی۔

جس دن نکاح ہوا اس کے اگلے دن ہی دونوں نے "پکھیوں" کو سمیٹا اور دور پار کے گاؤں میں جا بسے۔

بھاگاں اور ناصر صبح سویرے پکھی سے روانہ ہوجاتے، مانگے گئے ٹکڑوں سے ناشتہ کرتے، روٹی کے خشک ٹکڑے بھاگاں تو بسکٹ کے خستہ ٹکڑوں کی طرح مزے لے کر کھاتی جبکہ ناصر ان ٹکڑوں کو حلق سے اتارنا تھوہر کے پتوں کی طرح کڑوا لگتا۔

پیٹ کے دوزخ کو بھرنے کے لئے اناج کے ایندھن کی ضرورت ہوتی ہے، مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق وہی باسی روٹی کے ٹکڑے جو گلے میں کانٹوں کی طرح اٹک جایا کرتے تھے، ایک وقت آیا کہ اسے بھی نرم وملائم بسکٹوں کی طرح مزیدار لگنے لگے۔

خیرات میں ملنے والا جھوٹا کھانا اور دن بھر کی کمائی وہ شام کو پہلے سے منتظر بیٹھے باپ بیٹے کے حوالے کردیتے، جبکہ خود تھکے ہارے آتے ہی پکھی کے اندر مٹی کے ڈھیلوں کے اوپر بچھی "پرالی" پر گر جاتے اور لمحوں میں گہری نیند کے مزے لینے لگتے۔

دن چڑھنے کی خبر اس وقت ہوتی جب انہیں جھنجھوڑ کر کام پر جانے کے لئے جگایا جاتا۔ عجیب بے کیفیت زندگی تھی، ناگواری، پریشانی اور گھٹن نے گھیر رکھا تھا محبت تو پالی تھی مگر غیرت مند طبیعت نے یہ گوارا نہ کیا کہ وہ بھیک مانگے آخر خاندانی آدمی تھا۔

"عشق نے غالب نکما کردیا۔۔۔ ورنہ انا کے پہاڑ ہم بھی تھے۔"

سسر اور سالے کے مطالبات پورے کرنے کے لئے ایک زمیندار کے ہاں اس نے نوکری کا فیصلہ کیا ہنر کوئی جانتا نہیں تھا جانوروں کو چارہ ڈالنے اور کھیتوں کو پانی دینے میں ماہر تھا، اسی فن کے بل بوتے پر قسمت آزمائی کے لئے ایک ڈیرے پر جا نکلا۔ جانوروں کی دیکھ بھال کرنے کے لئے ملازمت مل گئی، اس نوکری پر وہ بہت خوش تھا بھیک مانگنے سے جان چھوٹی، رہنے کے

لئے کوارٹر مل گیا۔

ڈیرے پر زمیندار بیٹھتا، دوست احباب اور کام دھندے والے لوگ آتے، آنے جانے والوں کا میلہ لگا رہتا، میں سارا دن جانوروں کی دیکھ بھال کرتا کھیتوں میں کام کرتا جبکہ بھاگاں حویلی میں برتن دھوتی، دوپہر کا کھانا اکٹھے کوارٹر میں کھاتے، کچھ دیر آرام کرنے کے بعد پھر شام تک کام میں جت جاتے، گزارا خوب ہو رہا تھا مگر حاسد تقدیر کو ہماری پرسکون زندگی خار کی طرح چبھنے لگی۔ وڈیرے کا بھائی اوباش طبع نوجوان تھا، لاڈ پیار کی وجہ سے خوب بگڑا ہوا تھا۔ آوارگی، نالائق لڑکوں سے دوستی، راہ جاتی لڑکیوں کو تنگ کرنا اس کا شیوہ تھا، اگر کوئی غیرت مند لڑکی سر بازار بے عزتی کر دیتی تو فخر محسوس کرتا۔ بھاگاں بے شک ''پھپھی واس'' تھی مگر حسن کا شاہکار، غربت کی آلودگی نے کملا رکھا تھا۔ حویلی میں اچھا کھانا ملنے لگا، ماحول اور طرز زندگی نے صحت پر اچھا اثر ڈالا، چاند کی طرح چمکنے لگی، حسن کی روشنی سے حویلی کی راہداریاں چمکنے لگیں۔ حسین نوکرانی دیکھ کے مالک کے منہ سے رال ٹپکنے لگی۔

بلاوجہ کمرے میں بلانے لگا، بے تکے کام کرنے کو کہتا، تنہائی پاتے ہی ہاتھا پائی پر اتر آتا، کچھ دن تو بھاگاں برداشت کرتی رہی، کیونکہ سوئے زخموں کو کریدنا نہیں چاہتی تھی، مگر برداشت کی بھی حد ہوتی ہے ایک دن کمرے میں جھاڑو مارنے کے بعد گیلی بوری سے فرش پر پونچھا مار رہی تھی کہ اچانک مالک کمرے میں آ گیا اور پیچھے سے اچانک دونوں ہاتھوں سے اوپر اٹھا لیا، چھاتی کے ساتھ لگانا ہی چاہتا تھا کہ اچانک افتاد سے بھاگاں ڈر گئی اور اس کے منہ سے زوردار چیخ نکل گئی۔ چیخ سنتے ہی مالکن دوڑ کر کمرے میں آئی تو کیا دیکھتی ہے کہ ''بیٹے نے ملازمہ کو پیچھے سے دبوچ رکھا ہے اور اچھل اچھل کر بوسے لینے کی کوشش کر رہا ہے ماں کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھ کر رفوچکر ہو گیا۔

مالکن نے بھاگاں کو خاموش کروایا اور ساتھ ہی سختی سے تنبیہ کر دی کہ اس واقعہ کا کسی سے ذکر نہ کرنا، شام کو کھانے کے ساتھ کچھ روپے بھی دیئے۔

یوں بھاگاں عزت کے بدلے کھانا اور روپے لے کر کوارٹر روانہ ہوئی۔ ناصر کے سامنے پہنچتے ہی صبر کا دامن چھوڑ بیٹھی رو رو کر بے بسی کی داستان سنانے لگی زمیندار کا بھائی دوستی کرنے کے لئے دباؤ ڈال رہا ہے میں کافی دنوں سے ٹال مٹول اور صبر سے کام لے رہی ہوں مگر اس نے مجھے زیر کرنا انا کا مسئلہ بنا لیا ہے چھیڑ خانی روز کرتا ہے مگر آج اس نے انتہا کر دی صفائی کے دوران مجھ پر یوں جھپٹا جیسے گدھ حرام جانور پر ٹوٹ پڑتی ہے چیخ وپکار کی وجہ سے آپ کی بھاگاں اس کی ہوس کا نشانہ بننے سے بچی۔

اس نے دھمکی دی ہے کہ اگر اس کی تسکین کا سامان نہ کیا، اس کی بانہوں میں نہ جھولی تو وہ ہمیں کام سے نکال دے گا۔

کام پر رکھیں یا جواب دے دیں آئندہ میں حویلی کام پر نہیں جاؤں گی اگر یہاں بھی عزت کے بدلے روٹی ملتی ہے تو بہتر ہے کہ ہم بھیک مانگتے رہیں۔

بھاگاں کی روتی آنکھوں اور لرزتی زبان سے زمیندار کی حیوانیت کا سن کر ناصر کی آنکھوں کے آگے تارے ٹمٹمانے لگے، غیرت کی بجائے بے بسی نے آ دبوچا، آنے والے دنوں کا ہول منہ پھاڑ کر ہڑپ کرنے کے لئے پر تولنے لگا یہ در بھی بند ہو گیا تو کہاں جائیں گے ساری رات نیند سے کوسوں دور سوچوں کی وادی میں ہلکان ہوتا رہا سر دکھنے لگا۔

صبح تک دل نے یہ نصیحت کی کہ زمیندار کی منت ساجت کی جائے کہ ''سروار جی مہربانی فرمائیں ہم تو دکھوں کی دھوپ سے بچنے کے لئے آپ کی محبت کے سائباں کے نیچے پناہ گزیں ہوئے تھے کچھ دن تو ہمیں سکھ کا سانس لینے دو، ہم پر مہربانی فرماؤ، تاحیات آپ کے ممنون رہیں گے۔''

فیصلہ یہ کیا کہ صبح جب دوپہر کے وقت جانوروں کو دھوپ سے بچنے کے لئے ڈیرے پر واقع درختوں کے نیچے باندھنا ہے تو اس وقت مالک سے بات کرے گا۔

دوپہر تک دیگر امور نمٹانے کے بعد جب کام سے فارغ ہوکر مالک سے ملنے ڈیرے پر پہنچا تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک سرکاری گاڑی ڈیرے پر کھڑی ہے اندر کافی چہل پہل ہے۔

تجسس دور کرنے کے لئے جب ڈیرے کے اندر واقع خاص کمرے کے دروازے پر پہنچا تو کیا دیکھتا ہے کہ اس کا بھائی سامنے صوفہ سیٹ پر براجمان ہے ساتھ ہی زمیندار بیٹھا ہے دیگر لوگ ارد گرد کرسیوں پر بیٹھے ہیں۔

اس پر نگاہ پڑتے ہی بھائی کی آنکھوں میں خون اتر آیا، زمیندار سے پوچھا "یہ شخص کون ہے؟ اور یہاں کیا کررہا ہے؟"

"یہ میرا ملازم ہے جانوروں کی دیکھ بھال کرتا ہے" مالک نے جواب دیا۔

"اتنا سننا تھا کہ بھائی کا پارہ چڑھ گیا"

یہ شخص ہمارے گاؤں کے ایک "کمیں" کا بیٹا ہے، ہمارے جانوروں کی رکھوالی کرتا تھا، غریب سمجھ کر ترس کھایا، اس پر اعتماد کیا، حویلی میں آنا جانا، کھانا کپڑے اور پیسے سے اس کی اور گھر والوں کی مدد کرتے۔

اعتماد بحال ہوتے ہی اس نے چوری کرکے جانور بیچنے شروع کردیئے ایک دن موقع پر پکڑا گیا تو ہم نے کام سے جواب دے دیا۔

چند دن گزرے تھے کہ اس نے ایک غیر مسلم بھیک مانگنے والی سے شادی کرلی اور اپنا مذہب ہی بدل ڈالا۔

اس مکروہ حرکت پر ہم نے اسے گاؤں سے نکال دیا۔

اس ناہنجار کو یہاں دیکھ کر میں سخت حیران ہوں، ایک غیر مسلم کو آپ نے حلال جانوروں کی دیکھ بھال پر لگا رکھا ہے اس سے تو ہاتھ ملانا بھی حرام ہے آپ کھانے پینے کی چیزیں اس کے ہاتھوں سے کیسے لیتے ہوں گے۔

میں تو آپ سے یہی کہوں گا کہ اس کو یہاں سے چلتا کریں، رہائش والے کمرے کو دھلوائیں اور اس کے استعمال کی تمام چیزوں کو آگ لگادیں یا کسی غریب کو دے دیں، دوبارہ اپنے استعمال میں نہ لائیں۔

اگر اس کو ابھی کام سے نکال دو تو اس نیکی کے بدلے مجھے جو بھی حکم کریں میرے سر آنکھوں پر، اپنا کوئی بھی جائز ناجائز کام کروانا ہو تو صرف ایک فون کال کریں میرے پاس آنے کی بھی ضرورت نہیں، اتنا سننا تھا کہ زمیندار آپے سے باہر ہوگیا ایک سرکاری آفیسر کی گواہی اس کی بربادی کی آگ پر پیٹرول کا کام کرگئی۔

اسی وقت حساب کرکے کوارٹر خالی کرنے کا حکم دیا گیا وہ تو زمیندار کے پاس بیٹے کی شکایت لے کر جانے کے بارے میں سوچ رہا تھا، نوکری سے جواب لے کر واپس کوارٹر آیا۔

بھاگاں کو ساتھ لیا اور ایک بار پھر انہیں "پکھیوں" میں پہنچ گیا جن کے گھٹن زدہ ماحول سے تنگ آکر آزاد فضاؤں میں سانس لینے کے لئے روانہ ہوا تھا۔

مجبوری کی انتہا تھی کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی زندگی کو زمینی خداؤں نے اپنی مرضی کے مطابق گزارنے پر مجبور کردیا۔

مجبوریوں نے ایک بار پھر وقت کے دوراہے پر غربت کی بیڑیوں میں جکڑ کر ننگے پاؤں چلنے کے لئے انسانی نگاہوں کے حرص وہوس کی تپش سے دہکتے انگاروں پر چلنے کی ذمہ داری سونپ دی۔

"پکھیوں" میں پہلے ہی غربت کے ڈیرے تھے، پیٹ کا دوزخ بھرنے کے لالے پڑ گئے، بھاگاں چند ماہ حویلی میں کام کرکے مزاج کو کافی حد تک بدل چکی تھی مگر جیسے چور چوری سے جائے ہیرا پھیری سے نہ جائے ایسے ہی وہ بھیک مانگنے کی عادت نہیں بھولی تھی، بے بسی کے بادلوں کی گھپ اندھیری رات "پکھی" کے اوپر منڈلاتی دیکھی تو حوصلوں کے چپو ارلے کر اس امید کی کشتی کو مشکلات کی بھنور سے نکالنے کے لئے میدان عمل میں نکل کھڑی ہوئی۔

"بے شک تم ایک زمیندار گھرانے سے تعلق رکھتے ہو، لیکن انسانوں کے جنگل میں خونخوار حیوانوں نے رشتوں ناطوں کو ہڑپ کرکے اپنا پیٹ بھرلیا ہے، تم حوصلہ نہ ہارو، میرے ہاتھ پاؤں ابھی سلامت ہیں،

ساری زندگی بھیک مانگ کر اپنوں کا پیٹ پالا ہے، بے شک تمہاری چند ماہ کی محبت نے میری عادتیں بگاڑ کر سہل پسند بنا دیا ہے اور عزت سے گھر بیٹھ کر کھانے کا عادی بنا دیا ہے لیکن تقدیر کے آگے ہم ہار چکے ہیں عزت کی زندگی شاید اس کو بھی پسند نہیں، اس لئے بار بار ہماری بے بسی کا مذاق اڑاتی ہے مگر میں اس کی خواہش کو پورا نہیں ہونے دوں گی بے بسی سے گھٹنے نہیں ٹیکوں گی، میں بھیک مانگوں گی دو وقت کی روٹی پوری کرنے کی ہمت مجھ میں موجود ہے۔

''اس نے ناصر کی ڈھارس بندھائی۔''

اگلے دن بھاگاں کپڑے کی زنبیل کاندھے پر لٹکائے گاؤں روانہ ہوئی، گھروں کے دروازوں پر صدائیں بلند کرنے لگی، پاپی پیٹ کو بھرنے کے لئے جتن کرنے لگی۔

شام تک کھانے، آٹا اور روپوں کی مد میں کافی کچھ لائی۔

☆......☆......☆

ناصر کب تک بیوی کی کمائی کو کھٹل بن کر چوستا رہتا، انا خودداری، عزت، غیرت پیٹ کی بھوک کے آگے دھوئیں کے بادلوں کی طرح اڑ گئیں۔

ایک صبح بھاگاں کے ساتھ وہ بھی کاندھے پر زنبیل لٹکائے گاؤں کے گھروں کے دروازوں پر ''اللہ کے نام پر دے دے بابا'' صبح کا بھوکا ہوں ایک روٹی کا سوال ہے بی بی جی، کی صدائیں لگانے لگا۔ گلی کے کتے کاٹنے کو دوڑتے تو بھاگاں کے آگے ہوتا، کیونکہ کتوں سے نمٹنے کا تجربہ اس کو ناصر سے زیادہ تھا صدا لگانے کا طریقہ بھی اسی نے سکھایا تھا، بیوی کے ساتھ ساتھ وہ ناصر کی استاد بھی تھی۔

روٹی کے ٹکڑے، رات کا باسی سالن، آٹا، گندم اور بہت سی جگہوں سے جھڑکیاں بھی ملیں۔

''ہٹے کٹے ہو کر مانگتے ہو، کام کیوں نہیں کرتے، ہاتھ پھیلاتے شرم نہیں آتی'' غرض بہت کچھ سننے کو ملا، مگر ان باتوں کو برداشت کرنے کا سبق بھاگاں نے اسے پہلے ہی اچھی طرح رٹا دیا تھا اس لئے کوئی اثر نہ لیا۔

خیرات دینے والے عجیب نفرت کا اظہار کرتے، اگر کوئی آٹا برتن میں لاتا تو دور سے ہی زنبیل میں پھینکنے کی کوشش کرتا، آدھا آٹا زمین پر گر جاتا، روٹی کے ٹکڑ چنگیر میں یا ہاتھ میں دینے کی بجائے پھینکے جاتے، سالن ملتا تو روٹی نہ ہوتی، روٹی ملتی تو سالن نہ ہوتا۔ اگر دروازے پر بیٹھ کر سوکھے روٹی کے ٹکڑے کھاتے تو حلق سے نیچے اتارنے کے لئے پانی کوئی نہ دیتا کہیں ان کا برتن پلید نہ ہو جائے۔

اگر کوئی فرشتہ سیرت انسان شدید پیاس کی صورت میں منت سماجت کرنے پر پانی پلانے پر راضی ہو جاتا تو دونوں ہتھیلیوں کے اوپر گلاس سے پانی انڈیلتا۔

آوارہ منشی من چلے عجیب طرح کے آوازے کستے۔

''وہ دیکھو حور کے پہلو میں لنگور جا رہا ہے''

اس لڑکی کو تو نگری کی شہزادی ہونا چاہئے اس بھکاری نے بچاری کو روزی کمانے کا ذریعہ بنا رکھا ہے، اس کی قسمت میں تو گداگری لکھی ہے بچاری کو در در کے دھکے دے رہا ہے۔

غرض باتیں، جھڑکیاں، طعن و تشنیع سن کر کان پک گئے، مگر بھاگاں کے ساتھ اس نے بھی کمال ضبط کا مظاہرہ کیا۔

پھر تو ان کا روز کا معمول بن گیا۔

صبح سے شام تک باسی روٹیاں، سالن، آٹا وغیرہ لے کر واپس لوٹتے، رات کو تھکا ہارا جب سوتا تو دن کے واقعات فلم کی طرح آنکھوں کے آگے محو رقص رہتے، خوفناک اور طنزیہ جملے ساری رات ذہن کو زخمی کرتے رہتے۔ صبح سے شام ہوتی رہی اور زندگی کا مذاق جاری رہا۔

شروع دن تو وہ پریشانیوں سے گھبرا کر جاتا اس دکھ کو آنکھوں کے ساون کے حوالے کر دیتا پھر آہستہ آہستہ عادی ہو گیا۔

اب تو لوگوں کی گالم گلوچ بھی پھولوں کی طرح من کو مہکا دیتی، جہاں ''پکھیاں'' لگاتے وہاں کی تمام آبادی کے گھروں سے بھیک مانگنے کے بعد اگلے

گاؤں چلے جاتے۔

اگرچہ ناصر کافی حد تک پیشہ ور بھکاری بن چکا تھا اور حالات سے بھی سمجھوتہ کر چکا تھا، مگر جب کوئی طنز بھری بات من کو زخمی کرتی تو خاندانی خون جوش مارتا، سب کچھ چھوڑ کر واپس گھر جانے کو جی چاہتا، لیکن جب بھائی کا رویہ یاد آتا تو غیرت کا جوش جھاگ کی طرح بیٹھ جاتا۔

بھائی نے تو اس پر کفر کا ٹھپہ لگا دیا تھا مسلمانوں کی فہرست سے ہی نکال باہر کیا تھا وہ کب اس گھر میں اس کو برداشت کرتا۔ یہ سوچ کر صبر کا دامن تھام کر اگلے دروازے پر صدا لگاتا، اور بھیک کو زنبیل میں ڈالتا، آج گاؤں کے آوارہ لڑکوں نے ہمت کر کے بھاگاں کی عزت کا سودا کرنے کی کوشش کی اس کی غیرت اور عزت کو روٹی کے بدلے خریدنا چاہا بڑی مشکل سے اپنے آپ پر قابو پایا شام ڈھلے اس کی طبیعت سخت مکدر تھی رات کو شدید بخار ہو گیا جسم آگ میں جلنے لگا، جذبات کی تپش نے جلا کر راکھ کر دیا، آنسو تھمنے کا نام نہیں لے رہے تھے، رو رو کر ہچکی بندھ گئی، بھکاری پن نے تو غیرت کی دھجیاں اڑا کر رکھ دی تھیں۔

عشق کی بازی نے وہ مات دی کہ خدا کی پناہ۔

بے غیرت بن کر جینا بھی محال ہو گیا تھا، زندگی نے دکھوں کی پاتال میں اتار دیا تھا اب تو جینے سے نفرت ہو گئی، مایوسیوں کی تاریکی نے تمام منازل کے نشان چھپا لیے۔ اگر بھاگاں کا سہارا نہ ہوتا تو وہ بھی زندگی کے سکھوں کی طرح بے وفا ہوتی تو کب کا اس دنیا سے منہ موڑ چکا ہوتا۔ زندہ رہنے کے لالچ نے تنگی کا ناچ نچا رکھا تھا۔

اس سوچ نے تمام جذبات، خواہشات اور فکرات کو تھپکی دے کر سلا دیا اور اگلی صبح نئے جذبے کے ساتھ مانگنے کے لئے نکل کھڑا ہوا، بھاگاں ساتھ تھی جس کی وجہ سے حوصلہ ساتھ دے رہا تھا، بھوک پیاس سے برا حال، بخار، ناساز طبیعت کی وجہ سے جسم کا رواں رواں درد کر رہا تھا آج زندگی میں پہلی بار اپنے آپ کو کمزور، مجبور اور بے بس پایا۔

دوپہر تک در در کی ٹھوکریں کھانے سے طبیعت سخت خراب ہو گئی آنکھیں سرخ ہو گئیں سر گھومنے لگا، آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا، جینا محال ہو گیا اس کی طبیعت کی ناگفتہ بہ حالت دیکھ کر بھاگاں سخت پریشان ہو گئی، وہ کر بھی کیا سکتی تھی۔ خراب طبیعت نے اسے بھی نڈھال کر دیا۔

اس سے اب چلا نہیں جا رہا تھا، بھاگاں اس کا بازو پکڑ کر چل رہی تھی ساتھ ہی رو بھی رہی تھی بھاگاں نے ڈاکٹر کا پتہ پوچھا تو اوباش نوجوانوں کو دل پشوری کا موقع ہاتھ آ گیا، اتنی خوبصورت پرستان کی پری ہو کر اس بھکاری کے ساتھ دھکے کھا رہی ہو بھیک مانگنے سے تمہارا حسن گہنا رہا ہے اپنے اوپر ترس کھاؤ، اس کڑکتی حسین جوانی کو استعمال میں لاؤ، ہمیں راضی کرو، ہم تمہیں خوشیوں سے رنگ دیں گے، تمہارے حسن کی قدر کریں گے دل کی ملکہ بنا کر رکھیں گے، اس کو چھوڑو یہ خود ہی تڑپ تڑپ کر مر جائے گا ہم میں سے کسی سے شادی کر لو، آپ کے پاؤں دھو کر پئیں گے، شہزادیوں کی طرح رکھیں گے، ہم آپ کے غلام بن کر رہیں گے، شہزادی ہمیشہ شہزادوں کے سنگ سجتی ہے، آپ کو بھیک مانگنا زیب نہیں دیتا آپ تو بھیک دیا کریں بس ایک دفعہ ہاں کر دیں، آپ کے تمام دکھ درد ختم ہو جائیں گے۔

کتنے ہی لفظوں کے نشتر تھے جنہوں نے انہیں لہولہان کر دیا، انہیں اگر راہ چلتے لوگوں کا خوف نہ ہوتا تو بھاگاں کو اٹھا لیتے، وہ چلتے چلتے بازار کی نکڑ میں واقع ایک میڈیکل اسٹور پر پہنچ گئے، ناصر سے اب چلا نہیں جا رہا تھا، اسٹور کے دروازے پر پہنچتے ہی جونہی سامنے رکھے شوکیس کا سہارا لے کر کھڑے ہونے کی کوشش کی تو اس کے اوپر مختلف ٹرے میں رکھی سیرپ کی بوتلیں، گولیاں اور انجکشن ہاتھ رکھتے ہی اس کے اوپر آ گرے۔

نیچے سیڑھیوں پر گرتے ہی تمام بوتلیں ٹوٹ کر ریزوں میں تقسیم ہو گئیں ان کے مختلف ٹکڑے اس کے جسم میں پیوست ہو گئے، مختلف رنگوں کے سیرپ کپڑوں پر گر کر قوس قزح کی طرح نظر آنے لگے، گولیوں کے پتے اور دیگر اشیاء ٹوٹ پھوٹ کر سیرپ اور مٹی میں مل کر ناقابل استعمال ہو چکی تھیں۔

سیڑھیوں پر پھسلن ہوچکی تھی سیرپ اور گولیوں کے پتے سڑک تک بہہ کر بکھر چکے تھے۔ اس اچانک افتاد سے میڈیکل اسٹور کا مالک سخت غصے میں آگیا، لمحوں میں بہت زیادہ قیمتی ادویات کا نقصان ہوگیا اور نقصان کرنے والا بھیک مانگنے والا ''پکھی واس'' تھا جس کے پاس سوائے چند باسی روٹی کے ٹکڑوں اور دو چار کلو آٹے کے کچھ نہ تھا۔

اس بھوکے ننگے بھکاری سے وہ اپنا نقصان کیسے پورا کرتا، اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا۔

جبکہ ناصر زخموں سے چور گرا پڑا تھا، بخار اور نقاہت سے پہلے کمزور تھا رہی سہی کسر بوتلوں کے ٹکڑوں نے پوری کردی، جنہوں نے پورے جسم کو بلیڈ کی طرح چیر دیا تھا، جسم سے خون رس رہا تھا درد کی شدت سے برا حال تھا جبکہ اسٹور کے مالک کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے، غصہ ہر لمحے بڑھ رہا تھا جب برداشت سے بڑھ گیا تو اس نے ناصر پر لاتوں، گھونسوں اور مکوں کی بارش کردی، بھاگاں سخت پریشانی کے عالم میں آگے ہوکر ناصر کو بچانے کی ناکام کوشش کرنے لگی، مگر اسٹور کے مالک کے عتاب میں وہ بھی آگئی۔

ناصر کو مار مار کر اس نے برا حال کردیا زخموں سے خون بہنے کی وجہ سے زمین بھی رنگین ہوگئی تھی مگر مالک کو ترس آنے کی بجائے غصے کی شدت میں اضافہ ہوتا گیا اس نے ملازم کو حکم دیا۔

''اس بھکاری کو گھسیٹ کر سامنے درخت کے ساتھ باندھ دو، جب تک نقصان پورا نہیں کرے گا اس کو چھوڑنا نہیں، جوان خوبرو بیوی کو لئے ساتھ پھرتا ہے اس کو کسی کے پاس گروی رکھ کر میرا نقصان پورا کرے۔''

☆......☆......☆

رانا انور علاقے کا معروف عظیم شخص تھا، انسانیت، اخلاص اور ہمدردی کا منبع تھا، آج اچانک اس کی بیوی کی طبیعت ناساز ہوگئی، ڈاکٹر کی تجویز کردہ دوائی لینے جونہی میڈیکل اسٹور پر پہنچا تو کیا دیکھتا ہے کہ ''ایک انتہائی نحیف سا آدمی زخموں سے چور اسٹور کے سامنے درخت کے ساتھ بندھا ہے، جس کے سامنے ایک نوجوان موٹا ڈنڈا لئے کھڑا ہے اور بعض اوقات ڈنڈے سے مارتا بھی ہے جبکہ اسٹور کا مالک الگ مغلظات بک رہا ہے ایک انتہائی خوبصورت لڑکی کبھی ڈنڈے سے مارنے والے کے آگے ہوکر ہاتھ جوڑتی ہے اور کبھی اسٹور کے مالک کے پاؤں پڑتی ہے''

جونہی رانا انور اسٹور کے کاؤنٹر پر پہنچا بھاگاں بجلی کی تیزی سے اٹھی اور رانا صاحب کے پاؤں میں پڑگئی، گڑگڑا کر مدد مانگنے لگی۔ ''ہم بھکاری ہیں میرے خاوند کی صبح سے طبیعت سخت خراب تھی بھوک اور بخار کی وجہ سے برا حال تھا یہاں دوائی لینے آئے کہ بدقسمتی سے میرے خاوند کے ہاتھ رکھ کر سنبھل نہ سکنے کی وجہ سے اسٹور کی کچھ ادویات گر کر خراب ہوچکی ہیں نقصان کے عوض مالک نے میرے خاوند کو درخت سے باندھ رکھا ہے اور بار بار نقصان پورا کرنے کا مطالبہ کررہا ہے نقصان پورا نہ کرنے کی صورت میں ہمیں مارتا رہے گا، ہم بہت غریب لوگ ہیں اللہ اور آپ کے سوا ہمارا کوئی مددگار نہیں۔'' درخت کے ساتھ ناصر کو بندھا دیکھ کر رانا انور تڑپ اٹھے ان کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ دکاندار سے اس کا نقصان پوچھا اف تک نہ کی اور پورے کا پورا نقصان لمحوں میں پورا کردیا۔ بھاگاں اور ناصر کو گاڑی میں بٹھایا جہاں سے بیوی کو چیک کروایا تھا وہیں سے ناصر کی مرہم پٹی کروائی، بخار اور کمزوری کی دوا لے کردی اور اپنی حویلی لے گیا، حویلی پہنچتے ہی بدبودار کپڑوں سے ان کی جان چھڑائی کھانا کھلایا فراغت پاتے ہی الگ کمرے میں بستر لگوالئے، گرم دودھ کے ساتھ دوائی دی اور سونے کے لئے کمرے میں بھیج دیا۔

نرم و نازک مخملی بستروں پر لیٹنے کی دیر تھی کہ وہ لوگ خواب وخرگوش کے مزے لوٹنے لگے، اگلے دن کافی دیر بعد انہیں جگایا گیا ہاتھ منہ دھونے کے بعد ناشتہ کیا، بھیک مانگ مانگ کر ان کی زبانیں گھس چکی تھیں، آج تک پیٹ بھر کر پسندیدہ کھانا نہیں ملا تھا، لیکن یہاں تو ناشتہ بھی ہمارے وہم وگماں سے بھی بڑھ کر تھا۔ کتنے

ا دن، ہم لوگ رانا انور کے مہمان رہے۔ مرغن غذاؤں نے صحت کے ساتھ ان کے رنگ بھی تبدیل کر دیئے وک سے مرجھائے چہرے سیب کی طرح سرخ وسفید کر دمکنے لگے۔ بھاگاں تو پہچانی نہیں جا رہی تھی اس نے خوب رنگ نکالا تھا، آسمان سے اتری اپسرا لگتی تھی مر بھی صحت مند اور ہشاش بشاش تھا۔ کافی دن بعد رانا ور نے خلوت میں ناصر کو بلایا اور آئندہ کا لائحہ عمل چھا ”تمہارا گھر بار کہاں ہے؟ کس دیس کے باسی ؟ اتنے لاچار و بےبس کیوں؟“ اتنا سننا تھا کہ ناصر وٹ پھوٹ کر رو دیا، رو رو کے ہچکی بندھ گئی، دکھ بادل نکھوں سے برس کر جلتے من کی آگ بجھانے لگے، ب جذبات ٹھنڈے ہوئے تو ناصر گویا ہوا۔

”ایک کھاتے پیتے گھرانے سے تعلق ہے، ائی بہت بڑا سرکاری آفیسر ہے، برادری میں اس کا ہت اونچا شملہ ہے، جبکہ بھاگاں کا تعلق ”پکھی واس“ گھرانے سے ہے ایک دن ہمارے گھر بھیک مانگنے آ گئی ور پھر مجھے پتہ ہی نہ چلا کہ اس کی زلفوں کا اسیر ہو گیا س غلطی کا سرزد ہونا تھا کہ معاشرے کے ٹھیکیداروں کی حقیقت کھل کر سامنے آ گئی، کلمہ پڑھنے والے سچے سلمانوں نے اپنے آپ کو ذات پات، گھٹیا اعلیٰ طبقوں میں تقسیم کر لیا۔ میرے سگے بھائی کا خون سفید ہو گیا ”پکھی واس“ کا نام سنتے ہی اس کا شملہ لرزنے لگا، ماں باپ پہلے وفات پا چکے تھے بھائی کا مرہون منت تھا، بھاگاں سے محبت نے رشتوں کی زنجیروں کو کچے دھاگے کی طرح توڑ مروڑ دیا، گھر سے نکال باہر کیا جائیداد سے عاق کیا، بے دین کا الزام لگا کر گاؤں بدر کر دیا گیا۔ عشق کی کشتی کو وقت کے دریا میں گھرے بھنور سے نکالنے کے لئے حوصلوں کے پتوار سے نکالنے کے لئے جینے کی جنگ لڑ رہا ہوں۔

اس جہاں میں ہم دونوں کا ایک دوسرے اور آپ کے سوا کوئی نہیں، آپ کی محبت کے سائے میں ہمیشہ کے لئے پناہ گزیں ہونا چاہتے ہیں، امید ہے کہ آپ مایوس نہیں کریں گے۔

داستانِ الم سننے کے بعد رانا انور نے ہمیشہ کے لئے ناصر کو حویلی کا مکین بنا دیا، جی جان، محنت، محبت اور اخلاص سے کام کر کے وہ اور بھی زیادہ ان کے قریب ہو گئے، ان کی ذات کا حصہ بن گئے۔ ڈیرے پر سائلین کا تانتا بندھا رہتا، رانا انور علاقے کے لوگوں کا واحد آسرا تھے کتنے ہی پریشان لوگ یہاں آ کر سکھ کا سانس لیتے تھے۔

رانا انور کو اللہ تعالیٰ نے معاشرے میں بلند مقام عطا کر رکھا تھا گاؤں سے لے کر حکومتی ایوانوں تک ان کے نام کا طوطی بولتا تھا۔

لوگ اپنے مسائل کے حل کے لئے اس ڈیرے کو آخری سہارا سمجھتے۔

رانا صاحب بغیر کسی غرض، لالچ اور دنیاوی مفاد کے صرف رب کی رضا کے لئے لوگوں کے کام آنا باعث ثواب اور آخرت میں نجات کا ذریعہ سمجھتے، ہر چھوٹے بڑے کی بات بڑے غور وخوض اور ہمدردی سے سنتے اور ہر ممکن اس کی مدد کرتے۔

☆......☆......☆

ناصر اور بھاگاں کو یہاں رہتے ہوئے تقریباً ایک سال ہو گیا تھا، اس دوران حویلی میں انہیں غیر معمولی اہمیت حاصل تھی، ہر اہم کام میں مشورہ لیا جاتا، ڈیرے پر رانا صاحب کے ساتھ ناصر بھی لوگوں کے معاملات سلجھانے لگا۔

مایوس لوگوں کے چہروں پر رونق دیکھ کر اسے روحانی خوشی ہوتی، کئی سائلوں کے ناممکن کام بھی رانا صاحب کو مجبور کر کے ممکن بنوائے۔

رانا صاحب کے ساتھ اب لوگوں نے اسے بھی اپنی دعاؤں میں شامل کر لیا۔ رانا صاحب کی تمام صفات ناصر میں عود کر آئی تھیں وہ مجبور زندگی کی تکالیف اور آزمائشوں سے آگاہ تھا پرانے دنوں کی یاد آتی تو روٹی کھانا بھول جاتا۔

کردار کی تبدیلی پر وہ بہت خوش اور مطمئن تھا، رانا صاحب کی طرح وہ بھی شفیق، مہربان، غریبوں کے دکھ درد بٹانے والا، مجبوری کے وقت کام آنے والا ظلم

وزیادتی کے خلاف آواز اٹھانے والا بن گیا تھا۔
اس کی ایک ہی خواہش تھی کہ ہر طرف خوشیوں کے پھول کھلیں ہر چہرہ خوش وخرم نظر آئے، سکھ کی چادر میں لپٹے لوگ، پرسکون زندگی سے لطف اندوز ہوں۔

☆......☆......☆

ایک دن ڈیرے پر جانے میں ناصر کو دیر ہوگئی کچھ خواتین دادرسی کے لئے حویلی آئی ہوئی تھیں ان کا مسئلہ حل کرتے ہی ناصر ڈیرے کی طرف روانہ ہوگیا۔
ڈیرے میں داخل ہوتے ہی ایک شخص کو رانا صاحب کے سامنے ہاتھ جوڑ کر گریہ زاری کرتے دیکھا، جبکہ اس کے سامنے وہی نوجوان تھا جس نے میڈیکل اسٹور پر ایک سال قبل سیرپ اور گولیاں گرانے کی پاداش میں اسے مارا تھا۔
اس شخص کی التجا اور درخواست کے جواب میں رانا صاحب بار بار انکار میں سر ہلا رہے تھے کافی دیر بعد وہ شخص مایوس ونامراد ہوکر واپس پلٹا تو ناصر کے چہرے پر نظر پڑتے ہی اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا سوچنے سمجھنے کی قوت مفقود ہوگئی، سر چکرانے لگا، زمین آسمان گھومنے لگے۔
وہ کوئی اور نہیں اس کا آفیسر بھائی چوہدری صادق تھا، جس نے اسے بھاگاں سے شادی کرنے کے جرم میں مسلمان سے غیر مسلم کا بہتان لگا کر اپنے گھر اور ملازمت سے نکلوایا تھا۔
آج وہی چوہدری صادق رانا صاحب کے سامنے دوزانو بیٹھا ہاتھ جوڑ کر مدد کا طلبگار تھا، وہ یقیناً کسی بہت بڑی مصیبت میں گرفتار تھا۔
وگرنہ تو ایسے کتنے ہی بڑے لوگ اس کی دعوت کر کے ڈیرے کی شان بڑھاتے تھے آج اس کی حالت بھکاریوں سے ابتر تھی انتہائی کسمپرسی کی حالت میں مدد کا طلبگار تھا سامنے جا کر شرمندہ کرنے کی بجائے ڈیرے سے روانہ ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ وہ شخص کو کبھی ''ہوٹر'' والی سبز پلیٹ اور نیلی بتی والی گاڑی میں بڑی رعونت کے ساتھ براجمان ہوتا تھا آج ایک پھٹیچر سی موٹر سائیکل پر اسٹور مالک کے پیچھے بیٹھ کر ڈیرے سے نکلا، ناصر نے کافی دیر بعد اپنے آپ پر قابو پایا اور چلتے چلتے رانا صاحب کے پاس پہنچ گیا وہاں بیٹھنے کو جی نہیں کر رہا تھا طبیعت سخت خراب ہوگئی۔
تھوڑی دیر تک وہاں بیٹھنے کے بعد حویلی آ گیا اور دیگر امور میں مشغول ہوکر سب کچھ بھلانے کی کوشش کرنے لگا۔
آج اسے شدت سے رات کا انتظار تھا۔
آخر خدا خدا کر کے شام سے رات ہوئی۔
رانا صاحب عشاء کی نماز پڑھ کر اپنے کمرہ خاص میں گئے، اجازت لے کر وہ بھی پہنچ گیا، پاؤں دبانے لگا۔
کافی دیر بعد جب رانا صاحب اونگھنے لگے تو اس نے کہا۔
''جی! آپ سے ایک گزارش کرنی تھی۔''
''رانا صاحب نے کہا بتاؤ''
''آج دوپہر کو جو آدمی آپ کی سامنے ہاتھ جوڑ کر گریہ زاری کر رہا تھا اور آپ بار بار انکار کر رہے تھے آخر ایسا کون سا مسئلہ درپیش تھا جو آپ بھی حل کرنے سے معذرت کر رہے تھے، آپ نے تو آج تک کسی کو مایوس نہیں بھیجا، آپ تو انکار کرنے سے قبل ہزار بار سوچتے ہیں انکار کے وقت سخت دقت محسوس کرتے ہیں لیکن اس کو انکار کرنے پر آپ نے ذرہ برابر ہچکچاہٹ محسوس نہ کی اور اسے دوٹوک جواب دے دیا۔ نہ کوئی وعدہ، نہ ہی آسرا، کورا جواب دے کر فارغ کیا، آخر معاملہ کیا ہے؟
ناصر! وہ شخص چوہدری صادق اپنے دور کا بہت بڑا آفیسر تھا، رشوت لیے بغیر کام نہ کرنا گناہ سمجھتا تھا، اس نے کتنے ہی غبن کیے لاکھوں روپے خرد برد کئے زمینیں اور پلاٹوں پر قبضہ کیا، لوگوں کو پیسے لے کر پرمٹ دیئے۔
دھڑلے سے منہ مانگی رشوت لیتا تھا، اور ہمیشہ ناجائز کام کرنا فخر سمجھتا تھا بیٹے کو میڈیکل اسٹور بنا کر دیا جس پر معیاری ادویات کی بجائے جعلی ادویات شراب اور بہت سی دیگر نشہ آور اشیاء فروخت کی جاتی تھیں کچھ

وگوں نے حوصلہ کر کے اس کے خلاف ایف آئی اے کو درخواست دیدی پھر غبن کے معاملے میں اس کے خلاف انکوائری شروع ہوگئی۔ بیٹے کے میڈیکل اسٹور پر چھاپہ مارا گیا تو جعلی ادویات اور شراب برآمد ہوئی، یوں میڈیکل اسٹور سیل کر کے بیٹے پر مقدمہ درج ہوا۔

انکوائری میں غبن اور پلاٹوں پر قبضہ ثابت ہوگیا نوکری سے برخاست کردیا گیا، زمین جائیداد اور روپیہ پیسہ پانی کی طرح بہایا مگر مقدمات سے نجات نہ ملی آج پائی پائی کا محتاج ہے۔

پچاس لاکھ روپے سرکاری خزانے میں جمع کروانے ہیں مگر اس کے پاس پھوٹی کوڑی نہیں آج ڈیرے پر اس لئے آیا تھا کہ اس کے پچاس لاکھ روپے گورنمنٹ کے خزانے میں جمع کرواؤں عدم ادائیگی کی صورت میں ان دونوں باپ بیٹے کو ایک لمبے عرصے کے لئے جیل کی ہوا کھانی پڑے گی۔

میں ایسے برے لوگوں کی مدد کر کے مجبور لوگوں کے دکھوں میں اضافہ نہیں کرنا چاہتا، یہ لوگ ساری زندگی اقتدار کے نشے میں اختیار کے زعم میں لوگوں کا خون پیتے رہتے تھے جیل میں جا کر دال روٹی ننگے فرش پر بیٹھ کر کھائے گا تو اس کو پتہ چلے گا۔

اتنا سننا تھا کہ ناصر ایک بار پھر سخت پریشان ہوگیا جیسا بھی تھا آخر کار بڑا بھائی تھا اس کا خون سفید ہوگیا تھا ناصر کا خون ابھی لال تھا۔

اپنے تئیں ناصر اس کو جیل میں سڑتا نہیں دیکھ سکتا تھا۔

رانا صاحب کے پاؤں پر سر رکھ کر گڑگڑانے لگا۔

رانا صاحب اگر آپ کی تھوڑی سی مہربانی سے کسی کی زندگی کے دکھوں کی گھپ اندھیری رات خوشیوں کی چاندنی سے منور ہوسکتی ہے تو آپ یہ مہربانی ضرور کریں اس کو اپنے سیاہ کارناموں پر شرمندگی ہے وہ ایک سچا مسلمان اور فرض شناس آفیسر بن کر پاکستانی عوام کی خدمت کرنا چاہتا ہے تو ہمیں ضرور اس کی حوصلہ افزائی کرنی چاہئے۔

ابھی وہ باتوں میں مصروف تھے کہ اس دوران بھاگاں گرم دودھ کا گلاس لے کر آئی اور وہ بھی ناصر کی ہاں میں ہاں ملا کر رانا صاحب کی منت سماجت کرنے لگی۔

رانا صاحب تو کسی غیر کی بات نہیں ٹالتے تھے انہیں کیسے انکار کرتے ان کے پرزور اصرار پر انہوں نے ہاں کردی۔ ہاں سنتے ہی ناصر خوشی سے نہال ہوگیا۔

ایک ہفتہ روپوں کا انتظام کرتے گزر گیا، رقم ہاتھ آتے ہی چوہدری صادق کو بلوا کر رقم اس کے ہاتھ کی گئی۔

چوہدری صادق نے رقم سرکاری خزانے میں جمع کروائی۔

رقم جمع کروانے کی دیر تھی کی تمام مقدمات ختم ہوگئے، وہ ملازمت پر بحال ہوگیا، بیٹے کا سیل شدہ اسٹور کھل گیا۔

عدالتی امور نمٹانے میں ایک ماہ کا عرصہ لگ گیا۔

ان امور سے فراغت پاتے ہی چوہدری صادق اور گھر والے پہلی فرصت میں نیلی بتی اور گھوں گھوں کرتے ہوٹر والی گاڑی میں سوار ڈیرے پر آئے۔

گاڑی سے اترتے ہی باپ، بیٹا رانا انور کے پاؤں میں بیٹھ گئے، خوشی سے آنسوان کی آنکھوں سے رواں تھے پاؤں میں بیٹھ کر انتہائی ممنون نگاہوں سے رانا صاحب کا شکریہ ادا کرنے لگے۔

رانا صاحب نے انہیں جواب دیا۔ ''چوہدری صادق! اگر شکریہ ادا کرنا ہے تو میرا نہیں بلکہ اس فرشتہ سیرت انسان کا شکریہ ادا کرو جس نے پرزور سفارش کر کے مجھے تمہاری مدد کرنے پر آمادہ کیا ہے؟''

رانا صاحب نے ناصر کی طرف اشارہ کیا۔

جب چوہدری صادق نے چہرہ اٹھا کر رانا صاحب کے اشارہ کردہ نوجوان کی طرف دیکھا تو کیا دیکھتا ہے وہ کوئی اور نہیں اس کا چھوٹا بھائی ناصر تھا جس کو سالوں پہلے اس نے دھکے دے کر گھر اور گاؤں سے ذلیل کر کے نکالا تھا۔



# قوسِ قزح

## قارئین کے بھیجے گئے پسندیدہ اشعار

زندگی گزر جائے گی آہستہ آہستہ
کبھی رلائے گی کبھی ہنسائے گی آہستہ آہستہ
تم ہمیں یاد رکھو گے کچھ دیر تک
پھر یہ یاد بھی مٹ جائے گی آہستہ آہستہ
(شرف الدین جیلانی......ٹنڈوالہ یار)

ہم نہ سمجھے تیری نظروں کا تقاضا کیا ہے
کبھی جلوہ کبھی پردہ یہ تماشا کیا ہے
تیری مخمور سی آنکھوں میں رونق ہے ساقی
ورنہ اس مے خانے میں رکھا کیا ہے
(تارہ شاہد......لاہور)

بھیگی آنکھوں والی اک پاگل سی لڑکی
کہو تم بھی بھلا کیسے اسے بھلا جاتے
ان چشم حیراں میں ستارہ سا چمکتا میری خاطر
دل کی شاخ پہ محبت کا کوئی پھول ہی کھلا جاتے
(محمد ذیشان......حیدرآباد)

یوں ہوتا تو کتنا پیارا ہوتا
سامنے ہو کر تیرا خوب نظارہ ہوتا
کوئی دیکھے تو انہیں آخر کیوں روحی؟
وہ میرا ہوتا تو بس میرا ہوتا
(عبدالجبار رومی انصاری......قصور)

اندر کے میلے پن کا لگے کیسے سراغ
اندازہ کرتے ہیں لوگ اجلے لباس سے
(مہر پرویز احمد دولو......میاں چنوں)

رات کو جب بھی ماہتاب دیکھا تھا
میں نے تیرا ہی پھر خواب دیکھا تھا
تجھے دیکھا تو یہ محسوس ہوا مجھ کو
جیسے پھر ایک آفتاب دیکھا تھا
(محمد اسلم جاوید......فیصل آباد)

وابستہ کریں کس سے ہم اپنی امیدیں
اس دور میں ہر شخص وفا بھول گیا ہے
(محسن عزیز حلیم......کوٹھا کلاں)

جب چلے تو تنہا تھے سفر میں محسن
پھر تم ملے غم ملے تنہائی ملی قافلہ سا بن گیا
(عبدالحلیم بھٹی اینڈ محسن عزیز......کوٹھا کلاں)

کون کہتا ہے نفرتوں میں درد ہے
کچھ محبتیں بھی بڑی اذیت ناک ہوتی ہیں
(شہریار احسن......کوٹھا کلاں)

جلال پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشہ ہو
جدا ہو دین سیاست تو رہ جاتی ہے چنگیزی
(انتخاب: انیس حبیب خان......کراچی)

عروج آدم خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں
کہ یہ ٹوٹا ہوا تارا مہ کامل نہ بن جائے
(انتخاب: محمد کامران......کراچی)

تم تو سنتے آرہے ہو قصے قیامت کے
ہم نے جھیلی ہیں سزائیں جہنم کی
(سنبل ماہین طٰہٰ......راولپنڈی)

لوگ پتھر مارنے آئے تو وہ بھی تھے شامل
جن کے گناہ کبھی ہم اپنے سر لیا کرتے تھے
(انوری رمضان......پنڈدادن خان)

یوں ڈسا ہے تنہائیوں نے اکثر
کہ اب ہجوم آدم سے بھی ڈر لگتا ہے
(سجاد حسین نومی......پنڈدادن خان)

میں بد دعا تو نہیں دے رہا ا سکو...... مگر
دعا یہی ہے اسے مجھ سا اب کوئی نہ ملے
(انتخاب: ڈاکٹر ندیم ساگر......کھڈرو سندھ سے)

فکر یہ تھی کہ شب ہجر کٹے گی کیونکر......؟
لطف یہ ہے کہ یاد نہ آیا کوئی
شوق یہ تھا کہ محبت میں جلیں گے چپ چاپ
رنج یہ ہے کہ تماشہ نہ دکھایا کوئی
(انتخاب: ارسلان ملک......کھڈرو سندھ سے)

چاندنی راتوں میں تاروں سے ملا کر آنکھیں
سوچتا ہوں میرا محبوب کہاں ہے اب تک
(انتخاب: مہک عرفان......دیپالپور)

☆☆



کتنا حسین ہے موسم کیا دلربا ہے منظر
تعریف سب تجھی کو رب بزرگ و برتر
کتنے حسین تو نے دونوں جہاں بنائے
کیا یہ زمیں بنائی کیا آسماں بنائے
کھانے کو تو نے ہمیں دیں طرح طرح کی چیزیں
لینے کو سانس ہماری یہ ہوا و اشجار بنائے
سب تیرے ہی کارنامے، تو ہی ہر چیز پہ قادر
تعریف سب تجھی کو رب بزرگ و برتر
یہ رنگ برنگی کلیاں اور یہ پھول بھی بنائے
کس پیار سے پھر یہ سارے ڈالیوں پہ سجائے
سب کریں تیری ہی حمد و ثنا، یہ حیوان، یہ انسان
یہ جھیل یہ دریا، یہ جھرنا، یہ سمندر
سب تیرے ہی کارنامے، تو ہی رہ چیز پہ قادر
تعریف سبھی تجھی کو رب بزرگ و برتر
(رابعہ آفرین......لاہور)

---

وہ جو غازی یا شہید ہیں
سب کے دلوں کے قریب ہیں
دفاع وطن پر جان لٹانے کو
وہ ہر دم رہتے تیار ہیں
آج بھی ان کی ہیبت سے
دشمن کے قدم ڈگمگاتے ہیں
لہو سے اپنے دیپ جلا کر
قوم کا کل فروزاں کرتے ہیں
وطن کے سارے مرد و زن
مل کر انہیں سلام کرتے ہیں
جذبہ ایمانی سے ایسے لڑے
آج بھی دشمن دہل جاتے ہیں
تیرے تیر کام آئے نہ گولے

---

جیسے جواں سیسہ پلائی دیواریں
وہ ڈھونڈتا ہے گلوں میں لہو
نونہلان وطن بھی تو تیار ہیں
(گلاب خان سولنگی......کشمور)

---

انداز وفا میرا کام تو آیا ہے آئے ہیں اپنانے لوگ
شمع امید کی جلانے آئے ہیں انجانے لوگ
کتنی سحر تو آئی ہیں کتنے سورج ڈوب گئے
چڑھتے سورج پہ آتے ہیں پھولوں کو برسانے لوگ
پیار کا منظر کیا دیکھیں گے پھولوں کے بدلے کانٹے پائے ہیں
کل تک جن کو اپنا جانا آج وہ ہیں بیگانے لوگ
رکھیں کیوں آس چاہت کی ہم ان سے اپنا رشتہ کیسا
کام کسی کے کب آتے ہیں دولت کے دیوانے لوگ
کسی کو دل کا درد سناؤں کون اپنا کون پرایا
جانے کہاں سے آجاتے ہیں محفل میں تڑپانے لوگ
آنکھوں دیکھا حال کہو سنی سنائی بات نہ کرنا
سنتے ہیں کہ غم کو بھلانے جاتے ہیں میخانے لوگ
محسن ہے تجھ کو ناز ہے اپنے تم کو کسی سے کیا نسبت
ڈھونڈ گے تو پا نہیں سکتے جاوید جیسے مستانے لوگ
(محمد اسلم جاوید......فیصل آباد)

---

اقبال تیری قوم کا اقبال کھوگیا
ماضی تو سنہرا تھا مگر حال کھوگیا
اترے جو فضاؤں میں تھے وہ شاہین نہ رہے
باذوق نہ رہے، وہ ذہین نہ رہے
پاکیزہ نہ رہے، وہ با دین نہ رہے
وہ لالہ و گلزار وہ مہ جبیں نہ رہے
مومن کا وہ انداز باکمال کھوگیا
اقبال تیری قوم کا اقبال کھوگیا
(سنبل ماہین طٰہٰ......سرگودھا)

---

خدا کرے کہ میرے ارض پاک پر اترے
وہ فصل گل جسے اندیشہ زوال نہ ہو
یہاں جو پھول کھلے وہ کھلا رہے صدیوں

یہاں خزاں کو گزرنے کی بھی مجال نہ ہو
گھنی گھٹائیں یہاں ایسی بارشیں برسائیں
کہ پتھروں سے بھی روئیدگی محال نہ ہو
خدا کرے کہ نہ خم ہو سر وقار وطن
اور اس کے حسن کو تشویش ماہ و سال نہ ہو
ہو ایک فرد ہو تہذیب وفن کا اوج کمال
کوئی ملول نہ ہو کوئی خستہ حال نہ ہو
خدا کرے کہ میرے ایک بھی ہم وطن کے لئے
حیات جرم نہ ہو زندگی وبال نہ ہو!!!
(انتخاب: ایس حبیب خان...... کراچی)

---

یوں وقت کس خلوص سے کروٹ بدل گیا
ہر آدمی فریب کے سانچے میں ڈھل گیا
اب کس کی آرزو میں گزاریں غم حیات
وہ بے وفا بھی وقت کے سانچے میں ڈھل گیا
مدہوش تھا مگر تیری عظمت کا پاس تھا
ہر بار لڑکھڑا کے بھی میں پھر سنبھل گیا
سوچا تھا بھول جاؤں گا ماضی کی یاد کو
دیکھا اسے جو دل میں تو دل مچل گیا
ہر ایک اداس چہرے پہ سرخی سی آگئی
جب انجمن میں کوئی سنا کر غزل گیا
قمر نہ جانے کیسے گزرتی شب الم
اچھا ہوا کہ دل تیرے غم میں بہل گیا
(چوہدری قمر جہاں علی پوری...... ملتان)

---

بدلتے موسموں کی بات ہوگی
کہ اب اجڑے گھروں کی بات ہوگی
مداوا ہوسکے گا رنج و غم کا
یقیناً بے کسوں کی بات ہوگی
ترے رخسار کا واں ذکر ہوگا
جہاں تازہ گلوں کی بات ہوگی
جنہیں شب بھر برابر جاگنا ہے
انہیں کے رتجگوں کی بات ہوگی
جہاں بھی ادب کی تخلیق ہوگی
وہیں پر ناقدوں کی بات ہوگی
اندھیرے جان کو آئیں گے جس دم
تو ننھے جگنوؤں کی بات ہوگی
ہنسی کو کان جب ترسا کریں گے
قمر ان محفلوں کی بات ہوگی
(ریاض حسین قمر...... منگلا ڈیم)

---

دل کی محفل لگی ہے صنم چلے آیئے
نگاہ مختصر ہے دید کیلئے چلے آیئے
صرف تم سے دل لگایا تم سے
نہ ٹھکرایئے ہمیں خدا کے لئے چلے آیئے
رات کو نیند بھی نہیں آتی تمہارے بن
میٹھی سی لوری سنانے کیلئے چلے آیئے
ہر روز خوابوں میں آکے سناتے ہو تم
صرف انہیں دیکھنے کی حسرت ہے باقی
یہ مسرت مٹانے کے لئے چلے آیئے
علی تو بن دیکھے تمہیں نہیں رہ پائے گا
میرے اس دل کو سمجھانے چلے آیئے
(شرف الدین جیلانی...... ٹنڈوالہ یار)

---

عید سعید کی مبارک ساعتیں
پیغام مجھے دے رہی ہیں
من کو ایسے صاف کرو
"جیسے"
صاف گگن پر
عید سعید کا چمکتا چاند
غموں سے نڈھال چہرے
خوشیوں سے مالا مال کردے
(مہر پرویز احمد دولو...... میاں چنوں)

---

تیرے خاموش لبوں پر یہ تکلم کی نمود
تیری چپ چاپ نگاہوں میں یہ الفت کا پیام
یہ تو سچ ہے کہ یہ آغاز حسین ہے لیکن
کون جانے کہ اس آغاز کا کیا ہو انجام

یہ تیرے ریشمیں آنچل کی سنہری چھاؤں
وقت کے ساتھ ہی اک روز نہ ڈھل جائے کہیں
تیری خاموش نگاہوں میں محبت کا یہ عہد
اس عہد کا مطلب نہ بدل جائے کہیں
سوچتا ہوں یہ تیرا ربط مسلسل ہی کہیں
پیش فرمائی احساس گریزاں تو نہیں
یہ عنایت یہ نوازش یہ توجہ یہ کرم
چند لمحات کی تسکین کا ساماں تو نہیں
(عبدالجبار رومی انصاری......قصور)

وہاں جو گزرے اسے خاک زندگی کہیے
جہاں ہو حکم اندھیرے کو روشنی کہیے
سیاہ کار ہیں جن کا وجود ظلمت ہے
مگر ہے حکم انہیں آفتاب ہی کہیے
کہاں نیابت حقانیت کی شمع جلی
ردائے عصمت انساں کہاں ملی کہیے
رہے یہ یاد کہ یہ منصب الٰہی ہے
یہ آپ پر ہے جسے چاہیے ولی کہیے
نہ رکھیے نام کوئی اور مصلحت کے تحت
ملے نہ غزل مقصود تو گرا ہی کہیے
زباں سے اف نہ کریں اور خون جلتا رہے
تو اسے ضبط کو آداب آشتی کہیے
جو ذاتی تجربہ ایسا نہ ہو تو کیوں واجد
زبان خلق جو کہتی ہے آپ بھی کہیے
(پروفیسر ڈاکٹر واجد نگینوی......کراچی)

آنکھوں میں کل سجائے تھے کچھ پیارے پیارے خواب
شیشہ کی طرح ٹوٹ گئے آج، سارے خواب
تصویر ہو کہ شعر ہو، سنگیت ہو کہ سر
بکتے ہیں فن کے نام سے اکثر تمہارے خواب
للہ یوں نہ آنکھوں سے نیندیں اڑائیے
پھرتے رہیں صبح تلک مارے مارے خواب
دنیا کو دی ہے پیار محبت کی روشنی
ہم ہیں رسول اور صحیفے ہمارے خواب
کتنی حسین وہ موسم گل کی تھی ایک رات
جگنو، شرر، چراغ، ہوا، چاند تارے خواب
بنتے محل کہاں ہے، کھنڈر بھی نہ بن سکے
ہائے! کسی غریب کی بے بس، بے چارے خواب
جیسے وہ آئے، بیٹھ گئے، میرے دل میں امتیاز
جینے کے رہ گئے ہیں یہ کچھ سہارے خواب
(ایس امتیاز احمد......کراچی)

کبھی خود پہ کبھی حالات پہ رونا آیا
بات نکلی تو ہر اک بات پہ رونا آیا
ہم تو سمجھتے تھے کہ ہم بھول گئے ہیں ان کو
کیا ہوا آج یہ کس بات پہ رونا آیا
کس لئے جیتے ہیں ہم کس کے لئے جیتے ہیں
بارہا ایسے سوالات پہ رونا آیا
کون روتا ہے کسی اور کی خاطر اے دوست
سب کو اپنی ہی کسی بات پہ رونا آیا
(انتخاب: ایس حبیب خان......کراچی)

دل دھڑکنے کا سبب یاد آیا
وہ تری یاد تھی اب یاد آیا
آج مشکل تھا سنبھلنا اے دوست
تو مصیبت میں عجب یاد آیا
دن گزارا تھا بڑی مشکل سے
پھر تیرا وعدہ شب یاد آیا
حال دل ہم بھی سناتے لیکن
جب وہ رخصت ہوا تب یاد آیا
بیٹھ کر سایہ گل میں ناصر
ہم بہت روئے وہ جب یاد آیا
(انتخاب: حافظ عابد علی بھٹی......راولپنڈی)

تیری آنکھوں کا نور میں
تجھ سے پھر اتنی کیوں دور میں
اپنی راہوں سے بھٹکا ہے تو
دیکھ...... بیٹھی ہوں رنجور میں

تو ہے مغرب کے نشے میں گم
تیرے نشے میں ہوں چور میں
تیری یادوں میں ڈوبی ہوئی
آنسوؤں میں شرابور میں
میں پری ہوں بدیع اجمال
اور کھڑی لے کر سندور میں
تو ہے گاؤں کا گھبرو جوان
تیری مُیار بھرپور میں
تو مجھ میں کچھ ایسے بھی گھل
جیسے برف آب انگور میں
تیری منزل کا راستہ ہوں میں
تو ہے موسیٰ تو طور میں
(رشک نور......فیصل آباد)

---

کسی خوش نگاہ سی آنکھ نے یہ کمال مجھ پہ کرم کیا
میری لوح وجان پہ رقم کیا
وہ جو ایک چاند سا حرف تھا، وہ جو ایک شام سا تھا
وہ جو ایک پھول سی بات تھی پھرتی تھی دربدر
اسے گلستان کا پتہ دیا
میرے دل کا شہر ملال تھا، اسے روشنی میں بسا دیا
میری آنکھ اور میرے خواب کو کسی ایک پل میں
بہم کیا
میرے آئینوں پہ جو گرد تھی مہ وسال کی
وہ اتر گئی
وہ جو دھند تھی میرے چار سو بکھر گئی
سبھی روپ عکس جمال کے
سبھی خواب شام وصال کے
جو غبار وقت میں سربسر تھے اٹے ہوئے
وہ چمک اُٹھے
وہ جو پھول راہ کی دھول تھے
وہ مہک اٹھے
میرے نام پہ میرے واسطے
میری بے گھری کو پناہ دی
جو یقیں سے بھی حسین ہے، مجھے ایک ایسا گماں دیا
وہ جو ریزہ ریزہ وجود تھا
اسے ایک نظر میں بہم کیا
(سجاد حسین نومی......پنڈدادن خان)

---

اپنی باتیں اپنی یادیں لے کر جانا بھول گیا تھا
جانے والا جلدی میں تھا مل کر جانا بھول گیا تھا
تیز بارش اور ان تیز ہواؤں میں
وہ اپنی یادوں کی چھتری لے کر جانا بھول گیا تھا
بارش میں جن راستوں پہ چلے تھے ہم کبھی
ان راستوں پر جاتے ہوئے اپنے نشان مٹانا بھول گیا تھا
وقت رخصت پر میری آنکھوں سے آنسو صاف کرتا رہا
اس کا غم تھا اتنا زیادہ وہ خود رونا بھول گیا تھا
اے جانے والے ساون لوٹ آیا ہے تم بھی لوٹ آؤ نا
وہ لوٹ کر نہیں آنے والا یہ بتا کر جانا بھول گیا تھا
یہی ادائیں اس کی بھائی بہت زیادہ
ہماری یاد تو مٹا گیا ساون میں اپنی یاد مٹانا بھول گیا تھا
جانے والا جلدی میں تھا مل کر جانا بھول گیا تھا
تیز بارش تھی وگرنہ رک جاتا تھوڑی دیر کے لئے
چلا تو گیا تھا جلدی میں مگر واپس آنا بھول گیا تھا
اجنبی لوگوں میں جا کر ہم اجنبی ہوگئے اس کے لئے
مگر اپنے سے ساون کو یہ بتانا بھول گیا تھا
(رقیہ عباس......بستی فتے والی)

---

ایسا نہیں کہ تجھ سے محبت نہیں ہمیں
غم روز روز سہنے کی عادت نہیں ہمیں
ہر بار تیرے سامنے سر کو جھکا لیا
اور پھر بھی دیکھ تجھ سے شکایت نہیں ہمیں
تو یہ اعتبار کر کہ تجھے چاہتے ہیں
تیرے سوا کسی کی بھی چاہت نہیں ہمیں
ہم جانتے ہیں کہ تو ہے تنہا ہمارے بن
اوروں سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہمیں
تو بھول بھی جائے تو آئیں گے تیرے پاس
دیکھ تیرے بغیر جینے کی عادت نہیں ہمیں
(انتخاب: راؤ عرفان......نواب شاہ)

☆☆

جو موٹ جائے دو باتوں سے
تھکن اس کو نہیں کہتے
جو لمحوں میں اتر جائے
تھکن اس کو نہیں کہتے
آنکھیں موندے میری
میری تھکن اتار دے
کبھی تو تھم، سیل بحر بیکراں
کبھی تو ڈھل
شب ہجر میں ماخراں
میری جاں پہ بن گئی ہے
تلوار تن گئی ہے
تجھے یہ نہیں کہتی
گھونگٹ اتار دے
اے وقت کی رقاصہ
جھانجھر اتار دے
(پیا سحر...... مدینہ سیداں گجرات)

---

دکھ صرف
لفظوں میں نہیں کھنکتے
کسک
صرف لہجوں اور باتوں میں نہیں تیرتی
کچھ جذبے ہمیشہ نظر بند رہتے ہیں
کچھ خوابوں کو کبھی پیرہن نہیں ملتا
ایسے میں......
تمہاری امیر آنکھوں کو
میرے غریب جذبوں پر پڑی
اذیت کی دھول کیسے دکھائی دے
گی......؟
(انتخاب:...... ساجدہ راجہ ہندواں سرگودھا)

---

اک لمحہ ہوں جانے والے
لوٹ کے پھر نہ آنے والا
غم کی خوشی کی کیا پرواہ ہے
ہر دم چلنے سے ناتا ہے
مختتی میرے دلبر جانی
غافل کی ہے ایک نشانی

پہلے خود نہ کام کرے گا
پھر مجھ پر الزام دھرے گا
جس نے مجھ کو سمجھا فانی
جگ نے وہ شخصیت مانی
(چوہدری قمر جہاں علی پوری...... ملتان)

---

صبح و شام اچھا کام کریں ہم
بڑوں کا احترام کریں ہم
جب کسی سے ملاقات کریں ہم
پہلے اس کو سلام کریں ہم
ہر روز نیا کام کریں ہم
حکم مانیں ماں باپ کا ہر آن ہم
کھیلتے بھی ہیں خوب ہم
پڑھتے بھی ہیں خوب ہم
عبادت بھی کرتے ہیں خوب ہم
ڈر بھی پڑھتے ہیں خوب ہم
نماز کا اہتمام کریں ہم
قرآن کو صبح و شام پڑھیں ہم
(تحریر نعیم اللہ...... ہڈالی)

---

وقت کی سکندر ہوں
پھر بھی تم سے کمتر ہوں
مجھ کو دیکھتے کیا ہو؟
آئینے سے سندر ہوں
تم خوشی کے ساحل ہو
غم کا میں سمندر ہوں
ناز خود پہ کرتا رہ
تیرا میں مقدر ہوں
کہتی ہے نظر تیری
خوش نما سا منظر ہوں
عرش پر چمکتی ہوں
چاند کے برابر ہوں
تو اگرچہ ہے پارس
میں بھی ایک جوہر ہوں
نور پھیلا خانم پر
اس لئے منور ہوں
(فریدہ خانم...... لاہور)

خوابوں کا جہاں جلتا رہا
جیسے شام کا سایہ ڈھلتا رہا
زندگی میں اٹھائے تھے غم بہت
کوئی دیکھ کے مجھے پہلو بدلتا رہا
پھول ٹہنی سے گر کر مرجھا گیا ہو
مفلسی میں وہ دامن چھڑاتا رہا
پا کے بھی کسی کو کھودیا آخر
یوں بھی کوئی ہاتھ پھر ملتا رہا
افسردہ سے رہتے ہیں یوں بھی جاوید
جلتا ہوا چراغ پھر سے بجھتا رہا
(محمد اسلم جاوید...... فیصل آباد)

---

کہیں گونج اٹھی شہنائی
کہیں رونے کی آواز آئی
دل ٹوٹ گیا جب عاشق کا
تو شیشہ ٹوٹنے کی آواز آئی
میں نے تو محبت کی تھی تم سے
لیکن نفرت کی آواز آئی
دل کھول کر رکھ دیا میں نے
پر بند کواڑ کی آواز آئی
اپنی حالت پر جب رونا آیا
اپنے اندر سے درد کی آواز آئی
(سلیم بیگ ہمدانی...... کراچی)

---

نہ ہو کوئی ہمارا
ہم پریشان اچھے
بے وفاؤں عقل سے
ہم بے زبان اچھے
اگر فرصت ملی
تو یاد کر لینا ہمیں
ورنہ تم وہاں اچھے
اور ہم یہاں اچھے
(عروج ماہین طٰہٰ...... راولپنڈی)

☆☆

# تانترا

ضرغام محمود- کراچی

بچی پتھر کے مجسمہ کے پاس کھڑی تھی کہ اچانک اس کا منہ کھلا اور بچی کا دھانہ بڑا ہوتے ہوئے سینے تک آگیا پھر اس کے منہ سے کرخت اور بھاری آواز نکلی ہر صورت میں تم لوگوں نے مرنا ہے لہٰذا......

کیا یہ حقیقت ہے کہ نادیدہ قوتیں بھی آپس میں نبرد آزما ہوتی ہیں، کہانی پڑھ کر دیکھیں

**میں** اپنی کلاس میں لیکچر دے رہا تھا کہ چپراسی کلاس روم کے دروازے میں نمودار ہوا اور دروازے سے چپک کر کھڑا ہو گیا میں نے اسے نظر انداز کر کے اپنا لیکچر جاری رکھا، لیکچر ختم کرنے کے بعد میں نے چپراسی کو کلاس روم میں داخل ہونے کی اجازت دی اور اس کی جانب سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''سر آپ کو وائس چانسلر صاحب بلا رہے ہیں۔''

چپراسی کی بات سن کر میں نے سر ہلایا اور دوبارہ اپنے اسٹوڈنٹس کی جانب متوجہ ہوا۔

''اوکے اسٹوڈنٹس۔۔۔ باقی لیکچر کل۔۔۔ آپ لوگ آج کے موضوع پر اسٹڈی کر کے آیئے گا۔۔'' میں نے اتنا کہہ کر اپنی کتابیں سمیٹیں اور کلاس روم کے دروازے کی جانب بڑھا

''سر۔۔ سر۔۔'' مجھے پیچھے سے آواز آئی تو میں رک گیا اور اپنے پیچھے دیکھنے لگا مجھے پیچھے سے آواز دینے والا میرا سب سے لائق اسٹوڈنٹ الطاف رضا تھا۔

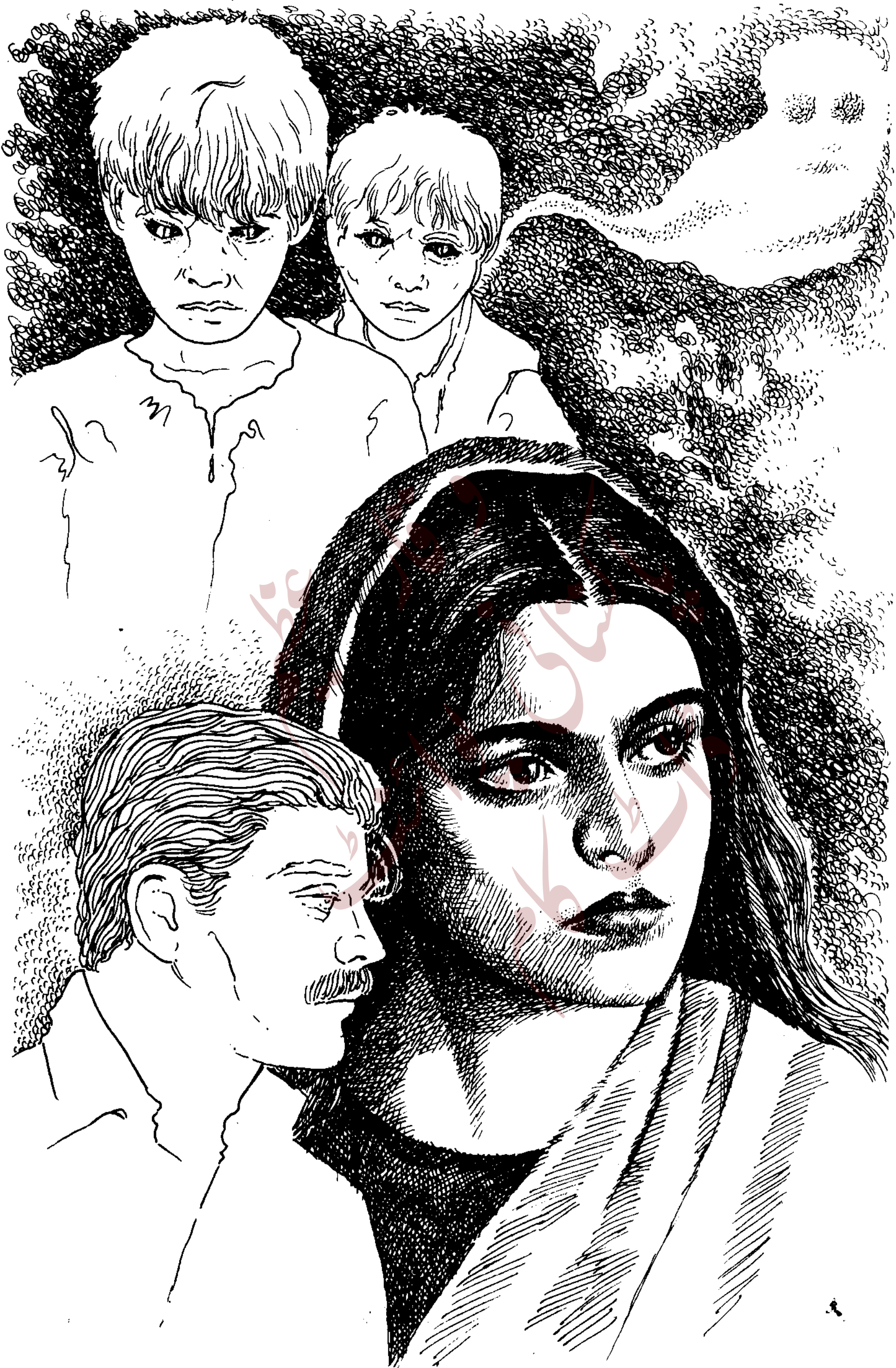
''یس مائی بوائے۔۔۔ کیا بات ہے؟'' میں نے نرم لہجے میں الطاف سے پوچھا ''سر۔۔۔ مجھے آج کے موضوع پر آپ سے کچھ سوال کرنے ہیں؟۔۔'' الطاف نے پراعتماد لہجے میں مجھ سے کہا ''ابھی میں وائس چانسلر کے آفس جا رہا ہوں اگر وہاں سے جلدی فارغ ہو گیا تو تم مجھ سے اسٹاف روم میں ملاقات کر لینا۔۔۔ وہیں آپ کے سوالات کے جواب دے سکوں گا۔'' میں نے مسکرا کر جواب دیا تو الطاف سر ہلانے لگا۔

میں چپراسی کے ساتھ وائس چانسلر کے آفس میں پہنچا، آفس میں پہنچ کر میں نے دیکھا کہ وائس چانسلر جناب عبدالقدوس رہبر کے ساتھ ایک بڑی عمر کا آدمی اور ایک نوجوان لڑکا بیٹھے ہیں میں نے آفس میں داخل ہوتے ہی سب کو سلام کیا۔

''آیئے۔۔۔ آیئے اوصاف صاحب۔۔''

عبدالقدوس صاحب نے میرے سلام کا جواب دینے کے بعد مجھے مخاطب کیا ان کے اس طرح مجھے مخاطب کرنے پر کمرے میں بیٹھے دیگر دونوں افراد بھی میری جانب دیکھنے لگے۔

''سر یہ ہیں پروفیسر اوصاف علی ہمدانی۔۔۔ یونیورسٹی میں آرکیالوجی کے پروفیسر ہیں، جادو ٹونا اور جنتر منتر کے ماہر ہیں۔۔'' وائس چانسلر صاحب نے میرا تعارف کمرے میں موجود دونوں افراد سے کروایا تو وہ دونوں اپنی جگہ سے کھڑے ہو کر مجھ سے ہاتھ ملانے لگے۔



''سوری سر۔۔ میں کوئی جنتر منتر نہیں جانتا اور نہ ہی میں کوئی جادوگر ہوں۔۔'' میں نے مسکرا کر جواب دیا اور ایک خالی کرسی پر بیٹھ گیا۔

''پروفیسر۔۔ یہ ہمارے ہوم سیکریٹری افراسیاب خان ہیں اور یہ ان کے بھتیجے ولید ہیں۔۔'' عبدالقدوس صاحب نے ان دونوں افراد کا تعارف بھی مجھ سے کروایا۔

''اوصاف ان کو تم سے کچھ کام ہے۔۔'' کچھ دیر بعد عبدالقدوس بولے۔

''جی سر۔۔۔ یہ خادم آپ کے کس کام آسکتا ہے؟'' میں نے انکساری سے پوچھا۔

''بات کہاں سے شروع کروں ۔۔ کچھ سمجھ نہیں آرہا۔'' افراسیاب خان بڑبڑانے کے انداز میں بولے۔

''جہاں سے آپ کا دل چاہے شروع کر دیجئے۔۔'' میں نے دوستانہ انداز میں جواب دیا تاکہ ان کی جھجک ختم ہو سکے اور وہ کھل کر اپنا مسئلہ بیان کر سکیں۔

''اصل میں مسئلہ میرے بڑے بھائی کا ہے'' افراسیاب خان نے بولنا شروع کیا'' میرے بڑے بھائی نے کچھ عرصہ قبل شہر کے مضافات میں ایک نیا مکان خریدا اور اس میں شفٹ ہوگئے اور۔۔'' افراسیاب خان کہتے کہتے رک گئے۔

''اور کیا؟۔۔'' میں نے پوچھا۔

''سر آپ ۔۔آپ یقین نہیں کریں گے۔۔''

افراسیاب خان خاموش رہے تو ان کا بھتیجا ولید بول اٹھا۔

''آپ مجھے تفصیل بتایئے۔۔ میری زندگی میں اتنے حیرت انگیز واقعات ہو چکے ہیں کہ اب کوئی واقعہ مجھے حیران نہیں کرتا۔۔'' میں نے چائے کی پیالی اٹھاتے ہوئے جواب دیا چائے ابھی ابھی چپراسی رکھ کر گیا تھا۔

''سر۔۔ جب سے ہم لوگ اس مکان میں شفٹ ہوئے ہیں عجیب طرح کے واقعات رونما ہو رہے ہیں۔۔۔ اور اکثر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس مکان میں ہمارے علاوہ کوئی اور بھی رہ رہا ہے۔۔ یعنی کوئی غیر مرئی مخلوق بھی اس مکان میں موجود ہے۔۔'' ولید نے اٹک اٹک کر اپنا مدعا بیان کیا۔

''کیا اس مخلوق نے کبھی کوئی نقصان پہنچایا؟'' میں نے چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں سر۔۔ اس مخلوق نے کبھی کوئی نقصان نہیں پہنچایا بس وہ مخلوق اپنے ہونے کا احساس دلاتی ہے۔۔۔'' ولید کچھ دیر خاموش رہا پھر گویا ہوا'' اکثر پورا مکان دردناک چیخوں سے گونجنے لگتا ہے کبھی کبھی خون کے قطرے بھی نظر آتے ہیں۔۔ اور۔۔''

''اور کیا؟''

''اور کبھی کبھی ایک شبیہہ سی گھر میں گھومتی ہوئی نظر آتی ہے۔''

''ہوں''

''میرے چھوٹے بھائی شایان کو اکثر اپنا ہم عمر ایک بچہ نظر آتا ہے، شایان نے کئی بار اسے پکارا مگر وہ لڑکا شایان کو دیکھ کر مسکراتا ہے اور فوراً غائب ہو جاتا ہے۔'' ولید نے مزید بتایا۔

''اس بچے نے کبھی شایان کو کوئی گزند پہنچانے کی کوشش کی یا شایان کے ساتھ بات چیت کرنے کی کوشش کی'' میں نے مزید پوچھا۔

''نہیں سر۔۔ بس وہ لڑکا اکثر شایان کے اسکول بیگ میں کچھ ڈھونڈتا ہوا نظر آتا ہے شایان کو دیکھ کر وہ مسکراتا ہے اور غائب ہو جاتا ہے اس وجہ سے شایان بھی بہت خوفزدہ رہنے لگا ہے۔۔'' ولید بولا۔

''پروفیسر آپ کا کیا خیال ہے وہ کوئی روح ہے؟'' وائس چانسلر جو اتنی دیر سے خاموش تھے بول اٹھے۔

''سر روح ایک اٹل حقیقت ہے۔۔۔ جو ہمارے جسم میں موجود ہے۔۔'' میں نے جواب دیا۔

''سنا ہے آپ روحوں سے بات چیت کر لیتے ہیں۔۔'' افراسیاب خان بھی بول اٹھے۔

''مجھ میں یہ خداداد صلاحیتیں ہیں کہ میں روحوں سے بات چیت کر لیتا ہوں خدا نے ہمارے خاندان کو اسی کام کے لئے منتخب کیا ہے میرے والد اور دادا بھی روحوں

سے ہمکلام ہوتے تھے۔۔" میں نے تفصیلی جواب دیا۔

"کیا روح وغیرہ اسی دنیا میں رہتی ہے؟" افراسیاب خان اشتیاق سے بولے۔

"اصل میں ہمارے جسم کے اندر روح موجود ہے مختصراً آپ یہ سمجھ لیجئے کہ ہمارے جسم میں کسی جگہ روح قید ہے یعنی ہمارا یہ جسم دو حصوں پر مشتمل ہے ایک ہمارا یہ مادی بدن اور دوسری روح جو اس جسم میں موجود ہے اور تسلسل اس جسم سے نکلنے کی کوشش کرتی رہتی ہے مگر حکم ربی۔ اسے اس وقت تک ہمارے جسم میں رہنا ہے جب تک اللہ کا حکم نہیں آجاتا۔ جب اللہ کے حکم سے اس دنیا میں ہمارا وقت پورا ہو جاتا ہے تو روح جسم کی قید سے آزاد ہو جاتی ہے اور ہمارا یہ جسم بے جان ہو جاتا ہے اس بدن کو تو مٹی میں مل جانا ہے اور روح کو دوسری دنیا میں لے جایا جاتا ہے۔

اس کائنات میں ہماری دنیا کے علاوہ بھی ایک دنیا ہے روحوں کی دنیا۔ تمام روحوں کو اس دنیا میں قیامت تک رہنا ہے اور قیامت کے دن جنت دوزخ کا فیصلہ ہوگا۔ روحوں کو اس دنیا سے نکلنے یا باہر جانے کی اجازت نہیں ہوتی مگر کچھ روحیں بسا اوقات کسی وجہ سے وہاں سے نکل کر ہماری دنیا میں واپس آجاتی ہیں اور پھر وہ زندہ انسانوں کیلئے مصیبت کا سبب بھی بنتی ہیں۔۔" میں نے تفصیلی جواب دیا۔

"تو آپ ان روحوں کو دوبارہ ان کی دنیا میں بھیجتے ہیں۔۔" افراسیاب خان نے حیرت سے پوچھا۔

"جی ہاں۔۔ میرا خاندان سالہا سال سے یہی کام کر رہا ہے۔۔" میں نے جواب دیا۔

"آپ روحوں کو دیکھ سکتے ہیں۔۔" افراسیاب کے لہجے میں اشتیاق تھا، میں نے اس سوال کا جواب اثبات میں سر ہلا کر دیا۔

"ولید آپ پروفیسر صاحب کو گھر لے جائیں۔۔ مجھے آفس میں کچھ کام ہے میں وہاں سے فارغ ہو کر آتا ہوں۔۔" افراسیاب خان اپنے بھتیجے ولید سے بولے، وہ اب مجھ سے کافی متاثر نظر آرہے تھے۔

میں افراسیاب خان اور وائس چانسلر عبدالقدوس صاحب سے ہاتھ ملا کر ولید کے ساتھ باہر آیا اور ولید کے کار میں اس کے گھر کی جانب چلا، میں نے اپنے ڈرائیور کو گاڑی گھر لے جانے کا کہہ دیا۔

آدھے گھنٹے کے سفر کے بعد ولید نے کار ایک خوبصورت سے بنگلے کے سامنے روکی اور ہارن بجایا تو بنگلے کا بڑا سا گیٹ کھل گیا ولید کار بنگلے کے اندر لے گیا باہر کی طرح بنگلہ اندر سے بھی بڑا خوبصورت تھا ہلکے نیلے رنگ کی بیرونی دیوار کے ساتھ سیاہ روش اور روش کے ساتھ ہری ہری گھاس کا خوبصورت امتزاج تھا۔ ولید نے کار روکی تو میں نے اپنی سائیڈ کا دروازہ کھولا اور نیچے سیاہ روش پر اتر گیا مجھ سے پہلے ہی ولید کار سے اتر چکا تھا میں ولید کی سرکردگی میں بنگلے کے اندرونی دروازے کی جانب بڑھا جہاں ایک بڑی عمر کے آدمی نے ہمارا استقبال کیا۔

"سر یہ میرے والد زریاب خان ہیں۔۔ اور ابو یہ پروفیسر اوصاف علی ہمدانی ہیں۔۔" ولید نے ہم دونوں کا ایک دوسرے سے تعارف کرایا، میں نے گرمجوشی سے ولید کے والد زریاب خان سے ہاتھ ملایا۔

پھر ہم تینوں بنگلے کے اندرونی دروازے کی جانب بڑھے دروازے کے سامنے پہنچتے ہی میں ٹھٹک کر رک گیا۔

"کیا ہوا سر؟" ولید نے مجھے اس طرح اچانک رکتے دیکھا تو پوچھا۔

"یہاں۔۔ یہاں کوئی روح ہے۔۔ لیکن۔۔" میں کہتے کہتے رک گیا۔

"لیکن کیا؟"

"لیکن وہ روح خطرناک نہیں ہے۔۔ بلکہ بے چین ہے۔۔۔ وہ روح کچھ کہنا چاہتی ہے۔۔۔ مظلوم ہے بے چاری۔" میں نے دروازے کے ساتھ دیوار پر ہاتھ پھیرتے ہوئے جواب دیا۔

"سر اندر آیئے۔۔" ولید نے اشارہ کیا تو میں نے قدم آگے بڑھا دیئے۔

"ایک کمرے میں فرش پر سفید بے داغ چادر بچھا

کر وہاں لوبان کی دھونی دے دو۔۔'' میں نے بنگلے کے اندر داخل ہوتے ہوئے ولید سے کہا تو ولید نوکر کو ہدایت دینے لگا۔

''آیئے سر۔۔'' ولید اور اس کے والد مجھے ایک کمرے میں لے کر گئے جہاں ایک عورت اور ایک آٹھ دس سال کا بچہ پہلے ہی سے موجود تھے۔ جیسے ہی میں کمرے میں داخل ہوا ان دونوں نے مجھے سلام کیا۔

''سر یہ میری والدہ ہیں اور یہ میرا شرارتی چھوٹا بھائی شایان ہے۔'' ولید نے ان دونوں کا تعارف کرایا، میں نے عورت کے سلام کا جواب دیا اور شایان سے ہاتھ ملایا اور اس سے باتیں کرنے لگا۔

''سر کیا پیجئے گا۔۔'' جب ہم سب اس کمرے میں رکھے صوفوں پر بیٹھ گئے تو ولید نے مجھ سے پوچھا۔

''کسی تکلف کی ضرورت نہیں ہے۔۔ ابھی ابھی یونیورسٹی سے چائے پی کر آرہا ہوں۔۔'' میں نے جواب دیا ''جلدی سے کمرہ سیٹ کروالو۔''

''میں کمرہ سیٹ کرواتی ہوں۔۔'' ولید کی والدہ نے کہا اور اٹھ کر کمرے سے باہر چلی گئیں تو ہم لوگ وہیں بیٹھ کر باتیں کرنے لگے میں ان سب سے اور خاص طور پر شایان سے روح کے متعلق جانکاری لیتا رہا۔

''کمرہ سیٹ ہو گیا ہے۔۔'' کچھ دیر بعد ولید کی والدہ نے آکر بتایا تو ہم سب کھڑے ہو گئے اور ولید کی والدہ کے پیچھے پیچھے اس کمرے میں پہنچے جہاں سفید بے داغ چادر بچھی تھی کمرے میں چاروں طرف لوبان کا دھواں پھیلا ہوا تھا میں نے گھر کے تمام نوکروں کو بھی اس کمرے میں بلوالیا اور سب کو دائرے کی صورت میں ہاتھ باندھ کر بیٹھا دیا اور پھر میں خود بھی اس دائرے میں ہاتھ باندھ کر بیٹھ گیا۔

''میں وظیفہ شروع کر رہا ہوں۔۔ وظیفے کے دوران جب تک میں نہ کہوں کوئی اس کمرے سے باہر نہیں جائے گا اور نہ ہی کوئی آواز نکالے گا۔۔ اور اگر دوران وظیفہ مجھے کچھ ہو یعنی مجھ پر لرزا طاری ہو یا میرے منہ ناک سے خون آنے لگے تو آپ لوگ گھبرانا نہیں۔۔ بس اس بات کا خاص خیال رکھنا کہ اس کمرے سے کوئی باہر نہ جائے۔۔'' میں نے سب لوگوں کی جانب دیکھتے ہوئے ہدایت کی تو سب اقرار میں سر ہلانے لگے۔

سب کو سمجھانے کے بعد میں بھی دائرے میں بیٹھ گیا اور زیر لب وظیفہ پڑھنے لگا اچانک مجھ پر لرزا طاری ہو گیا اور میرا جسم اکڑنا شروع ہو گیا میرا جسم اکڑتا جارہا تھا میں اپنے آپ کو کسی لکڑی کی مانند محسوس کررہا تھا میرے ہونٹ مسلسل ہل رہے تھے اور میں وظیفہ پڑھ رہا تھا۔

اچانک میرا اکڑتا ہوا جسم ڈھیلا پڑنے لگا میرے جسم میں تکلیف کی ناقابلِ برداشت لہریں گزرنے لگیں میں ضبط کیے وظیفہ پڑھتا رہا، میرا جسم اب مسلسل ڈھیلا پڑتا جارہا تھا میں آگے کی جانب جھک گیا میرے ذہن پر اندھیرا چھانے لگا تکلیف اتنی زیادہ تھی کہ مجھے لگتا تھا جیسے میرے جسم کے پرخچے اڑ گئے ہوں۔

پھر اچانک مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میں یک دم ہلکا پھلکا ہو گیا ہو مجھے ہر قسم کی تکلیف سے نجات مل گئی۔ میرا جسم کسی لطیف ہوا کی مانند ہو گیا ہو، میں دیوار کا سہارا لیے کھڑا تھا، میں نے سامنے کی جانب دیکھا سب لوگ سفید چادر پر ہاتھ باندھے نظریں نیچی کیے بیٹھے تھے اور ان سب لوگوں کے درمیان، میں جھکا ہوا بیٹھا تھا، میں سب لوگوں کے درمیان بھی بیٹھا ہوا تھا اور میں ہی دیوار کا سہارا لئے بھی کھڑا تھا، میرے باطنی جسم نے میرے ظاہری جسم کا ساتھ چھوڑ دیا تھا سب لوگ میرے بیٹھے ہوئے جسم کو دیکھ سکتے تھے مگر دیوار کے سہارے کھڑے جسم کو کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا۔

اسی وقت مجھے کسی چھوٹے بچے کے چیخنے کی آواز سنائی دی اور ساتھ ہی کسی بڑی عمر کے آدمی کے بھیانک قہقہے بھی سنائی دیئے، میں جلدی سے کمرے سے باہر نکلا اور بنگلے کے اندرونی حصے کی جانب چلا تو میں نے دیکھا کہ ایک سات آٹھ سال کا خوفزدہ سا معصوم بچہ بھاگ رہا ہے اور اس کے پیچھے دو غنڈہ شکل کے نوجوان قہقہے لگاتے ہوئے دوڑ رہے ہیں وہ بچہ بہت زیادہ ڈرا ہوا لگ رہا ہے جبکہ دونوں غنڈے اس بچے کے اس

طرح خوفزدہ ہو کر بھاگنے پر قہقہے لگا رہے ہیں۔

میں بھی ان لوگوں کے پیچھے دوڑا اچانک بنگلے کی ہیبت بدل گئی خوبصورت رنگ و روغن والی دیواروں کی جگہ کالی اور خستہ حال دیواروں نے لے لیں دیدہ زیب سامان کی جگہ کاٹھ کباڑ رکھا نظر آنے لگا خوبصورت سنگِ مرمر کے فرش کی جگہ کچا مٹی اور دھول سے بھرا فرش نمودار ہو گیا، میں نے حیران ہو کر ان تمام تبدیلیوں کو دیکھا اور پھر اس جگہ کی جانب چلا جہاں وہ خوفزدہ بچہ اور غنڈے گئے تھے۔

میں تھوڑا ہی آگے بڑھا تو میں نے دیکھا وہ دونوں غنڈے اس معصوم بچے کو پکڑ کر لا رہے ہیں، بچہ خوف سے چیخ رہا ہے اور بری طرح رو رہا ہے وہ دونوں غنڈے بچے کو لے کر ایک کمرے میں چلے گئے، میں بھی ان کے پیچھے کمرے میں داخل ہو گیا، کمرے میں ایک اور شخص موجود تھا جو شکل سے ہی جرائم پیشہ نظر آ رہا تھا۔

”استاد اس چھوٹے نے بہت تنگ کر رکھا ہے۔۔بتایئے اس کا کیا کریں۔۔؟“ بچے کو لانے والے غنڈوں میں سے ایک نے کمرے میں موجود شخص سے پوچھا جو ان کا باس تھا۔

”اس کو مار کے یہیں دفن کر دو۔۔“ باس نے حکم دیا۔

”کیوں باس کیا اس کے باپ نے تاوان نہیں دیا۔۔“

”پورا تاوان دے دیا ہے۔۔اس کے باپ نے۔۔“ باس نے اپنے پاس رکھے بریف کیس کو تھپتھپاتے ہوئے جواب دیا۔

”پھر۔۔پھر اس کو کیوں مارا جائے۔۔“ غنڈے باس کی بات سن کر حیران رہ گئے۔

”یہ بچہ کسی بھی جگہ ہم تینوں کو شناخت کر سکتا ہے لہٰذا۔۔اسے جان سے مرنا ہی پڑے گا۔۔“ باس نے کہا تو دونوں غنڈے سر ہلانے لگے بچہ باس کی بات سن کر زور زور سے رونے لگا مگر وہاں اس کی آواز سننے والا کوئی نہیں تھا اور بچہ غنڈوں سے رحم کی بھیک مانگنے لگا مگر ان غنڈوں کا دل نہیں پسیجا۔ پھر ایک غنڈے نے اپنی جیب سے پستول نکالا اور بچے کے ماتھے پر رکھا اور ایک بھیانک قہقہہ لگاتے ہوئے ٹریگر دبا دیا، پستول سے ایک گولی نکلی اور معصوم بچے کے ماتھے میں سوراخ ہو گیا اور وہ چیختا ہوا زمین پر گر کر تڑپنے لگا تھوڑی دیر میں بچے نے دم توڑ دیا تو غنڈوں نے اسی کمرے کے کچے فرش کو کھود کر بچے کی لاش اس گڑھے میں ڈال کر فرش دوبارہ برابر کر دیا۔

میں یہ ظلم دیکھ کر لرز اٹھا۔

اپنا کام ختم کر کے غنڈے وہاں سے چلے گئے تو میں اس گڑھے کی قریب آیا جہاں بچے کو دفن کیا گیا تھا اچانک مجھے ہلکی ہلکی سسکیوں کی آوازیں آنے لگیں میں نے دیکھا وہ بچہ کمرے کے ایک کونے میں بیٹھا رو رہا ہے۔

”تم مرنے کے بعد بھی اس دنیا ہی میں ہو۔۔اپنی دنیا میں کیوں نہیں گئے؟“ میں بچے کے قریب ہوتا ہوا بولا۔

”میری ہڈیوں کو یہاں سے نکالو۔۔یہاں میری بہت بے حرمتی ہوتی ہے۔۔مجھے بغیر نمازِ جنازہ کے دفنا دیا گیا تھا میری نماز پڑھاؤ تاکہ میری بے چین روح کو قرار آ سکے۔۔“ وہ بچہ پھر رونے لگا اور میری نظروں سے غائب ہو گیا۔

اسی وقت میرے جسم کو ایک زور کا جھٹکا لگا اور میں اپنے مادی وجود میں واپس آ گیا میرے منہ سے تکلیف دہ کراہیں نکل رہی تھیں۔

”سر۔۔سر آپ۔۔آپ خیریت سے ہے نا۔۔؟“ مجھے آنکھیں کھولتا دیکھ کر ولید نے مجھے سہارا دیا۔

”ہاں۔۔میں خیریت سے ہوں۔“ میں نے نحیف آواز میں جواب دیا۔

”سر کچھ معلوم ہوا؟“ تھوڑی دیر بعد ولید پھر گویا ہوا اس کے لہجے میں تجسس تھا۔

”ہاں سب معلوم ہو گیا۔۔“ میں ولید کا سہارا لے کر کھڑا ہو گیا ”ساتھ والے کمرے کے فرش کے نیچے ایک معصوم بچے کی بے گور و کفن لاش مدفون ہے فرش کھود کر اس لاش کو نکلواؤ اور اس کو کفن پہنا کر اس کی نماز

جنازہ پڑھا دا کرا سے قبرستان میں دفن کرا دو۔۔۔تو اس گھر پر سے روح کا سایہ ختم ہو جائے گا اور اس معصوم کی روح کو بھی چین آ جائے گا۔۔‘‘میں نے تفصیل سے جواب دیا۔

’’لاش۔۔‘‘ولید کے منہ سے نکلا۔

’’ہاں۔۔۔جب یہاں آبادی نہیں تھی تو یہ مکان کچھ جرائم پیشہ لوگوں کے استعمال میں رہا انہوں نے ہی اس معصوم کو قتل کر کے یہاں دفن کر دیا تھا۔۔‘‘میں نے جواب دیا میری بات سن کر ولید کے والد پولیس کو فون کرنے لگے کچھ دیر میں وہاں پولیس اور محلے کے چند معززین جمع ہو گئے۔کمرے کا فرش کھدوا گیا تو فرش کے نیچے سے ایک انسانی ڈھانچہ برآمد ہوا پولیس اس ڈھانچے کو اپنے ساتھ لے گئی۔

’’اس ڈھانچے کو پوری عزت واحترام کے ساتھ نماز جنازہ پڑھا کر دفن کر دینا اس طرح اس معصوم بچے کی روح کو قرار آ جائے گا اور تمہیں بھی سکون مل جائے گا۔۔‘‘پولیس کے جانے کے بعد میں نے ولید سے کہا۔

’’آپ کا بہت بہت شکریہ سر۔۔۔آیئے میں آپ کو گھر چھوڑ دیتا ہوں۔۔‘‘ولید نے مجھ سے کہا تو میں ولید کے والد سے ہاتھ ملا کر بنگلے سے باہر آ گیا۔

ولید مجھے میرے گھر کے باہر چھوڑ کر چلا گیا، جاتے جاتے اس نے ایک بار پھر میرا شکریہ ادا کیا جسے میں نے مسکرا کر وصول کیا ولید کے جانے کے بعد میں گھر میں داخل ہوا اور شرفو کو آوازیں دینے لگا۔

’’جی صاحب۔۔آپ آ گئے۔۔‘‘شرفو کسی جن کی طرح میری پہلی ہی آواز پر حاضر ہو گیا، شرفو میرا نوکر کم وفادار ساتھی زیادہ ہے وہ میرے پیچھے میرے گھر کو سنبھالتا ہے اور میری ساری ضرورتوں کو خیال رکھتا ہے کیونکہ شادی میں نے کی نہیں اور میرے بہن بھائی اپنے اپنے گھروں میں خوش ہیں میری پوری زندگی صرف روحوں کی معاملات حل کرنے ہی میں گزر گئی۔

’’شرفو۔۔میں نہانے جا رہا ہوں تم اچھی سی چائے بنا دو۔۔‘‘میں نے شرفو سے کہا’’دروازے کی آواز سن کر ہی میں نے چائے کا پانی چولھے پر رکھ دیا تھا آپ نہا کر آیئے چائے تیار ملے گی۔۔‘‘شرفو بولا اور الماری کھول کر مجھے تولیہ اور کپڑے دینے لگا۔

’’تھینک یو شرفو۔۔‘‘میں نے شرفو کا شکریہ ادا کیا اور باتھ روم کی جانب بڑھ گیا۔

کچھ دیر بعد میں نہا دھو کر فریش ہو کر شرفو کی بنائی عمدہ چائے پی رہا تھا کہ اطلاعی گھنٹی بجی اور بجتی چلی گئی۔

’’شرفو۔۔‘‘میں نے آواز لگائی تو شرفو تیز قدموں سے مرکزی دروازے کی جانب بڑھتا دکھائی دیا۔

’’کیا ملک الموت پیچھے لگی ہے جو اتنی جلدی میں ہے کہ گھنٹی سے انگلی ہی نہیں ہٹا رہی۔۔‘‘مجھے شرفو کی بڑبڑاہٹ سنائی دی تو میں بھی کوفت میں مبتلا ہو گیا کہ کون نامعقول شخص ہے جو ذرا دیر کو صبر نہیں کر رہا مسلسل گھنٹی بجائے جا رہا ہے۔

’’اوصاف۔۔۔اوصاف۔۔‘‘مجھے اپنے دیرینہ دوست زاہد کی آواز سنائی دی دروازے پر زاہد ہی تھا جو مسلسل گھنٹی بجائے جا رہا تھا۔

’’ادھر ہوں زاہد؟‘‘میں نے ہانک لگائی تو زاہد اسٹڈی روم میں داخل ہوا جہاں میں بیٹھا چائے پی رہا تھا۔

’’کیا ہوا زاہد۔۔‘‘میں نے زاہد کو افراتفری میں کمرے میں داخل ہوتے دیکھا زاہد کی حالت بہت ناگفتہ بہ تھی اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں اور وہ بہت پریشان لگ رہا تھا۔

میں نے جلدی سے چائے کا کپ رکھا اور اپنی جگہ سے اٹھ کر زاہد کو سہارا دیا اور اسے صوفے پر بیٹھایا۔

’’اوصاف۔۔۔اوصاف۔۔پلیز میری مدد کرو۔۔‘‘زاہد رو دیا۔

’’کیا ہوا زاہد۔۔۔پلیز مجھے بتاؤ۔۔‘‘میں نے زاہد سے کہا ساتھ ہی شرفو کو اشارہ کیا تو وہ ایک گلاس میں پانی لے آیا۔

’’لو یہ پانی پیو۔۔اور آرام سے بتاؤ مسئلہ کیا ہے؟‘‘میں نے گلاس زاہد کے ہونٹوں سے لگایا۔

’’وہ۔۔وہ سب کو مار ڈالے گا وہ سب کو اپنی دنیا

میں لے جائے گا۔۔" پانی پی کے زاہد بولا۔

"کون۔۔کون مار ڈالے گا۔۔؟" میں نے زاہد کی پیٹھ تھپتھپاتے ہوئے پوچھا۔

"اوصاف۔۔میری مدد کرو میری بیٹی اور میری نواسیوں کو بچالو۔۔" زاہد پھر رونے لگا۔

"شگفتہ بیٹی کو کوئی مسئلہ ہے؟" میں نے زاہد کی بیٹی کا نام لیا زاہد کی ایک ہی بیٹی ہے اور اس کی شادی نواب خاندان میں ہوئی ہے زاہد کے داماد نواب طاہر علی خان کا پچھلے دنوں ہی انتقال ہوا وہ بے چارہ اپنے گھر کے سوئمنگ پول میں ڈوب کر مر گیا۔

"اوصاف وقت بہت کم ہے۔۔تم میرے ساتھ چلو۔۔میں راستے میں تمہیں ساری باتیں بتادونگا۔۔" زاہد اپنے آپ کو سنبھالتا ہوا بولا۔

"مجھے کچھ تو بتاؤ۔۔تاکہ میں اس حساب سے تیاری کرسکوں۔۔" میں نے پریشان ہوکر زاہد سے کہا۔

"وہ۔۔وہ میرا داماد نواب طاہر کی روح واپس آ گئی ہے۔اور وہ اپنی چھوٹی بیٹی سوئیٹی کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتی ہے۔۔" زاہد بالآخر بول اٹھا۔

"کیا"

"ہاں طاہر مرنے کے بعد بھی سوئیٹی کے آس پاس منڈلاتا رہتا ہے اور۔۔وہ۔۔۔وہ سوئیٹی کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہے۔" آخر کار زاہد نے اپنے آپ کو سنبھال لیا۔

"اوہ۔۔" میرے منہ سے نکلا" ویسے طاہر کو اپنی چھوٹی بیٹی سے پیار بھی بہت تھا"

"ہاں۔۔سوئیٹی تو طاہر کی جان تھی دونوں باپ بیٹی میں بہت زیادہ پیار تھا۔۔مگر اب مرنے کے بعد بھی طاہر۔۔۔" زاہد کہتے کہتے رک گیا۔

"میں سمجھ گیا۔۔۔چلو میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔۔۔باقی تفصیل تم مجھے راستے میں بتانا۔۔" میں نے زاہد سے کہا اور اپنے کمرے سے چند ضروری سامان لیا اور شرفو کو ہدایات دیتا ہوا زاہد کے ساتھ اس کی گاڑی میں بیٹھ کر نواب طاہر علی کی حویلی کی جانب چل دیا۔

"اب مجھے تفصیل سے واقعات بتاؤ۔۔کہ کیا ہوا۔۔تم لوگوں کو کیسے علم ہوا کہ طاہر کی روح سوئیٹی کے آس پاس ہے؟" میں گاڑی کی سیٹ سے سر لگاتے ہوئے زاہد سے پوچھا۔

"تمہیں معلوم ہے پندرہ سال پہلے شگفتہ کی شادی نواب طاہر علی سے ہوئی تھی تم نے بھی شادی میں شرکت کی تھی۔۔" زاہد گاڑی چلاتے ہوئے کہنے لگا۔

"طاہر بہت اچھا شوہر ثابت ہوا شگفتہ اس کے ساتھ بہت خوش تھی روپے پیسے کی طاہر کو کوئی کمی نہ تھی اس کی آبائی زمینیں تھیں اور کئی جگہ اس نے پیسہ انویسٹ کیا ہوا تھا لہٰذا طاہر کو روپے پیسے کی کمی کا اندیشہ نہ تھا طاہر کو گھومنے پھرنے اور پرانی اینٹیک چیزیں جمع کرنے کا شوق تھا شگفتہ نے طاہر کے ساتھ ساری دنیا گھومی تھی شگفتہ اور طاہر کی دو بیٹیاں ہیں بڑی بیٹی تیرہ سال کی ٹینی جسے پیار میں ٹینا کہتے ہیں اور چھوٹی بیٹی مونا جسے پیار میں سوئیٹی کہتے ہیں طاہر کو اپنی دونوں بیٹیوں سے بہت پیار تھا مگر۔۔۔سوئیٹی میں تو طاہر کی جان تھی سوئیٹی اور طاہر ایک جان دو قالب والا محاورہ تھے۔

چھ ماہ قبل جب شگفتہ اپنی دونوں بیٹیوں کے ساتھ اپنے میکے یعنی میرے گھر آئی ہوئی تھی تو یہ بری خبر ملی کہ طاہر اپنی حویلی کے سوئمنگ پول میں ڈوب کر مر گیا اس خبر پر کسی کو یقین نہیں آیا پولیس کو بھی شک تھا کہ طاہر کو قتل کیا گیا ہے کیونکہ طاہر ایک بہترین تیراک بھی تھا، پولیس نے ہر لحاظ سے تفتیش کی مگر قتل کا کوئی سراغ نہیں ملا آخر کار طاہر کی موت کو حادثہ سمجھ کر پولیس نے فائل بند کردی۔

طاہر کی موت کا غم سب کو تھا مگر سوئیٹی کا حال سب سے زیادہ برا تھا وہ مسلسل روئے جا رہی تھی اس نے سب سے زیادہ طاہر کی موت کا اثر لیا مگر کب تک آخر اسے بھی قرار آ گیا۔

طاہر کی موت کے کوئی چار مہینے بعد ایک دن اچانک سوتے میں ٹینا کو سوئیٹی کی چیخ سنائی دی ٹینا ہڑبڑا کر اٹھ گئی ٹینا اور سوئیٹی ایک ہی کمرے میں سوتی ہیں ان کے بیڈ تھوڑے فاصلے سے رکھے ہیں تو ٹینا نے

جب سوئیٹی کی چیخ سنی تو وہ گھبرا کر اٹھ گئی اس نے دیکھا کہ سوئیٹی بری طرح چیخ رہی ہے اور کسی ان دیکھی طاقت سے لڑ رہی ہے ٹینا بوکھلا کر اپنے بیڈ سے نیچے اتری اور سوئیٹی کی جانب بڑھی، اسی وقت سوئیٹی اپنے بستر سے اوپر ہوئی اور کسی سہارے کے بغیر ہوا میں بلند ہوگئی، یہ دیکھ کر ٹینا بھی خوف کے مارے چیخنے لگی مگر پھر بھی ٹینا نے حواس برقرار رکھے اور چیختے ہوئے سوئیٹی کا فراک پکڑ کے اسے زور سے اپنی جانب کھینچا تو دونوں بہنیں ایک دوسرے میں گڈ مڈ ہوتی ہوئی کمرے کے فرش پر گر پڑیں، ٹینا نے دیکھا کہ سوئیٹی بہت بری طرح گھبرائی ہوئی ہے دونوں بہنوں کے چیخنے کی آوازیں سن کر شگفتہ اور گھر کے نوکر دوڑ کے ان کے کمرے میں پہنچے تو انھوں نے دیکھا ٹینا اور سوئیٹی کمرے کے فرش پر پڑی ہیں، انہوں نے سہارا دے کر دونوں بہنوں کو فرش پر سے اٹھایا، ٹینا اور سوئیٹی بہت خوفزدہ تھیں خاص طور پر سوئیٹی ۔۔۔ وہ بری طرح رو رہی تھی شگفتہ نے اسے پچکارا تو وہ روتے روتے شگفتہ سے چمٹ گئی۔

”ماما ۔۔۔ ماما ۔۔۔ وہ ۔۔۔ وہ کہہ رہا تھا کہ وہ ۔۔۔ وہ مجھے اپنی دنیا میں لے جائے گا ۔۔۔ ماما مجھے بچالو ۔۔“ سوئیٹی بری طرح سسکنے لگی۔

”کون ۔۔۔ کون لے جائے گا ۔۔“ شگفتہ نے حیرت سے پوچھا۔

”وہ ۔۔ وہ کالا سیاہ آدمی ۔۔۔ وہ ۔۔“ سوئیٹی صحیح طریقے سے کچھ بتا نہیں پائی۔

”ماما ۔۔ ماما ۔۔۔ دیکھیے اس نے میرے ہاتھ پر کتنی زور سے کاٹا ۔۔“ سوئیٹی نے اپنی دائیں کلائی دکھائی وہاں پر کسی کے دانتوں سے کاٹنے کے واضح نشان تھے سوئیٹی بری طرح سسک رہی تھی۔ شگفتہ نے دونوں بچیوں کو تسلی دی۔

اس واقعے کے بعد شگفتہ پریشان رہنے لگی اکثر اسے بھی حویلی میں کسی ان دیکھی وجود کا احساس ہوتا ایسا لگتا کہ کوئی ان دیکھی مخلوق بھی حویلی میں موجود ہے۔

پھر ایک دن سوئیٹی سوئمنگ پول کے کنارے بیٹھی تھی کہ اچانک اسے ایسا لگا جیسے کسی نے اسے دھکا دیا ہو اور وہ سوئمنگ پول میں گر گئی، سوئیٹی اچھی تیراک ہے لہٰذا وہ پانی میں تیرنے لگی مگر ۔۔۔ بقول سوئیٹی کہ اسے ایسا لگا جیسے کوئی اسے پانی کے اندر گھسیٹ رہا ہے سوئیٹی خوف سے چیخنے لگی اس کی چیخیں سن کر قریب کام کرتا نوکر فوراً پول میں کود گیا اور اس نے سوئیٹی کو سوئمنگ پول میں ڈوبنے سے بچایا، اس نوکر نے یہی بتایا کہ اسے پول کے پانی میں کچھ کالا کالا سا نظر آیا ۔۔ جیسے ایک ہیولا ۔۔۔ جو سوئٹی کی ٹانگیں پکڑ کر اسے پانی کے اندر گھسیٹ رہا تھا مگر نوکر کی بروقت کارروائی کی وجہ سے وہ کامیاب نہ ہو سکا ۔۔“ زاہد یہاں تک کہنے کے بعد خاموش ہوگیا اور گاڑی میں رکھی پانی کی بوتل سے منہ لگا کر پانی پینے لگا۔

”اس واقعے کے بعد شگفتہ نے کچھ عامل ٹائپ کے لوگوں کو بلوایا اور عمل وغیرہ کروائے مگر کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا“

”اوہ ۔۔“ میں بغور سن رہا تھا ”اچھا مجھے یہ بتاؤ کہ ۔۔ تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ ان سب کارگزاریوں کے پیچھے طاہر کی روح کا ہاتھ ہے ۔۔ ہوسکتا ہے کہ ان واقعات کے پیچھے کوئی اور ہو؟“ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد میں نے زاہد سے سوال کیا۔

”مجھے امید تھی تم یہ سوال ضرور کرو گے ۔۔“ زاہد نے جواب میں کہا تو میں اس کا منہ دیکھنے لگا۔

”سامنے ڈیش بورڈ کو کھولو ۔۔“ زاہد نے گاڑی چلاتے ہوئے مجھ سے کہا تو میں نے اپنے سامنے لگے ڈیش بورڈ کا ڈھکن کھولا۔

”ڈیش بورڈ میں کچھ تصاویر رکھی ہیں وہ نکال کر دیکھو ۔۔“ زاہد نے پھر کہا تو میں نے ڈیش بورڈ میں ہاتھ ڈالا اور جب میرا ہاتھ باہر آیا تو اس میں ایک لفافہ تھا میں نے لفافہ کھول کر دیکھا اس میں کچھ تصاویر تھیں میں نے تمام تصاویر لفافے سے باہر نکالیں۔

”یہ چار دن پہلے کی بات ہے ۔۔۔۔ اس دن سوئٹی کی سالگرہ تھی شگفتہ نے گھر میں ہی کیک بنایا اور

تھوڑا ہلا گلا کیا تاکہ بچیاں غم کی فضا سے باہر نکل سکیں اسی وقت یہ تصاویر کھینچی گئی تھیں انہیں بغور دیکھو۔۔تمہیں تمہارے سوال کا جواب مل جائے گا۔‘‘ زاہد نے کہا تو میں ایک ایک کر کے تصاویر دیکھنے لگا۔عام سی سالگرہ کی تصویریں تھیں سوئیٹی کیک کاٹ رہی تھی ٹینا،شگفتہ اور گھر کے نوکر اس تقریب کے مہمان تھے میں ہر تصویر کو غور سے دیکھنے لگا۔

اچانک میری آنکھیں پھیل گئیں ایک تصویر میں سوئٹی کے بالکل پیچھے ایک سفید ہیولا سا تھا، میں بغور اس ہیولے کو دیکھنے لگا ایسا لگتا تھا جیسے دھواں سا ہو۔۔میں نے اگلی تصویر دیکھی اگلی تصویر میں وہ سفید ہیولا زیادہ واضح تھا، میں بغور اس ہیولے کو دیکھ رہا تھا۔۔وہ واقعی طاہر کا ہیولا تھا۔۔وہ۔۔وہ بالکل سوئیٹی کے پیچھے کھڑا تھا اس سفید ہیولا کا چہرہ صاف نظر آرہا تھا وہ طاہر ہی تھا۔۔مگر طاہر کے چہرے پر اذیت کے آثار کیوں ہیں۔۔میں نے اگلی تصویر دیکھی تو میں حقیقتاً اچھل پڑا طاہر کے سفید ہیولے کے پیچھے ایک سیاہ ہیولا بھی تھا جو اپنے بھیانک ہاتھ سوئیٹی کی جانب بڑھا رہا تھا، میں بغور ساری تصویریں دیکھنے لگا۔

’’ان تصویروں کے بعد کوئی شک کی گنجائش نہیں رہتی کہ طاہر کی روح سوئیٹی کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتی ہے۔۔‘‘ زاہد بولا۔

’’ہاں۔۔بظاہر تو یہی لگتا ہے کہ سوئیٹی کی محبت میں طاہر دوسری دنیا سے واپس آگیا اور وہ سوئیٹی کو اپنے ساتھ اپنی دنیا میں لے جانا چاہتا ہے۔۔‘‘ میں نے تمام تصاویر لفافے میں ڈال کر واپس ڈیش بورڈ میں رکھ دی۔پھر میرے اور زاہد کے درمیان طویل خاموشی چھا گئی۔

’’میرا خیال ہے حویلی پہنچنے میں پانچ چھ گھنٹے تو لگ جائیں گے۔‘‘ کچھ دیر بعد میں نے خیال ظاہر کیا۔

’’ہاں اتنی دیر تو لگ جائیں گی۔۔‘‘

’’ایسا کرو۔۔سڑک کنارے کوئی اچھا ہوٹل یا ڈھابہ نظر آئے تو گاڑی وہاں روک دینا۔۔میں نے صبح ناشتے کے بعد سے کچھ نہیں کھایا بڑی زور کی بھوک لگ رہی ہے۔‘‘ میں نے پیٹ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

’’حویلی چل کر آرام سے کھالینا۔۔‘‘ زاہد گاڑی کا گیئر تبدیل کرتے ہوئے بولا۔

’’مجھے بھوک ابھی لگ رہی ہے۔۔تو تم چار گھنٹے بعد کا پروگرام بنا رہے ہو۔۔‘‘ میں نے منہ بنا کر کہا تو زاہد ہنسنے لگا پھر اس نے سڑک کنارے ایک صاف ستھرا ڈھابہ دیکھ کر گاڑی اس ڈھابے کے سامنے روک دی تو میں اور زاہد گاڑی سے اتر کر ڈھابے کے اندر چلے گئے۔

’’نکل یہاں سے۔۔پاگل دیوانہ۔۔جانے کہاں کہاں کے پاگل یہاں جمع ہو جاتے ہیں۔۔‘‘ ابھی ہم دونوں نے کھانا شروع ہی کیا تھا کہ مجھے ایک آواز سنائی دی، میں نے نظر اٹھا کر آواز کی سمت دیکھا ڈھابے کا ملازم ایک پاگل شخص کو دھکے دے کر ڈھابے سے باہر نکال رہا ہے وہ پاگل شائد ڈھابے کے مالک سے کھانا مانگ رہا تھا ملازم نے پاگل کو پھر ایک زور کا دھکا دیا تو وہ پاگل لڑکھڑاتا ہوا ہماری میز کے پاس زمین پر ڈھیر ہو گیا، میں نے کھانا چھوڑ کر جلدی سے اس پاگل شخص کو اٹھایا۔

’’مارتا ہے۔۔‘‘ پاگل شخص مجھ سے لپٹ گیا میں نے ہاتھ کے اشارے سے ملازم کو منع کیا اور اس پاگل کو اپنے ساتھ بیٹھا لیا۔

’’کھانا کھاؤ گے؟‘‘ میں نے اس پاگل سے پوچھا۔

’’ہاں۔۔ہاں۔۔‘‘

’’کیا کھاؤ گے۔۔‘‘ میں نے مسکرا کر اس پاگل سے پوچھا۔

’’سالم مرغی مانگ رہا ہے۔۔‘‘ ڈھابے کا ملازم جو کھڑا ہماری باتیں سن رہا تھا بول اٹھا۔

’’اچھا‘‘ میں مسکرا کر پاگل کی جانب متوجہ ہوا’’ مرغی کھاؤ گے؟‘‘

’’ہاں۔۔ہاں پوری۔۔‘‘ پاگل نے اپنے ہاتھوں سے مرغی کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

’’لاؤ۔۔سالم مرغی لے آؤ۔۔ہمارے شیخ صاحب کے لئے۔۔‘‘ میں نے ملازم سے کہا تو وہ

حیرت سے آنکھیں پھاڑے مجھے دیکھتا رہا۔

"بل میں دوں گا۔ تم سالم مرغی لے آؤ۔" میں نے حیرت سے آنکھیں پھاڑے ملازم کو دوبارہ کہا تو وہ بڑبڑاتا ہوا چلا گیا۔

"اوصاف۔۔ یہ تم۔۔" زاہد نے کچھ کہنا چاہا مگر میں نے ہاتھ اٹھا کر اسے بولنے سے روک دیا۔

تھوڑی دیر میں ملازم سالم مرغی لے آیا تو وہ پاگل چند منٹوں ہی میں مرغی چٹ کر گیا۔

"چائے پیو گے۔۔"؟ کھانا کھانے کے بعد میں نے اس سے پوچھا۔

"ہاں۔۔ہاں۔۔" وہ پاگل اپنی انگلیاں چاٹتا ہوا بولا۔

میں نے ڈھابے کے ملازم کو تین چائے لانے کا کہا چائے پی کر میں نے کاؤنٹر پر جا کر بل ادا کیا اور پھر میں اور زاہد ڈھابے سے باہر آ گئے ہمارے پیچھے پیچھے پاگل بھی ڈھابے سے باہر آ گیا۔

"اچھا بابا۔۔خدا حافظ۔۔" میں نے پاگل سے کہا پھر میں اور زاہد اپنی گاڑی کی جانب بڑھ گئے۔

"سن۔۔" مجھے اپنے پیچھے پاگل کی کرخت آواز سنائی دی تو میں بے ساختہ اس کی جانب دیکھنے لگا۔

"تو اچھا کام کر رہا ہے۔۔مگر۔۔مگر۔۔" وہ پاگل کہتے کہتے رک گیا۔

"مگر کیا۔۔بابا؟۔۔"

"اس مرتبہ تیرا پالا شیطان سے پڑا ہے۔۔۔اپنی آنکھیں کھلی رکھنا۔۔۔جو دکھتا ہے وہ ہوتا نہیں۔۔۔اور جو ہوتا ہے وہ دکھتا نہیں"

"میں سمجھا نہیں بابا۔" میں اس پاگل کی جانب بڑھا مجھے پہلے ہی احساس ہو رہا تھا کہ وہ شخص پاگل نہیں ہے۔

"دیکھنا۔۔۔من کی آنکھوں سے دیکھنا۔۔۔دھوکا ہے۔۔۔سب دھوکا ہے۔۔" وہ شخص یہ کہتا ہوا بھاگ کھڑا ہوا، میں پریشانی کے عالم میں زاہد کے پاس واپس آیا۔

"کیا کہہ رہا تھا وہ پاگل؟" زاہد نے مجھ سے پوچھا۔

"وہ پاگل نہیں تھا۔۔۔۔یہ بھیس تو ایک دکھاوا تھا دنیا سے چھپنے کا۔۔" میں بڑبڑایا۔

"کیا مطلب۔"

"مطلب وطلب چھوڑو اور جلدی سے گاڑی اسٹارٹ کرو، کہیں ہمیں حویلی پہنچتے ہوئے رات نہ ہو جائے۔۔" میں گاڑی میں بیٹھتے ہوئے بولا تو زاہد بھی گاڑی کا دروازہ کھول کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا اور آن کے آن میں گاڑی سیاہ کولتار کی سڑک پر دوڑنے لگی۔

جب ہم حویلی پہنچے تو شام کا جھٹپٹا چھا رہا تھا زاہد نے حویلی کے مین گیٹ کے سامنے گاڑی روکی اور ہارن دیا تو گیٹ پر کھڑے دربان نے حویلی کا بڑا سا گیٹ کھول دیا زاہد گاڑی حویلی کے گیٹ کے اندر لے گیا اور حویلی کے اندرونی دروازے کے سامنے گاڑی روکی۔

ابھی میں اور زاہد گاڑی سے پوری طرح سے اترے بھی نہ تھے کہ حویلی میں سے چیخنے کی آوازیں آنے لگیں۔

"یہ۔۔یہ شگفتہ کی آواز ہے۔۔" زاہد بے چینی سے بولا اور حویلی کے اندرونی حصے کی جانب دوڑ لگا دی، میں نے بھی زاہد کی تقلید کی اور اس کے پیچھے حویلی کے اندر کی جانب بھاگا زاہد حویلی کے اندر پہنچ کر اوپر جانے والی سیڑھیوں کی جانب لپکا کیونکہ چیخنے کی آوازیں اوپر سے آ رہی تھیں میں بھی زاہد کے پیچھے سیڑھیوں کی جانب بڑھا اور دو دو تین تین سیڑھیاں پھلانگتے ہوئے حویلی کی اوپری منزل پر پہنچا۔

"کیا ہوا۔۔کیا ہوا؟" زاہد نے اوپر ایک نوکرانی کو دیکھ کر پوچھا۔

"وہ۔۔وہ ادھر سویٹی بی بی۔۔۔وہ ادھر۔۔"

نوکرانی کے منہ سے بے ترتیب الفاظ نکلے وہ بے حد خوفزدہ تھی۔

ہم دونوں اس جانب دوڑ پڑے جس جانب نوکرانی نے اشارہ کیا تھا وہاں ایک کمرے کے بند دروازے کے سامنے شگفتہ کھڑی زور زور سے دروازہ پیٹ رہی تھی ساتھ ہی بلند آواز میں رو رہی تھی۔

"کیا ہوا۔۔کیا ہوا شگفتہ؟" زاہد نے شگفتہ کو

جھنجھوڑ ڈالا۔

"پپا۔۔پپا وہ سوئیٹی۔۔وہ۔۔" شگفتہ پھر رونے لگی۔

"کیا ہوا سوئیٹی کو۔۔۔" زاہد نے پوچھا اسی وقت کمرے سے سوئیٹی کے چیخنے کو آواز آئی۔

"وہ۔۔وہ۔۔سوئیٹی کو اس کمرے میں لے گیا ہے۔۔" شگفتہ بولی۔

شگفتہ کی بات سن کر میں نے کمرے کے دروازے کا لاک پکڑ کر گھمایا تا کہ دروازہ کھول سکوں مگر دروازہ اندر سے لاک تھا اسی وقت کمرے میں سے پھر سوئیٹی کی چیخنے کا آواز آئی ساتھ ہی ایسی غراہٹ بھی سنائی دے رہی تھی جیسے کوئی خونخوار جانور اپنے شکار کو دیکھ کر منہ سے نکالتا ہے۔

"اس۔۔اس دروازے کو توڑ دو۔۔" میں نے ساتھ کھڑے نوکروں سے کہا تو انہوں نے سوالیہ نظروں سے شگفتہ کی جانب دیکھا، شگفتہ نے روتے ہوئے اپنا سر ہلا کر انہیں اجازت دی تو وہ نوکر زور زور سے اپنے کندھے سے دروازے پر ٹکریں مارنے لگے کمرے میں سے مسلسل سوئیٹی کے چیخنے کی آواز آرہی تھی۔

دو چار ٹکروں سے دروازے کا لاک ٹوٹ گیا اور دروازہ کھل گیا سب سے پہلے میں کمرے میں داخل ہو اندر ملگجا سا اجالا تھا اس ملگجے اجالے میں، میں نے دیکھا کہ ایک بوری جس کا منہ بند ہے اس بند بوری کے اوپر ایک سیاہ ہیولا بیٹھا ہے بوری بری طرح ہل رہی ہے جیسے بوری میں کوئی جاندار بند ہے میں نے سب کو کمرے کے باہر ہی رکنے کا اشارہ کیا اور خود عمل پڑھتے ہوئے اس ہیولے کی جانب بڑھا میرے اس طرح بڑھنے پر وہ ہیولا بوری پر سے اترا اور تیزی کے ساتھ دیوار کی جانب بڑھا اور دیوار میں غائب ہو گیا، ہیولے کے غائب ہوتے ہی کمرے میں روشنی ہو گئی۔

روشنی ہوتے ہی میں دوڑ کر بوری کے پاس پہنچا اور بوری کھولی تو اس میں سے ایک سات آٹھ سال کی معصوم بچی ڈری سہمی نکلی۔

"سوئیٹی میری بچی۔۔" شگفتہ بچی کو دیکھتے ہی چیخی اور دوڑ کر اس سے لپٹ گئی۔

"ماما۔۔۔" سوئیٹی بری طرح رو رہی تھی۔ "ماما۔۔ماما مجھے بچالو۔۔وہ۔۔وہ کہہ رہا تھا کہ وہ مجھے اپنی دنیا میں لے جائے گا"

"کون۔۔۔کون کہہ رہا تھا۔۔" میں نے پیار سے سوئیٹی کے سر پر ہاتھ رکھا تو سوئیٹی سوالیہ نظروں سے اپنی ماں کی جانب دیکھنے لگی۔

"یہ آپ کے نانا ابو کے دوست ہیں۔۔۔۔"

شگفتہ نے میرا تعارف سوئیٹی سے کروایا۔

"میں صرف آپ کے نانا ابو کا دوست ہی نہیں۔۔آپ کا بھی نانا ہوں۔۔" میں نے مسکرا کر جواب دیا۔

"کون آپ کو لے جانے کی باتیں کر رہا تھا۔۔"

کچھ دیر بعد جب سوئیٹی کے حواس قابو میں آگئے تو میں نے سوئیٹی سے سوال کیا۔

"وہ۔۔وہ کالا بونا۔۔۔" سوئیٹی کراہیت سے بولی۔

"کیا وہ آپ کے پپا ہیں؟" شگفتہ نے سوئیٹی سے پوچھا۔

"نہیں۔۔۔نہیں۔۔وہ تو پپا کو بھگا دینا چاہتا ہے۔۔وہ۔۔وہ کوئی اور ہے۔۔۔" سوئیٹی کے جملوں میں ربط نہیں تھا۔

"کون بھگا دینا چاہتا ہے۔۔" شگفتہ نے پھر پوچھنا چاہا مگر میں نے ہاتھ کے اشارے سے شگفتہ کو منع کر دیا کیونکہ سوئیٹی کی ذہنی حالت اچھی نہیں لگ رہی تھی۔

"سوئیٹی بیٹے کو زیادہ پریشان مت کرو۔۔" میں نے مسکرا کر شگفتہ کو تنبیہہ کی۔

"شگفتہ سوئیٹی بیٹی کو آج تم اپنے ساتھ ہی سلا لینا۔۔اسے لے جاؤ اور آرام کرو۔۔" میں نے ملائم لہجے میں شگفتہ سے کہا تو شگفتہ اپنی دونوں بیٹیوں کو خود سے چمٹا کر کمرے سے باہر چلی گئی۔

"کیا کوئی اور ہے جو سوئیٹی کو اپنے ساتھ دوسری دنیا میں لے جانا چاہتا ہے؟" جب سب لوگ کمرے سے چلے گئے تو زاہد نے مجھ سے پوچھا۔

''جو دِکھتا ہے وہ ہوتا نہیں۔۔۔اور جو ہوتا ہے وہ دِکھتا نہیں۔۔۔'' میں نے فکرمندی والے لہجے میں زاہد کو جواب دیا، میں مسلسل سوچوں میں ڈوبا ہوا تھا کہ آخر اس حویلی میں کھیل کیا چل رہا ہے۔

''بہت زیادہ تھکن ہوگئی ہے کیا خیال ہے ہم لوگ بھی آرام نہ کرلیں۔۔'' کچھ دیر بعد زاہد جمائی لیتے ہوئے بولا۔

''ہاں میرا ابھی یہی خیال ہے جسم تر وتازہ ہوگا تو دماغ بھی پوری طرح کام کرے گا۔۔'' میں نے جواب دیا تو زاہد کھڑا ہوگیا اس کے ساتھ میں بھی کھڑا ہوگیا اور پھر ہم دونوں گیسٹ روم کی جانب بڑھ گئے۔

''تمہارا کیا خیال ہے کیا ان سب واقعات کے پیچھے طاہر کی روح ہے''؟ بستر پر لیٹے لیٹے زاہد نے مجھ سے سوال کیا۔ گیسٹ روم میں ہم دونوں نے اپنے بستر ایک ہی کمرے میں لگا لئے تھے تاکہ آپس میں بات چیت کرسکیں۔

''کچھ کہہ نہیں سکتا کیونکہ اس گھر میں روح کے علاوہ بھی کچھ اور قوتیں کارفرما ہیں۔۔'' میں نے جواب دیا۔

''کچھ اور قوتیں۔۔مطلب؟''

''مطلب۔۔اس حویلی میں کچھ شیطانی طاقتیں بھی ہیں اور وہ شیطانی طاقتیں کیا کررہی ہیں اور کیا چاہتی ہیں یہ معمہ ابھی حل طلب ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

''میں تمہاری بات سمجھ نہیں سکا'' زاہد الجھن زدہ لہجے میں بولا۔

''اچھا یہ باتیں چھوڑو۔۔۔اور مجھے یہ بتاؤ طاہر کی سرگرمیاں کیا تھیں؟'' میں نے بات کا رخ موڑا۔

''طاہر کی کچھ خاص سرگرمیاں نہیں تھیں وہ جدی پشتی نواب تھا کافی جاگیر تھی اس کی لہٰذا وہاں سے معقول آمدنی ہوتی تھی طاہر کو گھومنا پھرنا اور اینٹیک Antique چیزیں جمع کرنے کا شوق تھا'' زاہد نے تفصیل سے جواب دیا۔

''طاہر کو کوئی جادو ٹونا۔۔یا روح وغیرہ کو قابو کرنے کا شوق تو نہیں تھا؟'' میں نے پھر پوچھا۔

''قطعی نہیں۔۔۔وہ عملی انسان تھا اور یہ جادو ٹونا وغیرہ کو بالکل نہیں مانتا تھا'' زاہد نے جواب دیا تو میں سوچ میں پڑ گیا آخر وہ سیاہ ہیولا کیا تھا وہ سیاہ ہیولا کسی بھی طرح کوئی روح نہیں تھی مجھے اس حویلی میں شیطانی طاقتوں کا بھی احساس ہورہا ہے۔۔اس حویلی کی فضا یک دم بوجھل اور غم انگیز ہے حویلی کے مکین ایک دوسرے سے ڈرے ڈرے تھے اور حویلی کا ہر شخص خوف سے سہما ہوا تھا اور یہ شیطانی طاقتوں کا خاص ہتھیار تھا جب انسان ان شیطانی طاقتوں سے ڈرتا ہے تو ان شیطانی طاقتوں کی قوت میں اضافہ ہوتا ہے اور اگر کوئی انسان ان شیطانی طاقتوں کے سامنے بلاخوف وخطر کھڑا ہوجائے تو ان شیطانی طاقتوں کی قوت کم ہوجاتی ہے وہ شیطانی طاقتیں صرف اسی انسان کو نقصان پہنچاسکتی ہیں جو ان سے ڈرتا ہو، وہ صرف خوف زدہ اور ڈرے سہمے انسان پر ہی اپنی قوت آزماتی ہیں۔

یہ سب سوچتے ہوئے میں سوگیا صبح سویرے اٹھ کر عبادت کرکے حویلی کے لان میں تھوڑی دیر بیٹھا رہا ،اتنی دیر میں حویلی کے دیگر لوگ بھی جاگ گئے۔

نہا دھو کر فریش ہوکر جب میں ڈائننگ ہال میں پہنچا تو سب لوگ ڈائننگ ٹیبل کے گرد بیٹھے میرا انتظار کررہے تھے۔۔

''سوری۔۔سوری... مجھے تھوڑی دیر ہوگئی'' میں ڈائننگ ٹیبل کے گرد بچھی کرسیوں میں سے ایک کرسی پر بیٹھتا ہوا بولا۔

شگفتہ نے مجھے چائے کا کپ پکڑایا۔ میں نے چائے کا کپ اٹھالیا۔

'' اوصاف۔۔۔تم اپنا روحوں والا عمل کب کروگے۔۔؟'' ناشتے کے بعد زاہد نے مجھ سے پوچھا۔

''عمل میں آج ہی کرونگا مگر اس عمل سے پہلے میں سوئیٹی بیٹی سے کچھ باتیں کرنا چاہونگا'' میں نے جواب دیا۔

ناشتے کے بعد ہم سب ڈرائنگ روم میں آگئے میں نے سوئیٹی کو صوفے پر بیٹھایا اور اس کے سامنے دوسرے صوفے پر خود بیٹھ گیا باقی لوگوں کو میں نے

کمرے کے ایک کونے میں کھڑے رہنے کا کہا اور ساتھ ہی انہیں ہدایت کی کہ کوئی میری اور سوئیٹی کی بات چیت میں دخل نہیں دے گا۔

''ہیلو سوئیٹی بیٹا۔۔۔کیسی ہیں آپ؟'' میں نے مسکرا کر سوئیٹی سے پوچھا۔

''ٹھیک ہوں انکل'' سوئیٹی نے مردہ مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

''سوئیٹی۔۔۔آپ مجھے اپنا دوست سمجھیں'' میں نے مسکرا کر سوئیٹی کی جانب دوستوں کی طرح ہاتھ بڑھایا تو سوئیٹی نے دوستوں کی طرح میرے ہاتھ پر ہاتھ مارا مگر اس کے انداز میں جھجک تھی میں سوئیٹی کی جھجک ہی ختم کرنا چاہ رہا تھا تاکہ وہ مجھ سے کھل کر گفتگو کر سکے، میں نے اس سے اس کے مشاغل اور اسکول کی باتیں شروع کر دی تاکہ سوئیٹی کی جھجک ختم ہو سکے کچھ دیر بات چیت کے بعد سوئیٹی مجھ سے کافی بے تکلف ہو گئی۔

''سوئیٹی بیٹا۔۔آپ کو حویلی میں اپنے آس پاس کیا نظر آتا ہے؟'' میں مطلب کی بات پر لوٹا۔

''وہ۔۔وہ انکل۔۔'' سوئیٹی کہتے کہتے رک گئی۔

''شاباس بتایئے'' میں نے سوئیٹی کو حوصلہ دیا۔

''مم۔۔میں بتاؤں گی۔۔تو آپ مجھے پاگل سمجھیں گے'' سوئیٹی بے یقینی سے بولی۔

''میں کیوں آپ کو پاگل سمجھوں گا؟۔۔بتایئے آپ کو حویلی میں کیا نظر آتا ہے؟'' میں نے پھر پوچھا۔

''انکل۔۔مجھے اکثر پپا نظر آتے ہیں'' سوئیٹی نے جھجکتے ہوئے کہا۔

''ہوں''

''وہ۔۔وہ مجھے دیکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میں ان کے ساتھ ان کی دنیا میں چلوں۔۔مگر۔۔۔۔۔'' سوئیٹی کہتے کہتے رک گئی۔

''مگر کیا؟''

''اکثر ایسا لگتا ہے وہ پپا نہیں ہیں۔۔۔بلکہ کوئی اور ہے پھر ایک اور۔۔۔'' سوئیٹی کہتے کہتے رک گئی اس کی آنکھیں اوپر کو چڑھنے لگیں اس کے چہرے کا رنگ بدلنے لگا اور وہ صوفے پر بیٹھے بیٹھے زور زور سے ہلنے لگی اس کے منہ سے غراہٹ کی آواز نکل رہی تھی۔

''میں۔۔سوئیٹی کو اپنی دنیا میں لے جاؤں گا۔۔۔تم اسے نہیں بچا سکتے'' اچانک سوئیٹی کے منہ سے ایک عجیب سی بھیانک آواز نکلی، سوئیٹی کے منہ سے اتنی بھیانک آواز سن کر سب پریشان ہو گئے۔

''کون ہو تم؟'' میں نے پوچھا۔

''میں طاہر کی روح ہوں''

''تم کیا چاہتے ہو؟'' میں نے پھر پوچھا۔

''میں سوئیٹی کو لے جانا چاہتا ہوں۔۔'' سوئیٹی کے منہ سے بھیانک آواز میں جواب آیا اور اس کے ساتھ ہی سوئیٹی کے جسم کو پھر ایک زور کا جھٹکا لگا اور وہ بری طرح لرزنے لگی تو زاہد اور شگفتہ آگے بڑھے تاکہ سوئیٹی کو سنبھال سکیں مگر میں نے انہیں ایسا کرنے سے روک دیا، سوئیٹی کا جسم بری طرح صوفے پر اچھل رہا تھا اس کے منہ سے عجیب بے معنی الفاظ نکل رہے تھے۔

''یہ جھوٹ بول رہا ہے۔۔۔بچاؤ سوئیٹی کو بچاؤ'' سوئیٹی کے منہ سے ایک اور اجنبی آواز برآمد ہوئی۔

''کون ہو تم؟'' میں دوسری آواز سن کر حیران رہ گیا۔

''میں۔۔میں ط۔۔طا'' اسی وقت سوئیٹی کے جسم کو زور کا جھٹکا لگا اور وہ اچھل کر صوفے سے نیچے گر پڑی اور بے سدھ ہو گئی، میں تیزی کے ساتھ اپنی جگہ سے اٹھا اور سوئیٹی کی جانب بڑھا اور سوئیٹی کی نبض دیکھنے لگا، زاہد اور شگفتہ بھی سوئیٹی کے قریب آ گئے شگفتہ سوئیٹی کی حالت دیکھ کر رونے لگی۔

''یہ بے ہوش ہو گئی ہے۔۔'' میں نے سوئیٹی کو زمین پر سے اٹھا کر صوفے پر لٹایا اور پھر پانی لیکر سوئیٹی کے چہرے پر ڈالنے لگا، چہرے پر پانی پڑنے کی وجہ سے سوئیٹی کو ہوش آ گیا۔

''آپ ٹھیک ہیں سوئیٹی بیٹا؟'' میں نے سوئیٹی کو سہارا دے کر صوفے پر بیٹھا دیا۔

''ہاں۔۔ہاں'' سوئیٹی کے منہ سے نقاہت بھری آواز نکلی اب یہ آواز سوئیٹی ہی کی تھی اس کا

مطلب کہ جس روح نے سوئیٹی پر قبضہ کیا تھا وہ سوئیٹی کو چھوڑ کر جا چکی تھی۔

سوئیٹی کو ہوش میں آتا دیکھ کر شگفتہ تیزی کے ساتھ آگے بڑھی اور سوئیٹی کو گلے لگا کر رونے لگی۔

''شگفتہ بیٹی حوصلہ کرو۔۔سب ٹھیک ہو جائے گا'' زاہد نے شگفتہ کو تسلی دی۔

''طاہر۔۔۔طاہر خدا کے واسطے۔۔ہمارا پیچھا چھوڑ دو۔۔چلے جاؤ یہاں سے۔۔'' شگفتہ روتے روتے کمرے کی دیواروں کی جانب دیکھتے ہوئے التجائی انداز میں کہنے لگی جیسے وہ طاہر کی روح سے مخاطب ہو۔

''شگفتہ بیٹی حوصلہ رکھو۔۔'' زاہد نے ایک بار پھر شگفتہ کو تسلی دی۔

''شگفتہ بیٹی تم سوئیٹی کو یہاں سے لے جاؤ۔۔'' میں نے شگفتہ سے کہا تو وہ سوئیٹی کو سہارا دے کے اپنے کمرے میں لے جانے لگیں۔

اچانک مجھے کڑ کڑ کی آوازیں آئیں آواز بہت مدھم تھی مگر مسلسل آ رہی تھیں، میں نے آواز کی سمت دیکھا تو میری نظریں چھت کی جانب اٹھ گئیں۔اور میں دھک سے رہ گیا کیونکہ چھت پر لگا شیشے کا بڑا سا فانوس کنڈے سے نکل رہا تھا، میں نے نیچے دیکھا، فانوس کے ٹھیک نیچے سوئیٹی کھڑی تھی میں نے چیختے ہوئے چھلانگ لگائی اور سوئیٹی کو زور کا دھکا دیا، میرے دھکے کی وجہ سے سوئیٹی لڑکھڑا کر دور جا گری اسی وقت فانوس بھی کنڈے سے نکل گیا اور فرش کی جانب آ رہا میں نے فوراً کروٹ بدل کر فانوس سے بچنا چاہا۔۔۔مگر فانوس کا نوکیلا شیشہ میری پنڈلی میں گھس گیا میرے منہ سے ایک تیز چیخ نکلی اور میں درد سے تڑپنے لگا۔زاہد اور شگفتہ یہ صورتحال دیکھ کر گھبرا گئے شگفتہ نے جلدی سے زمین پر گری سوئیٹی کو سنبھالا اور زاہد دوڑ کر میرے پاس آیا۔

''اوصاف۔۔اوصاف تم ٹھیک ہو؟''

میں اٹھ کر بیٹھ گیا میری پنڈلی سے بھل بھل خون بہہ رہا تھا، میں نے دانت بھینچ کر اپنی پنڈلی میں گھسے شیشے کے ٹکڑے کو پنڈلی سے کھینچ کر نکالا تو خون بہنے کی رفتار یکدم بڑھ گئی میں نے جلدی سے اپنے دونوں ہاتھوں سے پنڈلی پر اس جگہ جہاں زخم لگا تھا اس حصے کو اپنے ہاتھوں سے دبا لیا تاکہ خون بہنا رک سکے۔

''اوصاف۔۔اوصاف۔۔تم کافی زخمی ہو'' زاہد میرے پیر کو دیکھتے ہوئے۔

''سوئیٹی کو دیکھو۔۔وہ صحیح ہے''؟ میں زاہد سے کہا اور سوئیٹی کی جانب دیکھا جو شگفتہ کا سہارا لیکر کھڑی ہو گئی تھی شکر ہے سوئیٹی کو کوئی زخم نہیں آیا تھا۔

''شگفتہ تم سوئیٹی کو یہاں سے لے جاؤ'' میں نے شگفتہ سے کہا تو شگفتہ سوئیٹی کو سہارا دے کر کمرے سے باہر کی جانب چلی گئی۔

''ہاہاہا'' اسی وقت کمرے میں ایک بھیانک قہقہہ گونجا ساتھ ہی کمرے کی ایک دیوار پر سیاہ دھواں سا دکھائی دینے لگا ''کوئی نہیں روک سکتا مجھے۔۔میں سوئیٹی کو لے جاؤں گا۔۔'' اسی کے ساتھ سیاہ دھواں غائب ہو گیا۔

''یہ۔۔یہ کیا تھا''؟ زاہد بے قرار ہو گیا۔

''زاہد ڈاکٹر کو فون کرو خون مسلسل بہہ رہا ہے'' میں نے زاہد کی توجہ اپنی زخمی ٹانگ کی جانب دلائی تو زاہد جلدی سے ڈاکٹر کو فون کرنے لگا۔

تھوڑی دیر میں ڈاکٹر آ گیا اس نے میرے زخم کا معائنہ کیا اور زخم صاف کر کے اس پر بینڈیج کر دی۔

''زخم بہت گہرا ہے۔۔اسے بھرنے میں کم از کم ہفتہ دس دن لگ جائیں گے۔۔۔جب تک آپ مکمل بیڈ ریسٹ کیجئے گا'' ڈاکٹر نے بینڈیج کرنے کے بعد ہدایات دی۔

''ایک ہفتہ۔۔مگر ڈاکٹر میں ایک ہفتہ کیسے آرام کر سکتا ہوں؟۔۔میں یہاں مہمان ہوں'' میں نے ڈاکٹر کی ہدایات سننے کے بعد کہا۔

''اگر آپ یہاں آرام نہیں کر سکتے تو ہسپتال میں داخل ہو جائیے۔۔کیونکہ اگر آپ نے اپنی ٹانگ ہلانے کی کوشش کی تو یہ زخم بگڑ کر ناسور بھی بن سکتا ہے'' ڈاکٹر میری بات سن کر بولا۔

''آپ فکر نہ کریں ڈاکٹر۔۔میں اسے بستر سے

ملنے بھی نہیں دونگا'' زاہد جلدی سے بولا۔

''زاہد تم۔۔۔'' میں نے کہنا چاہا مگر زاہد نے میری بات پوری نہ ہونے دی۔

''اوصاف۔۔یہ زخم تمہیں ہماری ہمدردی میں لگا ہے لہٰذا تمہاری تیمارداری ہمارا فرض ہے''

''ابو صحیح کہہ رہے ہیں انکل۔۔۔پلیز آپ مکمل آرام کیجئے'' شگفتہ جو ابھی کمرے میں داخل ہوئی تھی زاہد کی بات سن کر بولی۔

''شگفتہ بیٹی۔۔سوئیٹی کو اکیلا مت چھوڑو'' میں شگفتہ کو کمرے میں دیکھ کر بولا۔

''انکل میں آپ کی طبیعت پوچھنے آئی تھی'' شگفتہ بولی ''میں ٹھیک ہوں'' میں نے جواب دیا تو شگفتہ واپس چلی گئی۔

''میں نے دوائیاں لکھ دی ہیں آپ انہیں منگوا لیں'' ڈاکٹر نے نسخہ زاہد کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا اور اپنا ڈاکٹری بیگ سنبھال کر چلا گیا۔

''میں کسی کو بھیج کر دوائیاں منگواتا ہوں'' زاہد بھی یہ کہتا ہوا کمرے سے چلا گیا۔

میں خاموشی سے لیٹا ہوا تمام حالات پر غور کر رہا تھا اس حویلی میں اب تک ہونے والے واقعات عقل سے ماورا تھے۔۔۔میں نے باپ بیٹی کی محبت کی بڑی داستانیں سنی ہیں مگر اتنی شدید محبت کہ باپ مرنے کے بعد بیٹی کو لینے دوسری دنیا سے چلا آیا میرے لئے یہ اچنبھے کی بات تھی میں جتنا اس بات پر غور کر رہا تھا اتنا الجھ رہا تھا اسی وقت زاہد کمرے میں داخل ہوا اس کے ہاتھ میں دوائیوں کا لفافہ تھا اس نے دوائیاں میرے سرہانے رکھی اور پھر ایک گلاس میں پانی بھر کر لایا اور ایک ایک کر کے کئی دوائیاں مجھے کھلائی اور پھر سونے کی ہدایت کی دوائیوں میں شائد نیند کی گولی بھی تھی لہٰذا تھوڑی دیر میں، میں بے سدھ سو گیا۔

جب میری آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا کہ زاہد میری مسہری کے سرہانے کرسی ڈالے بیٹھا ہے اس کا سر اس کے اپنے سینے پر جھکا ہوا ہے اور اس کی آنکھیں بند ہیں زاہد کی حالت دیکھ کر بے ساختہ مجھے ہنسی آ گئی میری ہنسی کی آواز سن کر زاہد کی آنکھ کھل گئی اور وہ مجھے جاگتا دیکھ کر جلدی سے کرسی سے کھڑا ہوا اور میرے قریب آیا۔

''اب طبیعت کیسی ہے؟''

''اب بہتر محسوس کر رہا ہوں مگر پیر میں درد بہت ہے'' میں نے جواب دیا۔

''زخم بہت گہرا ہے'' زاہد بولا پھر کچھ دیر توقف کے بعد کہنے لگا ''بھوک لگ رہی ہے''؟

''ہاں''

میرا جواب سن کر زاہد کمرے سے باہر چلا گیا اور تھوڑی دیر بعد واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں سوپ کا بڑا سا پیالہ تھا سوپ کا پیالہ اس نے مسہری کے سائیڈ ٹیبل پر رکھا اور پھر مجھے سہارا دے کر اٹھایا اور تکیئے کے سہارے مسہری پر بیٹھا دیا پھر اس نے ایک تکیہ میرے پیر کے نیچے رکھا تاکہ ہلنے جلنے میں زخم کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔

''میں تمہیں سوپ پلا دیتا ہوں'' زاہد سوپ کا پیالہ اٹھاتے ہوئے بولا۔

''رہنے دے بھائی۔۔۔کیوں میری عادتیں خراب کر رہا ہے۔۔ہم ٹھہرے چھڑے چھانٹ آدمی۔۔بعد میں کون ہماری خدمتیں کرے گا۔'' میں نے مسکرا کر کہا اور سوپ کا پیالہ زاہد کے ہاتھ سے لے کر خود سوپ پینے لگا۔

''برسوں سے کہہ رہا ہوں کہ شادی کر لے۔۔مگر تو نے میری بات نہ مان کر دی'' زاہد مجھے دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''میری زندگی اتنے خطروں میں گھری رہتی ہے کہ بس۔۔۔مجھے نہیں معلوم کب کسی شیطان یا کسی بدروح کا وار مجھ پر چل گیا تو۔۔۔۔۔اور پھر میرے پاس وقت ہی کہاں ہے بیوی کے لئے۔۔۔۔بے چاری چار دن میں بور ہو جاتی اور پھر لڑائی جھگڑے۔۔۔اس سے بہتر ہے کہ ہم اکیلے ہی بھلے۔۔۔ہماری تو ساری زندگی ان بدروحوں سے لڑتے جھگڑتے گزر گئی شادی کرنے اور بیوی سے لڑنے کا موقع ہی نہیں مل سکا۔''

میں نے زاہد کو تفصیل سے جواب دیا شادی کے موضوع پر میری اور زاہد کی لڑائی جوانی سے ہو رہی ہے وہ ہر وقت مجھے نصیحت کرتا رہتا ہے کہ میں شادی کرلوں اور میں شادی سے دور بھاگتا ہوں۔

''بہت سے لوگ مصروف رہتے ہیں۔۔۔آخر وہ لوگ بھی تو شادیاں کرتے ہیں'' زاہد جھنجلا کر بولا۔

''ان لوگوں کی اور میری مصروفیت میں بہت فرق ہے۔۔۔یہ روح بدروح۔۔۔شیطانی بلائیں جادو ٹونا۔۔کیا کوئی ہوش مند عورت کسی ایسے مرد سے شادی کرنا پسند کرے گی جو کہ ان چیزوں میں گھرا رہتا ہو'' میں نے سوپ پیتے ہوئے زاہد کو جواب دیا۔

اس سے پہلے کہ زاہد کوئی جواب دیتا باہر سے شور کی آواز آنے لگی۔

''یہ شور کیسا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''دیکھتا ہوں'' زاہد نے جواب دیا اور اٹھ کر کمرے سے باہر چلا گیا میں چپ چاپ سوپ پینے لگا۔

تھوڑی دیر بعد زاہد واپس آیا تو وہ اکیلا نہیں تھا اس کے ساتھ وہ فقیر تھا جس کے کھانے کا بل ہم نے ڈھابے پر دیا تھا۔

''یہ اندر آنا چاہتا تھا مگر دربان اسے آنے نہیں دے رہا تھا اس لئے دونوں جھگڑ رہے تھے'' زاہد نے کمرے میں داخل ہو کر کہا۔

''بابا آپ۔۔۔'' میں نے بستر سے اٹھنا چاہا مگر پیر میں شدید درد کی وجہ سے نڈھال ہو کر بستر پر گر گیا۔

''اس کا وار کامیاب ہو گیا۔۔۔مگر جیت تیرا نصیب ہے۔۔۔تو غور کر۔'' بابا نے بے ربط جملے کہے۔

''بابا آپ بتایئے اس پر کیسے فتح پائی جائے'' میں نے ادب سے پوچھا۔

''وہ شیطان ہے۔۔۔بہت طاقتور ہے۔۔۔مگر تو ۔۔تو اس سے بھی زیادہ طاقتور ہے۔۔۔بس من کی آنکھیں کھلی رکھ۔۔۔جو دِکھتا ہے وہ ہوتا نہیں ہے اور جو ہوتا ہے وہ دِکھتا نہیں ہے۔۔۔سمت سیدھی کر۔۔فتح تیری ہی ہوگی'' بابا نے آنکھیں بند کر کے جملے ادا کئے پھر آنکھیں کھولیں اور میری زخمی ٹانگ کی جانب آئے اور میرے زخم پر آہستہ آہستہ ہاتھ پھیرنے لگے پھر اچانک انہوں نے دونوں ہاتھوں سے میری ٹانگ کو جہاں پر زخم تھا اس حصے کو زور سے دبایا تو میری چیخ نکل گئی۔

''تکلیف سہنی پڑتی ہے'' بابا نے کہا اور بڑبڑاتے ہوئے کمرے سے باہر جانے لگے'' من کی آنکھیں کھول۔۔جو دِکھتا ہے وہ ہوتا نہیں''

بابا یہ کہتے ہوئے کمرے سے باہر چلے گئے، میں جلدی سے بستر سے نیچے اترا اور بابا کو آوازیں دیتا ہوا ان کے پیچھے دوڑا مگر نہ جانے بابا آن کی آن میں کہاں چلے گئے، میں دوڑتا ہوا گیٹ تک آیا مگر بابا نہیں ملے میں واپس کمرے میں آیا تو زاہد مجھے حیرت سے دیکھنے لگا۔

''اوصاف تم۔۔۔تم زخمی حالت میں اس فقیر کے پیچھے بھاگے'' زاہد کے کہنے پر مجھے اپنے زخمی ہونے کا خیال آیا۔۔مگر اب میری ٹانگ میں درد نہیں ہو رہا تھا میں نے اپنی ٹانگ اوپر کر کے کرسی پر رکھی اور بینڈیج کھولنے لگا۔

''اوصاف یہ تم کیا کر رہے ہو۔۔زخم بگڑ جائے گا'' زاہد چیخا مگر میں نے اس کی بات سنی ان سنی کر دی اور اپنی ٹانگ کی بینڈیج کھولتا رہا جب میں نے پوری بینڈیج اتار دی اور زخم کی جانب دیکھا تو۔۔۔تو میں حیران رہ گیا اب۔۔اب میری ٹانگ پر کوئی زخم نہیں تھا نہ صرف زخم نہیں تھا بلکہ زخم کا نشان تک نہیں تھا ایسا لگتا ہی نہیں تھا کہ میری ٹانگ پر کبھی کوئی چوٹ لگی تھی میں زخم کی جگہ پر ہاتھ پھیرنے لگا مگر مجھے کسی تکلیف کا کوئی احساس نہیں ہوا۔

''یہ۔۔یہ کیسے ہو گیا''؟ زاہد بھی حیرت زدہ رہ گیا۔

''وہ فقیر۔۔۔اللہ والے بزرگ تھے جو میری مدد کو آئے تھے'' میں نے عقیدت سے کہا۔

''اوہ'' زاہد کے منہ سے نکلا۔

''بابا۔۔۔بار بار کہہ رہے تھے کہ من کی آنکھوں سے دیکھو۔۔جو دِکھتا ہے وہ ہوتا نہیں۔۔'' میں بڑبڑایا۔

''اس بات کا کیا مطلب''

"میرا خیال ہے۔۔ہم غلط سمت میں سوچ رہے ہیں۔۔۔مجھے بھی کچھ ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ۔۔جیسے طاہر کی روح کچھ غلط نہیں کر رہی۔۔۔اس حویلی میں کچھ اور ہی کھیل کھیلا جا رہا ہے" میں خود کلامی کے انداز میں بولا۔

"اگر طاہر کی روح یہ سب نہیں کر رہی تو پھر کون ہے؟" زاہد پریشان ہو گیا۔

"مجھے لگتا ہے جیسے طاہر کی روح کچھ کہنا چاہتی ہے۔۔کچھ بتانا چاہتی ہے مگر شائد کوئی طاقت اسے ایسا کرنے سے روک رہی ہے" میں نے پیشانی رگڑتے ہو جواب دیا۔

"زاہد ایک بڑے کمرے میں سفید چادر بچھا دو اور اس کمرے میں لوبان کی دھونی دلوا دو اور حویلی میں موجود تمام لوگوں کو اس کمرے میں جمع کرو۔ میں اپنا عمل شروع کرتا ہوں" میں نے زاہد سے کہا۔

"مگر تمہاری طبیعت"؟

"میری طبیعت بالکل ٹھیک ہے۔۔۔تم فوراً انتظام کرو۔۔ہمارے پاس وقت کم ہے" میں نے کہا تو زاہد سر ہلاتے ہوئے کمرے سے باہر چلا گیا۔

بڑے سے کمرے میں سفید چادر بچھی ہوئی تھی کمرے کے ایک کونے میں لوبان جل رہا تھا جس کی مہک سارے کمرے میں پھیلی ہوئی تھی حویلی کے تمام لوگ اس وقت اس کمرے میں جمع تھے زاہد، شگفتہ، ٹینا، سویٹی اور حویلی کے نوکر چاکر حتیٰ کہ گیٹ پر کھڑا دربان اور حویلی کے گرد حفاظتی پھیرا دیتے گارڈز بھی اس وقت کمرے میں دوزانو بیٹھے تھے میں نے سب پر ایک طائرانہ نظر ڈالی۔

"سب لوگ ہاتھ سینے پر باندھ لے اور ایک دائرے کی صورت میں بیٹھ جائیں۔۔" میں نے کہا تو سب لوگ سفید چادر پر ادب سے دائرے کی صورت میں بیٹھ گئے مجھے کچھ لوگوں کی آنکھوں میں خوف نظر آ رہا تھا تو کچھ آنکھوں میں تجسس کی پرچھائیاں رقص کر رہی تھیں کچھ لوگ بے یقینی کی کیفیت سے دوچار تھے جب سب لوگ دائرے کی صورت میں بیٹھ گئے تو میں نے انہیں چند ہدایات دیں۔

"میں عمل شروع کر رہا ہوں اس عمل کے دوران کوئی شخص حرکت نہیں کرے گا اور نہ ہی کمرے سے باہر جانے کی یا آواز نکالنے کی کوشش کرے گا اگر عمل کے دوران مجھے کچھ ہو یا میرے منہ سے چیخیں وغیرہ نکلیں یا میرے ناک منہ سے خون آ جائے تو گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی مجھے ہلانے جلانے کی کوشش کرنا" میں نے سب کو ہدایت کی جب سب لوگوں نے میری بات سمجھ لی تو میں نے عمل شروع کیا۔

میں آنکھیں بند کئے وظیفہ پڑھ رہا تھا میرے ہونٹ تیزی سے حرکت کر رہے تھے میرا جسم اکڑتا جا رہا تھا میرے جسم میں درد کی ناقابلِ برداشت لہریں اٹھ رہی تھیں تکلیف سے میری جان نکل رہی تھی میں دانت بھینچے وظیفہ پڑھ رہا تھا اچانک میرا اکڑتا جسم ڈھیلا پڑ گیا میرے ذہن پر اندھیرا چھانے لگا ایسا لگا جیسے میں گہری نیند میں سو گیا ہو پھر میرے ذہن پر چھایا ہوا اندھیرا دور ہو گیا میرا باطنی جسم میرے ظاہری جسم سے علیحدہ ہو گیا میں نے دیکھا کہ سب لوگ دائرے کے صورت میں بیٹھے میرے ظاہری جسم کو گھور رہے ہیں میں نے سب لوگوں پر ایک نظر ڈالی اور کمرے سے باہر نکل گیا مجھے طاہر کی روح سے ملنا تھا مجھے حقیقت جاننا تھی لہذا میں حویلی کے ہر کمرے میں داخل ہو کر طاہر کی روح کو ڈھونڈ رہا تھا بالآخر اسٹڈی روم میں ایزی چیئر پر مجھے کوئی بیٹھا ہوا نظر آیا کرسی آہستہ آہستہ ہل رہی تھی میں آگے بڑھا میں نے دیکھا وہ طاہر تھا جو آرام کرسی پر بیٹھا تھا۔

"مجھے یقین تھا انکل آپ ضرور آئیں گے" طاہر کے چہرے پر مردہ مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"لیکن۔۔۔تم۔۔تم دوسری دنیا سے کیوں واپس آئے ہو؟" میں نے پوچھا۔

"آنا پڑا۔۔۔مجھے واپس آنا پڑا اپنے گھر والوں کے لئے۔۔۔مجھے واپس آنا پڑا"

"کیا مطلب"؟

’’مجھے ان کی حفاظت کرنی ہے۔۔۔مگر وہ شیطان مجھ سے بہت زیادہ طاقتور ہے۔۔۔میں اس کا مقابلہ نہیں کر پا رہا۔۔۔آپ۔۔۔آپ اس شیطان کا مقابلہ کرسکتے ہیں۔۔۔پلیز انکل شگفتہ ٹینا اور سویٹی کو بچا لیجئے۔۔۔ورنہ جس طرح اس شیطان نے مجھے قتل کیا اسی طرح وہ سب لوگوں کو قتل کردے گا۔۔۔پلیز انکل سب لوگوں کو صرف آپ بچاسکتے ہیں‘‘ طاہر رو دیا۔

’’کون ہے جس نے تمہیں قتل کیا اور وہ تمہارے خاندان کو قتل کرنا کیوں چاہتا ہے‘‘ میں نے پوچھا۔

’’وہ۔۔۔وہ۔۔۔‘‘ طاہر کہنا چاہتا تھا مگر اس سے پہلے کہ وہ اپنی بات مکمل کرتا ایک سیاہ ہاتھ اندھیرے میں نمودار ہوا اور اس نے طاہر کو گردن سے پکڑ لیا طاہر ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگا۔

’’کون ہے۔۔۔کون ہے‘‘ میں چیخا تو اندھیرے سے نکل کر ایک سیاہ وجود میرے سامنے آگیا اف۔۔۔وہ سیاہ وجود اتنا بھیانک تھا کہ میں ڈر کے مارے کئی قدم پیچھے ہٹ گیا اس سیاہ وجود کی تین آنکھیں تھیں اس کی تیسری آنکھ اس کے ماتھے پر تھی اس کی ناک کی جگہ ایک بڑا سا سوراخ تھا اور اس کے ہونٹ غائب تھے جس کی وجہ سے اس کے لمبے لمبے سرخ نوکیلے دانت باہر کو نکلے نظر آرہے تھے غرض وہ سیاہ وجود اتنا کریہہ الشکل اور بھیانک تھا کہ مجھے بھی اس سے خوف محسوس ہونے لگا۔

’’مرنا ہوگا۔۔۔سب کو مرنا ہوگا اور جو انہیں بچانے کی کوشش کرے گا تو وہ بھی مرے گا‘‘ وہ سیاہ وجود غراہٹ نما آواز میں بولا۔

’’ختم کردو۔۔۔ختم کردو۔۔۔اسے۔۔۔اس کا مادی وجود وہاں۔۔۔وہاں۔۔۔۔‘‘ طاہر نے بولنا چاہا مگر اس سیاہ وجود نے طاہر کی گردن زور سے دبائی تو طاہر کی آواز اس کے حلق میں گھٹ گئی۔

’’بولو طاہر بولو۔۔۔اس کا مادی وجود کہاں ہے؟‘‘ میں چیخا تو طاہر نے بولنا چاہا مگر اس سیاہ وجود نے طاہر کی گردن مزید زور سے دبائی تو طاہر کے منہ سے گھٹی گھٹی چیخیں نکلنے لگیں پھر اس سیاہ وجود نے اپنا دوسرا ہاتھ میری جانب بڑھایا تو اس کا ہاتھ لمبا ہوتا چلا گیا اور اس نے اس ہاتھ سے میری گردن پکڑ لی میں بری طرح مچلنے لگا اور اس سیاہ وجود سے اپنی گردن چھڑانے کی کوشش کرنے لگا میری ناک اور منہ سے خون جاری ہوگیا میں نے جلدی سے دل ہی دل میں وظیفہ پڑھنا شروع کیا جیسے ہی میں نے وظیفہ پڑھنا شروع کیا اچانک مجھے ایک زور کا جھٹکا لگا اور میری گردن اس شیطان کے ہاتھ سے چھوٹ گئی اور میں بڑی زور سے دیوار سے جاٹکرایا مجھے دیوار سے ٹکراتا دیکھ کر اس سیاہ شیطان نے ایک بھیانک قہقہہ لگایا۔

’’سب کو مرنا ہوگا‘‘

یہ آخری الفاظ تھے جو میرے ذہن پر وارد ہوئے اور پھر میرا دماغ اندھیرے میں ڈوب گیا جب مجھے ہوش آیا تو میں کمرے میں بیٹھا ہوا تھا مجھے آنکھیں کھولتا دیکھ کر زاہد جلدی سے میرے پاس آیا۔

’’اوصاف۔۔۔اوصاف تم ٹھیک ہونا‘‘

’’ہاں۔۔۔ہاں‘‘ میرے منہ سے کمزور سی آواز نکلی زاہد نے آگے بڑھ کر مجھے سہارا دیا۔

’’اوصاف۔۔۔تمہارے منہ اور ناک سے خون بہہ رہا ہے‘‘ زاہد ٹشو سے خون صاف کرتا ہوا بولا تو میں نے زاہد سے ٹشو لیا اور اپنے منہ اور ناک سے بہنے والے خون کو صاف کرنے لگا میرا اچھا خاصا خون بہہ گیا تھا جو سرخ دھبوں کی صورت میں سفید چادر پر نمایاں نظر آرہا تھا۔

’’کیا ہوا اوصاف۔۔۔خیریت ہے نا تم نے کیا دیکھا؟‘‘ کچھ دیر بعد جب میں اور زاہد واپس اپنے کمرے میں آئے تو زاہد نے مجھ سے پوچھا۔

’’طاہر نے کچھ نہیں کیا وہ۔۔۔بے چارہ تو دوسری دنیا سے صرف مدد کرنے آیا ہے۔۔۔‘‘ میں نے جواب دیا۔

’’تو پھر کون ہے جو یہ سب کررہا ہے‘‘ زاہد حیران رہ گیا۔

’’وہ سیاہ شیطان ہے بڑی بھیانک شکل والا۔۔۔طاہر بے چارا ابھی اس کے چنگل میں پھنسا ہوا

ہے۔۔وہ شیطان بہت طاقتور ہے‘‘ اس سیاہ شیطان کا تصور کرکے مجھے جھرجھری آ گئی۔

’’شیطان۔۔سیاہ شیطان وہ اس حویلی میں کیسے آ گیا‘‘؟ زاہد پریشان ہو گیا۔

’’کوئی نہ کوئی تو اسے اس حویلی میں لیکر آیا ہے۔۔اس سیاہ شیطان کا مادی وجود اس حویلی میں کہیں نہ کہیں ہوگا۔۔۔ ہمیں اس مادی وجود کو ڈھونڈ کر ختم کرنا ہوگا تو ہی وہ شیطان ختم ہوگا۔‘‘ میں جواب دیا اتنا لمبا جملہ بولنے کی وجہ سے میں نڈھال ہو گیا اور بستر پر گر پڑا۔

’’اوصاف۔۔ابھی تم زیادہ نہ سوچو تمہیں بہت کمزوری ہو رہی ہے۔۔تم یہ دوائی پی لو‘‘ زاہد چمچے میں دوائی نکالتا ہوا بولا تو میں نے چپ چاپ دوائی پی لی، دوائی پیتے ہی مجھے غنودگی آنے لگی اور میں سو گیا۔

جب میری آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا کہ کمرے میں میرے علاوہ کوئی نہیں ہے میں بستر پر اٹھ کر بیٹھ گیا تھوڑی دیر سستی دور کرنے کے بعد میں واش روم گیا اور نہا دھو کر فریش ہو گیا اب میری طبیعت کافی بہتر تھی سونے سے پہلے جو کمزوری مجھے محسوس ہو رہی تھی وہ اب دور ہو چکی تھی۔نہانے کے بعد جب میں واش روم سے باہر نکلا تو میں نے دیکھا کمرے میں ایک نوکر ہاتھ باندھے میرا منتظر ہے۔

’’زاہد کہاں ہے؟‘‘ میں نے نوکر سے پوچھا۔

’’بڑے صاحب حویلی سے باہر گئے ہیں‘‘ نوکر نے ادب سے جواب دیا۔

’’ایک کپ اچھی سی چائے لے کر آؤ‘‘ میں نے نوکر سے کہا تو وہ جی اچھا کہہ کر کمرے سے باہر چلا گیا میں نے وقت گزاری کے لئے کسی کتاب کی تلاش میں کمرے پر ایک طائرانہ نظر ڈالی مگر کمرے میں کوئی کتاب نہ تھی کمرے کے کونے میں رکھی میز پر ایک کاپی رکھی تھی میں دھیرے دھیرے چلتا ہوا میز تک آیا اور وہ کاپی اٹھائی کاپی میں کافی ورق خالی تھے میں نے میز کی دراز کھول کر اس میں سے ایک پنسل نکالی اور کاپی کے سادہ ورق پر ایک تصویر بنانے لگا میری ڈرائینگ شروع سے اچھی تھی میں سوچ سوچ کر تصویر بنا رہا تھا میں اس سیاہ شیطان کی تصویر بنا رہا تھا جو اس حویلی میں موت کا کھیل کھیل رہا ہے۔

کچھ ہی دیر گزری تھی کہ زاہد کمرے میں داخل ہوا۔

’’اٹھ گئے‘‘ زاہد کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولا۔

’’ہاں‘‘

’’اب طبیعت کیسی ہے؟‘‘

’’ٹھیک ہے نہانے دھونے سے طبیعت فریش ہو گئی‘‘ میں نے تصویر بناتے ہوئے جواب دیا۔

’’چائے منگواؤں‘‘

’’میں نے نوکر سے کہہ دیا ہے وہ چائے لاتا ہی ہوگا‘‘ میں جواب دیا تو زاہد سر ہلانے لگا۔

’’یہ کیا کر رہے ہو؟‘‘ کچھ دیر بعد زاہد نے مجھ سے پوچھا۔

’’اس شیطان کی تصویر بنا رہا ہوں جو اس حویلی میں موت کا کھیل کھیل رہا ہے‘‘ میں نے جواب دیا اور کاپی زاہد کے سامنے کر دی تصویر میں تقریباً مکمل کر چکا تھا۔

’’اسے۔۔۔اسے میں نے کہیں دیکھا ہے‘‘ زاہد تصویر دیکھ کر سوچتے ہوئے بڑبڑایا۔

’’کہاں۔۔کہاں دیکھا ہے‘‘ میں جوش میں کھڑا ہو گیا۔

’’کہاں دیکھا ہے۔۔؟‘‘ زاہد بڑبڑاتے ہوئے سوچ رہا تھا۔

’’سوچو۔۔زاہد سوچو۔۔اگر ہمیں اس شیطان کا مادی وجود مل گیا تو۔۔تو ہم اس شیطان کو شکست دے سکتے ہیں‘‘ میں نے جوش سے بھرے لہجے میں کہا تو زاہد سوچنے لگا۔

’’کیسی طبیعت ہے انکل آپ کی؟‘‘ شگفتہ کی آواز آئی تو میں نے پلٹ کر دیکھا شگفتہ کمرے کے دروازے سے اندر داخل ہو رہی تھی شگفتہ کے ساتھ نوکر بھی تھا جس کے ہاتھ میں ٹرے تھی جس میں چائے اور دیگر لوازمات رکھے تھے شگفتہ نے اشارے سے نوکر کو

ٹرے میز پر رکھنے کا کہا تو نوکر ٹرے میز پر رکھ کر کمرے سے باہر چلا گیا۔

"اب طبیعت ٹھیک ہے" میں نے مسکرا کر جواب دیا۔

"شگفتہ بیٹی۔۔ دیکھو۔۔ اس تصویر کو ہم نے کہاں دیکھا ہے اس کو؟" زاہد نے کاپی شگفتہ کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا تو شگفتہ نے ایک نظر کاپی پر بنی تصویر پر ڈالی تو اس کا رنگ اڑ گیا اور کاپی اس کے ہاتھ سے گر پڑی۔

"کیا ہوا شگفتہ؟" زاہد نے پوچھا۔

"یہ۔۔ یہ تانترا ہے" شگفتہ بولی۔

"تانترا۔۔ ہاں یاد آیا۔۔ یہ تانترا ہے۔۔ افریقی شیطان۔۔۔ مگر یہ اس حویلی میں کیسے آیا؟" میں نے جوش میں بھر گیا مجھے یاد آ گیا کہ تانترا کے متعلق میں نے کہیں ایک مضمون پڑھا تھا۔

"پچھلے سال طاہر افریقہ گئے تھے تو وہاں سے ایک قدیم مجسمہ لے کر آئے تھے انہیں وہ مجسمہ ایک وچ ڈاکٹر نے دیا تھا طاہر وہ مجسمہ ڈرائنگ روم میں رکھنا چاہتے تھے مگر وہ مجسمہ اتنا خوفناک اور کریہہ الشکل تھا کہ میں انہیں وہ ڈرائنگ روم میں نہ رکھنے دیا۔ طاہر ہی نے مجھے بتایا تھا کہ یہ تانترا کا مجسمہ ہے۔" شگفتہ بولی۔

"اب۔۔ اب وہ مجسمہ کہاں ہے؟" میں نے جلدی سے پوچھا۔

"اوپر کے کمرے میں۔۔ جہاں طاہر اپنا انٹیک Antique سامان رکھتے تھے۔۔" شگفتہ بولی۔

"ہمیں فوراً اس کمرے میں چل کر اس مجسمے کو نیست و نابود کر دینا چاہئے وہ مجسمہ ہی اس سیاہ شیطان تانترا کا مادی جسم ہے" میں نے جلدی سے کہا۔

"کیا؟" شگفتہ کے منہ سے نکلا۔

"ہاں۔۔ یہی شیطان ہے جو اس حویلی میں موت کا بھیانک کھیل کھیل رہا ہے اسی نے طاہر کو بھی مارا اور اب یہ سوئیٹی کی جان کا دشمن بنا ہوا ہے" میں نے شگفتہ کو جواب دیا۔

"کیا۔۔ کیا طاہر کو قتل کیا گیا" شگفتہ چیخ پڑی۔

"ہاں"

میرے جواب سے شگفتہ کی آنکھیں بھر آئیں۔

"شگفتہ ہمیں اس کمرے میں لے کر چلو جہاں تانترا کا مجسمہ رکھا ہے" میں نے شگفتہ سے کہا تو شگفتہ اپنے آنسو پونچھتی ہوئی کمرے کے دروازے کی جانب چل دی اس کے پیچھے پیچھے میں اور زاہد بھی کمرے کے دروازے کی جانب بڑھے سیڑھیوں کے ذریعے حویلی کی اوپری منزل پر پہنچ کر شگفتہ ایک کمرے کے سامنے رک گئی۔

"یہ کمرہ ہے جہاں تانترا کا منحوس مجسمہ رکھا ہے" شگفتہ نے کہا تو میں نے آگے بڑھ کر دروازے کا لاک گھمایا اور دروازہ کھول دیا دروازہ کھول کر ہم تینوں ایک ساتھ کمرے میں داخل ہوئے تو۔۔۔ تو دھک سے رہ گئے۔ سامنے میز پر تانترا کا مجسمہ رکھا تھا مگر جس میز پر تانترا کا سیاہ مجسمہ رکھا تھا اس میز کے سامنے۔۔۔۔ جی ہاں اس میز کے سامنے سوئیٹی کھڑی ہم تینوں کو خونخوار نظروں سے گھور رہی تھی، وہ مجسمے کے سامنے ایسے تن کر کھڑی تھی جیسے مجسمے کی حفاظت کر رہی ہو۔

"سوئیٹی بیٹا آپ۔۔۔ آپ یہاں کیا کر رہی ہیں؟" شگفتہ بے تابانہ سوئیٹی کی جانب بڑھی مگر اس سے پہلے کہ شگفتہ سوئیٹی تک پہنچتی سوئیٹی نے زور سے چیخ ماری، چیخ مارنے کے لئے سوئیٹی کا منہ بھیانک انداز میں کھلا، سوئیٹی کا منہ اتنا زیادہ کھلا کہ اس کا نچلا دہانہ اس کے سینے کو آ لگا اور اس کی زبان ایک فٹ جتنی لمبی ہو گئی اور سوئیٹی کے منہ سے باہر نکل کر کسی سانپ کی طرح لہرانے لگی اور سوئیٹی کے منہ سے نکلنے والی چیخ اتنی بھیانک تھی کہ ہمیں لگا ہمارے کان پھٹ گئے، اسی وقت سوئیٹی نے اپنا بایاں ہاتھ اوپر کیا اور ہاتھ کو جھٹکا دیا تو ہم تینوں اپنی جگہ سے اچھل کر پیچھے دیوار سے ٹکرا گئے، دیوار سے ٹکرا کر ہم تینوں فرش پر گر پڑے فرش پر گرتے ہی میں تیزی کے ساتھ اٹھ کر کھڑا ہو گیا زاہد بھی جلدی سے کھڑا ہو گیا مگر شگفتہ فرش پر پڑی کرا رہی تھی زاہد نے آگے بڑھ کر شگفتہ کو سہارا دیا اور اسے اٹھ کر کھڑے ہونے میں مدد کی۔

"آ۔۔ آج تم سب مرو گے؟" سوئیٹی کے منہ

سے بھیانک غراہٹ والی آواز برآمد ہوئی، سوئیٹی کی ایسی بھیانک آواز سن کر زاہد اور شگفتہ پریشان ہوگئے۔

’’سوئیٹی کے اندر تانترا کی روح حلول کرگئی ہے‘‘ میں نے آہستہ سے زاہد اور شگفتہ کو بتایا۔

’’تمہیں۔۔جانا ہوگا تانترا۔۔۔تمہیں خدا کے حکم سے جہنم میں جلنا ہوگا۔۔تم جہنم کے آخری حصے ہاویہ میں جلو گے جہاں خدا نے تمہارے جیسے شیطانوں کو جلانے کے لئے آگ بھڑکائی ہے‘‘ میں نے کہا اور اپنی جیب سے دم کئے پانی کی بوتل نکالی اور اپنے بزرگوں کا عطا کردہ وظیفہ پڑھتے ہوئے اس پانی کا چھینٹا سوئیٹی کے منہ پر مارا تو جیسے ہی پانی سوئیٹی کے چہرے پر پڑا سوئیٹی کے منہ سے ایک دردناک چیخ نکلی اور وہ فرش پر گر پڑی اور پھر سوئیٹی کے منہ اور ناک سے سیاہ رنگ کا دھواں نکلنے لگا، وہ سیاہ دھواں سوئیٹی کے اندر سے نکل کر تانترا کے مجسمے میں گھس گیا، جیسے ہی سیاہ دھواں تانترا کے مجسمے میں داخل ہوا بے جان مجسمے میں جان پڑ گئی اور مجسمے کا قد بڑا ہونے لگا اور وہ مجسمہ چار فٹ سے زیادہ بلند ہوگیا، تانترا کی روح اس کے مادی وجود میں پہنچ گئی تھی۔

تانترا خونخوار نظروں سے مجھے دیکھ رہا تھا اسے سب سے زیادہ خطرہ مجھ سے ہی تھا لہٰذا اس کی ساری توجہ میری جانب تھی اس نے مجھے دیکھتے ہوئے اپنا ہاتھ میری جانب کیا اور ہاتھ کو اوپر اٹھایا تو میں بھی زمین سے اوپر اٹھ گیا میرے پیر ہوا میں زمین ڈھونڈ رہے تھے، تانترا نے اپنے ہاتھ کو گھمایا تو میں فضا میں گول گول گھومنے لگا، میرے منہ سے ہلکی ہلکی چیخیں نکلنے لگیں پھر تانترا نے سوئیٹی کی جانب دیکھا۔

’’جاؤ کھڑکی سے باہر کود جاؤ‘‘ تانترا نے سوئیٹی کو حکم دیا تو سوئیٹی کسی معمول کی طرح تانترا کا حکم پا کر کمرے کی کھڑکی کی جانب بڑھنے لگی، سوئیٹی کا چہرہ بالکل بے تاثر تھا صاف لگ رہا تھا کہ وہ ٹرانس میں ہے، تانترا نے پوری طرح سے سوئیٹی کو قابو کرلیا ہے۔ سوئیٹی کو کھڑکی کی جانب بڑھتا دیکھ کو شگفتہ تیزی کے ساتھ آگے بڑھی تاکہ سوئیٹی کو کھڑکی سے باہر کودنے سے روک سکے۔۔۔مگر وہ کسی انجان ان دیکھی دیوار سے ٹکرا کر گر پڑی، یہ دیکھ کر تانترا نے زور کا قہقہہ لگایا۔

’’سب مریں گے۔۔۔مگر پہلے سوئیٹی کی باری ہے‘‘

سوئیٹی بے تاثر چہرہ لئے کھڑکی پر چڑھ گئی شگفتہ اور زاہد چیخ چیخ کر سوئیٹی کو ایسا کرنے سے روک رہے تھے مگر سوئیٹی ان کی آواز نہیں سن رہی تھی سوئیٹی کھڑکی کے چوکھٹ پر چڑھی اور باہر کود گئی، میں نے خوف کے مارے آنکھیں بند کرلیں کیونکہ تیسری منزل سے کودنے کا مطلب صاف موت ہے پھر میں نے ڈرتے ڈرتے آنکھیں کھولیں تو خوشی سے اچھل پڑا کیونکہ سوئیٹی کھڑکی سے باہر فضا میں لٹکی ہوئی تھی، اسے طاہر کی روح نے گرنے سے روک لیا تھا، طاہر سوئیٹی کو بحفاظت کمرے میں لایا اور کمرے کے فرش پر اتار دیا۔

’’تجھے اس حرکت کی سزا بھگتنی ہوگی‘‘ تانترا کی غصیلی آواز کمرے میں گونجی پھر اس نے اپنا منہ طاہر کی جانب کر کے پھونک ماری تو طاہر کے منہ سے ایک دردناک چیخ نکلی اور وہ کئی ٹکڑوں میں بٹ گیا مگر پھر طاہر کی روح دوبارہ اکٹھی ہوئی اور تانترا سے لپٹ گئی تانترا کی توجہ مجھ پر سے ہٹ گئی تو میں دھڑام سے فرش پر گر پڑا فرش پر گرتے ہی میں پھرتی کے ساتھ کھڑا ہوا اور کسی ہتھیار کے لئے کمرے میں نظریں دوڑانے لگا تاکہ اس ہتھیار سے تانترا پر وار کرسکوں۔

میز کی دراز میں لکڑی سے بنی میخ رکھی ہے وہ میخ نکال کر تانترا کے سینے کے بائیں جانب گھونپ دو تانترا جہنم واصل ہو جائے گا‘‘ میرے کانوں میں ڈھابے والے بابا کی آواز گونجی تو میں حیران ہوکر چاروں طرف دیکھنے لگا، بابا نظر نہیں آرہے تھے مگر مجھے ان کی آواز صاف سنائی سے رہی تھی۔

’’جلدی کرو۔۔۔میخ نکالو اور تانترا کو جہنم واصل کردو‘‘ ایک بار پھر بابا کی آواز میرے کانوں میں گونجی تو میں جلدی سے میز کے پاس آیا اور میز کی دراز کھولی اس دراز میں ایک میخ رکھی تھی، جیسے ہی میں نے میخ دراز سے باہر نکالی، میخ چمکنے لگی، میں میخ ہاتھ میں پکڑ کر تانترا کی

جانب بڑھا، تانترا اور طاہر کی روح مسلسل نبرد آزما تھی، میں تانترا کے قریب پہنچا اور جیسے ہی مجھے موقع ملا میں نے تانترا کے دل میں میخ گھونپ دی۔

"خدا کے لئے۔۔۔۔ خدا کے حکم اور خدا کی مرضی سے جہنم میں جاؤ۔۔۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے" میں مسلسل وظیفہ پڑھ رہا تھا۔ میخ لگتے ہی تانترا کے منہ سے بھیانک چیخ نکلی اور وہ لڑکھڑا کر فرش پر گر پڑا ساتھ ہی اس کے جسم سے سیاہ دھواں نکلنے لگا اور اس سیاہ دھوئیں کو ایک چمکدار سنہری لکیر نے اپنے گھیرے میں لے رکھا تھا پھر وہ سنہری لکیر اس سیاہ دھوئیں کو آسمان کی جانب لے گئی، کمرے میں تانترا کے جسم کو آگ لگ گئی اور ذرا سی دیر میں کمرے میں تانترا کے مجسمے کے بجائے صرف سیاہ راکھ رہ گئی۔

میں جلدی سے سویٹی کے پاس پہنچا اور سویٹی کو سہارا دے کر شگفتہ کے پاس لیکر آیا شگفتہ نے سویٹی کو خود سے لپٹا لیا اور رونے لگی۔

"اب رونے کی ضرورت نہیں ہے۔۔۔ سب ٹھیک ہو گیا تانترا جہنم واصل ہو چکا ہے" میں نے شگفتہ اور سویٹی کو تسلی دی۔

"پپا" سویٹی طاہر کی روح کو دیکھ کر بولی جو کہ اب آہستہ آہستہ نظروں سے اوجھل ہو رہا تھا۔

"تمہارا بہت بہت شکریہ طاہر۔۔۔ اگر تم بروقت مدد نہیں کرتے تو۔۔۔ جانے کیا ہو جاتا؟" میں طاہر سے مخاطب ہوا۔

"طاہر ہمیں معاف کر دو ہم لوگوں نے تمہیں غلط سمجھا" شگفتہ بھی بول اٹھی۔

"مجھے آپ سب سے بہت محبت ہے۔۔۔ مگر اب میرے جانے کا وقت ہو گیا ہے۔۔۔ میرا بلاوا آ گیا ہے۔۔۔ بڑی مشکل سے میں اس دنیا سے نکل کر آپ لوگوں کی مدد کے لئے آیا تھا، اللہ کا شکر ہے ہم کامیاب رہے تانترا اب جہنم کی آگ میں جل رہا ہو گا اس کی راکھ کو جمع کر کے کسی ایسی جگہ گہرائی میں دبا دینا جہاں سے کوئی اسے نکال نہ سکے۔" طاہر بولا ساتھ ہی وہ آہستہ آہستہ فضا میں بلند ہونے لگا۔

"پپا" سویٹی چیخی "سویٹی بیٹا مرنے والے کو یاد کرتے ہیں مگر مرنے والے کے ساتھ مرا نہیں کرتے۔۔۔ تم خوش رہو گی تو میں بھی دوسری دنیا میں خوش رہو گا وعدہ کرو سویٹی بیٹا تم خوش رہو گی زندگی کو انجوائے کرو گی" طاہر مسلسل فضا میں بلند ہو رہا تھا پھر طاہر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

"وعدہ پپا۔۔۔ میں خوش رہوں گی" سویٹی اپنے آنسو پونچھتی ہوئی بڑبڑائی تو شگفتہ نے ایک بار پھر سویٹی کو گلے سے لگا لیا۔

"اب یہ حویلی تانترا کے ناپاک وجود سے پاک ہو چکی ہے۔۔۔ میں اس کی راکھ کو جمع کر لیتا ہوں تاکہ کہیں دور جا کر اس کی راکھ کو زمین میں دبا سکوں" میں نے کہا اور ایک مضبوط لفافے میں تانترا کی راکھ جمع کرنے لگا۔

"تمہارا بہت بہت شکریہ اوصاف" جب میں تانترا کی راکھ جمع کر کے کھڑا ہوا تو زاہد بولا۔

"دوستی میں تھینک یو۔۔۔ یا شکریہ نہیں کہتے میرے دوست۔۔" میں نے زاہد کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"پھر بھی تمہارا شکریہ" زاہد مسکرا کر بولا۔

"تم نہیں سدھرو گے" میں نے ہنستے ہوئے کہا" اب جلدی سے گاڑی نکالو تاکہ جلد از جلد تانترا کی اس راکھ سے بھی پیچھا چھڑایا جا سکے" میں نے کمرے سے باہر نکلتے ہوئے زاہد سے کہا تو زاہد بھی میرے پیچھے کمرے سے نکل آیا۔

تھوڑی دیر بعد میں اور زاہد گاڑی میں بیٹھے جنگل کی جانب رواں دواں تھے اور میں آنکھیں بند کئے خاموشی سے بیٹھا پچھلے واقعات پر غور کر رہا تھا اور طاہر کی اپنے گھر والوں سے محبت پر عش عش کر رہا تھا جو اپنے گھر والوں کو بچانے کے لئے دوسری دنیا سے آیا اور نتائج کی پرواہ کئے بغیر اپنے سے زیادہ طاقتور دشمن سے ٹکرا گیا۔

